جلد ۲ نمبر ۱ — آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل — جنوری ۱۹۱۳ء

ادیب

ادبِ اُردو کا ایک ماہوار مصوّر رسالہ

اڈیٹر:- میر حسین عظیم آبادی
(سابق محقق السنۂ مشرقیہ سرکار ہند)

تصاویر:- (۱) اہلیا (رنگین)
(۲) چاند بی بی (۳) مہاراجہ بڑودہ (۴) مجلس میر نفیس لکھنوی (۵) جدید عمارت یونیورسٹی الہ آباد

مضامین

قیمت سالانہ چار ...
اپورو کرشنا بوس پرنٹر و پبلشر نے انڈین ...



ہندوستان، بیدار ہو جا

اور اپنے ملک کی تجارت کی حمایت کر۔ اپنے پوشاک کے سامان ایسے کارخانہ سے خرید کر اظہار قومیت کا ثبوت دو جو ہزارہا ہندوستانیوں کو نوکریاں دیتا ہے اور جو تمہارے ملک کے صلاح و فلاح کے سامان بہم پہونچاتا ہے۔

لال املی

جو بالکل اُون ہی اُون ہے

اہل ہند کے لئے ہندوستانی کارکنان کے ذریعہ سے بیچوں بیچ ہندوستان میں تیار کیا جاتا ہے اور جسکو سارے لوگ نفیس ترین سامان پوشیدنی جو دستیاب ہو سکتے ہیں تسلیم کرتے ہیں۔ ہندوستان کے لئے یہ مایۂ فخر ہے۔ مشہور لال املی کے سامان پوشاک، اچھے کوٹ کے کپڑوں، ٹوئیڈس کمبل۔ لوئی قمیص وغیرہ وغیرہ کے نمونے اور شرح قیمت کیلئے لکھئے جو مفت بھیجے جاتے ہیں۔

کانپور اولن ملس کمپنی لمیٹیڈ۔ کانپور



ادیب کا نیا دور

اس مہینے سے ادیب کے چوتھے سال اور ساتویں جلد کی ابتدا ہوتی ہے - اب جدید انتظامات کئے گئے ہیں اور اس ماہ سے ادیب کو ایسے تجربہ کار ہاتھوں میں دیا گیا ہے جس سے قوی اُمید ہے کہ یہہ رسالہ اپنے اغراض و مقاصد کا پورا نمونہ ہوگا -

اس امر کے اظہار کرنے میں بڑی مسرت ہوتی ہے کہ ادیب کے لئے مشہور اہل قلم کی خدمات حاصل کی گئی ہیں - اب سے ادیب کے مہتمم ہمارے کارخانے کے لائق علمی مشیر اور مسلم الثبوت زباندان مولانا مرزا ابوالفضل صاحب بالقابہ ہونگے جو انگریزی سنسکرت عربی فارسی اُردو اور بنگلہ زبانوں پر یکساں طور پر حاوی ہیں- آپ سابق میں سرکار ہند کی طرف سے مستشرقی مترجم بھی رہ چکے ہیں - مذاہب عالم سے متعلق آپکی تاریخی و فلسفیانہ تحقیقات کافی معلومات سے مالا مال ہیں - سب سے زیادہ آپکی تصانیف کی عام مقبولیت آپکے کمالات کے لئے کافی سند ہے -

اسکی اڈیٹری جناب مولانا میر حسیر صاحب عظیم آبادی کے ہاتھوں میں دی گئی ہے - ممدوح نے سرکار ہند کی ماتحتی میں بہت سے علمی صیغوں میں کام کیا ہے - ایک زمانے تک آپ امپیریل لائبریری و ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے مستشرقی بہروں سے متعلق رہے ہیں - آپ کلکتہ یونیورسٹی کے سند یافتہ ہیں - فائلولوجی یعنی علم اللسان کے اچھے ماہر ہونے کے علاوہ آپ ایک تجربہ کار اڈیٹر ہیں - آپکی شہرت محتاج بیان نہیں -

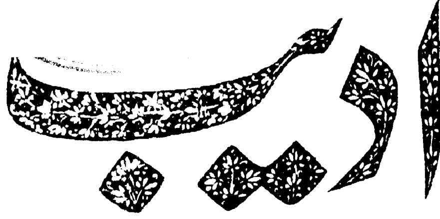
مجھے کافی اُمید ہے کہ اس اہتمام و انتظام سے ادیب یقینی اپنے اُسی طرز کا ایک خوش اسلوب و ترقی پزیر نمونہ ہوگا جسکا وہ مؤید ہے اور جو بطور مسلک اسکے سرلوح لکھا ہوا ہے - مجھے اسکی بھی کامل اُمید ہے کہ نامور انشا پردازان جو اُردو کے ہمدرد ہیں اپنے بیش بہا مضامین سے آزادانہ مدد کرتے رہینگے اور ادیب جو علم و اخلاق کا حامی ہے اُسکی طرف خاص توجہ مبذول فرما کر اسکی صلاح و فلاح کے بہترین سامان بہم پہنچائینگے -

مالک ادیب



اهلیا
عالم مصوریت کی ایک دلکش تصویر

انڈین پریس الہ‌آباد



فلسفۂ غالب

[جذبات و تصورات سے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں اُن کو سچے تلے ہوئے الفاظ میں ظاہر کردینے کی صنعت کا نام ہے شاعری اور علم وجود موجودات خواہ جملہ مناظر کے اسباب و اصول کی دانست کا نام ہے فلسفہ؛ اس اعتبار سے فلسفہ و شاعری میں وہی فرق ہے جو ظاہر و باطن میں؛ چونکہ ہر شے کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں - پیدا و پنہاں، اسلئے ان کا لازم و ملزوم ہونا بھی ضروری ہے؛ اور جب یہ کیفیتیں یکجا ہو جا سکتی ہیں تو شاعری کے تحت میں فلسفہ کا آجانا غیر ممکن نہیں ہے - حضرت موہوم کا موضوع اصلی یہی ہے اور اس کی زندہ مثال غالب کے حالات و خیالات سے اخذ کرکے ممدوح دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، جو مضمون کے دلچسپ بنانے کے لئے کافی ہے - یوں تو ایرانی شعرا میں سلطان ابوالخیر ابوسعید، عمر خیام، بابا افضل کاشی، ابن یمین، سعدی، حافظ وغیرہ اور ہندوستان میں تلسی داس، سور داس، کبیر داس وغیرہ ایسے ممتاز ہو گذرے ہیں جن کے کلام میں ایسے فلسفیانہ خیالات بحد موجود ہیں - لیکن اب نہ وہ زبانیں یہاں مروج ہیں اور نہ روشن خیال اس طرف متوجہ ہوتے ہیں - حالانکہ تنقید کلام ایک اعلیٰ فن ہے جس کی طرف اہل قلم کو خصوصیت کے ساتھ رجوع ہونا چاہئے - یہ صحیح ہے کہ شعر گوئی سے شعر فہمی مشکل ہے - خود سمجھ لینا آسان ہے مگر اوروں کو سمجھانا دشوار ہے - پھر بھی حضرت موہوم کو اس تنقید کلام میں ایک حد تک غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے - اڈیٹر]

فلسفہ اور شاعری بظاہر دونوں بالکل متضاد چیزیں نظر آتی ہیں، شعرا کے حالات زندگی بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہیں؛ لیکن زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ فی نفسہ، یہ دونوں چیزیں متحد الماہیت ہیں، تضاد جو کچھ ہے وہ ان کی ماہیت میں نہیں، بلکہ اسلوب بیان میں ہے - فلسفہ کا منشا کیا ہے؟ موجودات عالم کے مختلف مظاہر کے مشاہدہ پر التفانہ کرکے ان کی تہ بن جانا،

اور اس سے نفسِ انسانی پر جو اثرات مترتب ہوتے ہیں، اُن سے ایک سبق آموز ہدایت حاصل کرنا۔ لیکن یہ بعینہ وہ مقاصد ہیں، جنھیں ایک اعلیٰ شاعری بھی پورا کرتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ فلسفہ دلائل و براہین سے کام لیتا ہے، اور شاعری احساساتِ طبعی سے۔ فلسفہ کا تخم، استدلال کی آب و ہوا میں نشو و نما پاتا ہے، اور شاعری کے پھولوں کی آبیاری، وجدان سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک وجودِ روح کا مسئلہ ہے۔ ایک فلسفی پہلے خواص مادہ کا استقصاء کرتا ہے، ہیئتِ حیات پر غور کرتا ہے، طبعی اصول کو پیشِ نظر رکھتا ہے، علم النفس سے مدد لیتا ہے، پھر ان سب شواہد کو مقدمات کی شکل میں ترتیب دیکر قوانینِ منطق کی رو سے اُن پر ردّ و قدح کرتا ہے، اس کے بعد کہیں وہ شاید وجودِ روح کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ لیکن شاعر کو ان مراحل کے طے کرنے کی مطلق ضرورت نہیں، احساساتِ طبعی کی مدد سے اس کا ذہن از خود اس یقین پر پہنچ جاتا ہے، کہ انسان سے جو افعال سرزد ہوا کرتے ہیں، یہ محض مادہ کی ترکیب کا نتیجہ نہیں، بلکہ ضرور کوئی جوہرِ لطیف اُن کا محرک ہے، اور اس کے اس عقیدہ کو کوئی استدلال نہیں زائل کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے احساسات شاعر سے ملتے جلتے ہوتے ہیں، وہ بلا تامل اس کی باتیں قبول کر لیتے ہیں۔ گویا ان کے دل خود بخود اندر سے اس کی تائید میں گواہی دینے لگتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کا مذاق اس سے مختلف ہوتا ہے، ان کے سامنے شاعر بالکل بےبس ہو جاتا ہے، اور کسی بُرہان اور حجت سے انھیں اپنا ہم خیال نہیں بنا سکتا۔ گویا ایک ہی صداقت، ایک ہی حقیقت، کو شاعر وجدانی حیثیت سے دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، اور فلسفی استدلالی حیثیت سے۔

اس اسلوبِ بیان کے علاوہ، شاعر اور فلسفی میں پروازِ فکر کے لحاظ سے ایک خاص فرق یہ ہوتا ہے کہ ایک حکیم تشخصات و خصوصیاتِ انفرادی کی آلودگی سے حتی الامکان اپنا دامن بالکل پاک رکھتا ہے، حالانکہ شعرا اسی دریا کی مچھلی ہوتے ہیں۔ روزانہ زندگی کے جزئی واقعات، فلسفی کے بھی پیشِ نظر رہتے ہیں لیکن وہ ان کا مطالعہ کرتے وقت ان کے مختصاتِ شخصی سے بالکل قطع نظر کر لیتا ہے، بلکہ صرف ان کے خواصِ عمومی کو منتزع کر کے انھیں ایک مجرّد کُلیہ کی صورت میں ترتیب دے دیتا ہے لیکن شاعری کے مذہب میں یہ تجرید و انتزاعِ خواص ایک معصیتِ عظیم ہے۔ شاعر بجائے کُلیات قایم کرنے کے، جزئیات ہی میں سے ایک کا انتخاب کر لیتا ہے، مگر وہ جزئیہ ایسا ہوتا ہے کہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے اس کُلی کے تمام افراد پر یکساں طور پر منطبق ہوتا ہے مثلاً ایک فلسفی اگر یہ مسئلہ بتانا چاہتا ہے، کہ دُنیا میں قبولیتِ اثر کے مختلف مدارج ہوتے ہیں، اور ہر شے، دیگر اشیاء سے اپنی استعدادِ قبولیت کے مطابق متاثر ہوتی ہے، تو وہ اس کو بعینہٖ اسی پیرایہ میں بیان کر دے گا، لیکن شاعر اسی مفہوم کو، بجائے کسی کُلیہ کے قالب میں ڈھالنے کے، ایک مثال کے ذریعہ سے ادا کرے گا، چنانچہ سعدی نے بارش اور زمین کی استعداد و قبولیت کی تمثیل اختیار کی ہے:-

"باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس"

غالب نے اسی مفہوم کو، اس سے بھی لطیف تر پیرایہ میں ادا کیا ہے:-

"توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا"

یہ سچ ہے کہ کہیں کہیں شاعر بھی تمثیلات کے بجائے کُلیات، اور مادیات کی جگہ مجرّدات سے کام لینے لگتا ہے، لیکن ایسی حالت میں یقیناً اس کا قدم فلسفہ کی سرحد میں جا پڑتا ہے، اور اس کو ایک فلسفی سے ممتاز کرنیوالی

کوئی شے بجز اس کے نہیں باقی رہتی کہ اس کا کلام منظوم ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ بناء امتیاز کس قدر سطحی ہے۔

غرض فلسفہ اور شاعری کی راہیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن دونوں کی منزلِ مقصود ایک ہی ہے۔ بایں ہمہ چونکہ شاعری کا راستہ تمامتر جذبات کے خوشنما پھولوں اور وجدانیات کے نظر فریب مناظر سے آراستہ ہے، اسلئے بہتیرے مسافر اس پر قدم رکھکر راستہ کی دلفریبیوں میں ایسا محو ہوجاتے ہیں، کہ منزلِ مقصود کی جانب نظر اُٹھانے کی بھی مہلت نہیں پاتے۔ چنانچہ شعرا کی بیشتر جماعت، تشبیہات و استعارات، تلمیحات و کنایات، حُسن عشق کی داستانوں، اور صنایع لفظی وغیرہ کو، ان پر حیثیت آلی سے نظر کرنے کی جگہ مقصود بالذات سمجھ لیتی ہے گویا جو چیزیں شاعری کے چہرہ پر آب و رنگ کا کام دیتی ہیں، وہ انھیں کو اس کی روح و مدارِ حیات قرار دے لیتی ہے لیکن ہر ملک و ہر زمانہ میں مستثنیات کے طور پر بعض شعرا ایسے بھی پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے شاعری کے حقیقی مقصد کو پہچانا، اور عام شاہراہ سے ہٹ کر وہ روش اختیار کی جس کے باعث ان کا نام شعرا اور علماء دونوں گروہوں میں مساوی احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ایران کے عمر خیام و حافظ، جرمنی کے گیٹے و شلر، انگلستان کے براؤننگ و ٹینیسن، میں سے کونسا شاعر ایسا ہوا ہے، جس کا فلسفۂ حیات، دُنیا کے کسی فلسفی کی تعلیمات سے کچھ کم وقیع ہے؟

اُردو شاعری اب بھی نسبتاً بہت کم عمر ہے، اور آج سے نصف صدی پیشتر تو گویا اُس کا بچپن ہی تھا، لیکن قدرت کی فیاضیاں، تقویمِ انسانی کی قایم کردہ حدود کی پابند نہیں ہوتیں، اور یہ انھیں کی شتاب کاریوں کا نتیجہ تھا، کہ اُنیسویں صدی کے ربعِ ثانی میں جبکہ ہندوستان ظاہراً سیاسی، اور باطناً اخلاقی و ذہنی حیثیت سے مغرب کے مقابلہ میں شکست پر شکست کھا رہا تھا، اور اس کے کمالاتِ علمی ایک ایک کرکے مٹتے جارہے تھے، دفعتہً دلّی کی سرزمین پر ایک ایسا شخص عالمِ وجود میں آگیا، جس کی نظر شاعری کے حقیقی مقصد تک پہنچ گئی، اور جس کے وجدانِ صحیح نے اس کو اسرارِ فطرت کا رازدار بنا دیا۔ درحقیقت اُردو شعرا میں صرف غالب ایسا شخص گزرا ہے، جس کا نام آج بےخوف و خطر دُنیا کے ممتاز ترین شاعروں کے پہلو بہ پہلو، ان کے ہمسر و مدمقابل کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

غالب کی اصل تعلیم یہ ہے، کہ دُنیا ایک بےحقیقت و بےثبات چیز ہے، ہمیں جو کچھ نظر آرہا ہے، اس کی ہستی سراب کی سی ہے، اس لئے یہاں کی کسی چیز پر مغرور ہونا حماقت ہے۔ انسانی معلومات و تحقیقات کے جو نتائج ہیں، یہ سب ایک اضافی و اعتباری وقعت رکھتے ہیں، ورنہ کسی شے کی اصل ماہیت کا علم انسان کے امکان میں نہیں۔ اس عقیدہ کے لحاظ سے غالب اُن حکما کا پیرو ہے، جنھیں متشککین کہا جاتا ہے لیکن متشککین کے برخلاف وہ رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا، وہ کہتا ہے بےثباتی عالم کے عقیدہ کا نتیجہ ترکِ دُنیا نہ ہونا چاہئے، بلکہ بےفکری و آزادہ روی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی کاٹ دینا چاہئے، اور اسی حیثیت سے غالب حکماء لذتیئن کا ہم آہنگ ہے صفحات ذیل میں ہم غالب کی ان تعلیمات کی تشریح اسی کے (اُردو و فارسی دونوں کے) کلام سے کرتے ہیں۔

لیکن اس سے قبل ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس قسم کے مضامین تو اور بھی بہت سے شعرا نے باندھے ہیں، اُن پر غالب کو کیوں ترجیح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ دوسروں

کے یہ دلی عقاید نہ تھے، صرف سُنی سُنائی باتیں تھیں جنھیں
اُنھوں نے رسمی طور پر نظم کر دیا، چنانچہ ان کے کلام میں
علانیہ آورد معلوم ہوتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ کلام کی
بے اثری ہے۔ برخلاف اس کے غالب کا کلام اس کے
جذباتِ دلی کا آئینہ ہے، جو کچھ وہ خود محسوس کرتا ہے اُسے
وہ صاف صاف کہہ دیتا ہے، اسی سے اس کے کلام میں وہ
خاص جوش و اثر پایا جاتا ہے، جو کسی راستباز شخص کے بیان
میں ہونا چاہئے۔ غالب، وحدت وجود کا قایل تھا، اس کے
عقیدہ میں حقیقی وجود صرف ایک ذات یا ہستی کا تھا، جس کے
پرتو و مظاہر کے مجموعہ کا نام عالم ہے۔ اسی بنا پر دُنیاوی شہرت
وعزت، دولت وجاہ، کی مطلق وقعت اس کے ذہن میں
نہ تھی۔ چنانچہ اپنے ایک عزیز شاگرد (منشی ہرگوپال تفتہ) کو
ایک خط میں لکھتا ہے:-

"تم مشقِ سخن کر رہے ہو اور میں مشقِ فنا میں مستغرق ہوں۔
بوعلی سینا کے علم اور نظیری کے شعر کو ضایع اور بے فائدہ
اور موہوم جانتا ہوں زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی
راحت درکار ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری
اور ساحری سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار
ہوا تو کیا، اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دُنیا میں نام آور
ہوئے تو کیا اور گُمنام جیے تو کیا۔ کچھ معاش ہو اور صحت جسمانی،
باقی سب وہم ہے۔ اے یار جانی، ہرچند کہ وہ بھی وہم ہے،
مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی
اُٹھ جائے، اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گزر
جاؤں، عالمِ بیرنگی میں گزر پاؤں۔ جس سناٹے میں ہوں
وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں۔ ہر کسی کا جواب
مطابق سوال کے دئے جاتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سراب
ہے۔ ہستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر
ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور ہوئے، ان کو شہرت
سے کیا حاصل ہوا کہ ہم کو تم کو ہوگا؟"[۱]

ایک اور دوست کو، جنھوں نے کسی رئیس کے متعلق لکھا
تھا کہ وہ حکیمانہ اصول کے مطابق رہتا ہے، غالب نے
یوں مخاطب کیا ہے:-

"ایکہ گفتی فلانے روشِ حکیمانہ دارد و دنیا را کار آگاہانہ می گذراند
بایں ہمہ اندوہہا کی خندہ ام در گرفت، و عنانِ ضبطِ خویش
از کفم بدر رفت۔ ندانی کہ برا سپان بادرفتار نشستن و گروہا
گروہ مردم را پیشاپیش دوانیدن، تن را بلباس رنگارنگ
برآراستن و معدہ را بہ الوان خوردنیہا ممتلی گردانیدن،
شہوہ را از اندازہ بیروں راندن و غبارِ معصیت بر فرق
افشاندن از حکما نیاید و پزشکاں را نشاید۔ کار دانشوراں
چیست؟ دُور از آبادی در بُنِ کوہے نشستن و از خشم
ہمت در روے خلایق بستن، تن را بریاضت فرسودن
و جاں را بخردی پالودن، ہر کہ حکیم خرد گزین ست کار و بارش
این ست"[۲]

ان اقتباسات سے معلوم ہوا ہوگا، کہ کائنات کی زود فنائی،
دُنیا کی بے ثباتی، موجوداتِ عالم کی بے حقیقتی، یہ سارے
خصوصیات، ایک پختہ یقین، ایک قلبی اذعان، ایک مستحکم عقیدہ
کی طرح، غالب کی عملی زندگی کے جزو لاینفک بن گئے تھے،
اور جن کی جھلک بیساختہ اس کی خاص الخاص تحریروں میں

[۱] یادگار غالب، از مولانا حالی صفحہ ۱۸۹ - ۱۹۰۔

[۲] یادگار غالب، از مولانا حالی صفحہ ۴۰۴۔

بھی نظر آجاتی ہے[1] یہی وجہ ہے کہ غالب کے یہاں یہ مضامین اس کے کلام کے چہرہ پر حسن و لطافت کے قدرتی خط و خال بنکر چمکتے ہیں، لیکن ان ہی مضامین کو جب دوسرے باندھتے ہیں، تو صاف ان کی ملمع سازیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں مزید برآں جو آمد بیساختگی اور تاثیر، غالب کے کلام میں ہے، وہ اوروں کو شاید ہی نصیب ہیں۔ اس لئے کہ یہ فطرت انسانی کا قانون ہے، کہ جو باتیں دل سے نکلتی ہیں، وہ دل ہی میں جاکر بیٹھتی بھی ہیں۔

غالب، جس شریعت کا رہبر ہے، اس کی تلقین یہ ہے، کہ عالم بذات خود کوئی مستقل ہستی نہیں رکھتا، اس کا وجود جو کچھ ہے وہ محض ذہنی یا خیالی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح عنقا کا وجود ہم نے خواہ مخواہ فرض کر رکھا ہے، اسی طرح کائنات کا وجود بھی موہوم ہے۔ ؎

"نہ وہم نقش خیالی کشیدہ ورنہ وجود خلق چو عنقا بدہر نایاب ست"

اسی طرح ایک غزل کے مسلسل اشعار میں کائنات کی مختلف موثر چیزوں، مثلاً آسمان، سمندر، بیابان، خزان، و بہار وغیرہ کو الگ الگ گنوا کر بتایا ہے، کہ یہ جو کچھ ہمیں نظر آرہا ہے، سب واہمہ کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ وہم نے آنکھ میں خاک ڈالدی، اسے ہم بیابان کہنے لگے، ایک قطرہ پانی کی صورت میں بہا، اس کا نام ہم نے سمندر رکھ لیا، ورنہ خارج میں ان چیزوں کا کچھ بھی وجود نہیں ؎

"دود سودائے تتق بست آسمان نامیدمش — دیدہ بر خواب پریشان زد جہان نامیدمش
وہم خاکے ریخت در چشمم بیابان دیدمش — قطرۂ بگداخت بحر بیکران نامیدمش
باد دامن زد بر آتش نوبہاران خواندمش — داغ گشت آن شعلہ از ستی خزان نامیدمش"

ایک جگہ ایک لطیف تشبیہ کے ساتھ اس خیال کو ادا کیا ہے، کہ عالم کے وجود وہمی کو، تابکے، وجود حقیقی فرض کیا جاسکتا ہے؟ ؎

"عالم غبار وحشت مجنوں ہے سربسر — کب تک خیال طرۂ لیلیٰ کرے کوئی"

اشعار ذیل میں مختلف اسلوب سے عالم کے وجود وہمی، اور مافی العالم کی بے حقیقتی کو کس قدر دلنشیں پیرایہ میں بیان کیا ہے ؎

"بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک — اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے
جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور — جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے"

[1] مرزا غالب کے واقعات زندگی سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ صرف تصوف کا اعلیٰ مذاق نہ رکھتے تھے، بلکہ تصوف کے ساتھ فلسفۂ تصوف کے بھی رمز شناس تھے۔ کسی صاحب نے ایک کتاب، سراج المعرفت، تصوف پر لکھی تھی، جس کا دیباچہ مرزا نے تحریر کیا تھا۔ اس میں اوراد و وظائف کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

"جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اطبائے روحانی ہیں، دیکھا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے، اور بہ سبب استیلاء وہم کے مشاہدۂ وحدت ذات سے محروم رہے جاتے ہیں۔ ہر چند ان کو سمجھائیں گے راہ راست پر نہ آئیں گے۔ ناچار اشغال و وظائف وضع کئے تا قوت متخیلہ اس میں الجھی رہے اور رفتہ رفتہ بیخودی طاری ہوجائے۔ وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو اور وہم اس کو بہ جبر یا بہ تکلف ثابت کرنا چاہتے ہوں ع دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست۔ وہم صورتگری و پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے پس جب وہ وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہوگیا، بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورتگری اور پیکر تراشی سے معزول ہوگیا، بیخبری اور بیخودی چھاگئی، اور وہ کیفیت جو موحدین کو بہ مجرد فہم حاصل ہوتی ہے، اس مشاغل کے نفس کو بیخودی میں آگئی۔ ایک دریا میں جان کر کودا، ایک کو کسی نے غافل کرکے دھکیل دیا۔ انجام دونوں کا ایک ہے وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں، یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں، مگر ہاں کم ہیں اور مخفی ہیں اور کہیں کہیں ہیں اور ایسے نفوس جو کسب حالت بیخودی کے واسطے محتاج اشغال و اذکار ہیں بہت ہیں بلکہ بیشمار ہیں۔" (منقول از یادگار غالب، صفحہ ۱۹۴-۱۹۵)۔

ذیل کا شعر جس قدر بلیغ ہے، اور اس کے پڑھنے سے اثر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کی نظیر خود غالب کے کلام میں بھی نہیں ملتی ؎

"ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے"

"عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے" اس مصرعہ کو معانی مختلفہ کے لحاظ سے بار بار پڑھو، اور فیصلہ کرو کیا برکلے کے متبع کو اس پر ایک نقطہ کے بھی اضافہ کی گنجایش ہے؟ کیا حکماء متشکّکین اپنے سارے ادب میں کوئی بات اس سے زیادہ جامع اور اس سے زیادہ باوزن دکھا سکتے ہیں؟

اسی مفہوم کو کئی جگہ اس سے اور زیادہ صاف کردیا ہے۔ مثلاً

"ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب — آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے"

پھر کائنات کا وجود، وہمی و خیالی جیسا کچھ بھی ہے، زود فنا کس قدر ہے۔ مرزا اپنی تعلیم میں یہ نکتہ بھی نظر انداز نہیں کرتے، بلکہ ایک نہایت پُراثر پیرایہ میں حیاتِ انسانی کے سریع الزوال ہونے پر اس طرح توجہ دلاتے ہیں ؎

"یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل — گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک"

یاد ہوگا، کہ سترھویں صدی میں ایک انگریز فلاسفر برکلے نے یہ مذہب قایم کیا تھا، کہ عالم مادّی کوئی قایم بالذات شے نہیں۔ مستقل ہستی صرف ذہن کی ہے۔ بحر و بر، شجر و حجر، آسمان و زمین، جتنی چیزیں ہم محسوس کرتے ہیں، یہ سب ذہن آفریدہ ہستیاں ہیں یعنی ان کا وجود، ذہن کے ساتھ وابستہ و مشروط ہے، اور اگر ذہن فنا ہوجائے تو یہ تمام چیزیں بھی لباس وجود سے معرّا ہوجائیں۔ غالب کے کلام کا جو نمونہ اوپر پیش کیا گیا، اس سے معلوم ہوا ہوگا، کہ اس حیثیت سے غالب تقریباً بالکل برکلے کا ہمنوا ہے، برکلے کی طرح وہ بھی نہایت شد و مد سے یہ دعویٰ کرتا ہے، کہ عالم کا وجود محض وہمی یا خیالی ہے۔ فرق یہ ہے، کہ فلسفی کو جس عقیدہ کی توضیح میں صدہا صفحات اور بیسیوں دلائل استعمال کرنا پڑتے ہیں، اس نکتہ تک شاعر کا وجدان، ایک آن میں پہنچ جاتا ہے۔

اگرچہ غالب برکلے کی طرح، عالم کا وجود موہوم سمجھتا ہے، پھر بھی وہ اس امر کا قائل نہیں، کہ مستقل و قایم بالذات ہستی ذہن کی ہے۔ اس کے عقیدہ میں جو واحد شے، قایم بالذات ہے، وہ نہ روح ہے نہ مادّہ، نہ جسم ہے نہ ذہن، بلکہ ان تمام قیود سے معرّا ایک "ہستیِ مطلق" ہے، جو خلق و فنا کے قوانین سے مستثنیٰ ہے، جو ازلی و ابدی ہے، اور اشیاء عالم تمام تر اس کے مظاہر ہیں۔ جس طرح آفتاب کی شعاعیں کوئی علیحدہ ہستی نہیں رکھتیں، اور نہ آفتاب سے خلق ہوئی ہیں بلکہ محض آفتاب کی ایک حالت ظہور کا نام ہیں، اسی طرح یہ کائنات بھی ہستیِ مطلق کی ایک طرز جلوہ آرائی ایک حالتِ ظہور ہے۔ یہ عقیدہ وہی ہے، جسے صوفیہ کی اصطلاح میں وحدت وجود کہتے ہیں۔ حکما یورپ میں اسپینوزا، اس کا ایک سربرآوردہ مدعی ہو گزرا ہے۔ غالب کے کلام میں اس عقیدہ کی تعلیم، مختلف پیرایوں میں، نہایت کثرت سے ملتی ہے۔ ایک فارسی رباعی میں کہتے ہیں ؎

"اے کردہ بآرایش گفتار بسیچ — در زلف سخن کشودہ راہ خم و پیچ
عالم کہ تو چیزے دگرش می دانی — ذاتےست بسیط منبسط دیگر ہیچ"

ایک جگہ تمثیل کے پردہ میں یہ نصیحت کرتے ہیں، کہ جس طرح قطرہ و موج، و حباب، فی نفسہ کوئی چیز نہیں، بلکہ سمندر یا دریا کے مختلف مظاہر ہیں، اسی طرح اس عالم کی اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں، کہ یہ بھی ایک ذات بسیط کے مختلف مظاہر کا مجموعہ ہے۔ ؎

"ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر — یاں کیا دھرا ہے قطرۂ و موج و حباب میں"

وحدت میں کثرت نظر آنا، عین وہم پرستی ہے، اور حقیقت شناسی کے مذہب میں یہ کفر ہے۔ ؎

"کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے"

بحرِ موجودات کا ایک ایک قطرہ زبانِ حال سے پکار رہا ہے، کہ ہم اس بحرِ بیکراں (ہستی مطلق) کے ایک جزو ہیں ؎

"دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا"

جس طرح ذرہ کی چمک دمک صرف نورِ آفتاب پر منحصر ہے، اسی طرح ہمارا وجود ہستی مطلق کے وجود پر مبنی ہے ؎

"ہے تجلی تری سامانِ وجود ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں"

اگر انسان، نگاہ نکتہ رس رکھتا ہو تو ممکن نہیں، کہ اپنی بے حقیقتی اور وجود ہستی مطلق پر مبنی ہونے کا علم اسے نہ ہو ؎

"قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا"

چونکہ بجز ایک ذاتِ بسیط کے اور کوئی شے موجود نہیں اس لئے انسان دُنیا کی دیگر مستقل ہستیوں کا جتنا زیادہ کھوج کرتا ہے، اتنا ہی اصل حقیقت سے بیگانہ ہوتا جاتا ہے ؎

"اتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں"

غالب کو اس پر سخت حیرت ہے، کہ جب سارے عالم میں ایک ہی ذات موجود ہے، اور تماشا اور تماشائی دونوں ایک ہی چیز ہیں، تو مشاہدہ کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ مشاہدہ، دو چیزیں (شاہد و مشہود) چاہتا ہے ؎

"اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں"

ایک اور موقع پر شاعرانہ مبالغہ کے ساتھ اس عقیدہ میں اس قدر غلو سے کام لیا ہے، کہ وجودِ عالم سے تقریباً قطعی انکار کر بیٹھے ہیں، فرماتے ہیں، کہ لوگ عالم کو معشوقِ حقیقی (شاہد ہستی مطلق) کی کمر قرار دیتے ہیں، اور معشوق کی کمر چونکہ معدوم ہوتی ہے، اسلئے یہ بھی معدوم ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ طرزِ تعبیر بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ کہنے میں، کہ "عالم معدوم ہے" ہم اس کے لئے لفظ "ہے" استعمال کرتے ہیں، جو پھر بھی ایک کلمۂ ایجاب ہے، حالانکہ ایک معدوم محض شے کے متعلق اس حد تک بھی ایجابی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ؎

"شاہدِ ہستی مطلق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں"

نفس الامر کے لحاظ سے ہر شخص "انا الحق" کہہ سکتا ہے، لیکن اس راز کو برسرِ عالم کہنا تنگ ظرفی ہے ؎

"قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں"

ان اشعار سے معلوم ہوا ہوگا کہ مذہباً غالب حد درجہ موحد و وجودی تھا لیکن وحدت وجود کا اعتقاد، عین وہ مقام ہے، جس سے فلسفۂ تشکیک کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں یعنی انسان کو جب اس امر کا اذعان ہو جاتا ہے، کہ عالم مادی، کوئی مستقل اور خارجی ہستی نہیں رکھتا، تو عموماً اس کا ذہن اس یقین پر بھی پہنچ جاتا ہے، کہ کائنات کی ہر شے ایک حیثیت اضافی رکھتی ہے، مطلق کوئی چیز نہیں۔ ایک شے کو ایک وقت میں ہم جان کے برابر عزیز رکھتے ہیں، دوسرے حالات میں اسی چیز کے نام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ایک ہی چیز ہمارے لئے زہر ہلاہل کا اثر رکھتی ہے، مگر دوسرے کے حق میں آبِ حیات ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ تاثیرِ اشیاء فی نفسہ باطل ہے، ہر شے اعتبارات کے ماتحت ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ فلاں شے، فی نفسہ مُضر یا مفید، مستحسن یا قبیح ہے، سخت غلطی ہے۔ حسن و قبح، مضرت و منفعت، الم و مسرت، یہ سب اضافی چیزیں ہیں، یہ مذہب گو آج یورپ میں ناپید ہے، لیکن قدماء یونان میں مشککین نے اسے معراج کمال پر پہنچا دیا تھا۔ فارسی شعراء میں خیام و حافظ بھی کبھی کبھی ایسے ہی خیالات ظاہر کر گئے ہیں۔ غالب اس اقلیم کا تاجدار ہے۔ اُس نے اس موضوع پر جو کچھ کہا ہے، وہ درحقیقت

مذہب متشککین کے امام، پرہو کی صدائے بازگشت ہے ایک جگہ یہ کہنا مقصود ہے، کہ نفع و ضرر، حظ و کرب، وغیرہ اضافیات کے دام میں صرف غافل پھنس سکتے ہیں۔ لیکن چشم حقیقت بیں کے سامنے سے یہ فریب کا پردہ ہٹ جاتا ہے تو اس کو اپنے مخصوص شاعرانہ انداز سے یوں ادا کیا ہے۔ ؎

"تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا"

ایک فارسی رباعی میں کنایہ و تشبیہ کا پردہ بھی اٹھا دیا ہے ؎

"دنیا ہیچ ست و شادی و غم ہیچ ست ہنگامۂ سور و بزم ماتم ہیچ ست
رو، دل بہ یکے دہ کہ دو در ہیچ ست این نیز فروگزار کہ این ہم ہیچ ست"

اس خیال کے تسلیم کر لینے پر کہ خواص اشیاء بذات خود کوئی وجود نہیں رکھتے، بلکہ ان کی بنا محض رسم و رواج اور عادت ہے، ایک سمجھدار شخص کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے، کہ غم و لذت، حظ و کرب، کے جذبات سے مساوی طور پر بالکل آزاد ہو جائے تاکہ تعرف الاشیاء باضدادہا کے اصول کے مطابق جس طرح گرمی کے بغیر سردی، اور روشنی کے بغیر تاریکی کو کوئی امتیاز نہیں حاصل ہو سکتا، اسی طرح اگر ہم کو دنیا میں کسی شے سے دلبستگی نہ ہو، تو کسی چیز کے ترک کا غم بھی نہ ہو گا۔ مرزا کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ خزاں کا صدمہ نہ اٹھائیں، تو بہار کی خوشی چھوڑ دیں ؎

"شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے اُردی[عہ] جو نہ ہو تو دی[عہ] نہیں ہے"

اس خیال کی تصدیق روزمرہ کے تجربہ سے بھی ہوتی ہے، ایک کام جو آغاز عمل میں نہایت تکلیف دہ و ناگوار معلوم ہوتا ہے، عادت ڈالنے سے رفتہ رفتہ خوشگوار محسوس ہونے لگتا ہے۔ مرزا نے اس عام تجربہ کو سیدھے سادے طور پر نظم کر دیا ہے۔ ؎

"رنج سے خوگر ہو جب انساں تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں"

اسی کے ہم معنی ان کا یہ مصرع "درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا" ہماری زبان میں بطور ضرب المثل کے مستعمل ہے۔

اس اصول کی بنا پر ایک دانشمند کا مسلک ترک لذات و خواہشات ہونا چاہئے، تاکہ ان کے بہم نہ پہونچنے کا رنج اُسے کبھی نہ برداشت کرنا پڑے۔ مرزا اس طرز زندگی کو حقیقی جنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ؎

"غالب روش مردم آزاد جداست رفتار اسیران رہ و زاد جداست
ما ترک مراد را ارم می دانیم وان باغچۂ ضبطی شداد جداست"

ترک لذات کا پہلا مقدمہ ترک تعلقات ہے۔ انسان جس وقت تک اہل و عیال کی پابندیوں میں گرفتار ہے، ممکن نہیں کہ علائق دنیوی سے آزاد رہ سکے۔ غالب کے نزدیک انسان کا اپنے پیر سے انھیں بیڑیوں کا کاٹنا، اصل نشاء عبادت ہے۔ ؎

"زانجا کہ دلم بہ وہم در بند نبود باہیچ علاقہ سخت پیوند نبود
مقصود من از کعبہ و آہنگ سفر جز ترک دیار و زن و فرزند نبود"

رنج و راحت، دولت و افلاس، دونوں چیزیں جب یکساں طور پر غیر حقیقی ثابت ہو چکیں، تو امرا کی نخوت اور مفلسوں کی حسرت، مساوی درجہ کی غلطیاں ہیں۔ غالب کو ان دونوں کی حماقت پر ہنسی آتی ہے۔ ؎

"آں چہ دارد طرب این زچہ رو در تعب است خندہ بر غفلت درویش و توانگر دارم"

خیر، دولت وغیرہ کی بنا پر غرور کرنا تو نہایت ہی کم ظرفی ہے لیکن اس سے اونچے درجہ کی چیز مذہب ہے۔ مذہب کی آڑ میں اچھے اچھے تعلیم یافتہ و با اخلاق افراد، مناقشات میں مصروف رہتے ہیں اور بجائے خود یہ سمجھتے رہتے ہیں، کہ ان کی یہ صف آرائیاں حمایت حق میں ہیں۔ لیکن غالب کے اعلیٰ نقطۂ خیال سے، کفر یا دین کی پابندی بھی محض ایک عصبیت کا ثمرہ ہے، جس سے آزاد ہونا ہی عین حقیقت ہے ؎

عہ سنہ فارسی میں اُردی، بہار، اور دی، خزاں کے مہینوں کے نام ہیں۔

"کفر و دیں چیست جز آلایش پندار وجود — پاک شو پاک کہ ہم کفر تو دینِ تو شود"

اس اصول کی صحت کو تسلیم کر لینے پر بعض لوگ مذاہب مروجہ سے ایک حد تک منحرف ہو جاتے ہیں، کیونکہ انھیں یہ نظر آنے لگتا ہے، کہ کسی خاص مذہب کا اتباع، حقیقت جوئی کے منافی ہے۔ لیکن غالب کے نزدیک یہ بالکل ممکن ہے کہ کوئی شخص دل سے تلاشِ حق میں مشغول رہے، اور اسی کے ساتھ اعمال ظاہر میں کسی خاص روش کا پابند رہے، جس طرح کہ مجنون کے دل میں صرف لیلی کی گنجایش ہے، لیکن اس کی زبان ساربان کے ساتھ مصروفِ گفتگو ہے۔ ے

"بہ شرع آویز و حق مے جو ز مجنوں کم نہٖ بارے — بجز با محمل ست اما زباں با ساربان دارد"

جن لوگوں کو اپنے کسی کمال یا حُسن پر ناز ہے، اُنھیں یہ سمجھنا چاہئے، کہ اپنی اپنی حیثیت و بساط کے موافق، دُنیا کا ذرہ ذرہ ایک خاص حُسن یا کمال رکھتا ہے، یہاں تک کہ گھاس کی پتّیاں میں بھی وہ خوشنمائی ہے، کہ معلوم ہوتا ہے باد صبا اُن میں کنگھی کر گئی ہے۔ اس لئے کسی خاص شخص کا اپنے کمال پر مغرور ہونا جہالت ہے۔ ے

"غافل بوہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں — بے شانۂ صبا نہیں طرۂ گیاہ کا"

غالب کو اگرچہ دُنیا کی بے ثباتی اور اشیاء عالم کے اضافی ہونے کا انتہائی یقین ہے، تاہم وہ ترک دُنیا کی تعلیم نہیں دیتا۔ یہ سچ ہے کہ اس کے کلام میں کہیں کہیں بوئے رہبانیت آنے لگتی ہے، مثلاً ایک غزل میں وہ اس تمنا کا اظہار کرتا ہے، کہ دُنیا اور متعلقات دُنیا سے بالکل قطع تعلق کر کے ایسی جگہ سکونت گزیں ہونا چاہئے۔ جہاں کسی متنفس کی بھی رسائی نہ ہو سکے۔ ے

"رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو — ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا گھر اک بنایا چاہئے — کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو بیماردار — اور گر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو"

لیکن ایسے اشعار اتفاقی طور پر ان کے کلام میں آ گئے ہیں، ورنہ ان کی اصل تعلیم یہ ہے، کہ دُنیا ہی میں رہ کر علایق دنیوی سے آزاد ہونا چاہئے۔ دُنیا میں جو لذّتیں اور نعمتیں ہیں، اُن سے لطف اُٹھاؤ، مگر ان کے ہو کر نہ رہ جاؤ۔ شکر پر بیٹھنے والی مکھی کا سا طریقہ رکھو، کہ جبتک چاہتی ہے، شکر کھاتی رہتی ہے، اور جب چاہتی ہے اُڑ جاتی ہے، لیکن شہد پر بیٹھنے والی مکھی نہ بنو، جس کے بال و پر اس میں پھنس جاتے ہیں، اور اُڑ نہیں سکتی۔ ے

"درد ہر فرو رفتۂ لذّت نتواں بُو — بر قند نہ بر شہد نشیند مگسِ ما"

مگر انسان کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے، کہ اُس نے جہاں ایک مرتبہ ہوا و ہوس کی متابعت کی، اُس کے نفس میں ایک مستقل کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو ہمیشہ اسی لذّت کے اعادہ کی خواہش کیا کرتی ہے، اور انسان ہمیشہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے، کہ اس لذت پر اور لذّات کا اضافہ ہو۔ یہی شے وہ ہے، جو سکون قلب کے حق میں سمّ قاتل ہے، اور یہی چیز ہے جو رفتہ رفتہ انسان کو نفس پرست بنا دیتی ہے۔ اگر انسان کسی طرح اپنے نفس پر اتنا قابو حاصل کر لے، کہ جب چاہے، تو لطف لذّات اُٹھائے، لیکن اپنے تئیں اس کا عادی نہ بننے دے، تاکہ اس کے چھٹنے کا کبھی رنج نہ ہو، تو اس کی زندگی قابل رشک ہے، وہ جو کچھ چاہے کرے، اس کے لئے سب جائز ہے۔ مرزا کہتے ہیں، کہ یہ بے تعلق زندگی بھی کس قدر پر لطف ہے۔ ے

"اگر بہ دل نہ خلد ہر چہ از نظر گزرد — زہے روانیِ عمرے کہ در سفر گزرد"

جو علایق دنیوی سے تنگ آ کر رہبانیت اختیار کرنے لگتے ہیں، اُنھیں مخاطب کر کے غالب نصیحت کرتا ہے، کہ وحشت و بیگانگی اگر اختیار کرنا چاہتے ہو، تو خود اپنے نفس سے کرو، دوسروں

سے کیوں کرتے ہو۔ بھاگتے ہو تو اپنے آپ سے بھاگو، دوسروں
سے کیا بھاگنا ہے؟

"وارستگی، بہانۂ بیگانگی نہیں　　اپنے سے کر، نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو"

غالب کا فلسفہ، خواہ بادی النظر میں سہل الحصول معلوم ہوتا
ہو، لیکن اس پر عمل پیرا ہونا نہایت ہی دشوار ہے، غالب کو خود
بھی اس کا احساس تھا، استعارات کے پردہ میں ایک جگہ اعتراف
کرتے ہیں، کہ جس وقت سے دُنیا کی بے حقیقتی منکشف ہوگئی
ہے، اس وقت سے برابر ترک علایق میں مشغول ہوں۔ لیکن
صفائی باطن حاصل ہونے کے لحاظ سے ہنوز روز اول ہے۔

"یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز　　چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا"

لیکن اس فلسفہ کے عسیر العمل ہونے کی یہ وجہ نہیں، کہ موجوداتِ عالم
کی طرف سے ہمیں کوئی خارجی دقتیں پیش آتی ہیں، بلکہ اس کا
اصل باعث خود ہمارے نفس کی کمزوری اور ہماری ناقابلیت
ہے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ ہمیں حقیقت شناسی کی دعوت
دے رہا ہے، لیکن ہماری نا اہلی ہے کہ ہم خود ادھر متوجہ
نہیں ہوتے۔

"محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا　　یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا"

غالب کا اصلی فلسفۂ غم و مسرت اگرچہ وہی ہے جس کی تصریح اوپر
ہو چکی ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ یہ بھی مانتا ہے، کہ غم و کرب سے
کلّی نجات پانا، اس عالم میں انسان کے لئے ممکن نہیں، اور
اس میں قصور، حوادث عالم کا نہیں، بلکہ خود انسان کا ہے، جس کی
فطرت میں یہ داخل ہے، کہ وہ اپنے لئے کوئی نہ کوئی سامانِ غم
ہمیشہ پیدا کر لیتا ہے۔

"قفس و دام را گناہے نیست　　بختن در نہاد بال و پرست"

جس طرح شمع کی روشنی، اور اس کا جلا کرنا، لازم و ملزوم ہیں، اسی طرح
عملی حیثیت سے غم و حیات انسانی بھی مُرادف ہیں، اور یہ ناممکن
ہے، کہ انسان زندہ رہے اور غم و الم میں گرفتار نہ رہے، اس
مضمون کو مختلف پیرایوں میں ادا کیا ہے۔ مثلاً

"قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں　　موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں"

"غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج　　شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک"

لیکن موجودہ زندگی، اگرچہ انواع و اقسام کے آلام و مصائب سے لبریز
ہے، اور انسان کو طرح طرح کے انقلابات کا مقابلہ کرنا ہوگا، تاہم غالب
کو اطمینان ہے کہ آخر کار ایک روز حقایق اشیا کے چہرہ سے نقاب
اُٹھ جائے گا، اور کثرت مٹ کر صرف وحدت رہ جائے گی، اسلئے
حیات موجودہ پر ناخوش نہ ہو، بلکہ اسے ہنسی خوشی کاٹ دو۔

"شاد باش اے دل درین محفل کہ ہر جا نغمہ ایست　　شیون رنج فراق جان و تن خواہد شدن

ہم فروغ شمع ہستی تیرگی خواہد گزید　　ہم بساط بزم مستی پر شکن خواہد شدن

گرد پندار وجود از رہگذر خواہد نشست　　بحر توحید عیانی موج زن خواہد شدن"[1]

ان امور کے تسلیم کر لینے پر کہ عالم اس قدر موہوم ہے، اس قدر
بے ثبات ہے، اس قدر غیر حقیقی ہے، ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا
ہے، کہ پھر مذہب کی کیا حقیقت ہے؟ آسمان و زمین، آفتاب و
ماہتاب، شجر و حجر، چرند و پرند، ممکن ہے کہ ان سب کا وجود صرف
ذہنی ہو، لیکن حشر و نشر، صراط و میزان، دوزخ و جنت، جن کے
وجود خارجی کی دستاویز پر مذہب کی مہر لگی ہوئی ہے، انھیں کیونکر
وہمی و خیالی فرض کیا جا سکتا ہے؟ غالب نے اس سوال کا جواب
دیا ہے، اور اسی جرأت و آزادی کے ساتھ دیا ہے، جس کی ہم کو
ایک سچے فلسفی سے توقع تھی۔ وہ نہایت صفائی سے کہتا ہے،

---

[1] اس طرح سے غالب کے یہاں نہایت کثرت سے اشعار موجود ہیں لیکن چونکہ
یہ بعینہ وہ نقطہ ہے جہاں سے فلسفہ کی سرحد ختم ہو کر تصوف کی بھول بھلیاں
شروع ہوتی ہیں، اسلئے انھیں یہاں زیادہ نہیں پھیلا سکتے۔

کہ دوزخ سے یہ مراد نہیں، کہ اس کا کوئی وجود خارجی ہے، جس میں واقعی، گناہ گار جھونکے جائیں گے، بلکہ اس کا منشا صرف اس قدر ہے، کہ لوگوں میں تہذیب نفس پیدا ہو، یعنی جو لوگ اس کا اعتقاد رکھتے ہیں، وہ اس کے خوف سے پابند اخلاق رہیں گے۔

"اے دادہ بہ بادِ عمر در لہو و فسوس — زنہار مشو ز رحمتِ حق مایوس
ہشدار کہ ز آتشِ جہنم حق را — تہذیب غرض بود نہ تعذیب نفوس"

یہی حال جنت کا بھی ہے، کہ اس کا اعتقاد رکھنے سے انسان اطمینان قلب حاصل کر لیتا ہے۔

"ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت غالبؔ — دل کے خوش رکھنے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے"

جو معبود حقیقی ہے، وہ ہمارے حواس و ادراک سے بالاتر ہے، یا کعبہ وغیرہ، جن کی پرستش کو عوام مقصود بالذات سمجھے ہوئے ہیں، یہ نکتہ سنجوں کے نزدیک محض آلات کی طرح پر ہیں جن کی وساطت سے انسان منازل معرفت طے کر سکتا ہے۔

"ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود — قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں"

دوزخ و جنت کا اعتقاد اگرچہ عوام کو ضابطۂ اخلاق پر قایم رکھنے کے لئے بہترین محرک ہے، تاہم اس میں نقص یہ ہے، کہ اس اخلاق کی بنیاد خوف یا لالچ پر ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی اعلیٰ معیار اخلاق نہیں، اس لئے مرزا کی رائے میں اگر جنت کا اعتقاد مٹ جائے، تو پرہیزگاروں کی نیت میں زیادہ خلوص و صداقت پیدا ہو جائے، اور طاعت گذاریوں کی محرک ہوسِ حور اور جامِ مئے کی آرزو نہ رہے۔

"طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو"

غالب کا خاص فلسفیانہ مسلک جو تھا، اس کی تفصیل مختصر الفاظ میں اوپر کی جا چکی، لیکن اس کے علاوہ غالب نے اور بھی صدہا فلسفیانہ مضامین باندھے ہیں، جن کی تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ ذیل میں ہم نمونہ کے طور پر دو چار شعر نقل کئے دیتے ہیں، اور باقی کے لئے ناظرین سے، غالب کے فارسی و اُردو کے اصل دواوین کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ بقا و فنا، ایک دوسرے کی ضد ہیں، اور ایک حد تک یہ خیال صحیح ہے۔ لیکن غور کرو، تو معلوم ہوگا، کہ کسی چیز کا وجود، ایک لحاظ سے اس کے فنا کی علت بھی ہے، اس لئے کہ نہ وہ شے موجود ہوتی، اور نہ اس پر عمل فنا طاری ہوتا۔ مرزا اس مسئلہ کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں، کہ کاشتکار کی تگ و دو ہی اس کے برق خرمن کا باعث ہے، کہ نہ وہ اتنی سعی و محنت کر کے خرمن جمع کرتا، اور نہ وہ بجلی سے برباد ہوتا۔

"مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی — ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا"

فلسفۂ تعوّد کا ایک قانون یہ ہے، کہ جن افعال کی ہمیں عادت پڑ جاتی ہے، وہ ہمیشہ اضطراراً سرزد ہوتے رہتے ہیں، تاوقتیکہ قوت ارادی کی مدد سے ہم ان کی خاص طور پر روک تھام نہ کریں۔ مرزا اس مضمون کو یوں باندھتے ہیں، کہ ہمارا محبوب اضطراراً ایفاء عہد کرتا رہتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کی عادت یہی ہے، ہاں یہ بات ہے، کہ وہ ضد کی وجہ سے کبھی کبھی قصداً وعدہ خلافیاں کر دیتا ہے۔

"ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں — بھولے سے اس نے سیکڑوں وعدے وفا کئے"

علماء اخلاق کے دو گروہ ہیں۔ ایک کا مذہب یہ ہے، کہ اصل قابل لحاظ شے، نیت یا مقصد ہے۔ اگر ہمارا مقصد نیک ہے، تو ہمیں اس کی کچھ پروا نہ کرنی چاہئے، کہ ہم اس کے لئے کیا کیا ذرایع استعمال کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ، برخلاف اس کے، اس امر کا قایل ہے، کہ اصل شے ہی وسایط و وسایل ہیں، اگر یہ درست ہیں تو ہم خواہ مخواہ اخلاقی منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

غالب نے بھی آخر الذکر شق اختیار کی - اس کے نزدیک اخلاقی جوانمردی، منزل مقصود تک جا پہنچنے میں نہیں، بلکہ صعوبات راہ کے مقابلہ کرنے میں ہے - ایک جوان مرد تاجر کے لئے وہ راستہ کیا، جس میں سرمایہ کے لٹ جانے کا خوف نہ ہو؟ اس خیال کو غالب نے اپنے کلام میں بکثرت مختلف پیرایوں میں ادا کیا ہے، مثلاً

"تاجر شوق بداں رہ بہ تجارت نرود کہ رہ انجام و سرمایہ بہ غارت نہ رود"

"رشک بر تشنۂ تنہا رو وادی دارم نہ بر آسودہ دلان حرم و زمزم شان"

"چہ لطف رہروی آنرا کہ خار خار نیست مرو بہ کعبہ اگر راہ ایمنی دارد"

گنہگار کو بخش دینا بہ ظاہر نہایت رحیمانہ فعل معلوم ہوتا ہے، لیکن علم النفس کے اصول بتاتے ہیں کہ خارِ انفعال کی خلش، تعزیرات خارجی کی جراحت، سے بدرجہا زیادہ دلفگار ہوتی ہے۔ غالب کی نظر بھی اس نکتہ تک پہنچ گئی ہے۔ ؎

"ھفت دوزخ در نہاد شرمساری مضمر ست انتقام ست ایں کہ با مجرم مدارا کردہ"

علم النفس کا ایک باریک مسئلہ یہ ہے، کہ بلا و مصیبت سے زیادہ اس کی دہشت تکلیف دہ و ایذا رساں ہوتی ہے - مرزا کی نظر سے یہ نکتہ بھی نہ بچ سکا۔ ؎

"بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست قعر دریا سلسبیل و روئے دریا آتش ست"

کہیں کہیں امراض اخلاقی کا علاج بھی بتایا ہے - مثلاً ایک جگہ حسد کے لئے یہ نسخہ تجویز کرتے ہیں کہ چونکہ اس مرض کا باعث عموماً تنگ نظری ہوتی ہے، اسلئے حاسد کو چاہئے کہ اپنی نظر وسیع کرے۔ ؎

"حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو"

الغرض اسی طرح کے اور صدہا مسائل ہیں، جنھیں ہم یہاں طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔ لیکن خاتمہ کے قبل ہم مرزا کا ایک قطعہ بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، جس میں اگرچہ بظاہر کسی فلسفیانہ مسئلہ کا بیان نہیں معلوم ہوتا، تاہم یہ وہ موضوع ہے، جس پر مرزا کی ہر تان ٹوٹتی ہے، یعنی کائنات کی زود فنائی، دنیا کی بے ثباتی، لذات حیات کی ناپائداری؛ اس کی تصویر ایک مرتبہ نظر کے سامنے پھر جاتی ہے، اور انسان ہمہ تن اثر کے رنگ میں ڈوب جاتا ہے۔ ؎

"اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے"

موہوم

رباعی

پیری آئی اعضا سب چور ہوئے یارانِ شباب پاس سے دور ہوئے
رہتی ہے کفن کی یاد ہر وقت ہمیں جو مشک سے بال تھے کافور ہوئے

غزل

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے
کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی چلے جو راہ تو چیونٹی کو ہم بچا کے چلے
مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آکے چلے
طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو کبھی جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے
نفیس! دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لیکے کہاں سامنے ہوا کے چلے

چاند بی بی

[ذیل کے مضمون میں حضرت راقی نے سلطانہ چاند بی بی کے مختصر سوانح یک جا کئے ہیں۔ یوں تو سیاسی کاردانی۔ علمی مذاق عزم و استقلال کے لئے رضیہ سلطانہ۔ نور جہاں۔ جہاں آرا اور زیب النساء کے علاوہ اور بھی خواتین ایسی ہو گذری ہیں جن کی داستانیں زبان زد ہو گئی ہیں لیکن چاند بی بی کو قدرت نے جو دل و دماغ عطا کیا تھا اُس کی مثال اکثر مردوں میں نہیں ملتی۔ اسی سے اندازہ کر لو کہ اکبر اعظم جیسا اولوالعزم بادشاہ جو ظل اللہ کہے جانے کا مدعی ہو ایک چاند بی بی کو شکست دینے کے لئے خاص اہتمام کرے۔ قصہ ہی سہی، کہا تو جاتا ہے کہ پہلے پہل جب احمد نگر پر مغلوں نے فوج کشی کی اور چاند بی بی پوری مدافعت کے لئے کمربستہ ہوئی تو مغلوں کے قدم اُکھڑنے لگے۔ یہ خبر جب اکبر اعظم کو پہنچائی گئی تو درباری اُمرا لگے خود ستائی سے بادشاہ کا دل بڑھانے کہ ہم جاتے ہیں اور چاند بی بی کو قید کر لاتے ہیں۔ کہیں مُلا دو پیازہ بھی بیٹھے تھے۔ بول اُٹھے "یہ حضور ہی کا حوصلہ تھا کہ چاند بی بی پر فوج کشی کی ورنہ بہتیرے بادشاہوں سے اس عورت کا مقابلہ نہ ہو سکا" بادشاہ اس نکتہ یا ہجو ملیح کو سمجھ گیا۔ اور اپنے سپہ سالار کو لکھ بھیجا کہ محاصرہ اُٹھا کر صلح کرلے اور چاند بی بی کو ہماری طرف سے چاند سلطانہ کا خطاب عطا کرے۔ [اڈیٹر]

تاریخ ہند میں بہادر، دانشمند، مدبر، نیک بخت، خیر خواہ ملک، محب قوم، نام کے لئے جان دینے والے، اور خدا پرست وغیرہ اوصاف کے بہت سے نفوس نظر آتے ہیں۔ اور صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ ان اوصاف کی جھلک مستورات میں بھی نظر آئے گی۔ جن کے حالات اگر روشنی میں لائے جائیں گے تو ایک نیا منظر آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا۔

سرزمین دکن ایسے حالات سے پُر ہے اور خواتین میں سب سے زیادہ مشہور اور تاریخ دکن میں سب سے زیادہ روشن نام ہمیں چاند بی بی کا نظر آتا ہے۔

چاند بی بی حسین نظام شاہ احمد نگر کی لڑکی اور علی عادل شاہ اول بیجاپور کی ملکہ تھی۔ ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوئی اور احمد نگر ہی میں بچپن کا زمانہ گذرا۔ فارسی اور عربی زبانوں کے علاوہ وہ دکن کی مروجہ زبانیں بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ خدیجہ سلطانہ یعنی اس کی ماں نے اسے عمدہ تربیت دی اور جن باتوں کی واقفیت شہزادیوں کے لئے ضروری ہے وہ سب اُسے بتائیں۔

علی عادل شاہ اول بیجاپور کا زمانۂ حکومت ۱۵۵۷ء سے ۱۵۸۰ء تک گذرا ہے، ۱۵۶۴ء میں عادل شاہیہ اور نظام شاہیہ میں دوستانہ یا کسی سیاسی جھگڑوں کا فیصلہ ہونے کے بعد میل ملاپ ہو گیا تھا اور اسے قایم رکھنے کے لئے چاند بی بی علی عادل شاہ سے بیاہ دی گئی ساتھ ہی ساتھ بادشاہ احمد نگر نے قلعہ شولاپور بھی جہیز میں دیدیا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ علی عادل شاہ بیجاپور کو ایک لاثانی مشیر ملا کیونکہ خدائے عزوجل نے وہ ساری خوبیاں چاند بی بی میں ودیعت رکھی تھیں جو ایک حکمراں اور سپاہ سالار کے لئے ضروری ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں تو یقیناً مبالغہ میں داخل نہ ہوگا کہ چاند بی بی میں اِن سے بھی زیادہ اوصاف موجود تھے۔ یہ وہی خاتون ہے جو امور سلطنت میں اپنے شوہر کے ساتھ حصہ لیتی اور شوہر کے برابر گھوڑے پر سوار ہو کر قواعد فوج لیتی اور بعض اوقات جنگ میں بھی شریک رہا کرتی تھی۔

سنہ ۱۵۸۰ء میں علی عادل شاہ اول بیجاپور کا انتقال ہوگیا۔ لاولد ہونے کی وجہ سے اس کا بھتیجا ابراہیم عادل شاہ جس کی عمر صرف نو سال کی تھی تخت نشین کرایا گیا۔ بیجاپور کے لئے یہ وقت نہایت ہی نازک تھا مگر مرحوم بادشاہ کی وصیت تھی کہ "میرے بعد کل امورِ مملکت کی عنان چاند بی بی کے ہاتھ میں رہے" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سب سے پہلے چاند بی بی نے یہ کام کیا کہ ابراہیم عادل شاہ کو تعلیم دینی شروع کی اور لایق اشخاص کی صحبت میں اسے رکھا تاکہ امور سلطنت کو انجام دینے کا ملکہ اس میں پیدا ہو جائے۔

کامل خاں سلطنت بیجاپور کا ایک لایق با رسوخ امیر تھا۔ چاند بی بی نے اسے قلمدان وزارت سپرد کیا۔ اس زمانہ میں یہ سلطنت دکن میں سب سے زیادہ قوی اور بڑی سمجھی جاتی تھی۔ جس کروفر کے ساتھ علی عادل شاہ نے حکومت کی تھی یہی تزک و احتشام قایم رکھنے کے لئے چاند بی بی نے بھی حتی الامکان کوششیں کرنی شروع کیں اور جس طرح اس کے شوہر کے عہد میں رعایا خوش و خرم تھی ویسا ہی طریقہ اس نے بھی رکھا اور یہی وجہ تھی جو اب تک چاند بی بی کا نام آسمانِ تاریخ پر چاند سے زیادہ روشن نظر آرہا ہے۔

سب سے زیادہ اچھا طریقہ جس سے رعایا خوش رہے اور ہر ایک کی کافی دادرسی ہو۔ وہ یہ تھا کہ چاند بی بی قلعہ میں روزانہ (چہارشنبہ اور جمعہ کے علاوہ) دربار کرتی اور صغر سن بادشاہ کو تخت پر بٹھا کر آپ پیچھے پردہ کے اندر حاضر رہتی۔ امرائے سلطنت بھی حاضر رہا کرتے تھے اور اس طرح ہر ایک کام انجام دیا جاتا تھا۔ امرا کے لئے سخت حکم تھا کہ ہاں میں ہاں ہرگز نہ ملائی جائے بلکہ اپنی سچی رائیں ظاہر کی جائیں اگر کسی کام میں چاند بی بی کی رائے سے اختلاف ہو جاتا تو کثرت رائے سے اس کا فیصلہ کر لیا جاتا مگر ایسے مواقع بہت ہی کم ہوا کرتے تھے۔

کامل خاں کو اپنے دماغ اور اپنی لیاقت پر گھمنڈ تھا۔ جب چاند بی بی کے آگے اس کی کوئی پیش نہ گئی تو آتش حسد بھڑک اُٹھی اور دل ہی دل میں چاند بی بی کے رسوخ کو ملیا میٹ کرنے کی سازش کرنے لگا۔ مگر خدا کی مہربانی کہ فوراً یہ راز منکشف ہوگیا اور چاند بی بی نے نہایت ہی افسوس کے ساتھ کامل خاں کو وزارت سے علیحدہ کر ڈالا۔

اب کشور خاں کو منصب وزارت عطا کیا گیا جو تجربہ کار ہونے کے علاوہ ملکی و فوجی امور میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد اُس نے بھی چاند بی بی سے مخالفت کرنی شروع کی اور دوسرے امرا کو ایکر بغاوت خیزی کرنے لگا۔ اسے بھی اس عہدہ سے الگ کرنے اور موافق امرا کی رائے سے بنکاپور کے حاکم مصطفےٰ خاں کو سلطنت کا وزیر اعظم مقرر کرنے کا ارادہ چاند بی بی نے کیا۔ مگر بدقسمتی سے اس کی خبر کشور خاں کو لگ گئی۔ کشور خاں اس وقت نہایت ہی زبردست امیر تھا۔ عنانِ سلطنت بالکل اس کے ہاتھ میں تھی۔ چاند بی بی قلعہ کی چار دیواری سے کیونکر باہر نکل سکتی تھی۔ آخر اس نے اپنے رسوخ سے کھلم کھلا کارروائی شروع کی اور چاند بی بی کو اس الزام پر قید کیا کہ اپنے بھائی کو بیجاپور پر حملہ کرنے کے لئے بُلایا ہے۔ عام لوگوں میں یہ افواہ فوراً پھیل گئی۔ یہ سنہ ۱۵۸۲ء کا ذکر ہے۔

ستارہ اس وقت بمبئی علاقہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ یہاں پر ایک زبردست پہاڑی قلعہ ہے جس کا مقابلہ شاید ہی دکن کا کوئی قلعہ کرسکتا ہو۔ ستارہ احمدنگر اور بیجاپور کے جنوب میں کوئی پچاس کوس پر واقع ہے۔ یہیں کے قلعہ میں چاند بی بی قید کی گئی تھی۔ کشور خاں نے چاند بی بی کو قید تو کیا مگر تمام امرائے عظام

ہوگئے اور ہر طرف ہلچل سی پڑ گئی۔ آخر کثرت رائے سے کشور خاں کو بیجاپور سے نکال دیا اور سلطنت کے خیر خواہوں نے ستارہ سے چاند بی بی کو قید سے چھڑا کر پھر عنان حکومت اس کے سپرد کی۔ کشور خاں کے بیحد مخالف پیدا ہوگئے تھے۔ آخر چاند بی بی کے موافقین نے اسے قتل کر ڈالا اور وزارت ایک حبشی نژاد امیر اخلاص خاں کو دی گئی۔ سلطنت بیجاپور اور احمد نگر میں پہلے ہی سے حبشی غلاموں کا رواج پڑ گیا تھا۔ ان میں بعض تو اتنے لایق ثابت ہوتے ہیں کہ اُن کا نام اب تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے چنانچہ انھیں حبشی نژادوں میں اخلاص خاں بھی ایک لایق اور قابل شخص شمار کیا جاسکتا ہے۔

جس جگہ دو مخالف جماعتیں ہو جائیں وہاں کا خدا ہی حافظ ہے۔ بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں۔ بیجاپور کا بھی یہی حال تھا۔ ایک طرف دکنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رہے تھے اور دوسری طرف حبشی اپنے پیر پھیلا رہے تھے، اور ان دونوں جماعتوں کی تو تو مَیں مَیں سلطنت کو سخت نقصان پہنچا رہی تھی۔

بیجاپور کی ابتر حالت دیکھکر ہر چہار طرف سے مخالف حکومتوں نے سر اُٹھانا شروع کیا اور برار، بیدر، اور گولکنڈہ والوں نے سلطنت کی حدود میں اپنے قدم بھی بڑھانے شروع کر دئے بلکہ ایک مخالف سلطنت نے تو بیجاپور پر بھی چڑھائی کر دی مگر چاند بی بی نے خوب داد شجاعت دی کہ مخالف سلطنت جس راستہ سے آئی تھی اُسی راستے بے نیل مرام واپس گئی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۵۸۲ء کا بتایا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ مورخین نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سی سلطنت تھی۔ کہتے ہیں سال بھر سے اس سلطنت نے بیجاپور کا محاصرہ کر رکھا تھا مگر چاند بی بی نے اپنی سلطنت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کر کے دشمن کے دانت کھٹے کر دئے۔

سنہ ۱۵۸۵ء میں پھر بیجاپور اور احمد نگر میں دوسری رشتہ داری شروع ہوئی۔ یعنی چاند بی بی کے بھائی مرتضیٰ نظام شاہ نے ابراہیم عادل شاہ کی بہن خدیجہ بیگم سے شادی کی اور دُلہن کے ساتھ چاند بی بی بھی اپنے میکہ چلی آئی۔

چاند بی بی کا اب مصمم ارادہ ہو چکا تھا کہ امور سلطنت سے دست بردار ہو جائے اور اپنی زندگی کے باقی ایام تنہائی اور خدا کی عبادت میں گذارے۔ مگر جب یہاں آئی ہے تو معاملہ ہی دگرگوں ہو گیا تھا۔ بیجاپور سے زیادہ بدتر حالت احمد نگر کی ہو چکی تھی۔ باپ بیٹے آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ آخر مرتضیٰ نظام شاہ کا کام تمام کر دیا گیا۔ فرشتہ دکن کا مشہور اور معتبر مورخ اُس وقت قلعہ میں موجود تھا۔ اُس نے بڑے دلخراش الفاظ میں اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ چاند بی بی بھی قلعہ ہی میں حاضر تھی اس نے ہزاروں ہی تدابیریں کیں کہ کسی طرح باپ بیٹے میں میل ملاپ ہو جائے مگر اس کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔

میران نظام شاہ نے اگرچہ باپ کو قتل کر کے تخت اپنے قبضہ میں کر لیا تھا مگر یہ کچھ راس نہ آیا اور اس کا بھی وہی انجام ہوا جو مرتضیٰ کا ہوا تھا۔ اسی بدنظمی کی حالت میں بارسوخ جماعت نے مرتضیٰ نظام کے بھائی کے لڑکے کو تخت پر بٹھایا اور جمال خاں کو منصب وزارت سپرد کیا گیا۔ مگر بیجاپور اور برار والوں نے اس بادشاہ کی سخت مخالفت کی اور احمد نگر پر چڑھائی کر کے جمال خاں کو شکست بھی دی لیکن چاند بی بی نے اپنے خاندان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اُبھارا اور صلح کرا کر اس آئی ہوئی بلا کو رفع دفع کر دیا۔

یہاں کی ناگفتہ بہ حالت اور اپنی کچھ پیش جاتی نہ دیکھ کر چاند بی بی مجبوراً بیجاپور چلی آئی۔ ابراہیم نے جو اب جوان ہوگیا تھا اپنی چچی کی بڑی ہی گرم جوشی کے ساتھ آؤ بھگت کی اور اُس کے ساتھ نہایت ہی عزت اور احترام سے پیش آیا۔

جب ۱۵۸۰ء میں چاند بی بی بیجاپور چلی آئی تو احمدنگر میں اور بھی زیادہ دھماچوکڑی مچ گئی۔ خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ برہان نظام شاہ احمدنگر کا تخت حاصل کرنے کے لئے اکبر بادشاہ کے پاس امداد طلب کرنے کے لئے چلا گیا اور ۱۵۹۰ء میں واپس آیا۔ اپنے بیٹے اسماعیل نظام شاہ سے لڑکر احمدنگر کا تخت حاصل کیا اور ۱۵۹۴ء تک سلطنت کی لیکن اس کا سارا زمانۂ حکومت بدنظمی اور شر و فساد ہی میں گذرا۔ اس کے انتقال کے بعد احمدنگر میں اور بھی مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ دو جماعتیں ہوگئیں اور دونوں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی بن گئیں۔ ایک جماعت بہادر شاہ کو اور دوسری احمد شاہ کو (جو دونوں بالکل بچے تھے) تخت پر بٹھانا چاہتی تھی۔ اسی اثنا میں میاں منجو ایک بارسوخ امیر نکل آئے اور لگے احمد شاہ کو وارثِ تخت قرار دیکر اس کی حمایت کرنے۔ مگر احمد شاہ کے پہلے ہی سے لوگ مخالف تھے۔ میاں منجو نے اپنی مدد کے لئے شاہزادہ مراد کو جو گجرات میں تیس ہزار فوج کے ساتھ مقیم تھا بلالیا۔ جب شاہزادہ مراد احمدنگر کے سامنے آکھڑا ہوا تو میاں منجو کی آنکھیں کھلیں کیونکہ اسے معلوم ہوگیا کہ شاہزادہ مراد کا آنا اس کے لئے اچھا نہیں تھا۔ اپنے چند بارسوخ احباب کو جمع کرکے صلاح و مشورت کی کہ اب کیا کیا جائے۔ سب کی رائے یہی ٹھہری کہ چاند بی بی کے سوا کوئی اس کام کو پورا نہیں کرسکتا لہذا اُسی کو بیجاپور سے بلایا جائے۔ ایک بارسوخ امیروں کی جماعت فوراً بیجاپور گئی اور چاند بی بی سے عرض معروض کرکے اُسے اپنے خاندان کا نام زندہ رکھنے کے لئے احمدنگر لائی۔ اس وقت چاند بی بی کی عمر کوئی پچاس سال کی ہوگئی تھی۔ اگرچہ بڑھاپا آرہا تھا مگر اس کی وہ بہادری جو خاص قدرت نے اسے عطا کی تھی وہی تھی۔ چاند بی بی نے آتے ہی سب سے پہلے دونوں شاہی بچوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میاں منجو کو فوراً گولکنڈہ اور بیجاپور روانہ کردیا کہ وہاں سے امداد لے آئے۔ اور آپ قلعہ کو مستحکم بنانے اور مورچہ بندی میں مشغول ہوگئی۔ ابھی ان کارروائیوں کو پورا نہ کرنے پائی تھی کہ اکبری فوج نے احمدنگر کا محاصرہ کرڈالا۔ یہ واقعہ ۱۵۹۵ء کا ہے۔

ناظرین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ چاند بی بی کے لئے یہ کتنی مصیبت کا وقت تھا۔ ایک تو پہلے ہی سے بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، دوسرے کافی فوج نہ تھی اور تیسری آفت یہ کہ ایک زبردست فوج نے گھیر لیا تھا۔ مگر چاند بی بی ہمت نہ ہاری اپنے سپاہیوں کو قلعہ کے ہر ایک برج اور دریچہ میں مقرر کردیا۔ پھاٹکوں پر تجربہ کار اور کارآزمودہ سپاہیوں کی جماعتیں بٹھادیں۔ اُدھر شاہزادہ مراد نے قلعہ کی دیوار اُڑانے کے لئے نیچے ہی نیچے سرنگ لگانی شروع کی۔ خواجہ محمد خاں شیرازی نے فوراً اس کارروائی سے چاند بی بی کو آگاہ کیا اور اُسی دم چاند بی بی نے بھی سرنگ در سرنگ لگاکر دشمن کو بھی اُڑا دینے کا انتظام کرنا شروع کیا۔ شاہزادہ مراد نے جب یہ کارروائی دیکھی تو دنگ ہوگیا اور قلعہ کو فتح کرنے کی تدبیر سوچنے لگا۔

اب شاہزادہ مراد کے لئے کوئی دوسری تدبیر نہ تھی۔ اس نے فوراً قلعہ کی دیوار چھوڑ کر سرنگ لگانے والوں پر حملہ کرنے کا

حکم دیا۔ اور ایک زبردست جماعت اس طرف روانہ کی۔ چاند بی بی بالکل نہ گھبرائی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور سر پر برقع اوڑھکر ہاتھ میں تلوار لیکر اُس جگہ آن کھڑی ہوئی جہاں اکبری فوج نے دیوار میں رخنہ ڈالدیا تھا اُس نے اپنی فوج کو فوراً گولیوں کی باڑھ چلانے کا حکم دیا اور دوسری طرف سے توپیں داغنا شروع کیں۔ شام تک چاند بی بی اسی جگہ جمی رہی اور دشمنوں کو بھی طرح برابری کا جواب دیتی رہی۔ اس خاتون کی بہادری اور زبردست فوجی انتظامات کو دیکھکر اکبری فوج کے افسروں کی عقل دنگ تھی اور شاہزادہ مراد بھی سمجھ گیا کہ اس خاتون کے آگے اپنی کچھ نہ چلے گی۔ چنانچہ اُس نے محاصرہ اُٹھا لینے کا ارادہ کر لیا۔ مراد نے چاند بی بی کی طرف اپنے چند معزز سرداروں کو اس کی بہادری کی تعریف اور جنگی کامیابیوں پر مبارکباد دینے کے لئے روانہ کیا اور چاند بی بی کو "چاند سلطانہ" کا معزز خطاب بھی دیا۔

شرائط صلح جو شاہزادہ مراد نے کہلا بھیجی تھیں پہلے تو چاند سلطانہ نے انھیں منظور نہ کیا مگر چند امیروں کے مشورے سے برار کی حکومت دینے پر راضی ہو گئی اور اس طرح ۱۵۹۶ء میں مخالفین کے پنجہ سے اپنی آبائی سلطنت کو اس خاتون نے بچایا۔ ع
"آفریں باد بریں ہمّتِ مردانۂ تو" اسی محاصرہ سے چاند بی بی کا نام فوجی کارناموں میں مشہور ہے۔

لیکن اب بھی مصیبتوں سے چھٹکارا نہ تھا۔ میاں منجو نے پھر اپنی بیوقوفی ظاہر کی اور احمد نظام شاہ کو تخت نشین کرنے کے لئے سازشیں کرنی شروع کیں۔ چاند بی بی نے کہا کہ بہادر نظام شاہ ہی اصلی وارث ہے۔ چاند سلطانہ نے فوراً ابراہیم عادل شاہ کو بیجاپور سے فیصلہ کرنے کے لئے احمد نگر بُلا لیا اور آخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ بہادر شاہ ہی تخت کا مالک رہیگا۔ اب چاند سلطانہ کو ذرا اطمینان نصیب ہوا اور انتظام مملکت میں مصروف ہو گئی۔

۱۵۹۹ء میں شاہزادہ مراد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اکبر بادشاہ نے دکن کی صوبہ داری پر شاہزادۂ دانیال کو مقرر کیا۔ اکبر کا برسوں سے یہ ارادہ تھا کہ کسی طرح نظام شاہی سلطنت پر قابض ہو جائے اور شاہزادۂ مراد کے انتقال سے تو اسے اور بھی ایک نیا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ تسخیر دکن کے لئے شاہزادۂ دانیال کے زیر حکم ایک زبردست لشکر دیکر روانہ کیا۔ ادھر چاند سلطانہ نے مغلیہ فوج کا رُخ دیکھکر بیجاپور سے کچھ امداد طلب کی اور سہیل خاں مشہور بیجاپوری سپہ سالار کو بھی مانگ لیا۔ اُدھر شاہزادۂ دانیال کے ہمراہ اکبر کے مشہور افسر جن کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بج چکا تھا آرہے تھے۔ چنانچہ خان خاناں، راجہ علی خاں، راجہ جگنّا تھ، (وغیرہ) تجربہ کار جنگ آزمودہ افسر تھے مگر اس پر بھی چاند بی بی نے مقابلہ کی ٹھہرائی اور اپنے بچاؤ کی تیاریاں کرنے لگی۔ آخر مغلیہ فوج آگئی اور قلعہ کا محاصرہ ہو گیا۔ ابوالفضل نے اس محاصرہ کی مفصل کیفیت لکھی ہے جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دکنیوں نے اپنا خون پانی ایک کر دیا تھا اور چاند سلطانہ نے بھی جواں مردی کے جوہر دکھانے میں کوئی بات نہ اُٹھا رکھی تھی۔ مگر مغلیہ فوج کی تعداد دکنیوں سے کہیں زیادہ تھی اس کے علاوہ دکنیوں میں صرف ایک عورت اور صرف سہیل خاں ہی تھا اور اُدھر کوئی نصف درجن تجربہ کار اور جنگ آزمودہ افسر تھے۔ آخر دکنیوں کی شکست اور مغلیہ فوج کی جیت ہوئی۔

۱۵۹۹ء میں نہنگ خاں نے بیٹھے بٹھائے اُس مغلیہ فوج پر حملہ کر دیا جو بیڑ میں تھی اور اس طرح گھر بیٹھے جنگ مول لی اکبر نے پھر شاہزادہ دانیال اور خانخاناں کو ایک زبردست فوج کے ساتھ احمد نگر کو بالکل ملیامیٹ کر دینے کے لئے روانہ کیا۔

چاند سلطانہ نہنگ خاں کی اس بیوقوفی پر نہایت ہی برافروختہ ہوئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اب جو کچھ کیا جائے وہ اپنی ہی رائے سے کرنا چاہئے لیکن جب مغلیہ فوج آن پہنچی تو چاند سلطانہ نے دیکھا کہ اُن کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہماری فوج اُن کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی۔ لڑنا گویا جان بوجھ کر جان دینا ہے۔ یہ خیالات آتے ہی چاند بی بی مصلحتاً ذرا پست ہمت ہو گئی۔ لہذا اس نے خیال کیا کہ صغر سن بادشاہ کو لیکر جُنیر کی طرف نکل جائے اور شہر مغلوں کے حوالے کر دیا جائے۔

اب دوسری مصیبت سُنئے۔ چاند بی بی کو جن لوگوں پر پورا اعتماد تھا اُن میں ایک حمید خاں نامی سردار تھا۔ چاند بی بی اس کی بہادری اور جوانمردی کی بڑی ہی قدرداں تھی اور یہی وجہ تھی کہ چاند سلطانہ نے اسے پستی سے بلندی پر پہنچا دیا تھا اور اپنی فوج کا سپہ سالار بھی بنایا تھا۔ مگر چاند بی بی کے متبنیٰ عباس خاں سے حمید خاں کو سخت عداوت تھی اور موقع دیکھ رہا تھا کہ اپنے ہاتھ کے جوہر دکھلائے۔ کیونکہ عباس خاں کو چاند بی بی اپنا حقیقی بیٹا سمجھتی تھی۔ الغرض حمید خاں کو بُلا کر چاند سلطانہ نے اپنا منشاء ظاہر کیا اور جو خط مغلیہ سپاہ سالار کو چاند بی بی نے لکھا تھا وہ بھی پڑھ کر سُنا دیا اور رائے پوچھی مگر حمید خاں کا تو کچھ اور ہی ارادہ تھا۔ یہ خط دیکھتے ہی اُچھل پڑا اور چاند سلطانہ کے ہاتھ سے چھین کر باہر آ کر امیر اُمرا کے سامنے چیخنے لگا کہ "دغا! دغا!!" اور وہ خط پڑھ کر بھی سُنا دیا جو چاند سلطانہ نے مغلیہ سپہ سالار کو لکھا تھا۔ الغرض ہر چہار طرف دغا ہی دغا کی آوازیں آ رہی تھیں اور ہر شخص سمجھ رہا تھا کہ چاند سلطانہ مغلوں سے مل گئی اور ہم سے دغا بازی کر رہی ہے۔ حمید خاں تو یہ چاہتا ہی تھا، سب کو بہکا کر چاند بی بی سے بدلہ لینے یعنی اُسے قتل کرنے کے لئے ایک زبردست جماعت ساتھ لیکر محل میں گھس پڑا۔ چاند بی بی نے اگرچہ اس وقت بھی اپنا اچھا بچاؤ کیا مگر عورت ذات آخر کیا کرتی حمید خاں نے چاند بی بی کا سر اُتار ہی لیا۔

زہرہ نامی عورت عباس کی بی بی تھی یہ شور و غل سنکر چاند بی بی کے کمرے میں آئی تو دیکھا کہ چاند بی بی زمین پر خون میں غلطاں پڑی ہے۔ عباس خاں اس وقت حاضر نہ تھا۔ مغلیہ فوج کی روک تھام میں مصروف تھا۔ لیکن جب اسے خبر لگی تو دیوانہ وار دوڑتا ہوا آیا اور ملکہ کو مقتول دیکھکر پوچھنے لگا کہ قاتل کون ہے۔ لوگوں نے حمید خاں کا نام بتلایا۔ عباس خاں شیر کی مانند حمید خاں کی جستجو میں گیا اور اُسے ڈھونڈ کر اپنی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

ایک انگریز مؤرخ (کرنل میڈوز ٹیلر) چاند بی بی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ [دکن کی ملکہ چاند بی بی صرف انگلستان کی ملکہ ایلزبیتھ کی ہمعصر ہی نہ تھی بلکہ اُسی شان و شوکت سے حکومت کرتی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے وہی لیاقت و حکمرانی کا جوہر دونوں کو یکساں عطا فرمایا تھا۔ چاند سلطانہ کی بھی مملکت اُتنی ہی تھی جتنی کہ ملکہ ایلزبیتھ کی تھی۔ مگر چاند سلطانہ نے ہزاروں تکلیفیں جھیلکر جب تک دم میں دم رہا اپنی سلطنت دشمنوں کے

پیچوں سے بچاتی رہی جس کی مثال تاریخ ہند میں کیا معنی
تواریخ عالم میں مشکل سے ملے گی]

مرہٹہ مورخ چٹنویس کا ایک خط مورخہ ۱۶۲۱ء شائع ہوا ہے،
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ فوج سے جس وقت چاند بی بی
لڑ رہی تھی چاروں طرف سے گولوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی
اور گولہ بارود ختم ہو جانے سے چاند بی بی نے خزانہ کھلوادیا
اور تانبے وغیرہ کے پیسے بھر بھر کر دشمن پر گولہ باری کی ہے۔
اگرچہ یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن بہت سے معتبر اور مشہور
مورخین نے بھی اس کی تصدیق کی ہے چنانچہ مسٹر ایلفنسٹن نے
بھی مسٹر چٹنویس کے الفاظ سچ مانے ہیں۔

ایک اور مورخ (شفیع احمد) اس خاتون کی بہادری کا واقعہ
اس طرح بیان کرتا ہے کہ چاند خاتون کے شوہر کے عموماً بہت
لوگ دشمن ہو گئے تھے اور یہ فکر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح
سے علی عادل شاہ کو قتل کر ڈالیں۔ اگرچہ علی عادل شاہ ایسی
باتوں کی پروا نہ کرتا تھا تاہم متوحش تھا اور تین روز سے
برابر جاگ رہا تھا۔ چاند بی بی نے اپنے شوہر کو ہمت دلائی
اور آرام سے سو جانے کو کہا اور خود ہوشیار پڑی رہی۔ اتنے
میں بالاخانہ پر کسی کے کودنے کی آواز چاند بی بی کو سنائی دی
یہ بہادر خاتون فوراً اپنے شوہر کی تلوار لیکر باہر نکل آئی اور
دیکھا کہ دو شخص کھڑے ہیں۔ فوراً اُن پر جھپٹ پڑی اور پہلے ہی
حملہ میں ایک کا تو سر اڑا دیا اور دوسرے حملہ میں ایک کو سخت
زخمی کر ڈالا۔ بالاخانہ پر دھماکہ کی آواز سے علی عادل شاہ فوراً
جاگ پڑا اور باہر آکے دیکھا تو چاند سلطانہ تلوار لئے کھڑی
ہے۔ علی عادل شاہ کو آتے دیکھ کر چاند بی بی نے کہا لیجئے
یہ آپ کے دونوں مہمان ہمیشہ کے لئے آپ سے جدا ہو گئے۔

ایک وقت کا ذکر ہے کہ یہ خاتون محافہ میں احمد نگر سے
بیجاپور آرہی تھی ساتھ صرف ایک مختصر سا باڈی گارڈ تھا۔
حکومت گولکنڈہ کے سپاہیوں سے کہیں راستہ میں چاند بی بی
کی محافظ سپاہ سے چل گئی اور بات کا بتنگڑ بن گیا۔ دونوں
طرف سے تلواریں نکل پڑیں۔ مخالفین زیادہ تھے اور باڈی گارڈ
کے سپاہی کم۔ اپنے سپاہیوں کو قتل ہوتے دیکھ کر فوراً
محافہ سے نکل پڑی اور اپنے چیتل گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ
میں کھڑی ہو گئی اور مخالفین پر ایسے حملے کئے کہ انھیں بھاگتے ہی بن پڑی۔

ہر ایک مورخ اس بات کا اقبال کرتا ہے کہ چاند سلطانہ
ایک زبردست شہسوار تھی اور بارہا اپنے شوہر کے ساتھ
میدان جنگ میں جایا کی ہے۔ صرف جاتی ہی نہ تھی بلکہ ساری فوج
کا پورا انتظام کرتی اور رموز جنگ بتایا کرتی تھی۔ اگر اتفاق سے
سپاہی پست ہمت ہو جاتے تو فوراً وہاں پہنچ جاتی اور ہمت
دلا دلا کر لڑاتی۔ جس طرح یہ خاتون دلاور اور کامل سپاہی تھی اسی طرح
بہت بڑی لائق اور زباں داں بھی تھی۔ یہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں
کہ فارسی اور عربی کے علاوہ دکن کی مروجہ زبانیں یعنی تلنگی،
تامل، اور مرہٹی، (وغیرہ) بھی جانتی تھی اور ان میں بے تکلف
گفتگو کرتی تھی۔

ایک معتبر مورخ (قاضی احمد نگر، شہاب الدین) لکھتا
ہے کہ چاند خاتون نے اپنی خواصوں میں ہر فن اور ہر علم
کی جاننے والی عورتیں رکھی تھیں۔

مذکورہ بالا حالات پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چاند سلطانہ
نے اپنے ملک کو بچانے اور اپنے خاندان کا نام روشن کرنے میں
کیسی کیسی کوششیں کیں اور کن کن مصیبتوں کا سامنا کیا۔

قطب الدین خاں راقی

تاریخ تکوینِ فلسفہ

[فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کو ایک خاص سلیقہ و ملکہ ہے۔ مستقل ثبوت کے لئے ممدوح کا مجموعۂ خیالات کافی ہے۔ یہ مضمون بھی آپ ہی کے ذہنِ رسا کا نتیجہ ہے۔ عنوان سے زیادہ اچھوتا متن ہے۔ افلاطون و سقراط، ہنگہ و ہیگہ، معلّم ثانی و ابن رشد و والٹیر و اسپنسر کے اقوال نقل نہیں کئے ہیں بلکہ محض وہ فلسفیانہ کیفیات جن کو ہر ذی عقل محسوس ضرور کرتا ہے مگر اوروں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش نہیں کرتا۔ جس کی مثال یہ لے لو کہ دوڑنے اور لپکنے کی کیفیت میں ہر شخص تفریق کر دے گا۔ یا ان دو حالتوں میں جو فرق واقع ہوتا ہے اُس کو ہر آدمی بخوبی سمجھتا ہے۔ لیکن کم ایسے لوگ ہوں گے جو غور و خوض کے بعد اس تعریف تک پہنچے ہوں کہ دوڑنے میں پنجوں پر زور پڑتا ہے اور لپکنے میں ایڑیوں پر۔ اڈیٹر]

فلسفے کے متعلق ذیل کے سوالات دلچسپی کے ساتھ معرضِ بحث میں آسکتے ہیں:۔

(الف) فلسفہ کی بنیاد کب پڑی؟

(ب) کس زمانہ میں یہ وجود پذیر ہوا؟

(ج) کس نے اس کی بنیاد ڈالی؟

اگرچہ تاریخی رنگ کی سرسری بحث میں ہم یہ کہنے کے قابل ہوں گے کہ "فلسفہ فلاں زمانہ میں وجود پذیر ہوا۔ فلاں شخص اس کا بانی یا مرتب تھا۔ فلاں شخص کی کوشش سے یہ اشاعت پذیر ہوا۔ شروع شروع فلاں شخص کو اس میں کمال تھا۔ فلاں سرزمین یا فلاں قوم میں اس کی نشو و نما ہوئی" لیکن بایں ہمہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا مرتب یا بانی خصوصیت سے فلاں شخص ہوا ہے۔ ہاں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص نے نسبتاً اس میں جدت دکھائی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ بعض اقوام اور بعض ممالک میں خصوصیت سے اس کے جاننے والے گذرے ہیں، اور بعض اقوام میں بعض اشخاص اس کے متعلق شہرت رکھتے ہیں۔ جیسے ہندی و یونانی فلسفہ مقابلتاً بعض امور میں شہرت پذیر ہے۔ اور ان دونوں ممالک میں بہت سے لوگ گذشتہ مشاہیر کے سلسلہ میں لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ کسی حالت میں بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سوائے ان دو قوموں کے روئے زمین کی اور کسی قوم میں فلسفہ کا مادّہ یا طبعی میلان تھا ہی نہیں۔ مانا کہ بعض قوموں کے افراد کثیرہ میں اس کی مہارت و شہرت تھی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دُنیا بھر میں اور کوئی قوم یا اور کوئی شخص ان راہوں سے واقف ہی نہ تھا، یا اور کسی قوم کے طبائع میں یہ مواد موجود ہی نہ تھے۔

جن زمانوں میں ہندوستان و یونان کا فلسفہ بعض ماہرین کے اعتبار و کمال کی وجہ سے دُنیا بھر میں شہرت رکھتا تھا اُن ہی زمانوں میں دنیا کی اور قوموں اور دیگر ملکوں میں بھی کچھ نہ کچھ فلسفی مزاج یا فلاسفر موجود تھے۔ گو اُن سے عام طور پر لوگ واقف نہ ہوں یا اُنھوں نے فلسفہ پر کوئی کتاب یا مضمون نہ لکھا ہو۔

اس سے ثابت ہے کہ فلسفہ کی تدوین یا تکوین کا کوئی خاص زمانہ نہیں تھا، یا کوئی خاص قوم اس کے واسطے کلیتاً مخصوص نہ تھی۔ جن قوموں کو اس بارہ میں نسبتاً فوقیت و شہرت دیجاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اُنھیں نسبتاً اس میں ایک شہرت حاصل تھی، نہ یہ کہ اُن کے سوائے کسی اور قوم میں اس قسم کے فلسفیانہ جذبات پائے ہی نہیں جاتے تھے۔

میری رائے میں تو جب سے انسانی بساط بچھی، یا جب سے دُنیا کا آغاز ہوا اور انسان و دیگر جاندار و بیجان مخلوق کی بنیاد پڑی اُسی وقت سے فلسفہ کی بھی ابتدا ہوئی۔ غرضکہ وجود عالم کے ساتھ ساتھ وجود فلسفہ بھی وابستہ ہے۔

"ہر شخص اپنی اپنی حد، یا اپنے اپنے رنگ میں فلسفی ہے یا یہ کہ ہر شخص کی ذات و طبیعت فلسفہ سے مناسبت رکھتی ہے اور اس طرح ہر شخص کسی نہ کسی حد تک فلسفہ سے کام لیتا ہے"۔

"ہر ہستی، ہر شئے اور ہر وجود بجائے خود ایک فلسفہ ہے"۔

"تمام کائنات اور تمام موجودات ایک فلسفہ ہے اور تمام فلسفہ کائنات و موجودات ہے"۔

"فلسفہ کا وہی شروع ہے جو خود انسان و دیگر ہستیوں کا ہے"۔

"فلسفہ ہم سے الگ نہیں اور ہم فلسفہ سے جُدا نہیں"۔

"جب تک ایک ہستی زندہ و موجود رہتی ہے اُسی وقت تک اُس کا فلسفہ بھی زندہ و موجود رہتا ہے"۔

"جب کوئی ہستی اپنی ہستی کھو بیٹھتی ہے تو اُس کا فلسفہ بھی نابود ہو جاتا ہے"۔

"فلسفہ کوئی جُداگانہ علم یا جُداگانہ فن نہیں ہے، کائنات ہی سے نکلتا، وجود پذیر اور شروع ہوتا ہے اور کائنات ہی کے ساتھ ختم بھی ہو جاتا ہے"۔

جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلسفی ہے تو اُس کا یہ منشا نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کائنات سے کوئی الگ جذبہ یا جُداگانہ طاقت رکھتا ہے، بلکہ یہ کہ ایسا شخص بمقابلہ دیگر اشخاص کے نسبتاً کائنات کی بعض خصوصیتوں سے زیادہ تر واقفیت و احساس رکھتا ہے۔ اور اُن کے سمجھنے اور بیان کرنے میں اُسے ایک خاص ملکہ حاصل ہے، یا اُس کی فطرت ایسی حقیقت و کیفیت سے زیادہ تر وابستہ و آراستہ ہے، یا اُس کی طبیعت میں ایسا مادہ خصوصیت سے پایا جاتا ہے۔

اگر چند فلسفی اور چند ایسے اشخاص کا مقابلہ کیا جائے جو فلسفہ کے نام سے بھی ناآشنا ہوں تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ جو لوگ فلسفہ کے نام خواہ فلسفہ کے قوانین سے محض نابلد ہیں ان کے بعض خیالات و احساسات بھی فلسفہ سے بہت کچھ نسبت رکھتے ہیں، اور اُن کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ اُن میں بھی فلسفہ کے جذبات موجود ہیں۔ یہ ثبوت اس امر کا ہے کہ قدرت ہی کی جانب سے ہر شخص کی طبیعت میں فلسفہ کے جذبات کا بھی کسی نہ کسی حد تک مادّہ ودیعت رکھا گیا ہے۔ یہ جُدا بات ہے کہ کسی کی طبیعت میں کچھ مواد ہیں اور کسی کی طبیعت میں کچھ۔ کوئی طبیعت ایسے مواد سے کام لے رہی ہے اور کوئی کام میں نہیں لاتی۔

فلسفہ کوئی نیا علم، نیا فن، انوکھا انکشاف، یا انوکھا اجتہاد نہیں ہے، یا دائرۂ کائنات سے باہر نہیں ہے۔ وہی اجتہاد اور وہی جذبہ ہے جو ہر ایک شخص کی طبیعت میں علیٰ قدر مراتب پایا جاتا ہے وہی ودیعت ہے جو ہر ایک شخص کو حاصل ہے۔ وہی فیضان ہے جو طبعاً ہر ایک شخص کے حصّہ میں کسی نہ کسی قدر آچکا ہے۔

شروع ہی سے اس کی ہستی چلی آئی ہے اور شروع ہی سے مختلف مقادیر میں اور مختلف پیمانوں پر لوگ اس سے کام لیتے رہے ہیں۔ ہر ہستی اور ہر وجود میں بالخصوص انسانی ہستی و وجود میں اس کا مشاہدہ و تماشا کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ہستی اور کوئی انسان اس سے معرّا اور خالی نہیں۔ اس کی تاریخ کل موجودات یا انسان کی تاریخ ہے، اور اس کی تدوین جملہ کائنات یا انسان کی تکوین سے ٹکر کھاتی اور نسبت رکھتی نظر آتی ہے۔

انسان اور دیگر کل ہستیاں ایک فلسفہ یا مواد فلسفہ ہیں،

اور فلسفہ بھی بشمول کل ہستیوں کے ایک ہستی اور ایک حقیقت ہے فلسفہ کی ہستی دوسری ہستیوں کے روپ میں اپنا مشاہدہ و تماشا کراتی ہے۔ اگرچہ کتابوں میں فلسفہ کی بحثیں بڑی شرح وبسط سے پائی جاتی ہیں اور خود فلاسفر بحثوں اور تقریروں میں اس کی بابت بہت کچھ کہتے اور حیران بین کرتے ہیں پھر بھی جس خوبصورتی سے مختلف ہستیوں میں اس کا تماشا و نظارا ہو سکتا ہے وہ کتابوں اور تقریروں میں نہیں ہو سکتا جب کتابیں نہیں تھیں اُس وقت بھی فلسفہ موجود تھا۔ جب بوعلی سینا، ابن رشد، ہربرٹ اسپنسر وغیرہ وغیرہ نہ تھے اُس وقت بھی اسی آب وتاب سے فلسفہ وجود پذیر تھا۔ انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی فلسفہ بھی وجود میں آیا ہے۔ فلسفہ انسان سے الگ نہیں اور انسان فلسفہ سے جُدا نہیں۔

آغاز فلسفہ

اسی بحث میں فلسفہ کے متعلق خلاصتاً دو مسائل بالخصوص قابلِ بحث ہیں :۔

(الف) فلسفہ کب شروع ہوا؟

(ب) کہاں سے فلسفہ شروع ہوا یا ہوتا ہے؟

مسئلہ اول کی بابت بعض لوگوں کی جانب سے تاریخی رنگ میں مختصراً جواب دیا گیا ہے اور چند حکما کو اس کا موجد ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے لیکن میرے خیال میں یہ جواب یا یہ ثابت کرنا کہ فلسفہ کا آغاز فیثاغورث یا ارسطو سے ہوا، یا یہ کہ فلسفہ چونکہ فلاں زبان کا لفظ ہے اس لئے اس کا آغاز فلاں نے کیا یا فلاں زمانہ میں ہوا، ایسی صورت میں ایک فضول اور بے بنیاد بحث ہو گی جبکہ ہم یہ تسلیم کرانے کے لئے براہین رکھتے ہیں کہ فلسفہ تمام ہستیوں اور انسانی ہستی کے ساتھ ہی شروع ہوا اور ان ہی کا ایک جزو ہے۔

اگر ہم مان بھی لیں کہ سب سے اوّل فلسفہ کا لفظ بصورت فلاسوفاس ارسطو کے شاگردوں کی تصانیف میں استعمال کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ ہیرودوطس کے مخاطبہ میں لفظ فلاسوفی یا فلاسوفیا پایا جاتا ہے، اور سقراط کے زمانہ سے پیشتر جو لوگ علم کے اعلیٰ بہروں میں امتیاز حاصل کرتے تھے اُنھیں فلاسفو کہا جاتا تھا، اور یہ بھی بالکل درست ہے کہ ایک طیطیس اپنے شاگردوں کے فلسفی کہے جانے سے روکتا تھا، تو ان تمام اقوال اور ایرادات سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ یونان یا فلاں خطہ ہی سے یہ علم نکلا یا اسی اعتبار سے اس کا اطلاق ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ عربوں اور فارسیوں نے عاریتاً یہ لفظ لیا۔ مگر جن اقوام مثلاً ہندوؤں نے یہ لفظ نہیں لیا ہے، اُن کی نسبت کب اور کیونکر کہا جائے گا کہ اُن میں بھی اس علم کے عالموں پر اسی لفظ کا اطلاق ہوتا تھا۔ چونکہ اس قسم کے لوگ اور قوموں میں بھی پائے جاتے تھے اس لئے اُن کی اپنی زبان ہی میں اس کے لئے کوئی لفظ وضع کیا گیا ہو گا۔ ہاں اس قدر بخوبی کہہ سکتے ہیں کہ ہندی، یونانی، اور مصری خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہوئے رفتہ رفتہ اس خیال کے لوگ اُن میں بکثرت پیدا ہوتے گئے اور اس طرح اُن کی شہرت بھی بڑھتی گئی۔

چونکہ یہ ملکہ فطرتی ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ جس نے اس کا بنیادی پتھر رکھا وہ خود قدرت وفطرت ہے۔ البتہ چند اقوام کے بعض نامور و ممتاز افراد نے نسبتاً اس میں زیادہ وسعت سے مہارت وشہرت حاصل کی ہے۔ کیا یہ مان لیا جائے گا کہ صرف خطۂ یونان کے لوگ فہم و فراست اور عقل و دانش سے محبت رکھتے تھے، اُن کے سوائے اور کوئی قوم عقل و فراست سے آشنا ہی نہ تھی؟

ہر علم اور ہر فن کا جُداگانہ فلسفہ ہے۔ سیاست، سیاست مدن، ہندسہ، ہیئت، مذہب، اخلاق، شاعری، موسیقی، اور مصوری اپنی اپنی جگہ یہ سارے علوم فلسفہ ہی ہیں۔ اور یہ سب عقل و دانش ہی کے ثمرے ہیں۔ کیا جن دیگر اقوام نے ان علوم و فنون یا بعض دیگر علوم و فنون میں مہارت و شہرت حاصل کی ہے اُنھیں یونانیوں اور مصریوں کی طرح خصوصیت کی سند نہیں دیجا سکتی ہے؟ بمقابلہ یونان، ہندوستان کے اکثر آریہ و ہندو فلسفہ میں ایک خاص شہرت و مہارت رکھتے تھے۔ پھر اُن کے سروں پر یہ سہرا کیوں نہ بندھے؟ بات یہ ہے کہ کسی قوم اور کسی ملک کو کسی علم یا کسی فن کے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں علوم و فنون کے سامان و وسائل پائے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اُن وسائل و ذرائع سے کام لیتا ہے اور کوئی نہیں لیتا۔ یا آب و ہوا کے اعتبار سے بعض ممالک کے انسانی طبائع میں بعض علوم و فنون سے متعلق ایک خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اقوام و افراد اُن میں کمزور رہتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ایک ہی ملک یا ایک ہی قوم کے صرف بعض افراد کو کسی ایک علم یا کسی ایک فن کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے تو حقیقت میں یہ ایک لغزش آمیز خیال ہے۔ کیونکہ جب کسی دوسری قوم کا کوئی شخص اُس علم یا اُس فن میں ملکہ حاصل کرتا ہے تو باعتبار جدید مخترعات اُس میں وہ پہلے سے بھی بڑھ کر ترقی دکھاتا ہے۔ اگر صرف ایک ہی قوم یا ایک ہی شخص کے ساتھ خصوصیت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ ایسا اجنبی شخص ترقی نہ کر سکتا۔

لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ ایک اجنبی شخص بھی بعد میں بہت کچھ ترقیات کرتا ہے اور یہ اس امر کے لئے کافی ثبوت ہے کہ دراصل قدرت نے اپنے فیضان میں بہت کچھ وسعت رکھی ہے۔ بیشک یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ بعض علوم و فنون کا آغاز کسی ایک قوم کا کوئی خاص فرد کرتا ہے اور اُس کے متعلق صرف اُسی کی شہرت ہوتی ہے اور حق تو یہ ہے کہ یہ سہرا اُسی کے سر سجتا بھی ہے۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ فطری رنگ میں اس کے سوائے اور کسی فرد بشر کے حصہ میں ایسا مبلغ علم نہیں ہے یا نہیں ہوتا۔ علم کی طاقت تو سب اقوام اور سب افراد کے حصہ میں آ چکی ہوتی ہے لیکن شاید ہی کوئی ایجادی اور اختراعی رنگ میں مقابلتاً گوئے سبقت لے جاتا ہے اور اُسی کی شہرت بھی ہو جاتی ہے۔

انصاف کا تقاضا ضرور یہی ہوتا ہے کہ ایجادی لحاظ سے اُسی شخص کو اُس کا مخترع و موجد کہا جائے اور اُسی کی جدت طبع و ذہانت کا اعتراف کیا جائے۔ ان حالات میں ہم معترف ہیں کہ اہل یونان میں سے چند لوگوں نے جدت و اختراع سے بہت کچھ کام لیا ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ خصوصیت کے ساتھ قابل تعظیم ہیں۔ اسی طرح اہل ہند کے مشاہیر گذشتہ اور ان دونوں کے بعد اہل عرب عظمت کے قابل ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ "فلسفہ کہاں سے شروع ہوا یا ہوتا ہے؟" اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ فلسفہ کے مناخذ کیا کیا ہیں اور کن کن وسائل سے یہ وابستہ ہے؟

میری رائے میں فلسفہ کا شروع قدرت ہی سے ہوا اور قدرت ہی نے اُسے ہر ہستی میں ودیعت رکھا۔ اس طرح ہر ہستی بجائے خود ایک فلسفہ ہے اور ہر ہستی جداگانہ رنگ میں اپنے اپنے فلسفہ کا کائنات پر اعلان کر رہی ہے۔ انسانی ہستی میں فلسفہ کا شروع انسان کے ضمیر، دماغ، آنکھ، کان اور مختلف قوتوں سے ہوتا ہے۔ یہ سارے پُرزے فلسفہ کے ابواب ہیں۔ ان ہی میں سے فلسفہ داخل ہوتا اور نکلتا ہے۔ ان ہی سے شروع ہوتا ہے

اور ان ہی پر ختم بھی ہو جاتا ہے ضمیر و دماغ فلسفہ کی کان و منبع ہیں، آنکھ اور کان ایسے ظاہری ذرائع ہیں جن کے ذریعہ سے فلسفیانہ رشحات اندرونی قوتوں کے ملاقی ہوتے اور پھر رفتہ رفتہ باہر نکلتے ہیں۔

ان بیرونی ذرائع کے سوائے وجدان بھی ایک روحانی ذریعہ ہے۔ وجدان و دیگر ذرائع بیرونی میں ایک لطیف نسبت ہے۔ اگرچہ وجدان ایک جداگانہ مرحلہ ہے پھر بھی جیسے جسم و روح میں ایک نسبت ہے ایسے ہی وجدان و دیگر ذرائع میں بھی ایک تعلق ہے۔ آنکھیں جو کچھ دیکھتی اور کان جو کچھ سنتے ہیں اُس سے ضمیر اور دماغ پر ایک اثر ہوتا ہے اور ضمیری جذبات میں ایک جوش و تموج پیدا ہو کر مزید مراحل پیش آتے ہیں۔ یہ ہی فلسفہ کا شروع ہے۔ ایک بچہ جب کوئی منظر یا شے دیکھکر اُس کی کیفیت سے آشنا ہونا چاہتا ہے تو اُس کی قوت فلسفہ جوش و تموج میں آتی ہے اور انکشافِ حقیقت پر زور دیتی ہے۔

حیرت اور تعجب کیا ہے، فلسفہ کا شروع اور فلسفہ کی ابتدا! یہ پوچھنا کہ :- "یہ کیوں ہے؟ یہ کیا ہے؟ یہ کیسا ہے؟ یہ کب سے ہے؟ یہ کس سے ہے؟" تمام فلسفی مراتب میں پایہ کہ فلسفہ کے ابجد کو جو یوں بتایا گیا ہے کہ فلسفہ لوآف وزڈم[1] ہے اس کا دوسرے الفاظ میں یہ ہی مطلب ہے کہ جو چیز اُس میں آتی ہے اُس کی تہ یا حقیقت تک پہنچنے کا عزم و شوق وجدانی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان یہ کوشش کرتا ہے کہ اُس کی وضاحت یا تکمیل عمل میں آئے۔ یا اُس کی حقیقت و کیفیت پر مزید روشنی پڑے۔ یہ سارے خیالات و جذبات محبت ہی کے آثار ہیں؛ محبت کا مفہوم ایک ایسا جذبہ ہے جو فوری رنگ میں ایک ہستی یا ایک حقیقت اور ایک کیفیت کی لے میں تگ و دو کرتا ہے۔

وہ چیز جو بیشتر کبھی ہمارے دیکھنے میں نہ آئی تھی جب پہلے پہل ہمارے مشاہدہ و احساس میں آتی ہے تو فطرتاً ہم اس ٹوہ میں لگ جاتے ہیں کہ اُس کی حقیقت یا کیفیت سے واقف ہوں۔ اگرچہ ہم ناکامیاب ہی کیوں نہ ہوں یا ایسی کوشش بھی نہ کریں پھر بھی ایسا اشتیاق ضرور ہوتا ہے۔

ان ہی معنوں میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص بجائے خود اپنی طبیعت میں فلسفی مواد رکھتا ہے۔ قدرت نے جتنی قوتیں ہمیں عطا کی ہیں وہ سب کی سب موادِ فلسفہ سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اُن میں سے کوئی بھی ایسی قوت نہیں جس میں فلسفہ کے مواد نہ بھرے گئے ہوں۔ فہم و تفکر کی قوت کیا ہے؟ فلسفہ کی بنیاد اور فلسفہ کا شروع۔ قوتِ تمیز کیا ہے؟ فلسفہ کی چھلنی جس میں سے ردی مواد چھن چھن کر خالص جوہر رہ جاتا ہے۔ قوتِ حاسہ کیا ہے؟ تار برقی فلسفہ جو موقع موقع سے ہر ایک قسم کی اطلاع ضمیر و دماغ تک پہنچاتا ہے۔ قوتِ ادراک کیا ہے؟ فلسفہ کا ایک ایسا مخبر جو ہر حال میں اپنے فرایض کے انجام دینے پر تُلا رہتا ہے۔ اور جو کچھ اُس کے پیش آئے بے کم و کاست عرض کرتا ہے۔ آنکھ؟ وہ دروازہ ہے جس کے راستہ سے تمام اطلاعات منزل ضمیر تک پہنچتی ہیں۔ اور اپنا اپنا تماشا دکھاتی ہیں۔ کان؟ ایسے متدین مخبر ہیں جو حرف بحرف دماغ و ضمیر کے حضور میں عرض کرتے ہیں۔ وجدان کیا ہے؟ وہ چراغ جو بغیر وسائل باطنی رنگ میں صدہا مسائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور صدہا دقایق کی چھان بین کرتا ہے۔ خدا نخواستہ اگر کوئی شخص آنکھ، کان، اور وجدان نہ رکھے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ فیضانِ فلسفہ سے کچھ بھی مستفیض ہوگا؟ ہر گز نہیں۔

[1] لوآف وزڈم کے معنی ہیں انس فہم و فراست (Love of Wisdom)

اس سے ثابت ہے کہ جن وسائل اور جن ذرائع کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہی موجبات و بنیاد فلسفہ میں۔

کیا ان حالات میں یہ کہا جائے گا کہ فلسفہ اس کائنات سے کوئی جداگانہ یا خارجی مواد ہے؟ یا ہستیوں کے سلسلہ سے وہ کوئی علیحدہ طاقت ہے؟ یا کائنات اور ہستیوں میں اس کا وجود نہیں پایا جاتا؟

بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ فلسفہ ہونا ایک وہمی علم ہے اور اس کی بنیاد محض توہمات پر ہے اس لئے اس کا اس عمومیت سے تسلیم کیا جانا درست نہیں ہے فلسفہ کی نسبت یہ ایک قدیم اعتراض چلا آتا ہے۔ اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ فلسفہ ایک وہمی علم ہے یا یہ کہ اس کی بنیاد توہمات پر رکھی گئی ہے یا یہ کہ وہ از او ہم ہی وہم ہے۔

لیکن میری رائے میں تو یہ درست نہیں۔ فلسفہ نہ تو وہم ہے اور نہ توہمات پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اگر فراست و دانش کی بنیاد وہم پر ہے تو یہ ضرور کہا جائے گا کہ فلسفہ کی بنیاد بھی اوہام پر ہے۔ یہ اعتراض اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے یا وارد ہو سکتا ہے جب فلسفہ کو دور از قیاس یا دور از فہم و فراست کہا جائے گا۔ جب فلسفہ فہم و فراست ہی ہے اور ہر ہستی میں مودعہ ہے اور ہر انسانی ہستی اس سے اپنے اپنے رنگ میں آشنا ہو کر علیٰ قدر مراتب کام لے رہی ہے تو پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ فلسفہ ایک وہمی کیفیت یا سلسلہ توہمات ہے۔

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اور علوم کی طرح اس میں بھی توہمات یا لغزشوں کی کیفیت ہو سکتی ہے لیکن سرے سے اسے توہمات قرار دینا حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ بات یہ ہے کہ فلسفہ کا نام سنتے ہی لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ یہ کوئی ایسا علم یا ایسی کیفیت ہے جو حقائق سے دور تر یا مغایر ہے۔ یہ درست نہیں۔ فلسفہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ ایک سلسلہ کائنات، ایک سلسلہ اشیا پر غور کرنے سے جو حقیقت و کیفیت منکشف ہوتی ہے اس کا ایک خاص رنگ میں اظہار کیا جاتا ہے۔ مثلاً جب ایک فلسفی الیقان حقیقت کی بابت بحث کرتا ہے تو یہ کوئی نئی بحث نہیں ہوتی، لیکن یقین دلانے کے لئے وہ جو خاص صورتیں اور خاص رائیں نکالتا ہے البتہ وہ ایک ضابطہ یا ایک قانون کے ماتحت بعض یا اکثر کے لئے جدید یا انوکھی ہوتی ہیں۔ چونکہ بعض فلاسفر ایسی تنقید میں شب و روز یا از سرتا پا مستغرق رہتے ہیں اس واسطے عوام کے خیال میں اُن کی تنقیدات کو وہمی کہا جاتا ہے۔

اگر ذرا مزید غور سے کام لیا جائے تو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ فلسفی رنگ میں وہم یا قوت واہمہ ہی بجائے خود ایک طاقت ہے اور طاقت بھی ایسی جو نکات علمیہ کے حل کرنے میں حد درجہ کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ ہر شے یا ہر ہستی کی تحقیقات کے لئے مزید شوق و توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ان امور کے لئے کامل انہماک درکار ہے۔ اس مرحلہ کے طے کرنے کے لئے قوت واہمہ یا وہم کی ضرورت ثابت ہے۔ فلسفی رنگ میں قوت واہمہ یا وہم سے مراد جنون اور بے عقلی نہیں ہے بلکہ ایک کامل توجہ اور کامل انہماک اور سچ پوچھو تو کسی شے یا کسی ہستی کے دریافت کرنے کے لئے جنون بھی ایک حد تک سبیل فلسفہ ہے۔ قوت واہمہ یا وہم اس صورت میں مفید نہیں جب اسے محض وہم کے معنوں میں لیا جائے۔ فلسفہ میں وہم سے مراد ایک ایسی قوت ہے جو لگاتار ادراک و انکشافات حقائق میں مصروف رہتی ہے۔ اور جس کا کام صرف یہ ہی ہوتا ہے کہ فتدبر۔

مرزا سلطان احمد

خالاؤں کا مارا۔آغا

[جس طرح چاشنی کلام کے لئے مثل اور ذائقہ زبان کے لئے نمک درکار ہے اُسی طرح تفریح دماغ کے لئے متانت آمیز ظرافت بھی چاہئے۔ اس کی زندہ مثال ذیل کی داستان میں دکھائی گئی ہے جو نواب سید نصیر حسین خاں صاحب خیال عظیم آبادی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ مضمون کی دلچسپی کو انداز بیان اور بڑھا دیتا ہے۔ اور یہ حضرت خیال کا حصہ ہے۔ اس داستان کا آغا مولانا شرر کا "آغا صادق" نہیں ہے بلکہ "خالاؤں کا مارا" گربۂ مسکین بھی وہ نہیں جو فقیہ عماد کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھی جس کی نسبت حافظ شیرازی فرما گئے ہیں ؎

"اے کبک خوش خرام کجا میروی بناز　غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد"

یا وہ بلی نہیں جس کی نسبت مثنوی موش و گربہ میں عبید زاکانی نے لکھا ہے ع "مژدہ باد اکہ گربہ زاہد شد" بلکہ فرحا کی پُسی جس نے مرزا کا ناکوں دم کر دیا۔ اور اس سے بھی سوا امریکی خاتون کا وہ ظالم مُنّو جو خم ٹھوک کر غریب آغا طاہر کے سامنے آ گیا۔ دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے رستم دل جو شیروں کو بھی مال موجود نہیں سمجھتے کبھی کبھی ایسی خفیف چیز یا ادنیٰ جانور سے ڈر جاتے ہیں جس سے حیرت ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ بچپن میں کسی خاص شے یا جانور سے وہ اس طرح ڈر جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ وہ خوف اُن کی عادت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اڈیٹر]

ڈرم ڈرڈ۔ دارجلنگ میں بہترین ہوٹل ہے اور میرے تجربہ میں تو یہاں گھر کا سا آرام ملتا ہے۔ اس دفعہ کی گرمی خدا کی پناہ! الٰہی توبہ! پھر خدا نہ دکھائے! کچھ تو اس سے سوا بعض نا شُدنی باتوں کے سبب کلکتہ چھوڑ کر آخر پہاڑ پر بھاگنا پڑا۔ راستہ میں مسٹر فیل، مسز فیل، ان کی ایک سیانی جوان لڑکی، اور اُس کی ادھیڑ خالہ ہم سفر مل گئیں۔ اچھے اور ملنسار لوگ بمشکل ملتے ہیں آخر یہ مشکل بھی آسان ہو گئی! ہم سب دارجلنگ پہنچے اور اُسی ڈرم ڈرڈ میں اُترے۔ دن کے کھانے میں قید نہ تھی، ہاں رات کو ہم سب ایک ہی میز پر ساتھ کھاتے تھے۔ میز گول تھی۔ صدر کوئی نہیں اور پھر سب صدر۔ مسٹر فیل کی لڑکی مس فرحا کو اگر صدر مان لیں تو عموماً یوں نشست ہوتی تھی۔ اُس کے دائیں طرف باپ۔ بائیں پر ماں۔ اُس کے بعد خالہ۔ میں اور مس فرحا آمنے سامنے!

گو اُس میز پر کسی کا نام کھدا نہ تھا مگر وہ ہماری ملکیت سمجھ لی گئی تھی۔ کوئی اُس طرف آنے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا۔ کوئی نہیں؟ کوئی حاکم بھی نہیں؟ ہاں تھے تو بہت سے مگر ان کی دلچسپی کم تھی۔ کوئی زمیندار۔ ڈپٹی کلکٹر۔ یا آنریری مجسٹریٹ نہ تھا۔ کوئی خطاب کا بھوکا بھی سر میز دکھائی نہیں دیتا! (بدقسمتی سے) سب بیٹھ بھرے تھے اور وہ ادھر آتے کیونکر؟ اپنا خشک و خرانٹ چہرہ لئے خود غریب الگ بیٹھتے۔ اور اسی میں اُن بیچاروں کی عزت بھی تھی!

ہم سب کھاتے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔ پُسی[1] (بلی) کو وقت معلوم تھا۔ آدھا کھانا ختم ہو چکا تو وہ پہنچی۔ ہم نے زانو بدلا تو سمجھے کہ پُسی آئی۔ بے تکلف گود میں جا بیٹھی۔ ایک سچی رکابی منگائی گئی۔ سب نے اپنے آگے سے تھوڑا تھوڑا اُس میں ڈالا۔ فرحا نے مُنہ سے مُنہ ملا کر اُسے پیار کیا۔ اُس کا نیا پٹا درست ہوا۔ گرہ مضبوط دی اور اُٹھا کر میز پر چھوڑ دیا! وہ گلدان سے ملکر میٹھی رکابی کی طرف جھکی۔ مُنہ ڈالا، اور مشغول ہو گئی! پُسی سب کو عزیز تھی۔ پیش خدمت، باورچی، خانساماں یہاں تک کہ مہتر بھی چاہنے لگا تھا۔

---

[1] خالہ کا کنایہ محاورے میں بلی سے ہوا کرتا ہے۔

اس لئے نہیں کہ وہ فرحا کی تھی-بلکہ واقعی وہ تھی بھی پیاری پیاری!
اور ہم کو بھی اُنس ہو گیا تھا-وہ بھی پہچان گئی تھی-اُس کے کمرے
میں جاتے تو سب سے آگے وہی دوڑ کے استقبال کرتی-گود میں
اُٹھا لیتے-پیار بھی کرتے اور پھر اُس کی ملکہ کی گود میں چھوڑ دیتے!
پُسّی، ابھی بچہ تھی-شوخ تھی-چنچل تھی-میر تقی میر[۵۱] کی نہیں،
فرحا کی بلی تھی! دن کو اکثر کھیلتے کھیلتے بھاگ جاتی، نہ ملتی تو فرحا
بے چین ہو جاتی-ہوٹل بھر ڈھونڈھنے لگ جاتا، اور جو لے آتا
وہ فخر کرتا-کہتا کہ "مس بابا اب اسے باندھ کے رکھئے"! اُس کے لئے
ریشم آیا-ڈوری بٹی گئی-اس میں دن بھر لگ گیا-اسی سے آج دیر
ہوئی-ہم لوگوں کو پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا-سوا آٹھ بجے مس
فرحا اُسے لئے. ڈوری کا ایک سرا پُسّی کے پٹے میں اور دوسرا
اُن کے کلمہ کی انگلی میں-اس طرح کھانے کے کمرے میں آئیں!
ہم لوگ دروازے سے ذرا فاصلہ پر تھے مگر ٹھیک سامنے. کمرے
میں قدِ آدم آئینے لگے تھے-بجلی کی روشنی میں عکس پڑا تو سب نے
مُڑ مُڑ کے دیکھا اور دیکھتے رہے-راستہ کے بیچ میں ایک میز تھی-گرد
سب کُرسیاں خالی-صرف ایک پر ایک جوان بیٹھا اپنے آگے کی
رکابی کی مچھلی کے کانٹے نکال رہا تھا-آہٹ سے وہ بھی چونکا-
متوجہ ہوا-کچھ گھبرایا-فرحا کو سر سے پیر تک بغور دیکھا-چہرے پر
خون دوڑنے لگا! ساتھ ہی پُسّی پر نظر جا پڑی اور چہرہ زرد، جھٹ
کرسی چھوڑ کھڑا ہو گیا پیچھے ہٹا-پھر پُسّی کو غور سے دیکھا اور میز کی
آڑ میں ہو گیا-

راستہ چلنے والے کو کیا خبر؟ مگر ہم سب نے دیکھا-حیرت ہوئی!
بعضوں کو اُس جوان سے نفرت بھی ہوئی! نہ معلوم وہ سمجھا کیا؟ شاید
بے مزا ہوا-نہیں ڈرا-بلی سے؟ تعجب! اور پھر پُسّی سے؟ عجیب!
خدمتگار (ویٹر) پیچھے کھڑا تھا-ہنسی ضبط نہ کر سکا! منہ پر ہاتھ رکھ لیا-
باورچیخانہ کی طرف بھاگا مگر کچھ بڑبڑاتا بھی جاتا تھا! اُس جوان
نے دو مرتبہ پکارا بھی-نہ بولا-بڑی دیر کے بعد اُدھر سے رکابی میں
گوشت کا ٹکڑا لئے آیا! شاید سزا دی! پُسّی سے ڈرنے والے پر
ہنسا-اُس سے نفرت کرنے والے پر بدلا لیا-دانت پیسے-
دانستہ گوشت کم-اور کسی قدر ٹھنڈا لایا!

آج پُسّی کو میز پہ قرار نہیں-دن بھر کھیلنا نہیں ملا-اب
خوش فعلیوں پر ہے! فرحا نے اُس کی ریشمی ڈوری کرسی کے بازو
میں باندھ دی ہے-وہ میز پر سے کبھی نیچے کبھی اوپر-ابھی فرحا
کے زانو پر تھی ابھی اُس کے کندھے پر پہنچی-گردن پر منہ رکھ کر لگی
بالوں کی خوشبو سونگھنے! ہوٹل میں شاید اس کا چرچا ہوا-ایک
ایک کر کے دیکھنے آیا-بعض جھانک ہی کر بھاگ گئے-بعض قریب
بھی آئے-مگر اُس جوان کی طرف پیٹھ کئے ہوئے! باورچی بھی
پہنچا چولھے پر ہنڈیا چڑھی چھوڑ کے آیا! ایک نے دوسرے کو
دکھایا-پُسّی کے نصیب پر شاید سب نے رشک کھایا-اُس وقت
بعض ناک چڑھے حکام بھی اُدھر ہی مخاطب تھے-اکثر پڈنگ[۵۲]
چھُری سے کاٹنے لگے-اُدھر سے نظر ہٹی تو اپنی حرکت پر شرمائے-
چھُری الگ کی اور پھر لگے دیکھنے!

آج کھانے میں بڑی دیر لگی-مینو[۵۳] اُلٹ پلٹ ہو گیا-پڈنگ کے

---

۵۱ میر صاحب کے پاس بھی 'مانی' نام اُنھیں کے مزاج و رنگ کی سی ایک بلی تھی-اپنی مثنوی میں اُس کی مسکینی-عزت اور نیک مزاجی کو نظم کر گئے ہیں، آبِ حیات میں ذکر موجود ہے-

۵۲ پڈنگ چمچے یا کانٹے سے کھاتے ہیں سخت نہیں ہوتی جو چھری کی نوبت آئے-جو کچھ ہوا وہ بدحواسی کا ایک فعل تھا! حضرت یوسف کو دیکھ کر زلیخا کی ساتھیوں نے لیموں کے بدلے انگلیاں کاٹ لیں-یہاں چھری سے اگر پڈنگ کٹی تو پکڑ کاہے کی-

۵۳ مینو، کھانے کی وہ فہرست جو لکھ کر میز پر رکھ دیتے ہیں-

بعد مرغی آئی سب نے کھا بھی لی! میووں کو سب بھولے شاید
کھانے اور کھلانے والے دونوں زیادہ پی گئے تھے! پوچھتا اور
یاد رکھتا کون! اس کے بعد کہیں کمرہ خالی ہوا۔ نہ معلوم وہ جوان
کب اٹھا؟ کسی نے خیال بھی نہیں کیا! مسز ڈیل اٹھیں تو ہم سب
بھی اٹھے۔ پسی جس شان سے آئی تھی اسی شان سے سدھاری!
ہم نے کمرے تک پہنچا بھی دیا۔ خدا حافظی کی اور رخصت ہوا۔
نہ معلوم فرحا اسے لائی کہاں سے تھی۔ پوچھا نہیں جنوری تو تبھی
بھولے نہیں۔ پیٹ میں بات تھی۔ مگر ان باتوں میں اس کا موقعہ
ہی نہ ملا۔ افسوس!

(۲)

آج کئی دنوں سے غل تھا کہ سنیچر کی رات کو رنک[۵۱] میں فینسی ڈریس[۵۲]
بال ہونے والا ہے۔ جانے والوں نے بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔
کلکتہ سے کپڑے اور سامان تار دے کر منگائے گئے تھے۔ مسٹر فیل
نے سپیرے کا روپ بھرا۔ مسز فیل اس بڑھاپے میں سدا سہاگن
بنیں۔ ان کی بہن کو بھوٹنی کا جامہ بھایا! رہ گئیں فرحا۔ دوپہر تک
کسی کو معلوم نہ تھا کہ آج یہ کیا کرنے والی ہیں! ماں نے کئی دفعہ
پوچھا بھی کہ "تم نے اپنے لئے اب تک کچھ نہیں سوچا؟" وہاں تین
بجے تک تصفیہ ہی نہیں ہوا تھا! چائے کے وقت فرمائش ہوئی
کہ مسز جمشید کے یہاں سے ساری آئے! آدمی دوڑا گیا۔ بچاری
نے اپنی نئی ریشمی دھانی ساری نکال کر فوراً بھیج دی شالوکہ بھی
ساتھ کر دیا اور لکھا کہ "ساری باندھ نہ سکو تو ہم آئیں"!

یہاں بچے بچہ حمام سے فراغت ہوئی۔ آیا اپنی سرمہ دانی لیکر
غسل خانہ میں گئی تو سمجھے کہ اب کنگھی ہو رہی ہے! کوئی آدھ گھنٹہ
بعد نکلیں۔ باپ کی نظر پڑی مسکرا دیا۔ ماں نے دیکھا اور دیکھتے ہی
نظر ہٹا لی! خالہ بے اختیار ہنس پڑیں۔ پوڈر سے گالوں پر ذرا
بے موقعہ جھلک آئے تھے۔ آئینہ میں دیکھا، پھر خود درست کر لئے!
سرمہ ایک طرف ذرا پھیل گیا تھا۔ رومال بھگو کے پونچھنا چاہا تو اور
پھیلا! نہ ہو سکا تو آیا پکاری گئی۔ وہ آئی ہنس کے اس نے برابر
کر دیا! شالوکہ ٹھیک ہوا۔ ساٹن اور آستینوں میں تو نام کے کاج
چھوٹے اور بٹن کچھ بڑے۔ خیر کسی طرح لگائے گئے۔ ساری
کی چنٹ ذرا زیادہ دے لی تھی اور اس سے آنچل کچھ چھوٹا پڑ گیا
تھا۔ پھر بھی خوب بندھی تھی۔ ہم نے بتایا تو فوراً ٹھیک کر لی!
بیرا (نوکر) دوکان سے نیا پپ (جوتا) لایا تو آتے ہی گھوم گیا
کس کو دے؟ پہچانا نہیں! پسی نے بھی نہیں پہچانا! پچکاری گئی۔
بلائی گئی۔ نہیں آئی۔ بھولی ہوئی دور ہی بیٹھی رہی!
ماں نے کہا کہ "اب اٹھو۔ دیر ہو رہی ہے۔ مسز مناسا
کے یہاں اس وقت کھانا ہے۔ وہیں سے ہم لوگ رنک جائیں گے۔
کدھر گئے تمہارے باپ؟" بیرا ہانپتا ہوا پہنچا "میم صاحب (صاحبہ)
رکشا[۵۳] تیار ہے"۔ سب کمرے سے نکلے۔ پسی بھی نکلی۔ سب چلے پسی
بھی چلی۔ ایک رکشا پر جا کر خود پہلے بیٹھ گئی۔ برساتی پہچان لی!
فرحا پہنچیں تو کود کر بھاگ گئی۔ اب بھی نہیں پہچانا! بیرا نے اسے
گود میں اٹھا لیا اور کمرے کی طرف لے چلا۔

---

۵۱ رنک، ناچ گھر۔ ۵۲ فینسی ڈریس بال، وہ ناچ جس میں طرح طرح کے کپڑے پہنتے، قسم قسم کے روپ بھرتے اور وہاں اچھا خاصہ سوانگ لاتے ہیں۔ بہتیرے چندہ کرکے اس کے لئے انعام بھی رکھا جاتا ہے کہ جس کی سب میں عجیب "نئی" اور واقعی زیب دہ پوشاک نکلے گی اسی کو وہ انعام ملے گا۔

۵۳ رکشا، پہاڑوں پر کی ایک سواری جس میں (جانوروں کے عوض) پہاڑی مزدور عموماً ایک آگے اور دو پیچھے جتتے ہیں اور اوپر سے نیچے۔ نیچے سے اوپر پتے کی طرح اڑائے اڑائے پھرتے ہیں۔ غیر معمولی جسم کے لئے تین کی جگہ چھ۔ اور چھ کی جگہ ڈبل.....!

شام تھی - ابر تھا - دھندھلکا ہو چلا تھا - ہوٹل بھر نوکر چاکر سب نکل آئے - جیسے کوئی تماشا تھا - کھڑے دیکھتے رہے - سواری چلی تو سب بکھرے! آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے - باورچی قریب تھا مگر ذرا ناک میں بولتا تھا اس سے اچھی طرح بات سمجھ میں نہیں آئی - ہم کو آتے دیکھا تو سب چپ ہو رہے - مہتر نے اور اکثر نوکروں نے منیجر کی ڈانٹ بھی سنی کہ "آج تم لوگ سارا کام کاج بھولے - کیوں؟ تماشا ماں دور جا کر ناک چڑھا کر بولا "آج چھ بجے (شام) سے تو صاحب خود برآمدے میں ٹہل اگارہے تھے - دو مرتبہ حساب لیا گئے بھی تو الٹ کے نہیں پوچھا - میرا کیا قصور!؟ ...... مسز مناسا کے یہاں ہم بھی مدعو تھے - رنگ بین بھی جانا تھا - چندہ تک دے چکے تھے - نہ جا سکے - کیوں؟ کیا بتائیں - دانتوں میں درد تھا!!

(۳)

آج رات ہم اکیلے پڑ گئے - کچھ کھا لینا ضرور تھا گئے تو کھانے کے ہال میں سناٹا - دروازے سے قریب ایک کرسی پر جا بیٹھے - شوربا ختم بھی نہ ہوا تھا کہ کل رات والا وہ جوان پہنچا اور سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا - میرے لئے مچھلی آئی - انکار کر دیا - وہ جوان کھاتا رہا - صورت سے شریف معلوم ہوتا تھا - مونچھیں گھنی، لمبی، خمدار اور سیاہی مائل - سر کے بال خرمئی اور کچھ بڑھے ہوئے - ماتھا شفاف - رنگت کھلتی ہوئی - مگر چہرہ پژمردہ اور ہڈے نکلے ہوئے - جگر کا فساد صورت سے ظاہر! دانتوں سے کم سن مگر دیکھنے میں مسن معلوم ہوتا تھا - آنکھیں شرمگیں اور چتون حیا آگیں - نیچی نظر کئے کسی سوچ میں تھا - میں سمجھا کہ کوئی اطالین ہے - اور نفرت ہوئی! نوکر مٹن (گوشت) لایا (میں نے) کھایا نہیں رہنے دیا - خالی ٹوسٹ ہی ٹونگتا رہا -

گویا آدھا کھانا ہو چکا تھا کہ سونگھتے سونگھتے پُسی ادھر پہنچی اور دم سے میری گود میں پھر عادت کے مطابق میز پر! پُسی ابھی بیٹھی بھی نہ تھی کہ وہ جوان کھڑا ہو گیا - چھری ہاتھ میں لے لی - چہرہ تمتمایا - کان سرخ ہو گئے - سانس تیز ہوئی - آنکھیں اُبل آئیں تھنے بولنے لگے پیچھے ہٹا اور پیچھے ہٹا - چمچہ اٹھا کر پُسی کی طرف مارا (غالباً خوف یا گھبراہٹ میں) بول اٹھا "برو - برو - دُور - دُور - سگ صورت و خنزیر سیرت - ہئی - ہئی - مرا کشتی - لاحول ولا - امشب کہ مُردم - مردیم" ! نار کی طرف ہاتھ لے جا کر "واویلا - وامصیبتا - خدایا چہ کنم - ہرگز نہ شد بلی (بے) سر خر (گدہا) زندگی کتم" ! آواز بھرائی - اونچی ہوئی - پھر گلو گیر ہوگئی - ہوٹل بھر دوڑا - ایک بھیڑ لگ گئی سب ششدر - حیران - سکتہ میں - میں خود سناٹے میں! ڈرا کہ جانگلو کہیں پُسی کو چھری نہ کھینچ مارے - خدمتگار سے کہنے والا ہی تھا کہ وہ خود اسے اٹھا کر لے بھاگا - تو وہ (شخص) ذرا دھیما ہوا - آدمی بنا - میرا ہیجان بھی کم ہوا!

قاعدہ ہے کہ خوشی، خوف اور گھبراہٹ میں بے اختیار انسان اپنی مادری زبان بول اٹھتا ہے - میں جسے کچھ اور سمجھے ہوئے تھا وہ ایرانی نکلا! ہم ہندوستانی کیسے ہی کچھ ہوں مگر اپنے ہمجنس کو پاکر رہ نہیں سکتے - دل کھینچنے ہی لگتا ہے - تماشہ ہے - اس وقت پُسی سے زیادہ آغا عزیز ہو رہا ہے! وہ اب بیٹھا تو کچھ غوطہ میں چلا گیا - ہاتھ ماتھے پر اور بدن اب تک کانپ رہا تھا - مجھے واقعی رحم آگیا - اور محض اس کی تسلی کی نظر سے پوچھا "آغا کجائی - کئی تشریف آوردید - ساعتے اینجا خیالِ قیام دارید؟" میرا اتنا کلام اور اس پر اس کی حالت - اُف - بے اختیار پھر کھڑا ہو گیا - میری طرف جھپٹا - میں سمجھا یہ مجھے بھی پُسی سمجھ رہا ہے اپنی پیچھے ہٹا - وہ اور بڑھا - لپٹ گیا - رونے لگا - اور اپنی اس حرکت

کی معافی مانگی۔ میں نے بہ نرمی کہا۔ معلوم ہوتا ہے آپ بلّی سے ڈرتے ہیں! (سر جھکا کر) جواب دیا "بلے آغا ہم چنین ست تنفر ہم دارم۔ تنفرِ قلبی۔ چہ کنم مجبورم۔ ہیہات ہیہات۔ واللہ قابلِ رحم ہستم" پھر ذرا تھم کر "مگر ہندی ہستید۔ مسلمان؟" میں "بلے آغا۔ خادمِ شما ہستم" وہ "الحمد للہ۔ شکر کہ من پیش غیر خجالت نہ کشیدم" پھر کہا "از بشرۂ سرکار شرافت ظاہر است۔ نظر رحم و انصاف ہم دارید۔ محسنِ ما۔ آقائے ما۔ سرکارِ ما۔ حرفے دارم باید عرض بکنم" میں "بفرمائید۔ بشوق۔ فرصت ہم دارم۔ حالا ساعت نہ ۹ است۔ برائے خواب خیلے زود است۔ بفرمائید۔ تالار (ہال) خوبے ست تخلیہ ہم دارد" آغا "اطاقِ (کمرہ) فقیر ہم وصل ست۔ خوب جا دارد۔ خیلے کشادہ و قشنگ (عمدہ نفیس) و مرغوب۔ بسم اللہ آنجا تشریف بہ بریم۔ میخواہم یک چائے (ایک پیالی چائے) بخورم۔ ایں مردکہا قہوہ می دہند یا آبِ گوشت! آغا مرد مسلمان ہستید۔ از شما بوئے وفا می آید۔ قصۂ ایں روسیاہ طویل ست۔ آغا۔ یک معرکہ ست۔ دیگر زندہ نیستم۔ واللہ از جامہ انسانیت گذشتہ ام۔ لاحَولَ وَلا۔ خیر۔ عرض میکنم۔ بسم اللہ بسم اللہ"! آغا بڑھے۔ میں ساتھ ہو لیا۔ کمرا بغل ہی میں تھا۔ پہنچے۔ اُنھوں نے نوکر کو پکارا اور چائے کا حکم دیا۔

برسات کی چاندنی اور پھر وہ بھی پہاڑوں پر ؎
عجب لطف تھا سیرِ مہتاب کا کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا

اللہ اکبر! خدا ہر ایک کو نصیب کرے! اور آج بھی چاندنی تھی! آغا کا کمرہ کیا موقعہ پر تھا۔ تین طرف سے کُھلا ہوا۔ اور ہر سمت کھڑکیاں اور دروازے آئینہ دار۔ کسی رُخ بیٹھ جائے اور خلوت میں انجمن کا مزا پائیے۔ زمین اور آسمان میں آج (گویا) چشمک تھی۔ یہاں دوالی وہاں شبرات! سردی تھی اور دانتوں میں درد نہ ہوتا تو کھڑکیاں کھول کر جی بھر کے ان خاک کے پتلوں اور اُن آگ کے پتلوں (فرشتے) کی کاریگریاں اور تماشے دیکھتا۔ اُسے بھی محو ہی تھا۔ آغا نے لوٹا۔ کرسی بڑھائی تو چونکا!

آغا پھر اُٹھا۔ نوکر کو آواز دی اور کمرے کی دوسری بجلی بھی جلا دی۔ میں سمجھا بہارِ عجم نکلے گی۔ اپنا احوال سُنائیں گے! وہاں ڈنڈا سنبھالا گیا اور ہشت ہشت، کرکے کمرے کا کونا کونا۔ چپّہ چپّہ دیکھا بھالا گیا۔ پلس ہٹا ہٹا کے۔ جھانک جھانک کے دیکھا۔ الماری کھولی۔ بند کی۔ اُس کی چھت ڈنڈے سے کھٹ کھٹائی۔ میز کا دراز کھینچا۔ بند کیا۔ غسل خانہ بھی خوب سا دیکھ آئے۔ جھاڑ آئے۔ اطمینان ہوا۔ اُس کڑی منزل سے پلٹے تو نوکر کو حکم دیا گیا "کمبل اُٹھا کے۔ خوب جھاڑ کے دیکھو"۔ میں نے ہنس کے کہا "نہیں آغا صاحب۔ یہاں بلّی کہاں"! اس طرح جایزہ لیا جا چکا تو ڈنڈا فرش پر مارتے ہوئے دروازے تک پہنچے۔ خوب مضبوطی سے اُسے بند کیا۔ آزما بھی لیا کہ کہیں کُھل تو نہیں جائے گا۔ اس مہم سے بھی فراغت ہوئی۔ نچنت ہوئے تو تشریف لائے۔ بیٹھے۔ مگر سانس اُکھڑی ہوئی! میرا مارے ہنسی کے بُرا حال۔ مگر خیر کسی طرح دانتوں پر دانت جمائے رہا۔ اللہ نے آبرو رکھ لی!

میرا خیال تھا کہ ہم ہندوستانیوں کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں کہ غیر زبان رواں اور مزے میں بول سکے۔ مگر آغا اس میں بھی طاق نکلا! مجھ سے اُردو میں باتیں شروع کیں تو تعجب ہوا۔ پوچھا تو کہا کہ ہندوستان میں کل چھ مہینے گذرے ہیں۔ اور تعجب ہوا! آغا کچھ دیر چُپ اور غوطہ میں رہا۔ میں نے عرض کیا کہ "انتشار نہ کیجیے غلیل۔ طپنچہ۔ بندوق۔ توپ۔ سب کچھ حاضر ہے۔ کوئی بلّی خدا نہ کرے آئی تو چاند ماری بنا دی جائے گی"۔ "نہیں آغا وو (وہ) خیال نہیں از زمین حرفہا و از آسمن (آسماں) گلہا دارم! برائے چہ آخر زندہ ام؟ واللہ خود نمی دانم! آغا شما ہمدرد ما ہستید۔ عرض میکنم قصۂ غصّہا بخدائے لایزال وُو (وہ) ہم کو کبی (کبھی) نہیں بخشے گی! گنہگارم آغا۔ واللہ

شرمندہ ام - آغا! از کی؟ از خویش و اقربا - از زمین و آسمن؟ نہ - نہ! مگر از لیلائے من - مگر از دل من - مگر از جون (جان) من - مگر از روح من"[1] یہ کہتے کہتے آغا کے چہرے پر مردنی سی چھا گئی - میں نے کرسی اور بڑھالی - ہاتھ میں ہاتھ لے لیا - اور تسلی تشفی دی - اُس کا دل ذرا ٹھہرا تو اپنی داستان یوں شروع کی -

(۴)

آغا کا اُردو فارسی آموز (تلفی) بیان!

بتاریخ ۲۷ رجون ۱۹۱۲ء - بوقت شب

عجم سے (اروپہ) یورپ

"درزمانہ ناصر الدین شاہ (ایران) آقا[2] بسیار از مقربین و امرائے سلطنت دل برخواستہ ہو کر غیر ممالک میں مقیم ہو گئے - نظام الملک عموئے ایں بدنصیب ہم ہمیں طور سفر حج کا بہانہ کرکے فرانسہ (فرانس) چلا گیا - عموئے مرحوم فارغ البال و دولتمند تھا - قریب دہ لک روپیہ اُس کا بانک (بنک) پاریس (پیرس) و ویانہ میں جمع تھا - وُو (وہ) لاولد تھا - تلگراف (تار) دیکر ہم کو پاریس بلالیا"

"وہاں آقا ایک ایرانی نژاد یہودی تھا - میسیو (مسٹر) سولمن نام - خیلے زرنگ بود! عمو نظام الملک کو ترغیب دیکر یک خیلے بزرگ مہمن (مہمان) سرائے (ہوٹل) اُس نے وہاں ترتیب دیا - آقا وُو مہمن سرا تا حال موجود ہے - وُو (وہ) اس درجہ مشہور و معروف ہوا کہ تمامی امرا و شاہزادگان دُنیا اُس میں فروکش ہوتے تھے - سولمن آقا اس کا منیجر تھا - قریب شش سال عموئے مرحوم زندہ رہا و اس ہوٹل سے واقعی نفع کثیر حاصل کیا - نظام الملک کو آغا باز پالنے کا بے حد شوق تھا - پاریس میں بھی اُس کے پاس ایک نایاب باز تھا - یک روز اتفاق دکیو (دیکھو) عمو اُسے - بحفاظت قفس (پنجرا) بند کرکے خانہ سے باہر گیا - واپس آیا تو کمرے میں جا کر دیکا (دیکھا) کہ یک گربہ حرامزادہ خیلے فربہ و تنومند مثل یک گرگ باران (باراں) دیدہ بفراغت آنجا نشستہ اُس کو نوش کر رہا ہے! آغا - نظام الملک اُسی وقت گویا مر گیا - بند تاب نہیں لایا - اُف - فی الفور از طپانچہ ہلاک کردم آن پدر نامرد را فرصت! الا لکن ازیں شکار ہم چہ سود؟ عموی بیچارہ بعد از دو روز از ایں صدمہ ہلاک شد ند (ٹھنڈی سانس لیکر) رحم اللہ علیہ - لاحول و لا ٹف بریں دُنیائے ناپائیدار! خیر آغا - گربہ سے تنفر و غصہ کی یہی یک وجہ نہیں - آغا مردِ مسلمان ہستید - واللہ از شما بوئے وفا می آید - آقائے من - ہمدرد من! ہمارا قصہ ہنوز (دلی) دُور ست - می گویم - عرض میکنم خیر"

"آقا ہنوز ہم طفل مکتب تھے - از نشیب و فراز چال بازی و مکر و فریب دُنیا تا حال نابلد بودم - میسیو سالمن نے ہم کو آغا باغ سبز دکھایا - تمامی نعمتہائے دُنیا برائے ما فراہم آورد و ہم غافل ہو گئے! بعد از چند روز وُو (وہ) یک کاغذ لایا و ہم سے اُس پر دستخط کرا لیا - سہ سال بعد آقا معلوم ہوا کہ اُس نے جال بنایا اور ہم کو بالکل لاحق کر دیا ہے - ہم ناچار - مجبور - غریب الوطن - بے یار و آشنا کیا کرتے - بخدا سپردم و صبر کردم و قسمت پر شاکر ہے - آغا!"

"یک شب آقا ہم یک پُر زور قصیدہ نظم کر رہے تھے - بعد چند شعر طبیعت قدرے خستہ ہوئی و اُسی فکر میں ہمیں جا ہم سو گئے کہ در رویا (خواب) یک گربہ - نر - را دیدم خیلے قوی ہیکل و سیاہ رنگ - بدرو - مثل خنزیر (ہماں) بری آید! - آمد - آمد - تا قرب فرش خواب ما آمد - حواسم رفت - قت - آوازم گرفت (گھگھی بندھ گئی!) و بے حس و حرکت شدم - مردہ - واللہ مردہ! دیدم کہ یک مرتبہ خبیث جست میکند - جست مثل یک شیر نر صحرائی! یک مرتبہ حملہ کرد ملعون و حلقومم را گرفت (ٹیٹوا لیا) انا للہ و انا الیہ راجعون! زور کرد - زور کرد - فشار داد! دریں اثناء دفعتہً بیدار شدم - دیدم آقا کہ چیزے خیلے سنگین روئے سینہ ام نزد گلو حبل الورید (شہ رگ -

---

[1] ذرا کھینچ کر! [2] آقا آغا کا سخن تکیہ تھا -

نشستہ است - بحضرتِ عباس روحم یک مرتبہ وداع گفت و سرد شدم (ٹھنڈے ہو گئے)"!

"لاکن قربان بزرگیِ دادرِ دادرس! یک مرتبہ خدا ہمت و حواس مارا جمع آورد - شیر شدم آقا و گرفتم خبیث را از دستہا مضبوط - خیلے مضبوط و انداختیم ملعون را توے فرشِ خواب - دُور! آوازِ مہیب و عجیب پیدا شد - من ہم جستم و صدا کردم - نوکر ہا را آواز دادم - یک مرتبہ دیدم خبیث در پہلوے الماری ما نشستہ است گربہ مسکیں - حرامزادہ! ونڈا (ڈنڈا) گرفتم آغا - ونڈا - ہیں کہ در دستِ ما می بینی! از غم و غصہ بے حال بودم - نشانہ کردم خبیث را و زدم - زدم - زدم تا دستہاے من کار کرد - خیال کردم کہ مُرد - قدرے آسودہ شدم (ذرا آدمی بنے!) شکر رفت بلا - الحمدللہ دشمن خود را کشتم! یک مرتبہ بچہ (نوکر) آمد و شمعدان آورد - گفتم - ہئی! می بینی گربہ را؟ قیامت آمدہ بود ولے گذشت خیر - حالا مردست (مردہ است) ملعون! بردار - بہ بر (اُٹھائے جا - پھینک) اطاق ما را پاک و صاف کن ازیں چیزِ نجس و مکروہ! بچہ میرود نزدِ آن خبیث - بہ تامل نظر میکند یک مرتبہ فریاد می دہد - آقا ایں گربہ نیست! خدا لعنت کند ترا - آ - آ - آخر چیست؟ دوبارہ نظر میکند و میگوید - آقا ایں تکیہ متکا ست شب در پہلوے شما بود! ہئی کور چشم - بدبخت - می آیم و می بینم - واللہ باور نکردم آقا - نزدیک تر رفتم و نظر کردم - واقعی متکاے ما بود - لاحول ولا - خیر - آغا سپیدہ صبح آشکارا شد و من تہیہ نماز کردم"!

"دن ہوا آقا و بر سرِ نہار بودم (ابھی کھانا کھا رہے تھے) کہ یک آدمِ عدالت پیدا شد و کاغذے آورد - لیا آغا - ائی وا ویلا - سوکنِ محسن کش نوتیس (نوٹس) فرستادہ است - میگوید خانۂ نظام الملک سے فی الفور نکل جاؤ - یا کرایہ دو - وو (دو) مکان حالا مالِ ہو تل شدہ! آقا - بے اختیار گریستم (رو دئے) و فریاد کردم خوابم یاد آمد و روحِ نظام الملک پیش ما بود - چارہ نداشتم - آخر پیشِ سوکن حاضر ہوئے آقا و عرض کردم کہ عموے مرحوم دوست قلبی شما بود و من فرزندِ واجب الرحمِ مرحوم - براے خدا نظر کن بر حالِ من خستہ دل - للہ رحم! بفرما - سوکن آقا خموش رہا و بعد کو بولا - بہتر فردا بہ آئید! ہم فردا (دوسرے دن) حاضر ہوئے اُس نے نہایت خشمناک لہجہ میں ہم سے پوچھا "تم نے از ہنر ہاے دنیا کیا حاصل کیا ہے"؟

"آقا - میرا باپ مرحوم ادیب الملک ایرن (ایران) میں بے مثل شاعر و ادیب تھا - اُس کے قصائد و غزلیات تا حال وہاں مشہور و معروف ہیں - ہمارے خاندان میں شعر و شاعری سے زیادہ کبھی کوئی چیز عزیز نہیں رہی! والدِ مرحوم کا جملہ اربابِ ادب و انشا و امرا و رؤسا و علما و فضلا ادب کرتے تھے - و موقعہ شادی و غم میں ہمیشہ تاریخ اُسی سے نظم و تصنیف کراتے تھے - صدہا مصرعہ ہاے تاریخ والدِ مرحوم تاحال زبان زدِ خلایق ہے! گاہے تشریف بہ برید انشاءاللہ بہ طہران (طہران) و می روید بمقبرہا براے زیارت و فاتحہ - می بینید تاریخہاے مرحوم بر سر الواحِ قبرہا! خیر آقا - والد نے از ابتدا ہم کو اسی شعر و شاعری کی تعلیم دی - ۹ سال کی عمر میں ہم کو آقا قصائدِ انوری و خاقانی از بر تھے - قاآنی کا ہمارے زمانہ میں بسیار شہرہ تھا و والدِ مرحوم نے یک خاص معلم رکھکر قاآنی کی ہم کو تعلیم دلوائی - و بسیار جلد ہم رنگِ قاآنی میں ایسے قصائد انشا کرنے لگے کہ تمامی ہمعصر حیرت و رشک کرتے تھے - ذوق و شوق شاعری بلکہ عشق از ابتدا یعنی ہم کو آقا فطری ہے - بارہا دو چار صد اسے - بہ - بہ - چہ خوش گفت - مرحبا - ماشاءاللہ - احسنت - احسنت! کے واسطے ہم نے آقا متعدد شب بیداری و شعر گوئی میں گزار دی - و گاہے خستہ نشدم - واللہ!

"والدِ مرحوم آقا یک مرد شاعر بود - جو کچھ زر و مال و متاع اُس کے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ ادیب الملک نے عمر بھی اچھی پائی - الٰہی عمرِ آغا ہم دراز باد!

پاس تھا وو (وہ) سب راہِ شاعری میں قربان کیا۔ اُس کو اپنے یک شعرِ قصیدہ کے سامنے (آگے) آقا دولتِ قاٰان (قارون) ہیچ بود! وو (وہ) مرحوم ہوا تو ہم گویا یک فرزندِ فقیہے شدم۔ آقا خدا بیآمرزد نظام الملک را اُس نے سرپرستی کی و ہم کو فرزند گردانا (بنالیا)۔ خیر آقا۔ پاریس پہنچکر بھی ہم اپنے شغل میں مستغرق رہے۔ گاہے اُس کو فراموش نہیں کیا۔ نظام الملک ہر چند مُصر بود کہ میں زبانِ فرانسہ کا عالم بنوں یا کم از کم تحریراً و تقریراً اُس میں ماہر ہو جاؤں لیکن آقا ہر چیز پیشِ شاعری و معشوقِ حقیقیٔ من ہیچ! او کیونکر میں اُس سے دست کش ہو سکتا تھا در آنحالیکہ اب میں ہی صرف اُس کا پرستار و نگہبان باقی رہ گیا ہوں۔ ع درحصّۂ من آمدہ لیلائے شاعری! گاہے آغا من بدیگر فضولیات رُخ نکردم و ہمہ تن اُسی میں منہمک رہا۔ در مدّتِ دو سال شش قصائدِ غرّا ہم رنگ و ہموزنِ قاآنی نظم کردم۔ آقا یاد دارید مطلعِ قاآنی را؟ چہ خوش گفتہ ست۔ بہ بہ! ع بہار آمد کہ از گلبن ہمیں بانگ ہزار آید۔ آقا من ہم زورِ طبیعت صرف کردم۔ خوب گفتم۔ واللہ۔ فرستادم بہ ایرٔن (ایران) ہمہ دوست و آشنا۔ نہ۔ ہمہ بزرگان و آقایان وجد کردند۔ وجد۔ واقعی اہلِ ایرٔن متحیّر بودند متعجب کہ آغا طاہر در ایں کودکی غضب کردست (کردہ است) واللہ گویا قاآنی زندہ شدست (شدہ است)"!!

"آقا۔ من بایں جور (طرح) منہمک در کارِ خود بودم کہ دیگر کارہاے دین و دُنیا را گاہے یاد نہ آوردم! آقا من یک مثنوی لیلیٰ و مجنوں ہم نظم کردہ بودم۔ یک روز (حسبِ اتفاق) نظام الملک خبر یافت و طلب کرد مرا۔ فرمود۔ بابا عجب ہیچ کارہ شدہ ئی۔ نہ پیشِ من می آئی۔ نہ گاہے حساب و کتابِ ہوٹل را می بینی۔ تو کہ شاید دیوانہ شدئی! شنیدم یک مثنوی لیلیٰ و مجنوں ترتیب دادہ ئی و بر آں فخر ہم میکنی۔ حیف! لاحول ولا۔ در ایں زماں آں جور (طور) نظم بازی و بیہودہ سری و مثنوی لیلیٰ و مجنوں! تو کہ تا حال نہ زبانِ فرانسہ۔ کہ کلید ہر گونہ دانش ست، یاد گرفتی۔ و نہ از دیگر ہنرہاے دُنیا چیزے بہرہ حاصل کردی! فرزندِ من۔ افسوس دُنیاے تو ہم مثلِ مُلّاہاے ایرٔن (ایران) ہنوز بر پشتِ گاو ماہی ست! طاہر بیا اندازاں (این) قصّہ پارینہ را بابا۔ ع۔ ایں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ!!"

"آقا۔ من ہیچ جواب ندادم۔ با سرِ خمیدہ استادہ بودم۔ چند ورق مسوّدہ مثنوی مذکور در پاکت (جیب) ما اتفاقاً حاضر بود۔ من پیش مرحوم گذاشتم و فرار کردم! ہمون صبح مرا طلبید و فرمود۔ "الولدُ سرٌّ لابیہٖ"۔ ملاحظہ کردم مسوداے ترا۔ چہ اعلیٰحضرت شاہنشاہ مظفر الدین تشریف می آرند بہ پاریس۔ من ترا حاضرِ خدمتِ اعلیٰ حضرت میکنم با ایں مثنوی! مگر بابا براے خدا نظر کن بر حالِ خود۔ فقط۔ قدرے باریک بشو (ذرا غور کرو)"!! مگر قسمت یا نصیب۔ اُس کے ایک ہی ہفتہ بعد نظام الملک بیچارہ مرحوم شدند و من آوارہ شدم"!!

"آقا۔ تامل بفرما۔ نظر کن بر حالِ ما۔ میسیو سولمن ہم سے پوچھتا ہے کہ از ہنرہاے دُنیا چہ یاد گرفتی؟ ہم نے برجستہ جواب دیا آقا۔ من۔ من شاعر ہستم! شاعرِ پُر ہنر و پُر گو و نکتہ سنج۔ فصیح اللسان و شیریں زبان و نازک بیان! رشکِ فردوسی و قاآنی! منم کہ ہیولا را مجسم کردم۔ روح بخشیدم۔ برہنہ بود لباس نورانی عطا فرمودم۔ ع

عیسیٰ منم کہ روح بخشم بہ مردہ شعر　　ما را لقب نہند مسیحاے شاعری!

شاگردِ رحمٰن ہستم لاکن کارِ استاد میکنم۔ دیگر چہ می خواہی؟ غیر از شاعری ہنرہا کہ ہیچ"!!

"آقا۔ اس پر وہ متبسم ہوا اور بولا۔ بلے خوب گفتی۔ میدانم۔ "الشعراءُ یتّبعھم الغاوٗن[1]۔ وانّھم فی کلّ وادٍ یھیمون"! آقا ایں حرفہا مرا خیلے

[1] قرآن مجید کی آیت ہے مطلب۔ شعرا کی تقلید بس گمراہ کیا کرتی ہیں۔ اور وہ اپنے خیالی میدان میں حیران و سرگرداں مارے مارے پھرتے ہیں!

بدگذشت۔ سکوت کردم۔ جواب جاہلاں باشد خموشی! وو (وہ) پھر بولا آغا طاہر ہم تم کو طفلی سے جانتے ہیں۔ ادیب الملک میرا دوست تھا و نظام الملک محسن۔ تم اگر آسودہ حال رہنا چاہتے ہو تو اس ہوٹل میں رہو۔ ہم تم کو دو صد روپیہ ماہوار کی جا دیتے ہیں۔ کل سے آؤ۔ بابا کل حساب و کتاب اس کا تمہارے ہاتھ میں رہے گا۔ ہوٹل خوب چا رکھتا ہے۔ یک دو کمرا تمہارے واسطے مخصوص کر دیا جائے گا۔ صبح ساعت ۸ سے آفیس (آفس) میں آؤ۔ بابا محنت کرو۔ کام سیکو۔ سیکھو شب کو فراغت حاصل ہوگی۔ آرام کرو!"

"آقا۔ واللہ اوقاتم تلخ شد۔ ہیچ جواب ندادم۔ بغیر از خدا حافظی برگشتم! خیال کردم آغا کہ ایں مرد یہودی۔ غاصب۔ حرام خور۔ قاتل الانبیا می خواہد بکشد مرا۔ طاہر و ایں کار ہائے نجس۔ شاعر و نظم دُنیا و ہوتل۔ آزاد و نوکری۔ شاگرد رحمٰن و ماتحتی یک مرد کافر بے ایمان! از صبح الی شب اگر من بایں جور (ظلم) دراں (ایں) کار ہائے فضول و لا یعنی اوقات خود را تلخ میکنم۔ شاعری و معشوق حقیقی خود را یکدام می سپارم؟ ہاتف غیبی مرا ندا داد کہ وقتیکہ آدم بجہاں گفت جبرئیل۔ خالی ست از برائے تو خود جائے شاعری! حالاایں (ایں) معشوق فریفتہ عاشق خود ست! انہ و اللہ۔ نخواہم گذار۔ آخر فرزند ادیب الملک ہستم۔ وزن یک شعر طاہر گراں ست بر ہمہ ایں دولت ہائے چند روزہ پارسی!

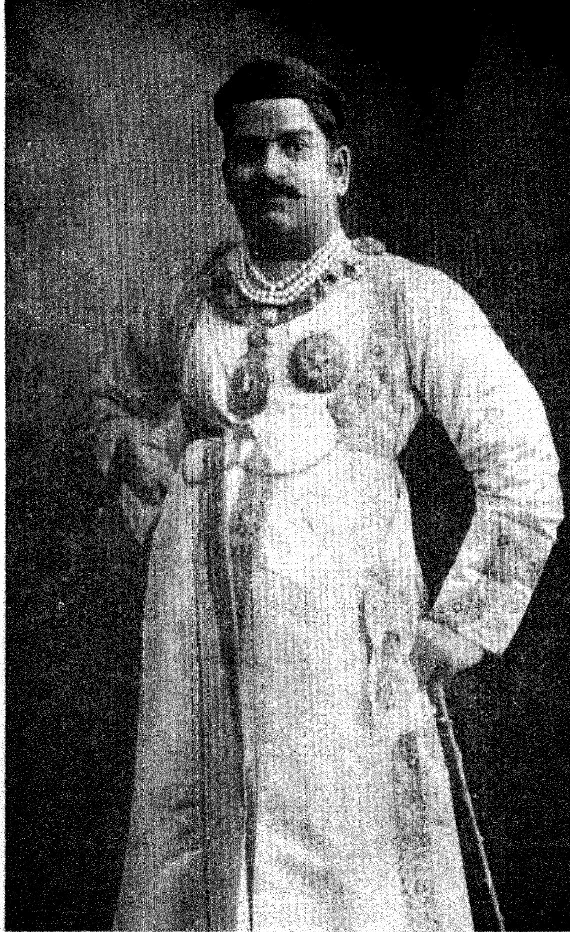
"آغا۔ ہم مکان چلے آئے۔ دو ہفتہ بعد زبردستی خانہ نظام الملک ہم سے چھن گیا! و آوارہ و در بدر شدم۔ کسے جا نداد۔ حیران سرگردان کسی طرح چند روز گذارا آقا۔ نوبت بہ فاقہ کشی رسید۔ آقا۔ تصور بفرما فرزند نظام الملک کہ از دست خویش لکھا صرف کردہ امروز کوچہ بکوچہ میرود۔ حالا سائل شدہ ہست۔ دست سوال دراز میکند و کسے جواب نمیدہد۔ بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا! اللہ اکبر! آقا ہم مجبور ہوئے و آخر پیش سو لمن حاضر شدم و عرض حال کردم۔ وو (وہ) خموش رہا بعد کو وہی کہا جو قبل کہہ چکا تھا۔ آقا۔ اب ہم کیا کرتے؟ ناچار۔ مجبوراً (جھک مار کے) قبول کیا و در ہوتل جا گرفتم و قدرے آسودہ حال شدم!" (باقی آیندہ)

خیال عظیم آبادی

کلابھون

[عنوان بالا کے لفظی معنی ہیں کارخانۂ صنعت، صنعت گاہ یا مدرسۂ صنعت و حرفت۔ سنسکرت میں کلا کہتے ہیں صنعت کو اور بھون کہتے ہیں مکان کو۔ کلابھون اصل میں ایک صنعتی کالج کا نام ہے جس کو ریاست بڑودہ کے اولوالعزم والی نے قایم کیا ہے۔ ذیل کے مفصل حالات کے لئے ہمیں منشی نواب رائے صاحب کا مشکور ہونا چاہئے۔ مہاراجہ بڑودہ کی روشن خیالی سچ پوچھو تو اور ریاستوں کے لئے قابل رشک و تقلید ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ یہاں تعلیم دی جاتی ہے بڑودہ کی مروجہ زبان یعنی گجراتی میں جو واقعی نہایت آسان زبان ہے۔ کمال یہ کیا ہے کہ اخراجات کم ہیں اور آسایش کے سامان زیادہ ہیں۔ اکتساب کمال کے لئے اس سے بہتر ذریعہ طلبا کو اور کیا میسر آسکتا ہے۔ مکرمی منشی نواب رائے صاحب کا یہ خیال صحیح ہے۔ کہ ہماری گورنمنٹ کے صنعتی کالجوں میں طلبا کو اس کالج سے کہیں زیادہ خرچ کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ ہمارے خیال میں تو یہی تفوق کافی ہے جس سے کلابھون رفتہ رفتہ ملک میں ممتاز ہو جائے گا۔ اڈیٹر]

ریاست بڑودہ نے صرف عام تعلیم اور معاشرتی مسائل ہی میں حیرت انگیز ترقی نہیں کی ہے بلکہ صنعتی معاملات پر بھی وہاں پوری



معلی‌القاب مہاراجہ سرسایاجی راؤ گائکواڑ جی- سی-ایس-آئی- والی بڑودہ

توجہ صرف کی گئی ہے، اور اس عقدہ کے حل کرنے میں اُس دُوربینی سے کام لیا گیا ہے جو ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ مہاراجہ صاحب بڑودہ جیسے پختہ کار مدبر اور منتظم شخص سے یہ امر کیونکر مخفی رہ سکتا ہے کہ کسی قوم کی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ صنعت و حرفت ہے۔ کلابھون جو ریاست بڑودہ کا خاص صنعتی کالج ہے ہز ہائینس کی دُور بینی کی زندہ مثال ہے۔ کیا بلحاظ معیار تعلیم اور کیا بلحاظ تعداد طلبا، یہ کالج سب ہندوستانی ریاستوں کے کالجوں میں زیادہ ممتاز ہے، اور اس کے وجود سے صرف بڑودہ کے باشندے ہی نہیں فیضیاب ہوتے بلکہ گجرات اور صوبہ بمبئی کے دیگر مقامات سے بھی طلبا وہاں آتے ہیں۔ چونکہ وہاں تعلیم ارزاں ہے اور بڑودہ میں انسان کفایت سے رہ سکتا ہے اسلئے قرب و جوار کے طلبا اس میں بڑے شوق سے داخل ہوتے ہیں اس کالج کی سب سے قابل وقعت تعلیمی خوبی یہ ہے کہ یہاں اصولی اور عملی ہر دو قسم کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ زیادہ تر وقت عملی کام ہی میں صرف ہوتا ہے۔ اصولی تعلیم میں کل وقت کے ایک ثلث سے زیادہ صرف کرنا غیر مناسب سمجھا جاتا ہے، اور عملی تعلیم میں بھی صرف تجربات اور قیاسات پر قناعت نہیں کی جاتی بلکہ اسے تاجرانہ نگاہ سے دیکھنے اور برتنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وسیلۂ تعلیم گجراتی زبان ہے۔ مہاراجہ صاحب بہادر نے یہ طرز عمل اسلئے اختیار کیا ہے کہ اس کالج سے پیشہ ور صناع اور مزدور اور سب کا بھی مستفید ہو سکیں جو بالعموم انگریزی سے نابلد ہوتے ہیں گجراتی زبان بہت مشکل نہیں۔ ہر ایک طالب علم خواہ وہ مدراسی ہو یا بنگالی نیپالی ہو یا پنجابی، دو تین مہینوں میں اُسے سمجھنے کی کافی لیاقت حاصل کر لیتا ہے، اور زبان کی بنا پر اُسے کوئی شکایت نہیں باقی رہتی۔ اگر کوئی طالب علم گجراتی زبان اچھی طرح سے نہ سمجھ سکے تو پروفیسر ہندی، مرہٹی، اور انگریزی سے بھی کام لیا کرتے ہیں۔ کالج میں اس وقت تیس پروفیسر ہیں، اور سب کے سب اپنے اپنے صیغہ کو تعلیم دینے کی پوری لیاقت رکھتے ہیں۔

امتحانات | ہر ایک صیغہ کے لئے مدت تعلیم تین سال رکھی گئی ہے۔ اس کے بعد امتحان ہوتا ہے۔ ممتحن زیادہ تر ریاست کے وہ افسر ہوتے ہیں جو گورنمنٹ کی جانب سے صنعتی و زراعتی مشاغل میں مصروف ہیں اور جن میں سے اکثر یوروپین یونیورسٹیوں کے سند یافتہ ہیں۔ کامیاب طلبا کو نصاب تعلیم کے لحاظ سے انجنیئری کیمیا گری، پارچہ بافی، فن تصویر، اور زراعت کی اعلیٰ ڈگریاں دیجاتی ہیں۔ ان مقامی امتحانات کے علاوہ کلابھون کے طلبا کو بمبئی اور انگلستان کے بعض خاص صنعتی امتحانات میں شریک ہونے کا مجاز ہے۔ بمبئی کے جمشید جی آرٹ اسکول کے امتحان، اور لنڈن کے گلڈس اکزامینیشن میں کلابھون کے طلبا سیکڑوں کی تعداد میں شریک اور کامیاب ہوتے ہیں۔

لیبوریٹریاں (تجربہ گاہ) | کلابھون کے طلبا کو ایک خاص سہولت یہ ہے کہ کلابھون کی آزمایش گاہیں اور کارخانے بہت اعلیٰ پیمانے پر قایم کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کے کسی صنعتی کالج کو ایسی مکمل لیبوریٹری رکھنے کا فخر نہیں حاصل ہے۔ اس کا کارخانۂ انجنیئری خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو موجودہ زمانہ کے تازہ ترین ایجادات سے آراستہ ہے۔ ان کارخانوں میں انجنیئری، نجاری، آہنگری، رنگریزی، وغیرہ کا کام کیا جاتا ہے۔ ہر ایک صیغہ کے لئے جُدا جُدا کارخانے قائم ہیں۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ کارخانے محض تجربہ کی لیبوریٹریاں نہیں ہیں بلکہ انھیں تجارتی اصولوں پر چلایا جاتا ہے۔ ریاست کے ہر صیغہ کی ضروریات خواہ وہ محکمہ نہر ہو یا انجنیئری، ڈاکٹری ہو یا تعلیمی، سب انھیں کارخانوں سے پوری

ہوتی ہیں۔ ڈاکٹری کے باریک و نازک اور پیچیدہ اوزار طبیعات کی تحقیقات کے آلات، انجینیری کی کلوں اور محکمۂ ڈاک و تار برقی کے اوزاروں، کے بنانے کے لئے اعلیٰ درجہ کی علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ ہنرمندی اور صفائی لازمی ہے - دولت برطانیۂ ہند کو ان محکمہ جات کی ضروریات کے لئے انگلستان کا دست نگر بننا پڑتا ہے مگر بڑودہ میں کلا بھون ان ضروریات کو بحسن تمام پورا کر دیتا ہے۔ اس طرح گویا طلبا کو اصولی اور عملی تعلیم کے ساتھ اپنے معلومات کو تاجرانہ کاروبار میں صرف کرنے کا مادہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ کلا بھون کی کیمیکل لیبوریٹری (کیمیائی تجربہ گاہ) صوبۂ بمبئی کے بہترین تجربہ گاہوں میں ہے۔ رنگ سازی اور رنگریزی کے کارخانے جدا ہیں۔ کالج کے متعلق ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں سائنس اور صنعت کی تازہ ترین اور مستند کتابیں موجود رہتی ہیں۔

مصارف تعلیم | کلا بھون میں دوسری سہولیت یہ ہے کہ یہاں کے مصارف بہت کم ہیں، اور متوسط وسائل کا طالب علم بھی یہاں تحصیل علم کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کیمیاگری، پارچہ بافی، صیغۂ تصویر، صیغۂ تعمیر، کے چار اسکولوں میں صرف ۱۲ روپیہ سالانہ فیس لی جاتی ہے۔ ایک روپیہ ماہوار فیس ہر شخص آسانی سے دے سکتا ہے۔ بعض دیگر صیغوں میں فیس اس سے کچھ زاید ہے مگر کسی صورت میں دو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں ہے۔ کتابیں اور آلات کے لئے تیس روپیہ سالانہ درکار ہوتا ہے۔ کلا بھون کے متعلق ایک بورڈنگ ہاؤس بھی ہے جس میں فی الحال ستر طلبا ٹھہر سکتے ہیں۔ یہاں دو وقت کی خوراک کا خرچ سات روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں ہے۔ دیگر مصارف کے لئے آٹھ روپیہ ماہوار کافی ہو جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ خرچ کرنا طالب علم کی حیثیت پر منحصر ہے۔ گویا کلا بھون میں اوّل درجہ ۱۶ روپیہ ماہوار پر صنعتی اور زراعتی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کمی مصارف نے اس کالج کو بہت مقبول بنا دیا ہے۔ بمبئی کے جمشید جی اسکول آف آرٹ اور پونا کے کالج آف سائنس میں اوسطاً ماہوار خرچ چالیس روپیہ سے کم نہیں پڑتا۔ دیگر مدارس میں بھی کم و بیش یہی اوسط آتا ہے۔ اس لحاظ سے کلا بھون کو دوسرے مدارس پر ایک قابل رشک فضیلت حاصل ہے۔

وظائف | کلا بھون میں وظیفے بھی فیاضی سے دئے جاتے ہیں۔ ریاضت اور علمی سرگرمی کی داد وظائف کی شکل میں دی جاتی ہے اور اس طرح صدہا طلبا کے تعلیمی مصارف میں اور بھی تخفیف ہو جاتی ہے۔ ریاست کے خاص خاص صوبوں کے لئے وظیفوں کی تعداد معین ہے، اور یہ انھیں صوبوں کے طلبا کو دئے جاتے ہیں۔ صوبہ متوسط کے سررشتہ تعلیم کی طرف سے دس روپیہ ماہوار کے گیارہ وظیفے قایم ہیں جو صوبہ مذکور کے طلبا کو ملتے ہیں۔ احاطۂ بمبئی کی کئی ریاستوں اور کئی پبلک جماعتوں کی طرف سے بھی وظیفے معین ہیں۔

قواعد داخلہ | کلا بھون کا تعلیمی سال دو حصوں میں منقسم ہے پہلا زمانہ ۱۲ نومبر سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا ۱۶ مئی سے۔ جماعت میں شریک کرنے سے پہلے داخلہ کا ایک خاص امتحان لیا جاتا ہے۔ داخلہ کی فیس ایک روپیہ مقرر ہے۔ کامیاب طلبا میں سے بہترین امیدواروں کی ایک مخصوص تعداد ہر سال انتخاب کر لی جاتی ہے۔ جس شخص نے عام مضامین میں ورنیکولر مڈل تک تعلیم پائی ہو وہ داخلہ کے امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور اگر کچھ انگریزی شدبد جانتا ہو تو اور بھی بہتر ورنہ چنداں مضائقہ نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تعداد طلبا کا محدود

کر دینا صدہا طالب علموں کی دل شکنی کا باعث ہوتا ہے مگر یہ انتخابی امتحان صرف اس غرض سے لیا جاتا ہے کہ کثرت طلبا سے تعلیم میں ہرج نہ واقع ہو۔ ۱۹۱۰ء میں کلا بھون میں تقریباً ۲۰۰ طلبا زیر تعلیم تھے۔ صیغہ دستکاری میں ۵۰، صیغہ کیمیا گری میں ۴۰، صیغہ پارچہ بافی میں ۴۰، صیغہ تصویر میں ۵۰، صیغہ تعمیر میں ۴۵ اور صیغہ تجارت میں ۲۰۔ باقی طلبا دوسری جماعتوں میں شریک تھے۔

کلا بھون سے متعلق ریاست کا سالانہ خرچ

کلا بھون کے سالانہ مصارف ۸۰ ہزار سالانہ کے قریب ہیں۔ اس میں دو تین دستکاری کے چھوٹے چھوٹے مدرسے بھی شامل ہیں۔ ایک ایسے وسیع صنعتی کالج کا ایسی قلیل رقم میں کامیابی کے ساتھ چلنا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ فیس اس قدر کم لی جاتی ہے۔ فیس کی آمدنی کسی صورت میں دس ہزار سالانہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ دونوں دستکاری کے مدرسوں کی امداد بھی کم سے کم دس ہزار سالانہ ہوگی۔ ان رقوم کو خارج کر دیجئے تو کلا بھون کا ماہوار خرچ چھ ہزار سے زیادہ نہیں آتا۔ اس کا سب سے بڑا سبب غالباً یہ ہے کہ اس کالج کے متعلق جتنے کارخانے ہیں وہ سب کے سب تجارتی اصول پر چلائے جانے کے باعث کالج کے لئے بجائے ایک بار کے باعث تقویت ہیں۔ وہ صرف اپنا خرچ ہی نہیں نکال لیتے بلکہ کالج کو بیس ہزار سالانہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ صنعتی کالجوں میں لیبوریٹری اور مشقی کارخانوں کا خرچ اس کے مصارف کو بڑھا دیا کرتا ہے۔ کلا بھون کی کیفیت اس کے برعکس ہے۔ یہاں فی طالب علم ریاست کا دس روپیہ ماہوار صرف ہوتا ہے۔ گویا اس کالج نے اس امر کی اصلی مثال دیدی ہے کہ صنعتی کالج بمقابلہ آرٹ کالج کے زیادہ کفایت سے چلایا جا سکتا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اسی قدر سالانہ مصارف میں دوسرے مقامات میں صنعتی کالج کیوں نہ چلائے جا سکیں۔

حال میں گورنمنٹ آف انڈیا نے کانپور میں ایک صنعتی کالج قائم کرنے کی تجویز جناب سکریٹری صاحب بہادر ہند کی خدمت میں پیش کی تھی مگر وہ مصارف کثیرہ کی بنیاد پر عمل میں نہ لائی جا سکی۔ ہمارے ملک کو فی الحال تحقیقاتی (ریسرچ) کالجوں کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی مفید عام صنعتی کالجوں کی۔ ہماری گورنمنٹ کے صنعتی کالجوں کا خرچ اس رقم سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ شاید ہندوستان کے کسی دوسرے صنعتی کالج میں طلبا کو اپنے معلومات کے تاجرانہ پہلو کے پختہ کرنے کے ایسے موقعے حاصل نہیں ہیں۔ اس کارخانہ کی سرسبزی کا ایک بڑا سبب وہ ہمدردانہ تعلق ہے جو اس میں اور ریاست کے دیگر محکمہ جات کے درمیان قائم ہے۔ یہ سب محکمے اپنی ضروریات کلا بھون کے کارخانوں میں پیش کرتے ہیں اور اس طرح ریاست کا جو روپیہ دوسرے کارخانوں میں صرف ہو جاتا اس سے کلا بھون مستفید ہو جاتا ہے۔ مگر یہ خیال کرنا غلطی ہوگی کہ ریاست کی یہ طرفداری محض مربیانہ سرپرستی کے خیال پر مبنی ہے۔ نہیں اس کا انحصار اس کی کفایت اور خوبی ہے جس سے کلا بھون ان ضروریات کو انجام دیتا ہے۔

کارخانے

کلا بھون میں پہلے کوئی کارخانہ نہ تھا۔ لڑکوں کو دوسرے کالجوں کی طرح لیبوریٹری میں تجربات کرنے پڑتے تھے۔ ریاست کے محکمہ تعمیر کی طرف سے ایک کارخانہ قائم تھا جو اس محکمہ کی ضروریات کو انجام دیا کرتا تھا۔ خانگی محکمہ کی طرف سے بھی ایک کارخانہ کھلا ہوا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں مہاراجہ بڑودہ کی گورنمنٹ نے ان دونوں کارخانوں کو ملحق کر دیا اور کلا بھون سے اس کا تعلق قائم کر دیا۔ اس وقت یہاں ۷۲ کاریگر مستقل طور پر ملازم ہیں۔ اس کارخانہ کی پبلک نے کیا قدر کی ہے؟ یہ ان تمغوں سے ثابت ہوتا ہے جو اس نے مختلف نمائشوں میں پائے ہیں۔ ان میں ۷ طلائی تمغے ہیں جو احمد آباد اور بمبئی کی نمائشوں میں لکڑی اور لوہے کے کام کے لئے دئے گئے تھے۔

سانٹ چاندی کے تمغے ہیں جو مدراس اور احمد آباد کی نمائشوں میں نقاشی، چھینٹ سازی، اور گھڑی سازی وغیرہ کاموں کے لئے ملے تھے - الہ آباد کی نمائشگاہ میں بھی بڑودہ کے کلابھون سے کئی چیزیں آئی تھیں جو قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئیں -

چونکہ فی الحال صوبہ متحدہ میں کوئی دستکاری اور صناعی کا کالج نہیں ہے، اور کانپور کا مجوزہ کالج بنتے بنتے کہیں چار پانچ سال میں بنکر تیار ہوگا اسلئے جن طلبا کا رحجان صنعت کی طرف ہو اُن کے لئے کلابھون سے بڑھکر اور کوئی دوسرا کالج نہیں ہے - ۱۶ روپیہ ماہوار کے صرفہ اور تین سال کی تعلیم کے بعد وہ اس قابل ہوجائیں گے کہ مسائل کسب معاش کو آسانی سے حل کرسکیں

نواب رائے

میر نفیس لکھنوی

[اس مضمون میں خواجہ عشرت لکھنوی نے میر نفیس مرحوم کے مختصر حالات ایک جا کئے ہیں - اور ضمناً اُن کے بھانجے میر احسان علی رشک مرحوم کا بھی ذکر کیا ہے - شہرت وعزت کے اعتبار سے میر انیس کے جانشین میر نفیس ہی ہوئے - اور کیوں نہ ہو - یادگار انیس میر نفیس لکھنوی خاندانی سید امامی ہروی کی اولاد نجابت و شرافت کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں شاعری بھی میراث چلی آتی ہے - سلسلہ نسب یہ ہے - میر نفیس ابن میر انیس ابن میر خلیق ابن میر حسن ابن میر ضاحک .... ابن امامی ہروی[۵۱] مرثیہ گوئی میں اس خاندان کی مقبولیت عام ہے اور اچھے اچھے باکمال صاحب طرز ہوتے گئے - میر نفیس کے بزرگوں کے احوال ایک حد تک آبحیات میں جابجا پائے جاتے ہیں - ان کے جد اعلیٰ میر حسن کے مفصل حالات ایک مرتبہ اردوئے معلیٰ میں شایع ہوئے تھے - میر حسن نے خود ایک تذکرہ اُردو شعرا کا لکھا ہے جو کمیاب کیا معنی نایاب ہے، حسن اتفاق سے فقیر حسین نے اس کا ایک قدیم نسخہ سرکار ہند کے لئے بہم پہنچایا ہے - تذکرہ کے علاوہ انتخاب لاجواب ہے - جس پر موقع سے کبھی بحث کی جائے گی - اڈیٹر]

[۵۱] - ان کے مفصل حالات زندگی کے لئے ملاحظہ ہو مستقل فہرست کتب خانہ بوہار (امپیریل لائبریری کلکتہ)

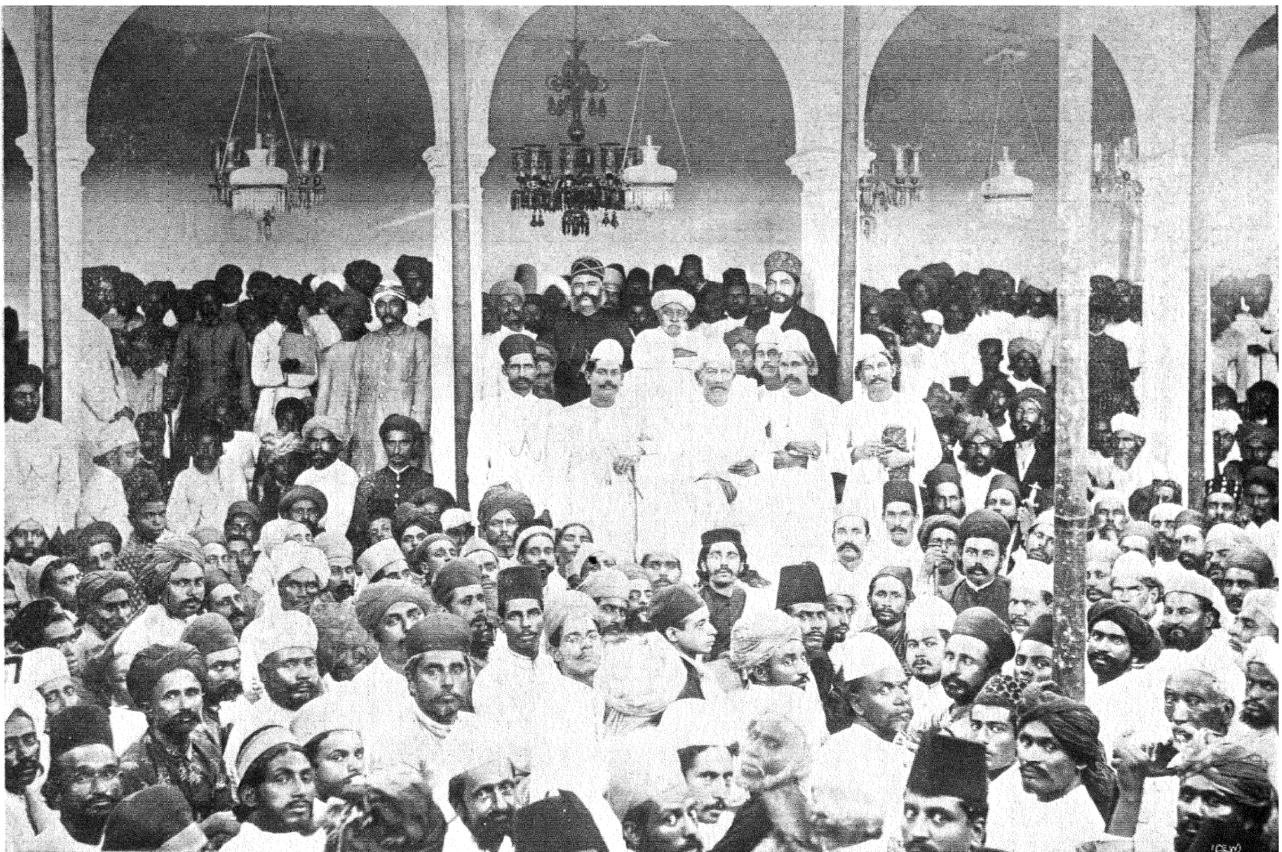
میر خورشید علی نفیس کو ہم نے اُس وقت دیکھا جب اُن کا سن اسی برس سے تجاوز کرچکا تھا - نہایت نیک مزاج، مہذب و متین تھے سیتلا مُنہ داغ، گندمی رنگ، کتابی چہرہ، کرنجی آنکھیں، گول بدن، اور دراز قد تھے - اس ضعیفی میں بھی کسرت کرنے کا شوق تھا، بازوں پر جوشن کے مُٹھے بندھے ہوئے، کمر کسی قدر خم ہوچلی تھی - ہاتھ میں چاندی کی شام کی جریب، انگلیوں میں فیروزے کی انگوٹھیاں، لباس میں دہلی کا تتبع کرتے، ڈھیلی مہری کا پاجامہ، گھٹنوں تک کا مہین شربتی کا کرتا، نیچی کرتوئی کا جامدانی کا انگرکھا، چوگوشیہ ٹوپی، ڈاڑھی مُنڈی ہوئی مونچھیں بڑی بڑی[۵۲] -

چوبداری محلہ میں رہتے تھے - چہرے سے رعب و متانت کے آثار ظاہر ہوتے تھے - سبزی منڈی سے ہوکر چوک میں اشیائے ضروری خرید کرنے کو تشریف لاتے تو ایک ملازم ضرور ساتھ ہوتا سودا اپنی پسند اور پرکھ سے خرید کے ملازم کو دیدیتے -

ان کے والد میر ببر علی انیس[۵۳] تین بھائی تھے -

[۵۲] - یہ وضع ان کے خاندان کی تھی - ان کے جد اعلیٰ میر حسن بھی اسی وضع کے پابند تھے - اور ڈاڑھی منڈانے کی ابتدا خاندان میں اُنھیں سے ہوئی -

[۵۳] دیکھو ادیب بابت فروری و جون ۱۹۱۲ء - اڈیٹر



حیدراباد میں میر نفیس لکھنوی کی ایک مجلس

انڈین پریس الہ آباد

میر بر علی انیسؔ - میر نواب مونسؔ - میر مہر علی انسؔ، جن میں سے میر انسؔ کے فرزند میر وحید، میر مونسؔ کے کوئی اولاد نہ تھی اور میر انیسؔ کے اولادِ ذکور میں تین بیٹے :-

میر خورشید علی نفیسؔ، میر محمد سلیسؔ اور میر عسکری رئیسؔ۔ سن کے علاوہ فن کے اعتبار سے بھی میر نفیسؔ اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھے۔ استعدادِ علمی بہت اچھی تھی فارسی میں مفتی میر محمد عباس سے مشورۂ سخن ہوتا، اور اردو میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔

مرثیہ گوئی کی شہرت میں میر انیسؔ کے بعد ان ہی کا رتبہ ہے، عادت تھی کہ ۲۵ رجب کو اپنا تصنیف مرثیہ دلآرام کی بارہ دری میں پڑھا کرتے۔

پنڈت دلآرام کشمیری برہمن تھے، جنھوں نے ایک عالیشان بارہ دری اپنے نام سے بنوا کر، مع ساز و سامان، فرش فروش وغیرہ کے شادی و غمی، مجالس و مولود، کے جلسوں کے لئے ہندو اور مسلمان عوام کے نام وقف کر دی تھی۔

میر نفیسؔ ادھر ممبر پر تشریف لے گئے ادھر حاضرینِ مجلس خاموشی کے عالم میں تصویرِ حیرت بن گئے۔ آپ نے پہلے کچھ رباعیاں پڑھیں، واہ واہ کے شور سے بارہ دری ہل گئی، پھر ایک سلام پڑھا بعدہٗ مرثیہ شروع کیا، ڈھائی تین گھنٹے کامل پڑھتے۔

اسّی برس کا سن تھا کمر جھک گئی تھی، چہرہ پر جھریاں پڑ گئی تھیں، لیکن جس وقت ممبر پر جاتے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیر گونج رہا ہے، ایک مصرعے سے دوسرے مصرعے کا زور بڑھتا جاتا تھا۔

تعریف کے وقت لوگ کھڑے ہو ہو جاتے اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہتے "سبحان اللہ میر صاحب! یہ آپ ہی کا حصہ ہے، نیا مضمون، آج تک نہیں سنا، کیا بندش ہے، کیا پیاری زبان ہے، واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے، اور ٹیپ کا بند تو قسم ہے جناب امیر کی لاجواب ہے"

ایک مرتبہ میر صاحب مرثیہ جدید پڑھ رہے ہیں، لوگ کھچا کھچ بھرے ہیں، صاحبِ مجلس ممبر کے پاس کھڑے ہیں، یہ بھی ایک مسن آدمی ہیں، میر انیسؔ کے ملنے والے، میر اعظم علی نام ہے، رجب کی مجلس ان کی مشہور ہے، لوگ دور دور سے آتے ہیں، آٹھ آٹھ روز تک اسی انتظار میں قیام کرتے ہیں۔

میر صاحب اسی انداز سے پڑھ رہے ہیں، محویت کا عالم ہے، ایک مرتبہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا "وہ گرد اٹھی وہ جگر بند بوتراب آیا" ممبر پر نیم قد اٹھ کھڑے ہوئے، اور ہاتھ سے اشارہ کر کے "وہ" اس طرح کہا کہ لوگ پیچھے پھر کے دیکھنے لگے۔

حیدرآباد میں جب تشریف لے جاتے تو آپ کے رہنے کے واسطے ایک خاص کوٹھی ملتی امرا اور رؤسا وہیں آپ سے ملنے آتے آپ سب کی خاطر و مدارات کرتے آنریبل راجہ امیر حسن خاں صاحب والیِ محمود آباد کے زمانہ میں آپ اکثر ریاست میں تشریف لے جاتے اور راجہ صاحب آپ کی بہت قدر و منزلت کرتے۔

ایک حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ میر نفیسؔ ایک دفعہ دیانت الدولہ کی کربلا میں مرثیہ پڑھنے تشریف لائے، لوگوں کا ہجوم کثرت سے تھا بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی، گرمی کا زمانہ تھا، میر صاحب نے ایک سلام پڑھا جس کا مقطع یہ تھا :-

نفیسؔ افسوس ہم تو ہند میں ہیں دوست جا پہنچے　　خراساں میں نجف میں روضۂ سبطِ پیمبر میں

اسی سلسلہ میں یہ لکھ دینا بیجا نہ ہوگا کہ میر انیسؔ مرحوم کے ایک نواسے میر احسان علی تھے۔ رئیسؔ تخلص کرتے تھے، نہایت خوش گو اور خلیق، نواب مرزا امجد علی خاں بہادر مرحوم رئیس شیش محل کے داروغہ تھے ابتدا میں تو میر انیسؔ مرحوم سے اصلاح لیتے رہے، میر صاحب کے انتقال کے بعد اپنے ماموں میر نفیسؔ سے مشورہ سخن فرماتے۔ اس فن میں طبیعت ایسی مناسب پائی تھی کہ میر نفیسؔ کا سا نقادِ سخن

میر احسان علی رئیس کی شاعری کا معترف تھا۔ ایک بات یہ تھی کہ میر احسان علی رئیس شہرت پسند نہ تھے۔ صرف خیش محل کے مشاعروں میں شریک ہوتے، اور وہیں اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھتے، کثرت کار سرکاری کی وجہ سے عام مشاعروں کی شرکت سے معذور تھے۔ افسوس کہ عین عالم جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

کلام ان کا بہت تھا جو ضایع ہو گیا، کچھ ان کے فرزند سید ننّن صاحب سے ایک مرتبہ دستیاب ہوا جس کے دو ایک بند یہ ہیں:۔

"کھولا جو مہر نے علم زرنگار کو   پُر نور کر دیا فلکِ بے مدار کو
پایا جو خوشگوار نسیم بہار کو   وجد آ گیا ہر اک شجر سایہ دار کو
رونق دو چند ہو گئی دنیائے زشت کی   خوشبو ہوا سے آ گئی باغ بہشت کی
تڑکا وہ نور کا، وہ بیاض سحر کا رنگ   تھا زرد چرخ نیلوفری پر قمر کا رنگ
کوسوں گلوں سے تھا شفقی دشت در کا رنگ   رہ رہ کے چھو منا تھا یہ تھا ہر شجر کا رنگ
جھونکے ہوا کے چار طرف سرد سرد تھے   ذرّوں کی یہ چمک تھی کہ ہیرے بھی گرد تھے
دلچسپ بلبلوں کے وہ نغمے ادھر اُدھر   شاخوں پہ طائروں کا وہ پھرنا کشادہ پر
گویا دلہن بنی تھی ہر اک شاخ بارور   شاداب تھے یہ برگ و گل و غنچہ و ثمر
دیکھا جو رعب سبزہ دشت نبرد کا   مینا اُتر گیا فلکِ لاجورد کا
آئی نظر سحر کی سفیدی جو ناگہاں   نکلے حرم سرا سے شہنشاہ انس و جاں
اکبر نے شد و مد سے جو میداں میں دی اذاں   آنسو بھر آئے رونے لگے قبلۂ زماں
جس دم زباں پہ تھا یہ ہر اک دل ملول کی   یہ آخری اذاں ہے شبیہ رسول کی
پُر نور وہ صفیں وہ نمازی نکو سیر   اک ایک حق شناس و نمود ار نامور
ذی قدر یادگار جہاں غیرت قمر   سوکھے ہوئے لبوں پہ دعائیں وہ با اثر
تھی حق کی یاد ساغر کوثر نظر میں تھے   گویا ملک زمیں پہ لباس بشر میں تھے
جب پڑھ چکے نماز سحر شاہ تشنہ لب   پھر وغا اُدھر سے بڑھی فوج بے ادب
تیر آئے جب قریب سپاہ شہ عرب   غصّے سے تھر تھرا گئے سب خاصگان رب
راحت جو غازیوں کو نہ تھی بے لڑے ہوئے   تیغوں کو تول تول کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے"

مرثیہ کی ابتدا میں تمام ہمراہیوں کا شہید ہونا، اور اس کے بعد عزیزوں کا فدا ہونا، بچّوں کا جامِ شہادت پینا، پھر امام عالیمقام کا رن کی اجازت کے واسطے خیمے میں آنا، ان واقعات کو مصنف نے نہایت دردناک الفاظ میں نظم کیا ہے۔ امام کی تشریف آوری پر اہل حرم میں جو حشر بپا تھا اس کے متعلق لکھا ہے :۔

"روتے ہوئے جو رانڈوں میں داخل ہوئے امام   دوڑے سب اہل بیت رسول فلک مقام
آئے نظر جو بیکس و تنہا شہ امام   شہ سے کئے لپٹ کے سکینہ نے یہ کلام
امّاں ہیں مضطرب شہ الوز کو کیا کیا   بابا ہمارے! چھوٹے برادر کو کیا کیا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہ دیں پناہ   بی بی! شہید ہو گیا ان میں وہ رشک ماہ
پھنکتا تھا تشنگی سے جگر حال تھا تباہ   جنّت میں لے گئی انھیں نہر لبن کی چاہ
دیکھا نہ ماں کو پھر کہ اجل پا گئی انھیں   آغوش قبر دیکھ کے نیند آ گئی انھیں
بے جاں ہوئے اب آنے کی اُن کے نہیں ہے آس   اب ہم بھی جاتے ہیں کوئی دم میں انھیں کے پاس
رونے لگے یہ کہہ کے جو شبیر حق شناس   آئیں قریب بانوی بیکس بدرد و یاس
فرقت جو دل پہ شاق تھی زہرا کے ماہ کی   دامن قبا کا تھام کے اک سرد آہ کی
کی عرض دل ہے غم سے دو پارہ میں کیا کروں   جز موت اب نہیں مجھے چارہ میں کیا کروں
دُکھ میں کیا سبھوں نے کنارا میں کیا کروں   بچّوں کا بھی رہا نہ سہارا میں کیا کروں
خالی ہے گود بانوی ناشاد لٹ گئی   صغرےٰ بھی میں ظلم کے جنگل میں چھٹ گئی
لاشے سحر سے آتے ہیں اے فاطمہ کے لال   باقی نہ پیر ہیں، نہ جواں ہیں، نہ خرد سال
غربت میں آپ بھی ہیں جو آمادۂ جدال   سونپا کسے کنیز کو یا شاہ خوش خصال
سب مر چکے اب آنکھوں کا تارا نہیں کوئی   لونڈی کی زندگی کا سہارا نہیں کوئی"

پورا مرثیہ اس انداز سے لکھا ہے کہ سُننے والوں کا جگر شق ہوتا ہے۔ میر نفیس کو میر احسان علی رئیس کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ اب ان کی یادگار اولاد ذکور میں صرف ایک سید ننّن صاحب ہیں۔

میر نفیس باوجود اس کمال کے حد درجہ منکسر مزاج تھے اس رفعتِ کمال پر ہر ایک سے جُھک کر ملتے باتیں اس طرح کرتے کہ گویا

کچھ جانتے نہیں ہیں غرور کا کلمہ زبان پر نہ آتا اکثر کہا کرتے مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا ہے۔

کسی نے تعریف کی کہ "آپ کے کلام میں بالکل میر انیسؔ مرحوم کا رنگ ہے"۔ آپ بگڑ بیٹھے اور کہنے لگے "یہ آپ نے کیا کہا وہ کجا اور میں کجا ہاں اُن کا میں ایک ادنیٰ خوشہ چیں ہوں آپ نے ان کے مرتبے کو پہچانا نہیں"۔

اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی سلام کو پہلے آپ ہی ہاتھ اُٹھاتے نماز روزے اور احکام شرع کے سخت پابند تھے۔

مرثیہ گوئی میں آپ کی پانچویں پشت تھی ایک مرثیے میں فرماتے ہیں[۵]

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں   پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں[۱]

پچاسی برس سے زیادہ سن ہوا، ضعف اور نقاہت کے ساتھ عوارض بھی پیدا ہو گئے چند روز بیمار رہ کر ۱۲ ذلیقعدہ ۱۳۱۹ہجری مطابق ۱۹۰۱ء کو انتقال فرمایا جس وقت روح لطیف نے جسم خاکی سے مفارقت کی صبح کاذب کا وقت تھا، تمام علمای کرام و عمائدین شہر شریک تجہیز و تکفین ہوئے جنازہ کو فوراً دریاے گومتی پر لیجا کر غسل دیا، پانچ بجے شام کو غسل سے فراغت ہوئی، تو جنازہ چوک کی راہ سے سید تقی مرحوم مجتہد کے امام باڑہ میں لائے۔ مجتہد العصر میر آغا مرحوم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور میر انیسؔ مرحوم کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔ آپ کے مرثیوں کا ایک حصہ طبع ہو چکا ہے، باقی مرثیے غیر مطبوعہ ہیں =

آپکے فرزند میر خورشید حسن عرف دولہ صاحب عروجؔ کہتے ہیں کہ جناب مغفور نے ۲۵ رجب کو ایک نو تصنیف مرثیہ پڑھا، جس کا ایک شعر یہ تھا ۵

دعاے خیر سے روحِ حزیں کو شاد کریں   ہمارے بعد بھی احباب ہم کو یاد کریں

اور اس کے چار مہینے بعد ذلیقعدہ میں انتقال فرمایا اس کو حُسنِ اتفاق کہا جاے چاہے پیشین گوئی نہایت کوشش سے میر نفیسؔ مرحوم کے غیر مطبوع مرثیے ہم پہنچے ہیں، جس کا انتخاب ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں کہ میر صاحب کا رنگ کس قدر گہرا ہے:۔

"جب گیسوی مشکیں کی گرہ شام نے کھولی   چہرے سے ردا لیلی خود کام نے کھولی
شمشیر و سپر لشکر اسلام نے کھولی   خیمے میں کمر شاہ خوش انجام نے کھولی
سجدہ کیا زینب نے مصلی کو بچھا کے   مغرب کی اذانیں ہوئیں لشکر میں صدا کے
وہ شام غم انجام وہ جنگل کا اندھیرا   نزدیک سے خیمہ نظر آتا تھا نہ ڈیرا
مہمانوں سے راحت نے جو مُنہ اپنا تھا پھیرا   خود کہتی تھی وہ رات کہ دور آج ہے میرا
تاریک شبیں ہوں گی پہ یہ بات نہ ہوگی   ایسی کبھی اب حشر تلک رات نہ ہوگی
صحرا میں غضب تھا شب عاشور کا آنا   ہر چشم میں تھا تیرہ و تاریک زمانا
اس رات سے تھا قافلہ راحت کا روانا   وہ شب بھی ڈرانی تھی وہ جنگل تھا ڈرانا
شمشیر جفا فوج الم تولے ہوئے تھی   ثابت تھا کہ مُنہ اپنا بلا کھولے ہوئے تھی
خورشید ہوا لشکر ضو لے کے جو راہی   دُنیا میں ہوا داخلۂ فوج سیاہی
کی شام سے آکر شب تیرہ نے جو شاہی   عالم میں ہوئی روشنی آنے کی مناہی
سلطنت نور لٹی کون و مکاں میں   ظلمت کا عمل بیٹھ گیا ملک جہاں میں
تھا غرب سے تا شرق کسی جا نہ اُجالا   خالی کہیں ظلمت سے نہ پستی تھی نہ بالا
رنگ اپنا سیاہی نے درختوں پہ جو ڈالا   پتا بھی ہر اک سبز نظر آتا تھا کالا
ضو تھی جو نہاں سایہ بھی آنکھوں سے چھپا تھا   ہر سرو نگاہوں میں سیہ پوش کھڑا تھا
اللہ رے اس رات کے چہرے کا سیہ رنگ   دن ذکر سے جس کے ہو سوادِ حبش و زنگ
ذی روح مکانوں میں نہ کس طرح سے ہوں تنگ   گوشہ تھا ہر اک گوشۂ تاریِ لحد تنگ
ضو خلق سے معدوم تہ چرخ بریں تھی   اک نقطۂ سیاہی کا زمانے کی زمیں تھی
عالم میں جو ظلمت تھی سر شام سے پھیلی   افلاک پہ رنگت تھی ستاروں کی بھی میلی

[۱] دیکھو آبحیات پروفیسر آزاد تذکرہ میر ببر علی انیسؔ۔ جہاں اس شعر کو خود میر انیسؔ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور وہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ خانوادہ مرثیہ گوئی کے سلسلہ میں میر انیسؔ پانچویں پشت میں آتے ہیں۔ اڈیٹر

ضو تھی نہ زحل میں نہ وہ تھا نور سہیلی — تھی رات کہ برپا تھا سیہ خیمۂ لیلی
خارغم و اندوہ ہر اک دل میں گڑا تھا — پنہاں تھی ضیا خلق میں اندھیر پڑا تھا
وہ شام وہ غربت وہ سیاہی وہ بیاباں — نہ روشنی شمع کسی جا نہ چراغاں
پھرتی تھیں نبی زادیاں سب مضطر و حیراں — ڈھلکی تھی ردا بال تھے زینب کے پریشاں
فرماتی تھیں کل حشر بپا ہوئے گا لوگو — یہ رات جو گذرے گی تو کیا ہوئے گا لوگو"

اس مرثیے میں میر صاحب نے شب عاشور کا واقعہ نظم کیا ہے پھر تاریکی شب کا سین (منظر) دکھایا ہے بعدہٗ لکھا ہے کہ امام عالیمقام نماز عشا سے فرصت کرکے مناجات میں مشغول ہوئے سحر ہوئی، یار و انصار دوپہر تک قتل ہوتے رہے۔ پھر حضرت علی اصغر شہید ہوئے اور حضرت بانو کا بین تو دردناک طور پر نظم کیا ہے :-

"اے بانوے غمدیدہ، و مضطر ادھر آؤ — اب صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
تکیے علی اصغر کے نہ چھاتی سے لگاؤ — مر جاؤ گی گہوارے کے نزدیک نہ جاؤ
حلقے میں ہیں، آفت کی تباہی میں پڑے ہیں — رکھ دو کہیں ان کے جو ہیکل یہ کڑے ہیں
یہ سنتے ہی سر پیٹ کے بانو یہ پکاری — ہے ہے مرے اصغر تری تربت کے میں واری
تم چھٹ گئے کیونکر نہ کروں گریہ و زاری — خالی ہوئی یاں آکے بھری گود ہماری
جینے کی نہیں گر نہ تمہیں پاؤں گی بیٹا — میں پیٹتے ہی پیٹتے مر جاؤں گی بیٹا
یاد آتا ہے اماں کو تمہارا وہ ٹھمکنا — وہ پھول سا رخ نرگسی آنکھیں وہ جھپکنا
منہ کھول کے ہر بار مرے منہ کو وہ تکنا — جھولے میں وہ بے دودھ وہ بے آب بلکنا
طاقت نہیں ماں کے دل بے صبر میں بیٹا — کیونکر تمہیں آرام ملا قبر میں بیٹا"

دلآرام کی بارہ دری میں ماہ رجب کی سالانہ مجلس تھی سامعین رؤسا، امرا دوپہر سے جمع تھے میر صاحب کو تشریف لانے میں کسی قدر وقفہ ہو گیا آتے ہی دیکھا کہ ماشاء اللہ مجلس بھری ہے گرمی کا زمانہ ہے لوگ اکتا رہے ہیں آپ ممبر پر تشریف لے گئے فرمایا "التماس دعا ہے" سب نے دعا مانگی، آپ نے ایک رباعی پڑھی۔ رباعی۔

"مر جائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے — ہاں صبر علاج دل صد پارہ ہے
اصغر کو لٹا کے شہ نے تربت میں، کہا — آرام کرو اب یہی گہوارا ہے"

چند رباعیوں کے بعد مرثیہ شروع کیا :-

"پھر طبع سلیم انجمن آرائے سخن ہے — پھر دیدۂ دل عاشق سلمائے سخن ہے
پھر جلوہ کناں چہرۂ زیبائے سخن ہے — پھر مشک فشاں طرۂ لیلائے سخن ہے
پھر خضر قلم بادیہ پیمائے سخن ہے — پھر یوسف دل محو زلیخائے سخن ہے
پھر پیش نظر طور تجلائے سخن ہے — پھر طبع کو ذوق من و سلوائے سخن ہے
یاد آ گیا پھر لب کو مزا شہد سخن کا — پھر آج زباں کھولتی ہے قفل دہن کا"

یہ مرثیہ حضرت قاسم کے حالات کی نسبت ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں :

"ہاں شادی و ماتم کا مرقع ہے یہ عالم — غم میں کہیں شادی ہے کہیں بیاہ میں ماتم
رقت بھی ہے عشرت کی بھی محفل ہے فراہم — بکھرائے ہے گیسو شب عاشور محرم
دیکھا نہ سنا بیاہ میں اس رنج و محن کو — دولہ کو نہ پانی ہے میسر نہ دلہن کو
غربت میں مصیبت ہے تلاطم ہے، قلق ہے — نوشاہ کی ماں خوش ہے، مگر رنگ بھی فق ہے
ماں چپ ہے دولہن کی، پہ جگر سینے میں شق ہے — اشکوں کو جو روکا ہے تو چہرہ پہ عرق ہے
کہتی ہے میں حیران ہوں یہ کیا ہوتا ہے لوگو — شادی ہے کہ سامان عزا ہوتا ہے لوگو"

عشرت لکھنوی

اخبار و اخبار نگاری

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد

لکھنے کو تو اس موضوع پر سارے اُردو اخباروں نے اپنے اپنے اجرا کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہوگا۔ لیکن ہمیں یاد آتا ہے کہ مستقل مضمون لکھنے کا شاید یہ دوسرا ہی موقع ہے۔ اُردو اخبارات و رسائل پر مفصل تنقیدیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ اچھے اچھے اہلِ قلم اس طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ اور زورِ قلم دکھا چکے ہیں۔ اس مضمون سے ہمیں نہ تو زورِ قلم دکھانا مقصود ہے اور نہ کوئی جدت۔ بلکہ صرف وہ معلومات جو تجربات اور تحقیق و تدقیق کے بدولت حاصل ہوئی ہیں۔ ممکن ہے کہ دُور اندیش و مصلحت سنج اہل ملک اس سے زیادہ مفید رائیں قایم کر چکے ہوں۔ پھر بھی ایک ایسے شخص کی رائے غالباً بیکار ثابت نہ ہوگی جسکی عمر کا بیشتر حصہ اسی تجربہ میں گذرا ہے۔

اب سے پیشتر جس کو تقریباً پندرہ سال ہوئے ادیب[1] کا ہمنام ایک رسالہ فیروز آباد سے شایع ہوا تھا۔ جس کے کل بارہ پرچے نکلے تھے اور دوسرے سال سے بند ہو گیا۔ حسنِ اتفاق سے اُس کی پہلی اشاعت میں چوٹی کا مضمون عنوان بالا کا جزو اول تھا یعنی اخبار کے معنی کیا ہیں؟ جہانتک ہمیں خیال ہے اُس بحث کا اصلی ماخذ زیادہ تر انسائیکلو پیڈیا[2] کا وہ مضمون تھا جو نیوز پیپر[3] کے تحت میں ہے اگرچہ انگریزی داں یا عربی داں حضرات سے یہ کہہ دینا کافی ہو سکتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا یا خواہ دائرۃ المعارف کو دیکھ لیں۔ مگر ہمارے مخاطب اُردو داں ہیں اور ہماری دُنیا اُردو۔ اور بدقسمتی سے وہاں اُردو اخبارات کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اسلئے ہمیں ضرورتاً لکھنا پڑیگا اور وہ بھی مفصل تفصیل بھی وہ نہیں جو ایک آدھ (اُردو اخبارات کی) ڈائرکٹری[4] میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ وہ تصریح جو بہ تقاضاے وقت لازمی ہے۔ یا وہ جو مشاہدہ و تجربہ نے بتایا ہے۔

اخبار جمع ہے عربی لفظ خبر کی جس کے معنی ہیں نئی باتیں۔ پرانی حدیث کو بھی خبر ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگلے زمانہ میں بالخصوص شاہان مغلیہ کے عہد میں اخبار نگار و وقایع نگار ہوا کرتے تھے جو ایک ڈائری[5] یا

---

[1] اس نام کے دو رسالے جاری ہوئے تھے۔ یورپ میں بھی ایک نام کے چند اخبار بیک وقت شایع ہوتے ہیں۔ بہر حال ایک تو حیدرآباد سے نکلتا تھا اور دوسرا غالباً ۱۸۹۸ء میں فیروز آباد سے جاری ہوا تھا، جس کے اڈیٹر سید اکبر علی صاحب تھے۔ ایک سال تک شایع ہوتا رہا پھر بند ہو گیا۔ یوں تو ۱۸۸۶ء میں پہلے پہل رسالہ دلگداز مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے نکالا تھا۔ اسلئے اولیت کا فخر ممدوح کو ہے۔ اور اودھ ریویو ۱۸۹۶ء میں شایع ہوا لیکن ہندوستان میں موجودہ طرز کے رسائل کا پیشرو ادیب ہی تھا۔ اس سے پہلے چند گلدستے بھی نکلتے تھے، جن میں فقط مشاعروں کی غزلیں ہوا کرتی تھیں۔ اس مذاق کا قدیم ترین رسالہ پیام یار ہے سید اکبر علی صاحب کے رسالہ کی دیکھا دیکھی گلدستوں میں بھی نثر مضامین بطور ضمیمہ شائع ہونے لگے۔ ۱۹۰۱ء میں بالکل ادیب کے طرز پر لاہور سے مخزن جاری کیا گیا۔ اور مشہور اہلِ قلم کی نگاہیں جو ادیب کو ڈھونڈھ رہی تھیں، یک بیک مخزن کی طرف اُٹھ گئیں۔ رفتہ رفتہ ملک میں رسالوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی، پھر تو بیسیوں رسالے نکل پڑے۔ دکن ریویو، اُردوے معلی، العزیز، عالمگیر، کمال دہلی، الحکم، نصیح الملک، صحیفہ، زمانہ، زبان، ادیب الاطفال، الناظر، المشرق، الشمس، کشمیری میگزین، تنویر المشرق، علاے عام، یار شاطر، علیگڈھ منتھلی، خلاصہ، عصمت، خاتون، الحجاب، معارف وغیرہ۔

[2] Encyclopædia
[3] Newspaper
[4] Directory
[5] Diary

روزنامچہ میں روزمرہ کے واقعات قلمبند کرتے تھے۔جس کی نقل صدر دفتر کے ذریعہ سے بادشاہ کے پاس بھیجی جاتی تھی۔اور اصل مسودہ مورخوں کے بکار آمد ہوتا تھا۔جس سے تاریخ نویسی میں مدد ملتی تھی۔جن جن بادشاہوں نے اپنے زمانہ کی تاریخ آپ لکھوائی ہے۔اُن کو یہ انتظام کرنا پڑا ہے کہ اُن روزنامچوں کے مسودے یا نقلیں تاریخ نویس کے پاس بھیجنے کی تاکید کردی۔چنانچہ آئین اکبری و اکبرنامہ کی ترتیب کے لئے اکبر اعظم کو یہی انتظام کرنا پڑا تھا۔بہت سے اخبار و وقایع نگار ترقی کرکے شاہی دربار کے تاریخ نویس و سوانح نگار ہوتے گئے۔جیسے منشی محمد امین قزوینی مؤلف شاہجہاں نامہ (دورِ اول) ملا باقی نہاوندی مولف ماثر رحیمی۔ارادت خاں واضح صاحب وقایع ارادتخانی۔معتمد خاں مؤلف توزک و اقبالنامہ جہانگیری وغیرہ۔اس مفید طریقہ و بکار آمد محکمہ کی پوری کیفیت کے لئے الگ مضمون چاہئے جو پھر کبھی لکھا جائے گا۔

یورپ میں اخبار کا مفہوم :۔ خبر کو انگریزی میں نیوز[لہ] کہتے ہیں اور اخبار کو باعتبار رواج نیوز پیپر۔نیوز کے لفظی معنی ہیں تازہ واقعات۔ نئی باتیں، جدید معلومات۔اُن واقعات کی پہلی اطلاع جو ابتک ظہور میں نہ آئے تھے۔ایسی خبروں کے مجموعے اور ان واقعات و سوانح کے شایع کرنے کے لئے جو پرچہ ہوتا ہے وہ نیوز پیپر کہلاتا ہے۔اس کی اقسام بہت ہیں۔روزانہ۔ہفتہ وار۔ماہوار۔بعض متمدن ممالک میں گھنٹے گھنٹے بھی اخبارات نکلتے ہیں۔دن میں دوبار شایع ہونے والے اخبار تو بہت ہیں۔پھر ان کے نام بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔اور غرض کے اعتبار سے ہر بھی جدا ہوتا ہے۔

ولایت میں اخبار سے مراد وہ پرچہ ہے جس میں خبریں ہوں۔حال کے واقعات کی اطلاع یا رپورٹ کا وہ طومار جو تھوڑے مگر باقاعدہ عرصہ میں شایع ہوتا ہو۔اور جو، یا تو فروخت کیا جاتا ہو، یا مفت تقسیم ہوتا ہو۔ایک ایسا روزانہ، ہفتہ وار، خواہ ہفتہ میں دوبار شایع ہونے والا پرچہ جو روزمرہ کی خبریں دیتا ہو۔مثلاً عام سیاسی امور، قانون سازی، قوم کے موجودہ حالات، مقامی یا صوبہ کی عام خبریں، علوم و فنون، مذہب، تجارت، بیوپار کے مسائل پر بحث ہو۔بازار و نرخ کے حالات ہوں۔اشتہارات و اطلاعات جس سے عوام کو دلچسپی ہوتی ہو۔یوں تو اخبار کی سیکڑوں قسمیں ہوسکتی ہیں لیکن بالعموم اخبار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک عام اور دوسرا خاص (۱) عام اخبار وہ ہے جس میں ہر طرح کی ایسی اطلاعات اور خبریں ہوں جو بغیر کسی تفریق کے عام مذاق کے لئے مفید ہوں (۲) خاص اخبار وہ ہے جس کا مقصد خاص خاص امور پر بحث کرنا ہو۔مثلاً مذہب، پرہیزگاری، ادب، قانون، وغیرہ سے متعلق مسائل خاص جگہ رکھتے ہوں۔اور عام خبریں اُس میں بطور ضمیمہ ہوں۔

معنی کی جامعیت کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ لفظ نیوز کے چار حروف ذیل کے چار الفاظ کے ابتدائی حروف ہیں

N نارتھ[لہ] بمعنی شمال یا اُتر
E ایسٹ بمعنی مشرق یا پورب
W ویسٹ بمعنی مغرب یا پچھم
S ساوتھ بمعنی جنوب یا دکھن

اس حیثیت سے اخبار کو چار دانگ عالم کی خبروں کا دفتر ہونا چاہئے۔اس صنعت کا لفظ ہماری زبان میں ایسا نہیں ہے جو ترکیب لفظی کی جدت کو یکساں طور پر ظاہر کرے لیکن معنی کی وسعت اس پر حاوی ہوجاتی ہے۔

اخبار کی تاریخ :۔ پہلے پہلے اخبار کب، کہاں اور کیونکر شایع ہوا؟

[لہ] (NEWS)

[لہ] South, West, East, North.

اس کا پتہ لگانا ایک حد تک دشوار ہے - بہر حال اس بارہ میں اہلِ چین کو فوقیت دی جاتی ہے - اور وہی اخبار کے موجد قرار دئے جاتے ہیں - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چین کا قدیم ترین اخبار جو پکنگ گزٹ کے نام سے اب مشہور ہے دسویں صدی عیسوی میں جاری ہوا تھا - لیکن اہل یورپ کہتے ہیں کہ اس دعوی کے ثبوت کافی نہیں ہیں - اس میں تو کوئی شک نہیں کہ چینیوں کی ترقی قدیم الایام سے چلی آتی ہے - پھر اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ اخبار کے بھی موجد ہیں تو حیرت کی کوئی وجہ نہیں - آخر مطبع کی ایجاد تو چینیوں ہی نے کی ہے -

سب سے پہلا انگریزی اخبار ویکلی نیوز بتایا جاتا ہے جو لندن سے ۱۶۲۲ء میں شایع ہوا تھا - جرمنی و اطالیہ میں اخبار کی ابتدا سولھویں صدی عیسوی سے بتاتے ہیں - اگرچہ یہ قول فیصل ہے کہ جرمنی کا قدیم ترین اخبار فرانکفیورٹر جرنل ہے جو ۱۶۱۵ء میں شایع ہوا تھا - ممالک متحدہ امریکہ میں سب سے پہلا اخبار پبلک اکرنسز نامی مقام بوسٹن سے ۱۶۹۰ء میں جاری ہوا - مگر پھر بند کر دیا گیا - اس کے بعد ہی بوسٹن نیوز لیٹر ۱۷۰۴ء سے شایع ہونے لگا - وہاں کا قدیم تر اخبار جو اب تک جاری ہے نیوہیمشائر گزٹ کے نام سے مشہور ہے جو ۱۷۵۶ء میں شایع ہوا تھا - فرانس میں پہلا اخبار گزٹ دی فرانس ۱۶۳۱ء سے شایع ہونے لگا - سوئیڈن میں پہلا اخبار ۱۶۴۴ء سے جاری ہوا - ڈنمارک میں ۱۶۶۳ء سے - ناروے میں ۱۷۶۳ء سے - بلجیم و ہالینڈ میں ۱۶۰۵ء سے - اسپین میں ۱۷۲۶ء سے - روس میں ۱۷۰۳ء اور ٹرکی میں سب سے پہلا اخبار ۱۷۹۵ء سے شایع ہونے لگا - مختلف ممالک کے قدیم ترین اخبارات کی یہ ایک اجمالی فہرست ہے - ان کے اغراض و مقاصد سے ہمیں یہاں بحث نہیں ہے -

ہندوستان میں موجودہ روش کے اخبار کا سلسلہ دولت برطانیہ کے فیض کا ایک نتیجہ ہے - اسلئے یہاں کی مروجہ اخبار نگاری کا سرچشمہ ولایتی اخبار نویسی کو قرار دینا ہوگا - وہاں بھی اخبار کا اصلی مفہوم اس وقت سمجھا گیا جب اٹھارھویں صدی میں اڈیسن جیسے مجتہدِ عصر یا رفارمر کا اس میدان میں قدم جما - ابتدا میں ۱۷۰۹ء سے ۱۷۱۱ء تک اسٹیل کے ساتھ ہو کر اڈیسن ایک رسالہ شایع کرتا رہا جس کا نام ٹیٹلر[1] تھا - اسی اولوالعزم برطانی ادیب نے دعوی کیا تھا کہ "جس طرح سقراط نے فلسفہ آسمان سے زمین پر لایا اور اپنے ہمجنسوں میں پھیلایا اسی طرح انجمن مجلس - چائے خانہ اور قہوہ خانہ میں پھیلانے کے لئے فلسفہ کتب خانوں - اسکولوں اور کالجوں سے میں لاؤں گا" اور واقعی اس نے اس کا عملی ثبوت بھی دیا - جس کی مثال تمدن برطانیہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ٹیٹلر سے الگ ہو کر اس نے اپنا ایک رسالہ نکالا جس کا نام تھا اسپکٹیٹر[2] - خوش نیتی کی برکت دیکھو کہ اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے - سچ پوچھو تو اخبار و اخبار نگاری کا پورا حق اس جانباز نے ادا کیا - قوم کی حالت سدھارنے کے لئے اس نے کیا کچھ نہ کیا - بھیس اس نے بدلا - روپ اس نے بھرا - متمدن ممالک کا سفر کیا - وہاں کے آثار قدیمہ سے فیض اٹھایا - ہر مجلس ہر جماعت اور ہر محفل میں شریک ہو کر خوش حال و بدحال دو لتوں کے حالات سے سچی عبرت حاصل کی - اور جو کچھ تجربات و مشاہدات نے بتایا اس کی بہترین تصویر کھینچکر قوم کو غیرت مند بنا دیا - غرضکہ علم تمدن کا سبق پڑھا کر سب کو یکساں طور پر مالامال کر دیا - اس زمانہ میں انگلستان کا بھی ایسا ہی مذاق بگڑا ہوا تھا جیسا آج ہمارے ملک کا - جس کا رونا خود اڈیسن جا بجا رو رہا ہے - اسپکٹیٹر کے مضامین نصاب ادب میں اب تک داخل ہیں بڑے بڑے ادیبوں نے اس پر دیباچے لکھے ہیں -

---

لہ Tattler   ٹہ Spectator

ہندوستان میں مطابع اُس وقت قائم ہوئے جب کمپنی[۱۵] کی یہاں حکومت تھی۔ اُس زمانہ میں ایک آدھ اخبار بھی نکلتا تھا لیکن اُسکی کوئی ایسی وقعت نہ تھی۔ عہد لارڈ ولسلی سے کچھ پیشتر کلکتہ سے آٹھ باثر اخبارات نکلتے تھے۔ ان میں سے کلکتہ گزٹ جو حقیقت میں بنگال گورنمنٹ کا اخبار تھا اب تک جاری ہے۔ اگرچہ صورت و اغراض میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ اخبار ہرکارو اور انڈین گزٹ دونوں کو ایک کرکے انڈین ڈیلی نیوز نام رکھدیا گیا جو اس وقت ہندوستان کے ممتاز اخباروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بقیہ پانچ جو معدوم ہو گئے ان کے نام یہ تھے۔ دی کلکتہ کوریر۔ دی بنگال جرنل دی ایشیاٹک مرر۔ دی ورلڈ۔ دی ٹیلیگراف۔ لارڈ ولسلی پہلے گورنر جنرل تھے جنھوں نے ۱۷۹۹ء میں قانون مطابع جاری کیا جس کا ایک دفعہ یہ تھا کہ باغی و سرکش اڈیٹر جلا وطن کرکے یورپ بھیجدئے جائیں گے۔ اُسی زمانہ میں اس پر عمل بھی کیا گیا۔

۱۸۱۸ء میں مارکوئس آف ہیسٹنگز نے قانون مطابع کو منسوخ کردیا اور اخبارات پھر جاری ہونے لگے یہانتک کہ ۱۸۳۲ء میں ان کی تعداد گیارہ تک پہنچ گئی۔ یعنی چھ یورپین اور پانچ دیسی اخبارات تھے ان میں سے تین روزانہ۔ ایک ہفتہ میں دو بار اور دو ہفتہ وار شایع ہوتے تھے۔ اس کے بعد سر چارلس مٹکاف کا زمانہ آیا۔ یہ بڑے علم دوست اور عالم نواز حاکم تھے۔ چنانچہ کلکتہ کی امپیریل لائبریری (سابق مٹکاف ہال) ان ہی کی یادگار ہے۔ ان کو اشاعت علم کا بڑا شوق تھا۔ ہمیشہ اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ ہندوستانیوں کے تبادلہ خیال کا معقول انتظام کیا جائے۔ آخر مطابع و اخبار کی آزادی کو بہترین ذریعہ تصور کرکے اس مسئلہ پر زور دینے لگے۔ اُن کی یہ عبارت واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "میں اپنی ذات سے ہمیشہ آزادی مطابع کا حامی رہا ہوں محض اس تیقن کے باعث کہ ان کے افادات ان کے نقایص سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہیں۔ اور میں پھر وہی رائے قائم کرتا ہوں" ان کی اس رائے سے دوسرے اہل الرائے حضرات نے اتفاق کیا۔ اور آزادی مطابع کا وہ مشہور قانون جس کا مسودہ مکالے جیسے مدبر زمانہ نے تیار کیا تھا خود سر چارلس مٹکاف نے ۱۸۳۵ء میں بحیثیت گورنر جنرل نافذ کردیا۔ اس کے اجرا سے بدیہی فائدہ یہ ہوا کہ ہر شخص عام مسائل پر آزادانہ رائے زنی کرنے لگا۔ اور چار برس تک بخیر و خوبی لوگ تبادلہ خیال کرتے رہے۔ ملک میں اس کے مفید نتایج نمایاں ہونے لگے۔ یہانتک کہ غدر ۱۸۵۷ء کی وہ بدنصیب گھڑی آپہنچی۔ اور جان و مال کی تباہی کے ساتھ علم و فن کی ترقی بھی ایک حد تک رُک گئی۔ اُسی سال لارڈ کیننگ نے قانون مطابع پھر جاری کردیا جس سے اخبارات ایک حد تک پابند ہوگئے۔ اور آزادی میں کمی ہو گئی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ چنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ لیکن اس قانون کے اجرا سے علوم و فنون کی اشاعت یا تبادلہ خیال میں کوئی فرق نہیں واقع ہوا۔ اور نہ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ پاکبازی اور نیک نیتی دو ایسی صفات ہیں جو انسان کو آلودگی و لغویات سے ہر طرح بچا سکتی ہیں۔

گارسن ڈی ٹاسی فرانس کا ایک زبردست ماہر السنۂ مشرقیہ تھا۔ ایک مدت تک وہ ہندوستان میں سفر کرتا رہا۔ یہاں کے حالات سے بہت واقف ہو گیا تھا۔ اُردو زبان کا دلدادہ تھا۔ مشاعروں میں شریک ہوتا اور کبھی خود بھی دو چار اشعار موزوں کرلیتا تھا۔ اس کے ہموطن اس کو اُردو کا عالم قرار دیتے ہیں۔ اس میں تو شک نہیں کہ اُس کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

---

[۱۵] آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی۔

اس نے چند کتابیں اُردو زبان اور اُردو کے شعرا کی نسبت لکھی ہیں اور وہ نہایت مقبول ہوئیں۔ اس کے تذکرۃ الشعرا کا ڈاکٹر فیلن نے اُردو میں ترجمہ کرایا۔ بمقام پارِیؔ ۱۸۵۰ء میں جب "زبانِ اُردو" پر وہ اپنی سالانہ تقریر کرنے لگا تو اس نے کہا تھا کہ ہندوستان میں ۲۷ اخبارات جو قسم قسم کے ہیں اِس وقت بزبان اُردو شایع ہوتے ہیں اور ان کے مفصل حالات بھی بیان کئے تھے۔ پھر ۱۸۶۱ء میں دوبارہ اسی نے بیان کیا تھا کہ "اُس تعداد میں ۱۷ اخبارات کا اور اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ اُن کی اشاعت و ادبی مراتب نسبتاً کم ہیں۔ اس پر بھی ان میں سے ایک کی اشاعت چار ہزار پرچوں تک پہنچ گئی ہے"

اس بنا پر بخوبی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُردو میں اخبار نگاری کی ابتدا گذشتہ صدی کے آغاز سے ہوئی۔ لیکن باقاعدہ اُردو اخبارات غدر کے بعد شایع ہوئے۔ ۱۸۵۸ء میں اودھ اخبار شایع ہوا جو اس وقت تک جاری ہے۔ ۱۸۶۶ء سے اخیر تک سرسید کے مضامین جو اخلاقی۔ تمدنی اور ملکی انشاپردازی کے بہترین نمونے ہیں علیگڈھ انسٹیٹوٹ گزٹ میں شایع ہوتے رہے ۱۸۷۷ء سے اودھ پنچ شایع ہونے لگا اور اُردو زبان میں ظرافت کی جو کمی تھی وہ پوری ہوگئی۔ پھر ۱۸۸۱ء میں ہندی کا قدیم تر اخبار بھارت متر نکلا جو اب تک جاری ہے۔ سرسید مرحوم کو زبان کی اشاعت و محافظت کا بہت خیال تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ملک میں مذاقِ صحیح پھیل جائے۔ اس غرض سے سائنٹفک ایسوسیشن قائم کیا۔ اور تبادلۂ خیال کے لئے رسالۂ تہذیب الاخلاق جاری کیا جو غالباً سب سے پہلا رسالہ ہے۔ دوسرا اخبار اُردو گائیڈ کلکتہ سے شایع ہوتا تھا۔ زمانہ کی نامساعدت نے قاعدہ کلیہ کے رو سے ان دونوں کو بھی نہ چھوڑا مگر اس میں شک نہیں کہ ان اخباروں کی غرض اُس وقت کے لئے مفید ضرور تھی۔ ان دونوں اخبارات کے نامہ نگار بھی اُس زمانہ کے مشہور اہل قلم تھے۔ مثلاً سید کرامت علی[1] متولی امام باڑہ ہوگلی جن کی ریاضی دانی کو اہل ولایت نے تسلیم کیا ہے۔ مولانا سید عبید اللہ[2] اول سپرنٹنڈنٹ مدرسہ ہوگلی و ڈھاکہ نواب محسن الملک مہدی علی خاں۔ مولوی چراغ علی حیدرآبادی پروفیسر ذکاء اللہ۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین۔ سید محمود۔ حالی وغیرہ۔ ان بزرگوں کے علمی و فلسفیانہ مضامین جو ان اخبارات میں وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہے وہ اب تک یادگار ہیں۔ سرسید کو تو بارہا اخبار بند کردینا پڑا۔ لیکن یہ بھی اُن ہی کا استقلال تھا کہ جب موقع ملا اخبار کو زندہ کیا۔ اُردو گائیڈ کا پایہ بھی کچھ کم نہیں۔ سرسید کی سلامت روی کی داد دینے والا۔ اُن کی حمایت کرنے والا۔ اور ناصح مشفق کی طرح اُن کی غلط روی سے اُن کو متنبہ کردینے والا اُن کا ہی معاصر تھا جس کے خلوص کا شکریہ خود سرسید نے جابجا ادا کیا ہے۔ تہذیب الاخلاق رفتہ رفتہ علیگڈھ انسٹیٹوٹ گزٹ میں شامل کردیا گیا۔ رہا اُردو گائیڈ وہ اخبار دار السلطنت کلکتہ کے ہاتھوں بکا۔ اکثر نامور انشاپرداز اس کے اڈیٹر بھی رہے۔ لیکن یہ کچھ ضرور نہیں کہ ہر اہل قلم ویسا ہی اہل الرائے اور مدبر ہو جیسا اڈیٹر کو ہونا چاہئے۔ سچ پوچھو تو اس کی جان کشاکش میں گئی۔ مالی حالت اگر درست رہی اور مالک قدرداں ہوا تو ایسا اڈیٹر نہ ملا جو ملک و قوم کی ضرورتوں کو بعنوان احسن سمجھے اور اہل وطن کے ذہن نشین کرے۔ خوش قسمتی سے اگر اڈیٹر ایسا مل گیا

---

[1] ابتدا میں دولت ایران کے شاہی انجینیر تھے۔ [2] آنریبل ڈاکٹر عبد اللہ المامون سہروردی ان ہی کے صاحبزادے ہیں۔ مولانا سید عبید اللہ ایک زبردست عالم تھے۔ ان کی تصانیف بہت ہیں۔

جوان ضرورتوں کو پیش نظر رکھکر ابنائے زمانہ کی حالت سدھارنے کے اسباب بہم پہنچا سکے تو مالی حالت درست نہ رہی یا ملک قدردان نہ رہا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ انہیں دو اخبارات نے اخبار کا پورا حق ادا کیا۔ لیکن یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ اُس زمانہ کی روش کے مطابق ان دونوں نے ملک وقوم کی ضرورتوں کا کچھ بُرا اندازہ نہ کیا تھا۔

ان دونوں کے بعد ہندوستان میں اور اور زبانوں کے علاوہ اُردو اخبارات کی بھی کثرت ہوگئی۔ چنانچہ ۱۸۸۲ء میں حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے اخبارات کی تعداد ۳۰۷ تھی جن میں ہر زبان کے اخبار شامل تھے۔ بہتیرے اخبارات پر سر سید مرحوم کا یہ قول صادق آیا کہ جس کے پاس کاٹھ کی ایک مشین اور دو پتھر ہوگئے وہ اڈیٹر بن بیٹھا اور لگا اخبار نکالنے۔ ایسے اخبارات کی غرض یہ ہی ہوا کرتی تھی کہ ایک دوسرے کی ترقی کے درپے ہو جائے۔ کینہ۔ بغض۔ حسد۔ عداوت اور اسی قسم کے جتنے بُرے خصائل ہو سکتے ہیں سب کا مرکز اخبار ہی بنایا گیا۔ اور ہجو گوئی میں اُن کی عمر صرف ہوگئی۔ ایک نہیں سیکڑوں ایسے اخبار تو ہماری نظروں سے ہو گذرے جو آج نکلے اور کل بند ہو گئے۔ بمصداق "بدنام کنندۂ نکونامے چند" اس کا ملک میں یہ بُرا اثر پیدا ہو گیا کہ کسی اچھے نئے اخبار کا چندہ اگر پیشگی طلب کیا جائے تو لوگ دینے سے ڈرتے ہیں۔ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اس کا حشر بھی اوروں کا سا نہ ہو۔ اور پیشگی مفت میں جائے۔ اخبار والے خیال کرتے ہیں کہ ملک میں اخباروں کی قدردانی کا وقت ابھی نہیں آیا ہے سوال یہ ہو گا کہ ایسے اخبارات قبل از وقت ناپید کیوں ہو گئے؟ اسلئے کہ عزم راسخ نہ تھا اور جب یہ نہیں تو استقلال کہاں اور جب استقلال نہیں تو جو دن وہ ٹھہرے غنیمت نہیں تعجب خیز ہے۔ اعتراض ہو گا کہ تو انوکھا اور تیرے خیالات انوکھے بعض معترض تو یہ بھی کہدیں گے کہ بہتیرے لیڈری کے خبط کو تو ساتھ لے گئے اب یہ نیا مجتہد بننے چلا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری باتیں خواہ مخواہ بھی مان لی جائیں۔ ہمارا مسلک ہے یہ مقولہ کہ "نادان اگر دانائی کی کہے تو مان لو اور دانا سے نادانی ہو جائے تو درگذر کرو"۔ ہماری باتیں من گھڑت نہیں بلکہ معلومات ہیں جو تجربہ و تحقیق سے حاصل ہوئی ہیں۔ جس مصلحت سے کے آگے رکھدو گے ظن غالب ہے کہ وہ یہ ہی نتیجہ نکالے گا۔

اُردو ہی پر کچھ منحصر نہیں ہے انگریزی اخبارات میں بھی سب ویسے نہیں جیسا ہم سمجھے ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جس وقت ولایت میں اخباروں کی کانفرنس ہونے کو تھی، جس کو تین چار سال کا عرصہ ہوتا ہے تو انگریزی اخبارات مثلاً انگلشمین، اسٹیٹسمین، پایونیر وغیرہ کے اڈیٹر منصوبہ باندھے تھے کہ ہم ہی بطور نائب اخبارات ہندوستان سے طلب کئے جائیں گے۔ لیکن سب کے سب اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے جب وہاں کی کانفرنس نے کلکتہ کے انڈین ڈیلی نیوز و بنگالی کے اڈیٹروں کو منتخب کیا۔ اور ظاہر ہے کہ ولایت اخبار نگاری کی کسوٹی ہے۔ وہاں کے مبصرین کی رائے سند کے لئے کافی ہے۔

یہ دعویٰ فضول ہے کہ ابنائے ملک کو اخبارات کے بھلے بُرے کی تمیز نہیں۔ خوب تمیز ہے اور ہم کو اس کا تجربہ ہے کہ جب کوئی خاطر خواہ یا مفید مطلب اخبار و رسالہ ان کے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اُن کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کی اشد ضرورت کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ البتہ یہ مذاق عالمگیر اُس وقت ہو سکتا ہے جب اس کی مدد کی جائے۔ اور یہ اخباروں کے ہاتھ ہے۔ اس کے علاوہ ہوتے ہوتے سب کچھ ہوتا ہے۔ آخر ایک ہی دن تو یہ سارے اخبارات نہ نکل پڑے تھے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ لوگ بھی متوجہ ہوں گے ع
"زیستی میتواں رفتن بہ بام آہستہ آہستہ"۔ لیکن وہ اخبار ہمارے مذاق کی کیا اصلاح کرے گا جس نے ہم کو ایسی غیر ممکن چیزوں کے

پڑھنے کا عادی کردیا ہو کہ " انڈے کی جگہ ایک مرغی نے بچّہ دیا اور وہ بھی تین ٹانگوں کا تھا" یا یہ کہ " اہل یونان اتنی ترقی کر گئے کہ خدائی میں بٹّا لگانے لگے تھے۔ اسلئے خدا نے اُن کو غرقاب کر دیا" حالانکہ نہ تو مرغی نے انڈے کی جگہ تین ٹانگوں کا بچّہ دیا اور نہ یونانی غرقاب کئے گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ یونانی گریک[1] کہلاتے تھے جس کو عربوں نے غرِیق کیا۔ ہوتے ہوتے بعض جغرافیہ نویسوں نے اس کی وجہ تسمیہ میں وہ بے بنیاد قصّہ ضم کر دیا۔

بات یہ ہے کہ بلند حوصلگی و جدّت پسندی کا ہمیں موقع ہی نہیں ملتا اور پست ہمتی کے باعث غائر نظر ڈالنے کی قوت و عادت دونوں کو ہم کھو بیٹھے ہیں۔ نہ اسلئے کہ ہم میں اس کا مادّہ نہیں۔ مادّہ ضرور ہے لیکن فرض منصب کا وہ ذمہ دار خیال جس سے کام کرنے کی دلوں میں سچّی تحریک پیدا ہوتی ہے ہمارے پاس پھٹکنے بھی نہیں پاتا۔ واقعی اس بارہ میں ہمارے اکثر اخبارات ایک حد تک مجبور بھی ہیں۔ کیونکہ ایک جان اور ہزار سودا۔ غریب اڈیٹر " خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ" ہوتا ہے۔ اڈیٹوریل تو خیر اڈیٹر کا حصہ ہی ہے۔ تراجم، وہ بھی اڈیٹر کے ذمہ۔ مراسلات، وہ بھی نامہ نگاروں کی طرف سے اڈیٹر ہی لکھ لیگا۔ کاپیوں کی تصحیح۔ پروف کا پڑھنا۔ پتھروں کی اصلاح۔ بدقسمتی سے اگر اڈیٹر خوشخط ہوا تو کتابت بھی اُسی کے حصّہ میں آئی۔ سارے امور اُسی کے سر ہیں۔ بھلا غور تو کرو ہفتہ کے سات دن اور پورے سات کام۔ روزنامچہ کے خانے تو پُر ہوگئے اب غریب کو وقت کہاں کہ غور و خوض سے کام لیکر مضامین میں شگفتگی پیدا کرے۔ تحقیق و تدقیق سے معلومات جدید بہم پہنچائے لطف یہ کہ ساتویں دن پرچہ وقت پر نکل بھی جائے۔ ورنہ خریدار الگ ہو جائیں گے ایسی حالت میں اگر اندھی تقلید سے وہ کام لے ناظرین کی دلچسپی کے لئے ایسی خبر کہ ایک آدمی کے پاؤں سر سے لگے ہیں اگر نہ دے تو کیا کرے؟

تعجب ہے کہ ہماری ضرورتوں پر رائے زنی کریں یورپ کے وہ اخبارات جن کے اڈیٹروں یا نامہ نگاروں نے ہندوستان کیا معنی کسی ہندوستانی کا مُنہ تک نہیں دیکھا ہے۔ اور نہ کریں ہم کہ ہمارے نشو و نما کا گہوارہ ہندوستان ہے۔ بے شک ولایت میں ایسا اخبار بھی ہے جس نے خواجہ غلام الثقلین کی کتاب پر تنقید کرتے ہوئے یہ لکھدیا کہ ایک ہندو فلسفی کی تالیف ہے۔ اُس کے خیال میں مسلمان کے نام کے ساتھ محمدؐ ہونا ضروری تھا۔ اس جدّت کی جگہ اگر ہندوستانی ہی لکھدیتا تو نکتہ چینی کی جگہ نہ رہتی[2] اور فنون کے علاوہ اخبار نگاری میں بھی اہل امریکہ نے بڑی ترقی کی ہے۔ وہاں اس فن کی خاص طور پر تعلیم دی جاتی ہے۔ اخبار نگار کو برسوں کسی اڈیٹر کے ساتھ کام کرنا ہوتا ہے۔ اہل امریکہ کی پوری تقلید مصریوں نے کی ہے۔ اور اس قدر ترقی کر گئے ہیں کہ گویا اس فن کے وہی موجد ہیں۔ اخبار نگاروں کی وہاں ایک انجمن قائم ہے جس میں بڑے بڑے ماہرین فن جو مروجہ علوم پر عبور رکھتے ہیں شریک ہیں فلسفہ یا ایسے ہی علوم و فنون کے لئے غیر زبانوں میں جو خاص خاص اصطلاحات ہیں اُن کو عربی لغت میں داخل کرتے جاتے ہیں۔ اور اس طرح زبان وسیع ہوتی جاتی ہے۔ اسی لئے جب کسی بکارآمد فن کی کوئی نئی کتاب یورپ کی کسی زبان میں شائع ہوتی ہے تو سب سے پہلے اُس کا ترجمہ عربی میں ہو جاتا ہے۔

معیارِ اخبار ایک الگ بحث ہے جس کو ہم آیندہ کے لئے

۱؎ (Greek) یعنی باشندگان گریس (Greece) جو بحر ایونی میں واقع ہے۔ اسلئے وہ یونانی کے نام سے مشہور ہوئے۔

۲؎ ۔ اسی طرح ہندوستان کے ایک انگریزی اخبار نے لکھا تھا کہ مشہور کشتی باز گاما ہندو ہے۔

اُٹھا رکھتے ہیں لیکن ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اخبار کہتے ہیں نئی
جدید معلومات، اور تازہ واقعات کے مجموعہ کو۔ اور اس معنی میں اس قدر
وسعت و جامعیت ہے کہ بہت سے جزویات اس کے تحت میں
آجاتے ہیں چونکہ عوام کے مذاق یکساں نہیں اسلئے ہر شخص اپنی
غرض سے اخبار دیکھتا ہے۔ جن کو صرف خبروں کی تلاش رہتی ہے
وہ واقعات عالم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ادیب ادب کو
ڈھونڈھتا ہے۔ مورخ تاریخ کو۔ حکمراں سیاسی مضامین کو۔ تاجر
اشتہارات اور بیوپار کو۔ غرضکہ جس طبقہ اور جس خیال کا آدمی ہوگا
اُس کی جستجو ویسی ہی ہوگی۔ ع "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"
آج کل لوگوں کی توجہ ایک حد تک سیاست کی طرف ہے اور
اخبار کا جزو اعظم یہی بہرہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس بہرہ کو زیادہ اڈیٹوریل
سے تعلق ہوتا ہے اسلئے پہلے نگاہ اُسی پر پڑتی ہے۔ حکمرانی
اور ملک گیری بھی تعلیم پر مبنی ہے اسلئے علم بھی اسی بہرہ کا اولین
زینہ قرار پاتا ہے۔ ملک کی مالی حالت بغیر تجارت کے درست
نہیں ہوسکتی اسلئے اخبار کی زرخیزی کا بھی اول مسلک یہ ہی
ہونا چاہئے اب تک تو کوئی خدا کا بندہ ایسا نہ کھڑا ہوا جو بلا
امید نفع اخبارات مفت میں شایع کرتا رہا ہو۔ اگر ایسا کیا بھی
جائے تو وہ اخبار سب سے پہلے بند ہو جائے گا۔ ہر تجارت کا
یہ اصول ہے کہ بازار میں جیسی چیز نکلے ویسی چیز بنائی جائے
نہ یہ کہ تاجر اپنی جدت سے کوئی چیز بنا کر لائے اور یہ خیال کرے کہ
بازار والے خواہ مخواہ اس کو خرید کریں گے۔ اسلئے اخبار کے
مضامین بھی پڑھنے والوں یا ابنائے ملک کے خاطر خواہ ہوں
نہ یہ کہ ہماری جدت کو ناظرین خواہ مخواہ پسند کریں گے۔ اس سے
دو فائدے ہوتے ہیں۔ اخبار کی اشاعت بڑھتی ہے اور
عوام کی ضرورت بھی رفع ہو جاتی ہے جو اخبار کی غرض ہے مضامین
ایسے ہوں کہ سلامت روی و مذاق صحیح پیدا ہو جائے۔ اسی کے
ساتھ ساتھ اپنی جدت ہو تو کیا کہنا ہے۔ تبادلہ خیال کا اخبار ہی
ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے بادشاہ سے لیکر رعایا تک بلا سفر
کی دردسری کے یکساں طور پر فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ہمارے ایک
دوست رنگون گئے تھے کہتے تھے کہ وہاں ایک قلی ملا جو بلا تکلف
اب انگریزی بول لیتا ہے وہ امریکہ گیا تھا اُس نے دیکھا کہ جو مزدور
وہاں چار آنے مزدوری کماتا ہے وہ بھی دو آنے لگا کر اخبار لیتا
ہے اور راستہ میں پڑھتا جاتا ہے۔ اُن کی دیکھا دیکھی اس کو بھی
شوق ہوا کہ سب کے ہاتھوں میں کاغذ ہے اور میں یوں ہی رہوں
لوگ کیا کہیں گے۔ لینے کو تو اس نے بھی اخبار خرید لیا۔ مگر اوروں
نے پڑھ پڑھ کر فائدہ اُٹھایا ہمارے دوست نے اس سے پوچھا
کہ تو نے کیا پایا اس نے کہا کہ سفید کاغذ پر سیاہ حروف اور تاسف
کہ مجھکو کیوں پڑھنا نہ آیا۔ ہمارا یہ تجربہ ہے کہ اگر عزم راسخ ہو۔
اور پختہ مغزی سے کام لیا جائے تو ملک کی حالت بدل دینے کیلئے
اخبار کافی ہے۔ بشرطیکہ اخبار میں اس کی قابلیت اور مادہ ہو۔
پوچھا جائے گا کہ ابنائے ملک کا جب مذاق بگڑا ہوا ہے
تو یہ کیونکر مناسب ہو سکتا ہے۔ اجمالی صورت اُس کی یہ
ہوگی کہ اچھے مذاق کا اُن کو عادی بنایا جائے۔ اور یہ ممکنات میں سے ہے۔

اڈیٹر



الہ آباد یونیورسٹی کی نئی عمارت

انڈین پریس الہ آباد

ادھر آتو پھول والے

یہ صدا کسی کی سُنکر کہ یہ ہار بیچ ڈالے — وہ کھڑے پکارتے ہیں "اُدھر آتو پھول والے"

وہ زمانہ کمسنی کا وہ بناؤ سادگی کا — کہ پڑے ہیں کانوں میں بھی ابھی سادے سادے بالے

وہ ہے رنگ ارغوانی وہ اُٹھان پر جوانی — وہ شریر چتونیں ہیں کہ ہمیں ہیں جی کے لالے

وہ ادا ادا میں مستی وہ حیا حیا میں شوخی — وہ نظر نظر میں جادو کہ جو چاہے موہ ڈالے

وہ متانت اور تمکیں وہ لب اُنکے کتنے شیریں — مہ نو میں بال آئے جو بل ابروؤں میں ڈالے

وہ مژہ کے تیر آفت وہ نگاہیں اک قیامت — جو ادا ہے وہ نئی ہے جو چلن ہیں وہ نرالے

مجھے کر نہ دیں پریشاں کہیں بکھرے بکھرے گیسو — مرے دل کے ہوں نہ گاہک مرے دل کو بھانیوالے

یہی راز دار دل ہیں یہی پردہ دار دل ہیں — جنھیں چلمنوں سے دیکھا ابھی ہم نے سر نکالے

نہ تو شوق دلربائی نہ تو ذوق خود نمائی — کشش ایسی حُسن کی ہے کہ کھنچے کھنچنے والے

کوئی شیخ مبتلا ہے کوئی برہمن فدا ہے — کوئی کھینچتا ہے آہیں کوئی کر رہا ہے نالے

تری شوخیوں کے صدقے تری اس صدا کے قرباں — کہ تڑپ تڑپ گئے ہیں جسے سُن کے سُننے والے

مرے دل کو ہے یہ حسرت کہ وہ مست ناز اُلفت

پھر اُسی ادا سے کہدے "اِدھر آتو پھول والے"

صفدر مرزاپوری

بیا

ایک چھوٹا سا پرندہ دیکھنے میں ہے بیا — پر زمانے بھر کی ہیں موجود اس میں خوبیاں

رہتا ہے بچپن میں بھورا رنگ کچھ سیاہی لئے — اک برس کے بعد پھر ہوتی ہیں رنگ آمیزیاں

موسم باراں میں ڈھلجاتا ہے جب اسکا لباس — ہوتے ہیں اُسوقت پیارے رنگ پھر اُسکے عیاں

سر کے اوپر کتھئی اور نیچے پیارا زرد رنگ — کلک قدرت کی عیاں ہوجاتی ہیں گلکاریاں

بعد بارش پھر وہی ہے رنگ اصلی کی نمود — انقلاب دہر سے کچھ کم نہیں تبدیلیاں

ہے جفاکش وہ بلا کا ہے غضب کا وہ عقیل — کیسی خوبی سے بناتا ہے وہ اپنا آشیاں

بین کے مانند ہوتا ہے بلا شک گھونسلا — اُس شجر پر جو بلندی میں ہو چھوتا آسماں

نر اُسے تیار کرتا ہے خود اپنی چونچ سے — مادہ لا لاکر دیا کرتی ہے اُسکو تیلیاں

کام میں مشغول گاہے۔ ہے کبھی نغمہ سرا — راگ سے آباد رکھتا ہے وہ اپنا آشیاں

درحقیقت خوب ہی شایاں ہے اُسکے نام کے — کہتی ہے گر اُسکو ٹیلر برڈ انگریزی زباں

آشیانے بن فقط برسات میں رہتا ہے وہ — موسم گل میں ہے وہ سیاح گلزار جہاں

بچوں کے رہنے کا گھر بھی وہ بناتا ہے جدا — اُسکی عقل و فہم و دانائی کا ہو کیونکر بیاں

ایک جھولا متصل ہوتا ہے۔ بیحد خوشنما — واسطے بچوں کے ہیں موجود سب دلچسپیاں

ساتھ بچوں کے رہا کرتی ہے مادہ رات کو — نر کی جا ہے یا ہنڈولہ یا کہ کُنج آشیاں

گیلی مٹی گھونسلے میں وہ لگا کر اک طرف — اُسپہ اک جگنو بٹھاتا ہے بجائے شمعداں

شمع بزم افروز کہئے کرمک شب تاب کو — جس سے ہے پُر نور رہتا رات کو اُسکا مکاں

اپنے ہمجنسوں کا ہوجاتا ہے وہ دشمن ضرور — آ گئی گر بات کوئی ناخوشی کی درمیاں

کیا بیاں تمسے کروں جنگ و جدال کا حال میں — کیسی کیسی کرتا ہے وہ معرکہ آرائیاں

گھونسلے کو کاٹ دیتا ہے وہ اپنی چونچ سے — توڑتا انڈوں کو ہے لیتا ہے بچوں کی جاں

جوش زن اُسکی رگوں میں ہے وہ خون انتقام — جس سے ہے خالی نہیں کوئی بھی مخلوق جہاں

اپنے آقا سے بھی وہ مانوس ہوتا ہے بہت — سُنتے ہی آواز اُسکی سمت ہوتا ہے رواں

جسکی قدرت کا ہے اک ادنیٰ کرشمہ یہ بیا

وہ ہے صناع حقیقی۔ خالق کون و مکاں

باسط بسوانی

شام جوانی

لو آیا پیغام جوانی — لائی مژدہ شام جوانی

آئی رات مرادوں والی — بدلی صورت بھولی بھالی

تازہ اُمنگیں جوش پر آئیں — لاکھوں اُمیدیں لیکر آئیں

عمر نے ملکے شباب کا غازہ — کر دیا حسن کا گلشن تازہ

سبزۂ خط بھی نمو پر آیا — سنبل ترلب جو لہرایا

سرخی لگی گالوں پہ چمکنے — رنگ لگا کندن سا دمکنے

نیچے دو ابروے ہلالی — جائے جنکا وار نہ خالی

تارا سی وہ اجالی آنکھیں — نور کے سانچے میں ڈھالی آنکھیں

وصل کی راتوں میں جاگنے والی — بادۂ عشرت کی متوالی

پلکیں رسیلی ڈورے گلابی — مردم دیدۂ مست شرابی

قد وہ چھریرا پھول سا چہرا — حسن کے پھولوں کا سہرا

پھولو پھلو تو عمر جوالو! — اتنا میرا کہنا مانو

کس بل پر نہ بہت اترانا — یکساں کب رہتا ہے زمانا

صبح پیری

شام جوانی ہے جانیوالی — صبح پیری ہے آنے والی

یہ نقشہ یہ سن نہ رہے گا — رات کٹے اور دن نہ رہے گا

تیر سا بانکا قد یہ کشیدہ — اکدن ہوگا کماں سا خمیدہ

گیسوے پرخم کالے کالے — بنجائینگے روئی کے گالے

بچپن کے رشتے ٹوٹیں گے — منہ بولے ساتھی چھوٹیں گے

جھیلنی پڑ جائینگی کڑیاں — بکھرینگی موتی کی لڑیاں

دھاگے میں سوئی پرونیوالو — آنکھیں ہوں تو ہوش سنبھالو

نور کی عینک ضعف بصر سے — چڑھ کے اتر جائیگی نظر سے

کام نہ دیگا تار نظر بھی — دہری ہو جائے گی کمر بھی

اٹھنا۔ بیٹھنا۔ پھرنا چلنا — دروازے تک گھر سے نکلنا

مشکل ہوگا دو بھر ہوگا — گھر زنداں سے بدتر ہوگا

جھریاں لینگی بوسہ اعضا — ہاتھ ملائے گا آکر رعشا

لیکے عصا تسلیم کو آخر — ہوگا نقیب اجل بھی حاضر

لیجائیگا افتاں خیزاں — سوے منزل شہر خموشاں

راہ شفق سے چار پہر کی

جلد خبر لو شام و سحر کی

شفق عماد پوری

انقلاب

اگلی سی اب حسینوں میں عنائیاں نہیں — وہ دلفریبیاں۔ وہ دل آرائیاں نہیں

دزد حنا اسیر ہے قید فرنگ میں — دلبر دراز دستیاں اسکی عیاں نہیں

حدّاد یخ جعد بناتے ہیں رات دن — وحشت زدوں کے پانوں میں اب بیڑیاں نہیں

جس پائے نازنیں کو تھا رنگ حنا بھی بار — اب بوٹ اور موزے بھی اسکو گراں نہیں

رہرو کا راہ دیکھ کے جس سے پتا چلے — اب نقش پا میں اگلی سی وہ خوبیاں نہیں

ٹھوکر سے اب حسینوں کی کیا حشر ہو بپا — پازیب اور چھڑوں کا ہے باقی نشاں نہیں

کالر ہے چشم شوق سے اسکو نہاں کئے — گردن کی اب صراحی میں وہ مستیاں نہیں

فیشن جو رنگ پان و مسی کے خلاف ہے — تو پوڈر اور پینٹ پہ بھی مہرباں نہیں

تحریر سرمہ ٹھہری ہے اب سر بسر غلط — برق نگہ میں اگلی سی وہ تیزیاں نہیں

افشاں بھی مہ جبینوں کی نظروں سے گر گئی — انجم میں نام کو بھی جبین و چناں نہیں

مشاطہ اور سولہ سنگار اب نہیں بکار — کہتے ہیں سادگی سے سوا کوئی شاں نہیں

عارض پہ زلفیں دوش پہ گیسو نہیں رہے — بھائی وہ سادگی ہے کہ جسکا بیاں نہیں

گھونگھٹ صفیں مژہ کی ہیں کھائے ہوئے مگر — بھالے میں اب نگاہ کے نوک سناں نہیں

ابرو کی تیغ میں وہ روانی نہیں رہی — تیر نظر میں اب وہ بھری بجلیاں نہیں

ہتھیار چھوڑ بیٹھے حسین اپنے کیا سبب — قانون اسلحہ تیغ ادا پر رواں نہیں

ٹینس کا شوق اور کروکی سے ذوق ہے — تفریح کا مقام وہ بام مکاں نہیں

گالوں سے گر کے بازوؤں میں آگئیں مگر — اب حسن کے بھنور میں کوئی مچھلیاں نہیں

وہ دن گئے کہ جب شعرا کا یہ قول تھا — غائب کمر حسینوں کی ہے اور دہاں نہیں

وہ سہم وہ جھجک وہ حجاب اب نہیں رہا — فانوس برق شمع کا کچھ پاسباں نہیں

پردہ جو درمیاں سے اُٹھا اُڑی دوئی
اب شوق دید کی وہ جگر کاویاں نہیں

منبر پہ چڑھ کے آپ وہ کرتے ہیں وعظ و پند
اب ناصحِ شفیق کی حاجت یہاں نہیں

تصنیف، لکچر، اور مطالعہ ہے رات دن
وہ جانے دیتے ایک گھڑی رائیگاں نہیں

عشاق کو حسینوں سے ملتا ہے یہ جواب
کہدو کہ دلربائی کی فرصت یہاں نہیں

اٹلس سے نام خُلّخ و نوشاد مٹ گیا
نقشوں میں اب چگل کا کہیں بھی نشاں نہیں

یکرنگی ایسی حضرتِ نیچر کو بھا گئی
حُسن اور عشق میں وہ تمیز اب یہاں نہیں

اب شاید ان پارسی و لندن کا راج ہے
اگلا سا گھر بتوں کا یہ ہندوستاں نہیں

برپا یہاں بھی ووٹ کی ہو جنگ زرگری
اشکال کا کسی کو بھی اسمیں گماں نہیں

کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
شاید وہ اب زمیں نہیں وہ آسماں نہیں

کیفی یہ رد نا روتے ہو تم کس کے سامنے
اب کوئی ہمصفیر نہیں رازداں نہیں

کیفی دہلوی

ایّام طفلی

ہائے وہ ایّامِ طفلی ہائے وہ وقت قرار
ہائے وہ عہد تغافل ہائے وہ لیل و نہار

ہائے وہ دن پاک تھا عصیاں سے جب اپنا وجود
جب عیاں تھی ہم میں بیشک شانِ دستِ کردگار

ہائے وہ دن جب کوئی دل ہم سے آزردہ نہ تھا
حرف آتا تھا زباں پر اپنے جو وہ خوشگوار

دیکھتے تھے شوق سے نظّارۂ ارض و سما
یوں ہی ہم کرتے تھے حمدِ صنعتِ پروردگار

نیک و بد سے کچھ زمانہ کے نہ تھی اصلا خبر
سادگی اپنی روش تھی راستی اپنا شعار

ہر جگہ سامانِ دلچسپی عیاں تھا سربسر
کوئی شے نزدیک اپنے تھی نہ اصلا بے وقار

تھا نہ ہمدردی میں اپنے کچھ بناوٹ کا لگاؤ
اشک تھے پانی نہ برساتی تھی چشمِ اشکبار

کچھ تنفر سے تھا مطلب نے تکبر سے تھا لوث
چاہتا تھا جو ہمیں ہم بھی اُسے کرتے تھے پیار

گو کہ تھے معصوم پر ہستی کی تھی اپنے خبر
قلب میں یکسر بھری تھی الفتِ خاکِ دیار

دوست اور دشمن میں کرتے تھے نہ مطلق امتیاز
اک جگہ پاتے تھے اپنی آنکھ میں اغیار و یار

فرض تھا اپنا بزرگوں کے طریقہ پر عمل
خودسری سر میں نہ تھی، دلکو نہ تھا کچھ اختیار

بخش دیتے تھے خطائیں بھولتے تھے غلطیاں
تھی نہ کینہ سے غرض، نے بغض تھا اپنا شعار

نقش تھا گویا ہمارے دل پہ انجامِ غرور
اسلئے چلتے نہ تھے اکڑے ہوئے مستانہ وار

دور ہم سے رہتی تھی تاریکیِ کذب و دروغ
اپنی باتوں میں جھلکتی تھی شعاعِ اعتبار

ہم میں جو اطوار تھے وہ سب کے سب تھے دلفریب
ہم میں جو انداز تھے وہ تھے ہمہ تن غمگسار

کسقدر اہلِ زمانہ ہمکو رکھتے تھے عزیز
اپنی جا ہر بر میں تھی، ہر دل میں تھا اپنا گزار

تھی خود آرائی کی بو، نے خودستائی کی ہوس
قدرتی جو شے تھی، وہ تھی صاف ہم میں آشکار

گو طبیعت اپنی تھی لاریب محتاجِ مدد
پھر بھی اپنا کام خود کرنے میں تھا ہمکو عار

شکوۂ حق تھا زباں پر نے گلہ تقدیر کا
کاٹتے تھے صبر سے ہنس ہنس کے دردِ بے شمار

مائلِ نیکی ہمیں رکھتی تھی توفیقِ نہاں
جانتے تھے آپ معنیِ حیاتِ مستعار

کس قناعت سے بسر ہوتی تھی اپنی زندگی
غم نہ دیتی تھی خزاں، راحت نہ لاتی تھی بہار

پاک و سچے پیار سے ماں کے فقط ہم شاد تھے
تھا نہ عشقِ بت، نہ تھی کچھ حسرتِ بوس و کنار

تاڑ جاتے تھے نگاہِ شفقت و انظارِ خشم
پر نگاہِ ناز ہوتی تھی کلیجہ کے نہ پار

گو لُبھا لیتا تھا اکثر ہمکو حُسنِ دلفریب
پر وہ تھی خاموش توصیفِ خدائے کردگار

ہائے لاحق تھیں نہ یوں ہر دم ہمیں افکارِ دہر
ہر نفس تھا اسطرح جی کو نہ اپنے انتشار

روز بنتے تھے نہ سیارے شرارِ آسماں
ہائے یوں مُنہ سے نکلتی تھی نہ آہِ شعلہ بار

کچھ خبر رکھتے تھے اُس دورِ ترحم میں نہ ہائے
ہم بھی ہونگے ایک دن نخچیرِ جورِ روزگار

وہ بھی اک دن تھا کہ تھے تسکینِ دہِ خستہ دلاں
ہائے اب وہ دن ہے خود ہی ہو گئے ہیں دل فگار

آہ اے ایّامِ طفلی! آہ دورِ انتعاش!
آہ اے نقشِ فریبِ ہستیِ ناپایدار

آہ اے عہدِ فراغت! آہ اے وقتِ نشاط!
یاد کرتی ہے تجھے رو رو کے اپنی جانِ زار

سحر مشہورِ زمانہ ہے جہاں کا انقلاب
کاش آجاتے وہی دن پھر پھر اکر اکیبار!

اقبال ورما سحر

یادِ اودھ

آخری **شاہِ اودھ** سے تھی بہارِ لکھنؤ   لکھنؤ اُن پر فدا وہ تھے نثارِ لکھنؤ

جانِ عالم کے زمانے کے مزے گلشن میں   گو کسی کے ہاتھ میں ہو اختیارِ لکھنؤ

گو کہ اب اُجڑا چمن ہے صورتِ فصلِ خزاں   اسپہ ہے جنت نما لیکن بہارِ لکھنؤ

سب کو پیارا ہے وطن گو ہو بُرا ہر شہر ہے   اُن سے پوچھو دیکھتے تھے جو بہارِ لکھنؤ

بزمِ عشرت ہر جگہ تھی وجہ راحت ہر نفس   کیوں نہ آنکھوں میں پھریں لیل و نہارِ لکھنؤ

کون کہتا ہے برابر رضوان تیرے خلد کو   ملتی جلتی تھی مگر طرزِ بہارِ لکھنؤ

چاردہ معصوم کی اسمیں ہے ہر نقشِ ضریح   بڑھ گیا جنت سے بھی بیشک وقارِ لکھنؤ

نام نامی **قدسیہ نواب بیگم** وہ خطاب   اور **نصیر الدین حیدر** یادگارِ لکھنؤ

لازم و ملزوم کا نقشہ تھا ان سب کے سبب   لکھنؤ اُنکے لئے وہ افتخارِ لکھنؤ

یاد آتا ہے وہ میلہ جبکہ قیصر باغ کا   ہے ہر اک دلبر جواب تک یادگارِ لکھنؤ

اکطرف پتھر کی وہ بارہ دری تھی لاجواب   جلوہ گر تھا اکطرف واں شہریارِ لکھنؤ

"اے زمانہ، اب یہ اُسکی قدر ہے صد آفریں
ہر بُرے دل سے اُٹھا اب اعتبارِ لکھنؤ"

ماہ عظیم آبادی

غزلیات

رنج کے بعد زمانے میں خوشی ہوتی ہے   باغ میں گریۂ شبنم پہ ہنسی ہوتی ہے

درد دل کرتے ہیں ظاہر تو وہ رسوا ہوگا   چُپکے رہتے ہیں تو لذت میں کمی ہوتی ہے

جب کسی سے کوئی معشوق جدا ہوتا ہے   وہ بھی کیا رنج و مصیبت کی گھڑی ہوتی ہے

پوچھئے اوس سے جو دل کھوئے ہوئے بیٹھا ہو   آپ کیا جانئے کیا دل کی لگی ہوتی ہے

بیوفا کہتے ہیں معشوقِ وفادار کو بھی   عاشقوں کی یہی اک بات بُری ہوتی ہے

آنکھ میں ہوگیا تاریک زمانہ اے ماہ
سچ ہے دنیا میں شبِ ہجر بُری ہوتی ہے

دیگر

کشش مرنے پہ بھی یہ اثرِ پروانہ   شمع تک پہنچا ہے اُڑ اُڑ کے پرِ پروانہ

جل چکی شمع بھی برخاست ہوئی محفل بھی   کس سے پوچھیں کہے کون اب خبرِ پروانہ

ضبطِ گریہ پہ بھی کچھ اشک نکل ہی آئے   شمع نے دیکھا ہے جلتے جو پرِ پروانہ

کونسی بات پہ محفل میں اسے شرم آئی   مرگیا شرم سے اُٹھا نہ سرِ پروانہ

مجھسے کہتے ہیں کہ جل بھی گیا اور اُف بھی نہ کی   دیکھ اس طرح کا دل یہ جگرِ پروانہ

کچھ ہمیں جانتے ہیں اسکو شبِ ہجر میں ماہ
کس مصیبت سے ہوئی ہے سحرِ پروانہ

ماہ عظیم آبادی

سراپا حال نکر اُسنے سب شوقِ نہاں کہنا   اثر کرجائیگا تیرا زبانِ بیزباں کہنا

ڈراتا ہوں جو پرسش ہو مرے محشر میں کہنے   بس اب خاموش ہو کہنا ہو تمکو تم وہاں کہنا

کوئی معشوق ہو آخر نصیب اپنے وہ آں کیونکر   بہت ہی شاق ہے سب کا اُنہیں جانِ جہاں کہنا

وہ برہم مجھپہ ہیں میں کس طرح پوچھوں مزاج انکا   گراں گذریگا اُنپر یوں نصیبِ دشمناں کہنا

کوئی آیا تھا در تک سوچ کر کچھ ہوگیا واپس   وہ خوابِ ناز سے بیدار ہوں تو پاسباں کہنا

غضب انداز تھا وعدہ کا ابتک دل نہیں بھولا   نظر نیچی کئے ظالم کا آہستہ سے ہاں کہنا

تڑپنے کی بھی اب حسرت بڑی مشکل سے نکلیگی
کوئی دن میں مجھے بسمل کے بدلے نیمجاں کہنا

بسمل

کہاں رُکتا ہے دستِ شوق رسوائے جہاں ہوکر   کفن صد چاک ہے جیبِ جگر دامانِ جاں ہوکر

ستم ہے آئے دلمیں رہگئے دردِ نہاں ہوکر   غضب ہے دشمنِ جاں بنگئے آرامِ جاں ہوکر

گلے کٹتے ہیں کیا ظالم ہزاروں شکوے منہ میں ہیں   تری تلوار بھی چلنے لگی تیغِ زباں ہوکر

ہزاروں پارۂ دل ہر نفس کے ساتھ نکلے ہیں
صدائے آہ اٹھتی ہے دلیلِ کارواں ہو کر

کہاں کی برق شوخی جلوۂ تمکیں دکھا جاؤ
گرے گی دل پہ بجلی آتشِ ضبطِ فغاں ہو کر

تمھیں ہو دلنشیں کیا پردۂ امید میں آ کر
تمھیں پیشِ نظر پھرتے ہو کیا تصویرِ جاں ہو کر

قیامت کو تماشا دیکھ لینا میزبانی کا
ابھی ویراں کئے ہیں خانۂ دل میہماں ہو کر

خزاں کے پردے میں گویا بہارِ تازہ آئی ہے
نکلتا ہے دمِ آخر بھی آہِ خونچکاں ہو کر

کہاں سے لاؤں اپنا ہمزباں اپنی کہوں کس سے
عدو سے کہتے ہیں دل کی وہ مجھ سے بدگماں ہو کر

اکیلا گھر سے کب وہ شہسوارِ حسن جاتا ہے
مرے ارمان بھی جاتے ہیں بیدل ہمعناں ہو کر

بیدل جھنجھانوی

کم اس روش کے لوگ ملینگے زمانے میں
خدمت کریں چمن کی رہیں آشیانے میں

سب کچھ خدا نے ہم کو دیا ہے زمانے میں
چشمِ طمع تو بند ہے آشیانے میں

ایسا بھی تفرقہ نہو یارب زمانے میں
تا لب قفس میں روح مری آشیانے میں

سارا جہان پھر تو قفس ہے زمانے میں
آزاد گر خیال نہیں آشیانے میں

اک دل کی دو رہیں لگا کر زمانے میں
چودہ طبق کی سیر ہوئی آشیانے میں

پڑتی ہو جس پہ اُسکے ذرا دل سے پوچھئے
ڈالے خدا نہ کوئی مصیبت زمانے میں

اُسکے عطائے خاص میں ہوتی نہیں کمی
جو تھا وہی سماں ہے کسی آستانے میں

وہ سادی اُنکی وضع وہ اخلاق دلپسند
ایسوں کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اب زمانے میں

تعریف کس طرح ہو خدا ساز بات کی
سو سو مزے نکلتے ہیں اک اک بہانے میں

مدت سے تذکرے ہیں مگر دل کے درد نے
بھر دی ہے کوٹ کوٹ کے لذت فسانے میں

اک روحِ زندگی جسے کہتے ہیں حق شناس
وہ وہ ہدایتیں ہیں کسی کے فسانے میں

دہرائیے جہاں تک اسے پائیگا لطف
باتیں نکلتی آتی ہیں دل کے فسانے میں

چٹکی بندھی ادھر تو اُدھر صید ہے شکار
کیا ہے قضا نے بندھی ہوئی اسکے نشانے میں

ہر شخص اپنے کام میں مصروف ہے مگر
بیکار ہیں تو ایک ہم اس کارخانے میں

سوجھی یہ کیا ہمیں اسی محدودِ عقل پر
تو دخل ہے خدا کے بھی اب کارخانے میں

مدت کے تجربے ہیں مرے دل سے پوچھئے
معشوق چاہے لطف ہے جب دل لگانے میں

ناصح یہ سب بجا کہ برا روگ ہے مگر
سارے جہاں کے لطف ہیں اک دل لگانے میں

دلبستگی کے شکر ہے سامان ہو گئے
کچھ ہمصفیر مل گئے اس قید خانے میں

سارے زمانے دل سے فراموش ہو گئے
اک حال ہے فقط ہمیں یاد اب زمانے میں

تم پر مصیبتیں کوئی حامد نئی نہیں
ایسے بہت سے واقعہ گزرے زمانے میں

کوئی برا کہے تو اُسے سن کے ٹال دو
حامد برا کہو نہ کسی کو زمانے میں

نشتر کے دم سے چرچے ہیں شعر و سخن کے خوب
حامد ہمیشہ شاد رہیں یہ زمانے میں

حامد لکھنوی

تعجیلِ شوقِ دید تو رسوا نہ کر مجھے
کرنی پڑے نہ منتِ تابِ نظر مجھے

عکسِ شکستِ حسرتِ عالم ہے جلوہ گر
جامِ جہاں نما ہے ہر اک اشکِ تر مجھے

آلودۂ غبارِ تمنا ہے سر بسر
ہے مانعِ نظارہ ہی تارِ نظر مجھے

پیری ہوئی ہے رہبرِ ظلمت گرد
آغازِ شامِ یاس ہے گویا سحر مجھے

قیدِ وجود ہے سببِ عشقِ ناتمام
تعلیم دے رہی ہے یہ اسکی خبر مجھے

ے بیخودی سے داد تغافل یہ کر دیا
اپنی خبر سے بیخبر اے بے خبر مجھے

نکہت ہی دود نالۂ سوزاں ہوا نظر
آتا ہے خونفشاں گلِ خستہ جگر مجھے

محمود ظرفِ دل تو نہیں تھا بقدرِ درد
قسمت سے مل گئی یہ امانت مگر مجھے

سالِ نو کا خیر مقدم

(نتیجہ فکر حضرت اشک بلند شہری)

ہوا خیر مقدم ترا سالِ نو
کہا سب نے لو آ گیا سالِ نو

ہر اک شخص سے تو نے کہلا دیا
نیا سال آیا ہوا سالِ نو

جہاں کو ہوا تیری آمد کا علم
کیا سب نے چرچہ ترا سالِ نو

ہوئی بچہ بچہ کو تیری خبر　　لگا تو ہر اک کو بھلا سالِ نو
زمانے میں ہے تیرے آنے کی دھوم　　ہے عالم تجھے دیکھتا سالِ نو
وہ اہلِ قلم جو دفاتر میں ہیں　　کیا تو نے سب کا بھلا سالِ نو
کہ تعطیل دی پہلی تاریخ کی　　کیا سب پہ احساں نیا سالِ نو
مدارس کے لڑکوں نے بھی شاد شاد　　کہا تو مبارک ہے آ! سالِ نو
دفاتر مطابع نے اور ریل نے　　کیا خیر مقدم ترا سالِ نو
بھلا برق کو تجھسے نسبت ہی کیا　　تو اک آن میں آگیا سالِ نو
دسمبر کی اکتیس[31] کو سوئے جب　　تو موجود مطلق نہ تھا سالِ نو
یکم جنوری کو اُٹھے جبکہ لوگ　　ہر اک شہر و قریہ میں تھا سالِ نو
تماشہ ہے، اک آن میں آگیا　　ہر اک ملک میں تو گیا سالِ نو
یہاں تک کہ عالم کے پردہ پہ تو　　پھرا اور وہیں رہ پڑا سالِ نو
ملاقات تو نے جو ہر اک سے کی　　تو ہر شخص تیرا بنا سالِ نو
ملا کوئی غمگیں کوئی شادکام　　مگر تجھسے ہر اک ملا سالِ نو
کسی نے کہا تجھکو "خوش آمدی"　　مبارک ہو آنا ترا سالِ نو
ہوئے ہیں کہیں تیری آمد کے گیت　　مچا ہے کہیں قہقہا سالِ نو
کہیں رقص ہے ساز باجہ کے ساتھ　　مچا ہے کہیں چہچہا سالِ نو
غزل آمد آمد کی گاتا ہے ایک　　ترانہ کہیں زمزمہ سالِ نو
ہمارے جو شاعر ہیں اُن کی نہ پوچھ　　ہے مضمون اُن کو نیا سالِ نو
لکھیں گے بہت ساقی نامے ترے　　مچائیں گے غوغا بڑا سالِ نو

دکھائیں گے تجھکو نئے رنگ میں
کہ بے شبہ ہے پُر ادا سالِ نو

سالِ نو

(نتیجہ فکر حضرت اختر جلال آبادی)

بلبلوں نے پھر سنایا آج پیغام نشاط　　پھر چمن زادوں نے باندھا آج احرام نشاط
پھر رہی ہے کیا ہوائے عیش اترائی ہوئی　　سالِ نو آیا ہے یا آئے ہیں ایام نشاط
دیکھئے جسکو شراب عیش میں مخمور ہے　　چل رہا ہے آج ہر اک بزم میں جام نشاط
لُٹ رہا ہے آج باغوں میں زرِ گل بیشمار　　بٹ رہا ہے آج گلزاروں میں انعام نشاط
کیا طرب انگیز ہے آغاز تیرا سالِ نو　　ایک دن ہوگا ترا انجام انجام نشاط
سالِ نو تیری سحر ہے یا کہ صبح عید ہے　　جنوری ہے شام تیری یا کہ ہے شام نشاط
آج گلبانگِ طرب سے گونج اُٹھا ہے جہاں　　کیا عجب ہو آسماں پر بھی جو گلبام نشاط
آج سب جھگڑے بکھیڑے لیگیا دورِ کہن　　سالِ نو نے پھر اُچھالا دھوم میں نام نشاط
بنکے آیا ملہم عشرت جہاں میں سالِ نو　　جنوری نے پھر سنایا آکے الہام نشاط

گلشنِ عالم میں پھر آئی بہار سالِ نو
پھر نظر آنے لگے نقش و نگار سالِ نو

پھول برسائے گی پھر فصلِ بہار ایکبرس　　پھر چمن میں ہوگی ساقی کی پکار ایکبرس
پھر بسنت آئیگی پھر ہونگی ترانہ سنجیاں　　دیکھئے چھیڑے گا پھر مطرب بہار ایکبرس
باغ میں کوکینگی پھر جوشِ طرب میں کوئلیں　　پھر سنائیگی ہمیں نغمے ہزار ایکبرس
ہولیاں پھر گائینگے پھر آئیگا ہولی کا دن　　رنگ رلیاں پھر کرینگے بادہ خوار ایکبرس
آئیگی پر آئیگی عید الفطر پھر آئیگی　　پھر سمائینگے نہ پھولے روزہ دار ایکبرس
پھر منائینگے سب ہی لندن میں شاہی برتھ ڈے[51]　　پھر مبارکباد کے جائینگے تار ایکبرس
پھر دیوالی آئیگی برسیگا پھر نور ازل　　پھر منور ہونگے امصار و دیار ایکبرس
آئیگا پھر حج بیت اللہ کا دن آئے گا　　جائینگے پھر سوے کعبہ جاں نثار ایکبرس
آئیگا پھر کارونیشن ڈے[52] ہمارے شاہ کا　　پھر بٹینگے خرمی کے اشتہار ایکبرس
پھر بڑا دن آئیگا پھر ہوگا سامان طرب　　ہر طرف پھر ہوگی ہُرّے[53] کی پکار ایکبرس

کٹ گئی ہے جسطرح روزِ ازل سے آجتک
پھر یوہیں کٹ جائینگے لیل و نہار ایکبرس

---

[51] سالگرہ۔ [52] یادگار یوم تاجپوشی ملک معظم جارج پنجم۔
[53] یعنی مرحبا۔ آفریں۔

ادارۂ ادیب

نامہ نگاروں سے گذارش ہے کہ:-

(۱) مضامین واضح خط میں ورق کے ایک طرف لکھا کریں۔

(۲) ہر مضمون بجائے خود مکمل ہو۔ ناتمام مضامین شائع نہ کئے جائینگے۔

(۳) ہر مضمون کے نیچے نامہ نگار کا پورا نام ہو اور وہ فرضی نام بھی جو شائع کرانا چاہتے ہوں۔

(۴) مضامین جو کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں وہ ادیب میں دوبارہ شائع نہ کئے جائینگے۔

(۵) مضامین کم از کم اشاعت سے ایک مہینہ پہلے دفتر ادیب میں پہونچ جائیں۔ اور وقتی مضامین تو اس سے بھی پیشتر۔

(۶) مضامین جنمیں سیاسی امور پر بحث ہوگی۔ ذاتیات پر حملے ہونگے۔ مذہبی تعصب تو تو میں میں اور لڑائی جھگڑے ہونگے جو مخرب اخلاق ہوا کرتے ہیں ہرگز ہرگز نہ قبول کئے جائینگے۔

(۷) مضامین جو کسی وجہ سے شائع نہ کئے جائینگے وہ داخل دفتر کرلئے جائینگے۔ جن نامہ نگاروں کو ناپسندیدہ مضامین کی واپسی منظور ہو وہ اپنے مضمون کے ساتھ محصول ڈاک بھی روانہ کردیا کریں۔

(۸) مضامین یا ادارہ سے متعلق جملہ مراسلات ذیل کے پتہ سے بھیجے جائیں

اڈیٹر ادیب

انڈین پریس الہ آباد

اڈیٹوریل

تصاویر

اسکے پانچ تصویریں شائع کی جاتی ہیں جنمیں ایک رنگین ہے جتنی لوسع زیادہ تر وہ تصاویر شائع ہوا کرینگی جنکی نسبت متعلق مضامین ہونگے۔ ان تصویروں کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) **اہلیا کی** رنگین تصویر انڈین پریس کے ایک نوجوان مصور کی دستکاری کا نمونہ ہے۔ یہ پاکباز خاتون گوتم کی بیوی تھیں جنگل میں پھول چن رہی تھیں کہ ایک خوشنما پھول ملگیا جسکو ہاتھوں میں لیکر قدرت کی دلکش صنعت کا مطالعہ کرنے لگیں حسن اتفاق سے اندرا ادھر آ نکلے۔ دیکھتے ہی پھول تو اہلیا کے ہاتھوں میں رہا اور نگاہ دیوتاؤں کے راجہ کی جانب۔ مصور نے اسی انہماک کے منظر کو دکھایا ہے۔ یہ تصویر گویا مرزا کامران کے اس مصرعہ کی تفسیر ہے کہ ع

"گوش بر سازنہ و ہوش بر آواز رباب" (۲) **چاند سلطانہ** کی تصویر کی علیحدہ صراحت درکار نہیں ہے۔ "چاند بی بی" کے تحت میں جو مضمون ہے تعریف کے لئے کافی ہے۔ (۳) تصویر **مہاراجہ گائیکواڑ** بالقابہ کی تعریف کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بکانا نامی ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی مشہور ہے حضور کی روشن خیالی کا نتیجہ "صنعتی کالج کلا بھون" (بڑودہ) ہے جسکے مفصل حالات اسکے شائع کئے جاتے ہیں۔ (۴) تصویر **مجلس میر نفیس** لکھنوی کی وضاحت کے لئے وہ مضمون کافی ہوگا جسکا عنوان ہے "**میر نفیس** لکھنوی"۔ (۵) **الہ آباد یونیورسٹی کی نئی عمارت کا افتتاح** سر جان ہیوٹ بالقابہ سابق لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ نے فرمایا تھا تقسیم سندات کا پہلا جلسہ اسی عمارت میں ۱۶ نومبر ۱۹۱۲ء کو منعقد ہوا تھا اس صوبہ میں یہ عمارت واقعی قابل دید ہے۔

حادثہ بمب

دہلی کے حادثہ بمب سے ادیب کی ساری تیاریوں پر پانی پھر گیا کیونکہ ۲۳ر دسمبر کے دربار و جلوس کا موقع ایسا نہ تھا جو ادیب کی سالگرہ کے لئے مفید نہ ثابت ہوتا۔ بغاوت و غداری سیاسی جرم کے علاوہ اخلاقی جرم بھی ہے اور مذہباً تو سرکش کے لئے کہیں پناہ نہیں۔ لارڈ ہارڈنج جیسے ہردلعزیز نائب السلطنۃ کے ساتھ ایسا مہلک سلوک بدترین ظلم ہے۔ اُردو کی ساری دنیا ظالم مفسد کی اس ناشائستہ حرکت کو حد درجہ نفرت کی نگاہ سے دیکھیگی اور ادیب تو خصوصیت کے ساتھ اظہار غم کر رہا ہے۔ اُجڑے ہوئے دیار کو آباد کر کے والیسرائے موصوف نے دہلی ہی پر احسان نہیں کیا ہے بلکہ وہاں کی مروجہ زبان کے جی اُٹھنے کا سامان کر دیا ہے۔ ہم دعاگو ہیں کہ خداوند عالم بہت جلد ممدوح کو صحت کلی عطا فرمائے۔ چنانچہ ادیب کا سالگرہ نمبر بھی اُسی وقت نہایت آب و تاب سے شایع ہوگا جسوقت موصوف تندرست ہو جائینگے۔

زنانہ مصنوعات کی نمایش

اگرچہ یہ نمایش کئی سال سے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ ساتھ ہوا کرتی ہے لیکن اسکے جو خصوصیت مسرت کو بڑھاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سال کی نمایش میں صرف مسلمان خواتین کی دستکاریوں کا مجموعہ نہ تھا۔ بلکہ تمام ہندوستانی خواتین کے مصنوعات فراہم کئے گئے تھے۔ اسکا انعقاد قیصر باغ اودھ میں ہوا۔ اور لیڈی میسٹن صاحبہ نے نمایش کا افتتاح فرمایا۔ آرایش پر تکلف تھی اور اشیا کی تعداد تقریباً پانسو بتائی جاتی ہے۔ ہندو خواتین کے ۵۳ مصنوعات تھے۔ پارسی کے ۱۶ اسیحی کے ۱۰ مرکب اقوام کے ۲۰۔ خاتون اسٹورس دہلی کے ۵۳ اور مسلمان خواتین کے ۳۴۳۔ اگرچہ تعداد مسلمانوں ہی کی بڑھی سہی پھر بھی یہ کوشش کیا کم ہے کہ جملہ خواتین ہند کی دستکاریوں کو بلا تفریق مذہب جگہ دیگئی۔ غرضکہ ہر حیثیت سے نمائش کو بڑی کامیابی ہوئی۔ اگر یہی یک جہتی رہی تو ہمیں یقین ہے کہ رفتہ رفتہ اس نمایش کے چار چاند لگ جائینگے۔

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اُردو کی اخباری دنیا شاکی ہے کہ بعض روشن خیال جو ترقی اُردو کے حامی ہیں اکثر غیر زبانوں میں تبادلہ خیال کیا کرتے ہیں اور اُسی کے دلدادہ ہیں اگر ضرورتاً وہ ایسا کرتے ہیں تو نکتہ چینی فضول ہے ورنہ حد درجہ قابل الزام ہیں۔ اکتساب کمال بُری چیز نہیں ہے اور نئی روش کی تقلید حسن میں ضرور داخل ہے۔ لیکن نہ اسطرح کہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا تعجب ہے کہ حکمراں قوم ہماری دیسی زبانوں کی نگہداشت کی فکر کرے اور ہم بے فکر رہیں۔

لارڈ کارمیکائیل بالقابہ گورنر بنگال اسکول کا معاینہ فرما رہے تھے۔ بابو سروداچرن متر (سابق جج ہائیکورٹ کلکتہ) جو ساتھ تھے حسب قاعدہ ممدوح سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگے۔ اسپر ہز اکسلنسی نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ "اگر آپ انگریزی میں گفتگو کرینگے تو میں بنگلہ زبان کیونکر سیکھونگا" اسکے علاوہ جناب ممدوح اور حضور والیسرائے کو دیسی زبانوں کے سیکھنے کا بڑا شوق ہے۔ اور یہاں کی مروجہ زبانوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسکے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ جو لکھنؤ میں منعقد ہوا اُس میں صدر انجمن نے انگریزی میں تقریر کی۔ حالانکہ حاضرین جلسہ زیادہ تر ایسے تھے جو انگریزی سے بالکل ناآشنا۔ اور لطف یہ کہ تقریر لاجواب ہوئی جسکی تہ تک صرف چند انگریزی داں حضرات پہونچے۔ بقیہ سب کے سب مُنہ دیکھتے رہگئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس کانفرس کا بانی اُردو داں تھا۔ سرسید مرحوم نے ترقی اُردو کے سرگرم موید ہونے کے باعث ڈاکٹر آف لٹریچر کا خطاب پایا۔ اُنکے جانشین محسن الملک اسی کے بدولت اُسی خطاب سے مخاطب ہونے کو تھے اگرچہ اُنکی عمر نے وفا نہ کیا۔ نواب وقار الملک ترقی اُردو کے بڑے حامی ہیں اپنی اُردو دانی سے ان بزرگوں نے ملک قوم اور زبان کی جو خدمات کیں زمانہ اُسکا اعتراف کر رہا ہے۔ ان ساری باتوں کو جانے دو۔ ابھی تو ملک میں

اس قدر انگریزی دانی آئی نہیں کہ کسی کانفرنس کے اغراض و مقاصد اُس زبان کے ذریعہ سے اُنکے ذہن نشین کرائے جائیں جس سے وہ نابلد ہوں۔ اگر یہی حالت رہی تو ہمیں مستعد ہو جانا چاہئے کہ جس طرح اور ہندوستانی فنون کو ہم کھو بیٹھے ہیں۔ اُردو کو بھی زندہ درگور کر دیں۔

مثال کے طور پر ہندی لٹریری کانفرنس کو لے لو جسکا جلسہ ہندی ساہتیہ سمیلن کے نام سے اس سال کلکتہ میں غیر معمولی کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا۔ حاضرین کانفرنس کی تعداد یوں تو ہزار سے بالا بتائی جاتی ہے۔ لیکن ہمنے خود دیکھا ہے، آٹھ سو سے کم اصحاب نہ تھے۔ ادب ہندی کے حامیوں سے اس امر کی استدعا کی گئی کہ اسکی ترقی کے لئے بدل جان کوشاں ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ مقامی جلسوں کی ساری کارروائی ہندی زبان میں ہوا کریں۔ ہم مخالفت نہیں کرتے۔ مگر رشک کی نگاہ سے ضرور دیکھتے ہیں محض اسلئے کہ اس جماعت کی ہماہمی سے حامیان اُردو سبق سیکھ سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابکے بہار کے جلسہ کانگریس میں بھی کچھ تقریریں مقامی زبان میں ہوئیں اور وہ بھی وہاں کے لوگوں کی فرمایش سے۔

دور ماضی ہو چکا اب حال ہے

دستور ہے کہ اخباری دنیا میں سال نو کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ گذشتہ کو خیر باد کہتے ہیں اور آیندہ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ واقعات ماضی کی تفصیل کے لئے تو دفتر درکار ہے اور حال کے استقبال کے لئے قیل و قال۔ نیا مہینہ۔ نیا سال۔ نیا قرن۔ اور لطف یہ کہ ادیب کی سالگرہ کا مہینہ بھی یہی ہے۔ اسکا نیا دور بھی اسی زمانہ سے شروع ہوتا ہے سچ پوچھو تو ادیب کو اس سے بہتر خوشوقت موقع سرمست ہاتھ آ نہیں سکتا اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نوروز کی ایک حد تک توضیح کر دی جاسے۔

اس موضوع پر مفصل لکھنا تو اُسوقت زیادہ مفید ہوگا جبکہ اصلی نوروز موسم بہار سے ملتا جلتا ہوا آئیگا۔ جذبات دلوں میں خود بخود تحریک پیدا کریں گے۔ اور ہر زبان پر یہ مصرعہ ہوگا کہ عہ "گذشت فصل دی و موسم بہار آمد" اور ہر گل بوٹے زبان حال سے کہیں گے عہ "بہار پر ہے کہ عروس چمن کا نکھار" اُس دوہری عید کے لئے ابھی سے ادیب نئے نئے ساز و سامان درست کر رہا ہے اُسی وقت اسیر کا یہ مصرعہ بھی حسب حال ہوگا کہ عہ

"سنا ہے چڑھکے پشت فیل پر نوروز آیا ہے"

لیکن جذبات وکیفیات، عادت و فطرت کے علاوہ رسم و رواج کی تقلید بھی لازمی ہے۔ ملک معظم **جارج پنجم** کی تاجپوشی کے موقع پر کلکتہ میں اگلے زمانہ کے نوروز کی نمایش شاہانہ طریقہ پر ہوئی تھی۔ جسکو دیکھکر بادشاہ سلامت حد درجہ محظوظ ہوئے تھے۔ اُسکے منتظم ڈاکٹر راس پی ایچ ڈی سی آئی ای تھے۔ ان کے حسن خدمات و جدت پسندی کی قیصر معظم نے بڑی داد دی تھی۔ غرضکہ قدیم رواج کو نئے انداز سے دکھایا گیا تھا۔ اور ایک مردہ رسم کو اسطرح زندہ کیا گیا۔ ناظرین جو کچھ مشاہدہ کر چکے ہیں اُسکا اعادہ تو فضول ہوگا۔ ہاں! طرز قدیم کی ایجاد کی اجمالی کیفیت مہمل نہ ہوگی۔

سال نو کے پہلے دن کا نام **نوروز** ہے دنیا کی بہتیری قومیں نوروز کو ایک رسمی تیوہار قرار دیتی ہیں متمدن و غیر متمدن دونوں اقوام اپنی اپنی بساط بھر اس روز خوشیاں مناتی ہیں۔ اور اظہار مسرت کرتی ہیں۔ اصول نجوم سے اسی روز آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے۔ اس حساب سے ۲۰ یا ۲۱ مارچ کو نوروز ہونا چاہئے۔ لیکن مغربی اقوام جنکے یہاں سنہ عیسوی مروج ہے یکم جنوری کو نوروز مناتی ہیں۔ جو نیو ایرس ڈے کے نام سے مشہور ہے۔ بہتیرے ممالک میں اس روز عام تعطیل ہوتی ہے۔ اور تحفہ تحایف کے ساتھ آپس میں پیغام مسرت کا تبادلہ ہوا کرتا ہے۔

نوروز کا رواج زیادہ تر ایرانیوں کے یہاں ہے۔ اسکے موجد اصل میں فارس کے وہ قدیم باشندے ہیں جو اب پارسی کہے جاتے ہیں مسلمان ایرانیوں نے ان ہی سے نوروز کو لیا مگر رسم و رواج میں کچھ تبدیلی کر دی۔ ایرانیان پیشین کے یہاں دو نوروز تھے ایک عامہ دوسرا خاصہ :-

نوروزعامہ ماہ فروردین کا وہ اول روز ہے جس روز آفتاب برج حمل کے اول نقطہ میں آتا ہے۔ اور اسی دن سے موسم بہار کی ابتدا ہوتی ہے اس اعتبار سے ہندوستان میں نوروز عامہ کے مطابق ہولی ہے۔ ایرانیوں کا بیان ہے کہ اسی روز خدا نے دنیا و ابوالبشر علیہ السلام کو پیدا کیا اس لئے اس دن کا نام نوروز رکھدیا گیا لکھا ہے کہ جام جہاں نما کا بانی شاہ جمشید سیر و سیاحت کرتا ہوا حسن اتفاق سے اسی روز آذربایجان پہنچا اور دربار کرنے کی غرض سے مرصع تاج پہنکر زر نگار تخت پر بیٹھا جو شرق رو بچھا ہوا تھا صبح کا سہانا وقت آفتاب کا عکس پڑتے ہی یک بیک تاج و تخت جگمگا اُٹھے۔ یہ منظر ایسا دلکش و دلچسپ تھا کہ متاثر ہوکر لوگ بے ساختہ کہنے لگے کہ یہ "روز نو" ہے۔ اسی دن سے ایرانیوں میں اس جشن عام کی رسم پڑگئی اور ہرسال نوروز کے دن لگے عید منانے۔

نوروز خاصہ کو یوم خرداد کہتے ہیں جو ۶ فروردین کو واقع ہوتا ہے۔ اس کا بانی بھی جمشید ہی بتایا جاتا ہے۔ جس نے اس روز بڑا بھاری جشن کیا اور بارعام میں خاصان دربار کو خلعت عطا کئے، اور سب کو تاکید کری کہ خدا نے آج ہی کے دن تمہارے جداعلیٰ یعنی آدم کو پیدا کیا۔ اسکے شکریہ میں نماز و سجود سے مشغول ہو۔ خوب خوب خوشیاں مناؤ۔ اور اسی طرح ہرسال اس یادگار کو قایم رکھو۔ اسی خصوصیت سے اس روز کا نام نوروز خاصہ ہوگیا۔

اس تیوہار کو عہد نوشیروانی میں بڑا فروغ ہوا یہاں تک کہ اکاسرہ ہرسال نوروز عامہ سے نوروز خاصہ تک پورے چھ دن بڑا جشن کرتے۔ خوشیاں مناتے۔ داد و دہش سے کام لیتے۔ قیدی آزاد کرتے۔ ملزموں کی گناہ بخشی کرتے۔ یہ قاعدہ ہے کہ وضعداری کی ایجاد ہمیشہ قصر شاہی سے ہوا کرتی ہے۔ رعایا بھی عیش و نشاط میں مشغول رہکر خوب عید منایا کرتی تھی۔

ہندوستان میں اس قسم کے جشن نوروز کی ابتدا شاہان مغلیہ سے ہوئی۔ ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ نے اسکو رواج دیا اور سارے مغل بادشاہ اسکی یادگار قائم کرتے چلے گئے۔ رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں نوروز عام ہوگیا۔ دہلی کے مغل فرمانرواؤں نے نوروز کے دن ایک قماربازی کا بھی اضافہ کردیا جسکو انڈے لڑانا کہا کرتے تھے۔ جسکا انڈا دوسرے کے انڈے کو توڑ دیتا وہی بازی جیت جاتا۔[1]

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھو فرہنگ آصفیہ و تاریخ ایران مصنفۂ فریزر۔



مجھے کہتے ہیں سب
نوید بسنت

انڈین پریس الہ آباد

ادیب

زبان کی ترقی

[حضرت شمیم کا یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ اُن فریقوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا، جو خواہ مخواہ اُردو کو ہندی اور ہندی کو اُردو بنانے کے جھگڑوں میں پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان دو نوں مدعیوں کی کشاکش سے زبانیں خود بیزار ہیں اور بآوازِ بلند کہہ رہی ہیں کہ ع "ان دو کے جھگڑے میں ہم مفت پٹ گئے"۔ کیسے ہی بغض و حسد کی لڑائی کیوں نہ ہو عقلِ سلیم رکھنے والے زبان نہیں بگاڑتے۔ اڈیٹر]

ان دنوں ہمارے اہل الرائے ہندوستان کی مختلف زبانوں کو بہ یک وقت جاری رکھنے سے ناخوش ہیں۔ شاید ہم راستی پر نہ ہوں لیکن ہمارا خیال ہے کہ "دھڑے میں دھرم نہیں"۔ یہ ہندو مسلمانوں کی آپس کی رنجش کا نتیجہ ہے کہ اگر ایک کسی چیز کو سفید کہے، تو دوسرے کے لئے سیاہ کہنا لازم آتا ہے۔ اسی کشمکش میں زبانیں بھی پامال ہو رہی ہیں۔ اپنی اپنی پسندیدہ زبانوں کے موید دلائل پیش کر رہے ہیں۔ یہ دلائل کسی جج کے سامنے پیش نہیں ہوتیں۔ جانبین قایل تو کیا ہوں گے اور زیادہ برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ بقول مہاراجہ بڑودہ "دراصل زبان خیالات کے سمجھانے کا وسیلہ ہے"۔ اس پر ہم اتنا اور اضافہ کرتے ہیں کہ بزرگوں نے ادائے خیالات کے جو وسیلے بنائے تھے ان کے جانشینوں کو اُن ہی وسائل سے اُنس ہے اور اُن ہی وسائل کی مہارت ہے۔ جس کو تعصب نہیں وہ یہ کہے گا کہ جس شخص کو جون سی زبان بھلی معلوم ہو وہ اُس کو ترقی دے اُس میں اور الفاظ داخل کرے۔ نئے الفاظ موضوع کرے۔ عوام کو وہ زبان اگر پسند آگئی تو وہ بلاسفارش خود اختیار کرلیں گے جنگ و جدل سے نہ ایک ہٹے گا اور نہ دوسرا بڑھے گا۔ ناحق کی بدمزگی ہے البتہ جن لوگوں کو مخصوص کے جاری رہنے سے مزہ ملتا ہے یا فائدہ پہنچتا ہے اُن کا کام بنتا رہے گا۔

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم زبان کی ترقی کے متعلق چند خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ اس امید سے کہ شاید کسی کے پسند آجائیں۔

ا۔ عشق حقیقی ہو۔ ذات باری سے لو لگی ہوئی ہو حقانی غزلیں مناجاتیں، طبیعت سے نکلیں، عبادت کا رنگ الفاظ میں ہویدا ہو، تصوف کے ولولے جوش پیدا کریں، مزاج وجد میں آئے،

اور چشمۂ دماغ سے الفاظ رنگ رنگ پیرایوں میں نمودار ہوں۔ پاکیزہ خیالات، نفیس الفاظ کا لباس پہنیں۔ کسی پیغمبر، ولی، رشی، منی، خدارسیدہ، کی نعت و مدح و منقبت اور استتی میں فرطِ عزت سے جذبات سرگرم جوش ہوں: پھر دیکھئے قلم کیا پیدا کرتا ہے؛ دل میں ستایش کی اُمنگ کیسے کیسے الفاظ اختراع کرتی ہے تشبیہ و استعارے کہاں کہاں سے ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ کسی دیوی، دیوتا، کے سامنے سجدہ ہو، اُس کے حضور میں سرنگوں ہو، اور دیکھئے حلم و عقیدت کیا رنگ دکھاتی ہے۔ جہاں بد اعتقادی روز بروز ترقی پذیر ہو، وہاں یہ کیفیت کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔

۲- عشق مجازی ہو، فراق کے صدمے ستاتے ہوں، معشوق کی نظروں کا گھایل دل کیا کیا رنگ لاتا ہے۔ معشوق کا سراپا بیان کرنے میں طبع آزمائی کی جاتی ہے؛ اور نئی نئی باریکی خیال پیدا ہوتی ہے۔ بیکلی، کس پرسی، اضطراب، اختر شماری، نئے مضمونوں کے موجد ہوتے ہیں؛ مایوسیاں واسوخت لکھواتی ہیں؛ گلے، شکوے، رقابتیں، گوناگوں پیرایوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جہاں فکر معاش غالب تر ہو؛ غمِ روزگار لاحق حال ہو؛ وہاں غمِ عشق کہاں۔

۳- نیچر کے ساتھ دلبستگی ہو، سنبل و بنفشہ، آبِ رواں، پہاڑوں کے نظارے، سمندروں کی مہیب طوفان خیزی، بیابانوں کی ویرانی، پھولوں کی بہار، سبزہ زاروں کے فرش زمردیں، آبشاروں کے کرشمے، چشموں کے ابال، بے فکر طبیعتوں کو اپنی طرف کھینچیں اُن سے اُنس پیدا ہو۔ منظرات و مشاہدات قدرت دل میں گھر کریں۔ پھر دیکھئے کیسے کیسے مضامین خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ گویا محدود و غیر محدود کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ جزو و کل میں فرق معلوم نہ ہو۔ فوارہ کے مانند مضمون نکلتے آویں۔ یہ کیفیت اُس وقت طبیعت پر طاری ہوتی ہے جب خانہ جنگیوں، خفیف خفیف بغض و حسد سے طبیعت معرّا ہو۔ طبیعت کو عیب جوئی، نکتہ چینی، رنج، مخمصے، خرخشے، مصروف نہ رکھیں۔ نیچر کی خوبصورتی دل کو گرویدہ کرے اور ایک قسم کی محویت پیدا ہو۔ جو اُلجھنیں اس وقت ہم کو گرفتار کر رہی ہیں نیچر تو ایک طرف، صانع نیچر بھی طاقِ نسیاں کے حوالہ ہے۔

۴- یادِ رفتگان دل میں کبھی جاگزیں ہو۔ بزرگوں کی خوبیاں بیان کرنی مقصود ہوں۔ جو جبر اُن کے ساتھ ہوئے اُس کا درد محسوس ہو، دل مرثیہ پیدا کرے۔ رقت پیدا ہو، سنگدل سنگ موم ہو۔ نخوت دور ہو۔ بزرگوں کے کارنامے بیان کئے جائیں اور اخلاق کی ترقی ہو۔ جہاں بزرگوں کو بیوقوف، گمراہ، غیر مہذب، سمجھا جاے وہاں یہ صورتیں کیونکر پیدا ہو سکتی ہیں۔

۵- ظرافت و تفنن کے سامان مہیا کرنے کی فکر ہو۔ عوام کے دل ظرافت و تفنن سے خوش کئے جائیں تاکہ مضمحل طبیعتیں دنیوی آلام سے پژمردہ ہوئی ہوئی کسی وقت مسرت و انبساط کی حالت میں آئیں۔ نئی نئی کہانیاں، قصے، بذلہ سنجیاں، لطیفے، پہیلیاں، امثل، معمے، مسلسل تفکر کی رفتار کو تھوڑی دیر کے لئے روک دیں۔ ہر لحظہ متین اور ثقہ رہنے سے طبیعت شگفتہ نہیں رہ سکتی۔ بیچ بیچ میں گاہے ماہے تبدل ضروری ہے۔ اب زمانہ ایسا ہوتا جاتا ہے کہ ظریف کو بھانڈ اور خوش دل کو لاابالی، سیلانی، سمجھا جاتا ہے اور اُس کی نسبت یہ خیال ہوتا جاتا ہے کہ وہ سوسائٹی کا مفید ممبر نہیں۔ ویراگ نے سب کو مغموم کر رکھا ہے۔

۶- علوم و فنون کے اکتساب کی طرف توجہ ہو۔ اصطلاحات نئے نئے اختراع کرنے پڑیں۔ صنعت و حرفت کے تفصیلی بیان کے لئے لابدی ہو جاتا ہے کہ زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ داخل کئے جائیں۔ مثلاً جب ڈاکٹر بوس نے نباتات میں حیات و ممات ثابت کرنے کے لئے ریشم کے باریک تار کے ایسے آلے

بنائے جو نازک شاخوں کے آویزاں کرنے کے لئے مخصوص تھے تو اُن کے لئے انگریزی اور سنسکرت کے مرکب الفاظ بھی موضوع کئے - یہ ممکن نہیں ہے ہر ایجاد کے لئے پہلے ہی الفاظ کسی زبان میں موجود ہوں نہ یہ ممکن ہے کہ سائنس کے لئے معمولی بول چال کے الفاظ سے کاربرآری ہو سکے - بالخصوص اگر سائنس کے حقائق دیگر زبانوں سے اخذ کرنے پڑیں - کہاں تک ہندوستانی علوم و فنون کے تجسس میں ہیں، ناظرین خود ہی اس کا فیصلہ کریں -

۷ - گوشۂ عافیت، و کنج تنہائی میں بیٹھنے والے جو ماہیت و اسرار عالم پر غور کرتے ہیں، معقولات کے مسئلے سوچتے ہیں نازک اور باریک خیالات کو یکہ عبارت دیتے ہیں - دُنیا و مافیہا کے معاملوں پر غور و خوض سے کام لیکر پہلے کسی مسئلہ کو حل کرتے ہیں پھر اُس کو بیان کرنا چاہتے ہیں - ایسی ضرورتوں کے لئے الفاظ کے لئے دستنگر ہونا پڑتا ہے لیکن یہ مشاغل آج کی مصروفیت اور شب و روز کی بے چین زندگی میں کس کو نصیب ہوتے ہیں -

۸ - ترجموں کی ضرورت بسبب موقعوں سے زیادہ ضرورت الفاظ کی ترجمہ کے وقت ہوتی ہے جن خوش قسمت قوموں کو دوسری زبانوں سے نفرت نہیں - یا جو ایسے خوش نصیب ہیں کہ اُن کو اکتساب کمال کا شوق ہے اور وہ دوسری زبانوں کے قیمتی جواہرات اپنی زبان میں لانا چاہتی ہیں وہ محسوس کرتی ہیں کہ ترجمہ کے لئے کیسی کیسی دقتیں پیش آتی ہیں ایک تعزیراتِ ہندی کے اصطلاحوں کے ترجمے کے لئے خدا جانے ترجمان کا کس قدر وقت صرف ہوا ہوگا اور کہاں کہاں سے وہ الفاظ ڈھونڈھتے رہے ہوں گے - نظم کا نظم میں ترجمہ سب سے مشکل کام ہے - لیکن دیکھئے گرفتھ کی تین سالہ محنت، جو رامائن کے منظوم کرنے میں ہوئی - ہم لوگ باتیں تو بڑی بڑی بناتے ہیں - چند نظمی ناولوں کے سوائے فرمائیے تو کون سی ادب کی کتاب کسی غیر زبان سے اصلی خوبی کے ساتھ ہندوستان کی زبان میں لائی گئی، جسے کسی پایہ کی کتاب کہہ سکیں - جہاں اپنی محدود و نامکمل بول چال کے ذخیرہ پر ناز ہو اور غیر زبانوں کو وحشیوں کی زبان تصوّر کریں، یا اُن کو ناپاک خیال کریں، یا اُن کا ترجمہ کفر سمجھیں، تو زبان کیا ترقی کر سکتی ہے -

۹ - اور سب باتوں کو چھوڑیئے - بیوپار کے معاملات میں بھی زبان کی ترقی ہو سکتی ہے - آجکل تجارت کل دُنیا میں سب قوموں کے درمیان ہو رہی ہے - کوئی زبان یا حروف ایسے نہیں ہیں جو ہر ایک براعظم میں مشترکہ ہوں حتیٰ کہ ایک براعظم کے مختلف ممالک میں بھی ایک حروف نہیں لیکن وہ سب لوگ ایک دوسرے کے حروف مجبوراً سیکھتے ہیں کیونکہ کاروبار کے لئے اُس کا جاننا ضروری ہے نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی ہنڈوی فرانس میں فروخت ہو کر جرمنی میں سکاری جاتی ہے اور روس میں پہنچکر وہ ترجمہ میں ادا ہوتی ہے اور بنک اُس کو قبول کرتے ہیں - یہ امر مخفی نہیں کہ جس قوم کے ہاتھ میں تجارت زیادہ ہے یعنی اُس کا میدانِ تجارت وسیع ہے اُس قوم کے مروجہ حروف اکثر قوموں کو سیکھنے پڑتے ہیں چنانچہ انگریزی حروف تقریباً کل براعظموں میں جاننے ضروری ہو گئے ہیں - اسی طرح ہندوستان میں بھی ہندی حروف میں کاروبار زیادہ ہوتا ہے اور ہر آدمی خواہ وہ کسی ملت و مذہب کا ہو کاروبار کرنے کے لئے اُس کو وہ حروف سیکھنے پڑتے ہیں بلکہ اپنے یہاں بھی اپنے وہ ہی حروف استعمال کرنے پڑتے ہیں تاکہ مقابلہ و تبادل ہو سکے - یہ کوئی عیب کی بات نہیں - ضرورت کا سوال ہے نہ اس میں کوئی ہتک متصور ہے - اگر کبھی ٹرکی و ایران، چین و جاپان سے ہندوستان کی تجارت کا سلسلہ زیادہ

وسیع ہوگیا تو علاوہ یورپین حروف کے ہم لوگوں کو اُن ملکوں کے حروف بھی سیکھنے پڑیں گے۔

۱۰- زبان کی ترقی کی ایک شق اور بھی ہے وہ تضحیک وہجو ہے۔ یہ بھی ضروری شق ہے۔ مغرور کا غرور توڑنا۔ سر بفلک کو اپنی اصلی سطح پر لانا۔ گھمنڈ کو زک دینا بسا اوقات ضروری ہے تضحیک اور ہجو بقول مسٹر ڈزرائیلی ایک طاقت ہے جو بعض اوقات فصاحت وبلاغت سے زیادہ کارآمد ہے۔ چنانچہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ کئی لوگوں کی شیخی اور نشے معمولی مضحکہ نے اُتار دئے ہیں۔ ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ان دنوں زبان کی ترقی اس ضمن میں نمایاں اور معتدبہ ہو رہی ہے۔ یعنی یوں کہنا چاہئے کہ بدزبانی کی شق بے طرح جاری ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زبان کی ترقی کے سامان پہلے ہوں پھر اُس کی ترقی خود بخود ہو جاتی ہے۔ اگر چند رسالے نکل آئے اور بعض اشخاص نے طبیعت پر جبر کرکے کوئی تصنع آمیز عبارت آرائی کر بھی لی جو طبیعت کے جوش اور ولولے سے پیدا نہ ہوئی ہو تو وہ مانند ایک نشہ کے ہے جو اُتر جاتا ہے بلکہ بعدہٗ خمار لاتا ہے۔ ہمارے خیال میں پالیٹکس کی الجھن اور بے سود خانہ جنگیوں میں تضیع اوقات ہوتی ہے نہ ہندی کا کچھ بنتا ہے نہ اُردو کا۔ لکچر وغیرہ ہو جاتے ہیں۔ اور بس۔ اگر کسی زبان کو ترقی دینا مقصود ہے تو بن پوچھے کام کئے جاؤ زمانہ کی پسندیدگی خود فیصلہ کردے گی اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جتنی زبانیں جانو اُتنا ہی اچھا ہے۔

شمیم

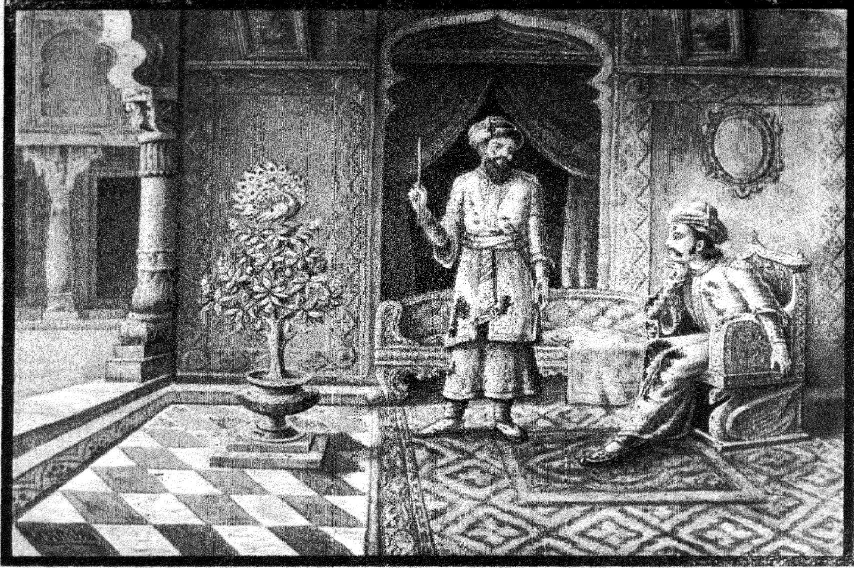
خالاؤں کا مارا - آغا

(گذشتہ سے پیوستہ)

آغا اور منّو

"آقا وہ ماہ جنوری تھا۔ فروری و مارچ دو ماہ الحمد للہ خوش گذشت قدرے از احوالِ دُنیا ہم آشنا شدہ بودم۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ بُود وہ ہوتل نیلے بزرگ مثل یک بہشت تازہ بر زمن (زمین) بود نعمات و تکلفات گوناگوں برائے مہمانان فراہم آوردہ بودند۔ از ماہِ مارچ سیاحانِ دُنیا می آمدند در پاریس و اقامت میکردند دران (این) ہوتل۔ این کیست آغا؟ بابا اِن (این) زنِ یک امیر کبیر امریکائیست! دیروز کی مہمان شدہ؟ دخترِ ڈیوک آف ادمبرا! اِن تلگراف از کجا آمدہ؟ از ہندوستان مہاراجہ بڑودہ از بامبئی (بمبئی) حرکت کردہ۔ می آیند اخیر۔ دیشب دو اُطاق (کمرہ) مخصوص کرایہ کرد ست (کردہ ست) اِن کیست آغا؟ مستر (نمی شناسی) عجیب! اسر آغا خون (خاں) ست در لندن بود۔ حالا بہ پاریس آمدہ برائے تفریح و سیر و عیش و نشاط! خوب۔ میسیو سولمن امروز چرا بر موتور کار خود استاسون (اسٹیشن) رفتہ ست۔ چہ کار دارد؟ نمی دانی عجیب اخدیو مصر و ولیعہد دولت ژاپون (جاپان) ہر دو تشریف می آرند۔ سولمن برائے استقبال رفتست! (رفتہ است)"۔

"غرض آقا ہم کیا عرض کریں۔ روز و شب اُس ہوتل کا یہی نقشہ تھا کسی وقت فرصت نہیں، آرام نہیں تخلیہ نہیں کہ ایک دو شعر موزوں کرسکوں! آقا یہ بھی غنیمت تھا۔ مگر جب کہ ماہِ مائی (مئی) آیا۔ اُف۔ آقا واقعی بی (بے) حال بودم۔ یک مرتبہ سنہ درجن جن امین اُمرائے کبار دُنیا مثل مرغابی ہائے رنگین و مختلف اللون کہ در کنار یک تالاب جمع می شوند دران (این) ہوتل جا گرفتند (گھس!) آقا!



ابوالقاسم اور کراماتی طاؤس



خواب ہے یا خیال ہے میرا

زنہا شوقِ[۱۵] عجیب وغریب میداشتند - ہمہ یک جانور مثل فرزند نرینۂ خُردسالہ در بغلِ خود میگذاشتند! - ملاحظہ بفرمائید - تامّل بکنید - یک دختر (صاحبزادی!) امریکائی خرسے[۱۶] (بھالو) ہمراہ خود آوردست (آوردہ است) قدش برابرِ انسن (انسان) - فربہ ومجرّب - بازوش مثلِ ما - بابا یکوجب (بالشت بھر کی!) کلائی! راہ میرود بامتانت وخودداری و آہستگی مثلِ لارد ہائے انگلیستان! دختر اُورا خیلے دوست میدارد - در اُطاق (کمرہ) خود - نہ - در پہلوے خود جا دادست (دادہ است) سہ لیرا (پونڈ) روزانہ مید ہد برائے خوراکِ آں خبیثِ مکروہ!! دیگرے راسگیست (دوسری صاحبزادی پاس ایک کُتا ہے) واللہ سگ ست یا یک پہلوانِ حبشی جنگلی بلند قامت وفربہ وقوی ہیکل وسیاہ رنگ! میگوید دختر در عشقِ ان (ایں) سگ دیوانہ شدست (شدہ است) - حالانا ساز بود در اسکاٹلینڈ برائے تبدیلِ آب وہوا وعلاج وتفریح وتماشائے ان سگِ محبوب (دختر) بہ پاریس آمدہ - فردا دوکترِ (ڈاکٹرِ) مخصوص می آید وعلاج میکند!"

"خیر - ازاں دومادم (میڈم) ہرفِ نظر کن آقا - سالا بہ بینید وائینہ سے کل یک مادم آئی ہے اُس کے ساتھ یک چُچُوندر (چھچھوندر - موشکور) ہے آغا! ترا! ہم کیا عرض کریں کمبخت پروانہ ہے اُس کی ابریشم کا فرغل اُس کے لئے تیار ہوا ہے! یک آدم مخصوص اُس کے واسطے ہمہ وقت حاضر رہتا ہے - آبِ گرم وصابون سے روزانہ اُسے غسل دیا جاتا ہے - غازہ - پودر اُس پر مالش ہوتا ہے آغا! یک بری (بڑی) بی کے ساتھ نیولا (موشِ خرما) ہے آغا! اُس کے گلے میں جواہر نگار زنجیر ہے! وُو (وہ) ناچتا ہے - رقص کرتا ہے - یہ کمبخت زنِ شصت[۱۷] سالہ بھی ہمراہ اومثل بچہ ہا گردش کرتی ہے! یک زن از ہندوستان تازہ آمدست (آمدہ است) میگویند کسی جا کی مہارانی ہے - آقا - گلیری (گلہری - موشِ سلطانی) اُس کے ساتھ - گلّو، اُس کا لقب ہے - اُس کے شانہ ودوش پر ہمہ وقت سوار رہتی ہے - در زلف - نہ - نہ - چہ میگویند در ہند؟ جُو جُو - فراموش کردم! ہاں - ہاں - یادم آمد - جورہ (جوڑا) جورہ (جوڑا) جورہ میں اُس کے گھر ہے اُس کا!! اغرض ہوٹلِ ما واقعی (اچھا خاصہ) یک وحش خانہ (رمنہ - زُو) تھا آقا!"

ان سب جانورں کو خیر ہم کسی طرح برداشت کرلیتے تھے - گو بہ کراہت! مگر آقا ہم کیا عرض کریں کہ یک دخترِ بلشریک (بلجیم) کا محبوبہ یک گربہ، نر - تھا آقا! بسیار موٹا تازہ - چربی دار - وزیں - کمتر از دہ سیر نبود - منّو، نام! دو سیر گوشت بطِ تازہ یک وقت حرامزادہ تنہا کھا جاتا تھا! اُس کے واسطے بطِ مخصوص روزانہ مارکیت (مارکٹ) سے تازہ آتی تھی - اُں زنِ خبیث اپنے رقعہ کے ہمراہ قبل اُس کو دوکتر (ڈاکٹر) پاس معائنہ کے واسطے بھیجتی تھی (پھر) خود ایستادہ ہوکر اپنے روبرو کمبخت اُسے وو (وہ) گوشت نوش کراتی تھی! وو (وہ) زن آقا خیلے امیر بود - میسیو سولمن ہمہ وقت اُس کی خوشامد کرتا (رہتا) تھا - و آقا ہم کو حکم تھا کہ جملہ (سب) کام ترک کرکے جب وہ بط نوش کرے - تم حاضر رہا کرو! آقا - بندگی وبیچارگی - کیا کرتے - ہم کسی طرح حاضر رہا کرتے تھے! مگر کس طرح؟ پشت اُس کی (منّو) طرف! لاکن ہوشیار کہ اُں زنِ خبیث (نہیں) دیکھ نہیں لے!"

"یکروز آغا من بیدار بودم - واللہ منّو، حرامزادہ در مرضِ سوءِ ہضم مبتلا شد! دختر بدحواس اُس کے ساتھ گویا خود بیمار ہوگئی میسیو سولمن کو اُس خاتون (عورت) نے رقعہ لکھا کہ یہاں جو بہترین دوکترِ جانوران (جانوروں) ہو اُس کو فوراً طلب کرو - سولمن نے ہم کو حکم دیا کہ دوکتر لاؤ - ہم گئے آنما گئے - گئے - دوکتر لائے - وہمراہ دوکتر اُس زن کے

[۱۵] یہ کچھ مبالغہ اور جھوٹ نہیں ہے - یورپین لیڈیوں کو جانوران کے رکھنے اور پالو بنا کر ساتھ ساتھ لئے پھرنے کی اب ایک دھت ہوگئی ہے - اور امریکہ میں تو سانپ تک گلے کا ہار ہیں - نہ معلوم وہ کیا کام دیتے ہوں گے!

[۱۶] ایرانیہا' در محاورۂ خود خرس، را 'خالو' میگویند!

اُطاق (کمرہ) میں بھی جانا ہوا (پڑا)! اُف! وُہ اطاق آغا خیلے آراستہ
و پیراستہ بود۔ در و دیوار و سقف و فرش ہمہ آقا بلور کی تھی۔ بلاشبہ
حضرت سلیمان کا وہ آئینہ خانہ تھا جس میں بلقیس کو مہمان کیا تھا۔
خیر۔ ہم اندر گئے۔ گرچہ بر تخت (مسہری) خواب دراز کشیدہ بود۔ واں
در پہلوے او نشستہ بار بار گردن نیچی کر کے اُس کو دیکھتی (دیکھتی)
و آواز دیتی (پکارتی تھی)!!

"ہم کو آغا بے حد تنفر ہوا۔ ہم تحمّل۔ تاب نہیں لائے۔ فوراً اُس
طرف سے رُخ (مُنہ) پھیر لیا۔ الاحول ولا۔ در آئینہ پیش ما ہمُن (وہاں)
مَنُّو بود! یکبار طرف راست نظر کردم۔ یا اللہ ہمُن (وہاں) مَنُّوست
فی الفور جب نظر انداختم۔ تو یہ ہمُن مَنُّوست! آخر ہم نے نظر طرف
فرش کر لی (نظر نیچی کر لی)! استغفر اللہ ہمُن (وہاں) را دیدم بعجلت طرف
سقف متوجہ شدم۔ یا للعجب۔ اُف۔ اُنجا ہم مَنُّو را زیارت کردم!!
آقا۔ آگے مَنُّو۔ پیچھے مَنُّو۔ دہنے مَنُّو۔ بائیں مَنُّو۔ اوپر مَنُّو۔ نیچے مَنُّو!
ہم کدھر جائیں آغا؟ مجبور شدم۔ ہلاک شدم۔ زندہ در گور بودم۔ آخر
آغا۔ ہم نے بسیار (بہت) زور سے چشمہائے خود را بند کردم (آنکھیں
زور سے بھینچ لیں)! قریب نصف ساعت ہمیں طور (طرح) ایستادہ
بودم! زور سے چشمہا بند کر لینے سے رگہائے جبیں و مغز سر ما
درفشار بودند۔ آخر آغا۔ سر میں کمال شدت کا درد ہو گیا۔ چکر بھی
آنے لگا۔ خدا خدا کر کے ڈوکٹر کو فراغت ہوئی۔ بنٹ لیرا (پونڈ)
اپنی فیس لیکر وو (وہ) اطاق سے نکلا! مگر ہم نے کیا پایا آغا؟
چہ چیز من یافتم؟ ہم کو جو ملا آقا وہ عرض میکنم۔ شما کہ ہمدرد من
ہستید۔ مہربان من ہستید۔ میگویم میگویم۔ عرض میکنم۔ انشا اللہ!

"آقا۔ طاہر شما کہ شاعر و شاعر فطری ست۔ ہم رتبہ فردوسی آقا آلا
ملاحظہ فرمودید حال خادم خود را؟ درعوض فکر شعر چہ سودا ہا برائے
اُن بی چارہ فراہم شدست (شدہ است)! آقا۔ ہم کو واقعی جانوران
(جانوروں) سے نفرت ہے۔ گاہے شوق بلبل و باز ہم نکردم۔ متحیر
مشو۔ اسپ چہ؟ اسپ تازی را ہم دوست ندارم! او چہ میرسد بہ الاغ
و خر و قاطر (خچر)! آقا۔ اس ہوٹل میں رہ کر جانوروں سے ہم کو
اور نفرت زیادہ ہو گئی! اور مخصوص مَنُّو کے ساتھ (سے) خیال مَنُّو
جب گاہے وقت طعام یادم آمد۔ بس۔ فرصت۔ طعام ختم۔ دست
کشیدم و صد بار کُلّی کردم"۔

"آقا۔ لاکن اس سے آپ یہ نہ سمجھئے کہ طاہر بزدل و بسیار بودا
ہے۔ لاواللہ! آقا نا ئیلیائی خبر نیستید از حکایت ہائے لارد رابرٹس
اُس کو کوان (کچھ) کہہ سکتا ہے؟ کس کی مجال ہے کہ اُس کو بزدل
لقب دیدے! لاکن گرچہ ولو مادہ جب اُس کے روبرو آجاتا ہے
تو پھر وو (وہ) از جامۂ انسانیت و آدمیت میگذشت۔ کود کے آغا
دور باگ (بھاگ) جاتا ہے!! وطاہر تو گرچہ کو دیک (دیکھ) کر خالی اپنا
دندان پر دندان (دانت) رکھکر زور سے جا دیتا ہے فرار نہیں کرتا۔ بلکہ
مقابلہ کرتا ہے۔ خالی مقابلہ نہیں۔ واللہ اس کو کشتہ کرنے کا قصد ہم (بھی) کرتا ہے
من عرض میکنم۔ حالا حکایت شروع می شود۔

"مگر آقا یہ امر واقعی ہے کہ ان جانور عجب منحوس و بدصورت
ہے۔ و برائے مانحوستش بار ہا ظاہر و باہر شدہ۔ آقا یاد فرمائید
قصۂ عمومی نظام الملک را! و البتہ فراموش نکردید (کردہ اید) خواب
پُر ہول ان طاہر ستم رسیدہ (را) من مظلوم کشتہ گرچہ ہستم۔ وخصوصاً
اُن نجس و ناپاک و بدصورت مَنُّو! خیر آقا۔ قصۂ ما تا حال ختم نشدہ۔
مختصر نیست خیلے طول دارد۔ شما کہ صاحب رحم و انصاف ہستید عرض
میکنم برائے حضرت عالی۔ ملتفت ہستید آغا؟

"یک روز حسب الحکم مسیو سولمن آقا ہم غافل اپنا حساب و کتاب
درست کرتے تھے (کر رہے تھے) اُس کے حضور سامنے جلد پیش کرنا تھا۔ واقعی خیلے
منہمک بودم کہ دفعتہً یک آواز دوم (دھم) از قریب آمد! ہوشیار شدم

وزود برخاستم از صندلی (کرسی)-چہ ملاحظہ کردم؟ دیدم واللہ یک چیز سیاہ وخیلے دبنگ مثل بچۂ خرس روے میز من نسستہ وبار بار قصد حملہ میکند! متحیر وخایف بودم ہیچ نشناختم-یک مرتبہ بہ آہستگی قدم زدم ونزدیک تر رفتم-شناختم آغا! ای واے ہمن منّو ست-ستغفراللہ-استغفراللہ-آغا ہم شاعر ہیں-ودلِ باوقار وباشکوہِ شاعر یک کوہِ آتش فشن (آتش فشاں) کا مرتبہ رکھتا ہے-جب آغا ودِ سر باز کرد تو (پھر) تمامی قوتہاے دُنیا بھی اُس کو روک نہیں سکتا! وامروز آقا اُس کے سر باز (پھٹنے) ہونے کا روز آگیا-وُہ و ترکید (پھٹا)! وخوب شدیش ودر مقابلۂ منّو، ترکید (پھٹا!)-آغا واللہ دنیاؤ زندگانی دنیا ہیچ-خیر موت روح افزا وموت روح پرور! ہم آغا اُس وقت از جامۂ انسانیت گذشتہ گویا عفریت[1] حضرت سلیمانؑ بودم-اِنّی وجّہتُ وجہیَ[2] للّذی-گفتہ-کمرِ ہمت چست کردہ از جائے خود جست کردم ومنّوے حرامزادہ، را از دستہاے خود میان کمراو مضبوط گرفتہ (سے گرفتہ زدستش[3] دوالِ کمر!) جنبش سخت دادہ برداشتم ودو سہ مرتبہ چرخ دادہ بہ انداختم خبیث رادور-دور! الحمد للہ-الحمد للہ امروز رستمی کردم!!"

"آقا-تیر من رہا شد ونشانہ من زمیں خورد؟ شاید-واللہ اعلم!

البتہ از قسمتم نصیبم ناچار بودم-اتفاق-اتفاق اسیو سولمن میگذشت از ہمن (ہماں) راہ چند پیش خدمتیانِ ہوتل ہم ہمراہ او لبودند-تیرِ من نشانۂ من کجا می زد؟ ملاحظہ بفرما! منّو، کہ از دستہاے باقوت من رہا شدہ ومثل گردنا ے (لٹو) می رقصانید در ہوا یکایک بر کلّہ وجبیں (گنجی!) سولمن افتاد (منّو! اس کے منہ پر جاکر پڑا!)-یک مرتبہ نالہ کرد-ای واے کشتہ شدیم-ای واے مُردیم! آقا بندہ فی الفور فرار کرد-سولمن اپنے دونوں دست (ہاتھوں) سے اپنا کلّہ وجبیں گرفتہ (پکڑے ہوئے!) پشت خمیدہ (جھکا جھکا) اپنے اطاق میں گیا تو ہم اپنے کمرہ میں آئے! آقا سولمن قبل آدم خوش مزاج وخیلے اُفتادہ (منکسر) ومہربان بود-لاکن بعد ازان (ایں) ثروت جیسا کہ یک پرستار زادہ کو ہونا چاہئے (پرستار زادہ نہ آید بکار!) اُس میں حد درجہ رعونت وخشونت وگراں سری (نک چڑھاپن) وغرور سرائت کردہ بود-ایاز قدرِ خود بشناس، راگاہے یاد نمی آورد! اُن وقت کہ منّو، اُس کے مُنہ پر بان (ایں) ترکیب (یوں) افتاد (جا کر پڑا!) از غم وغصہ لال وبی حال شد!-خیر من باخبر بودم از نتیجۂ خویش ومی دانستم کہ-ے

"درختے کہ تلخست ویرا سرشت گرش در نشانی بہ باغ بہشت
وراز جوی خلدش بہ ہنگام آب بہ بیخ انگبیں ریزی وشہد ناب
سرانجام گوہر بکار آورد ہمن (ہماں) میوۂ تلخ بار آورد
زناپاک زادہ مدارید امید کہ زنگی بہ شستن نگردد سپید
زبد اصل چشم بہی داشتن بود خاک بردیدہ انباشتن"

"من از نسل واصل وے بیخبر نبودم-البتہ خائف ولرزان (لرزاں) شدم-نہ از منّو، نہ-ازاں مادر.....! واز اتفاق وبدبختی خود! واللہ ترسید دآمادہ بودم بہ فرار قسمت مگر فرصت نداد! یکمرتبہ آدمے می آید ومیگوید منیجر صاحب میخواہد ترا! آغا مردیم-روح من کہ مصاحب وآشنائے سی سال بودہ یک مرتبہ وداع گفت-اچہ کنم-حیراں-

[1] حضرت سلیمان کے دربار میں عفریت نام ایک دیو تھا-جس نے بلقیس کا تخت اُڑا لانے کی ہمت کی تھی! آغا اپنے کو عفریت لقب دیتے ہیں یعنی منّو کی سی وزنی شے کو وہ مثل عفریت، اب اُٹھانے والے ہیں!

[2] آغا اب گویا منا میں کھڑے قربانی ادا کرتے ہیں بسم اللہ!

[3] رستم وسہراب لڑتے لڑتے جب ہارے تو باپ بیٹے دونوں گھوڑوں سے کودے اور اب کا وزوری شروع ہوئی-فردوسی کہتا ہے ے گرفتند ہردو دوال کمر، (تسمہ-کمربند) یہاں آغا کے لئے منّو بھی رستم وسہراب سے (شاید) کم نہ تھا-

آخر مجبور پیش اُن یہودی ظالم و غاصب و محسن کش
حاضر شدم:۔

"مولمن از چشمہائے خونخوار خود مرا نظر میکرد و پرسید۔ اینجا مجاسب
ہستید یا گربہ کش و گربہ..... ؟ افسوس فرزندِ نظام الملک ہستید از روے حسن
شرم می آید ورنہ ترا ہلاک میکردم۔ اُن زنِ باوقار بلٹریک (مالکہ منزل)
میخواہد ترا سزا بدہد! امروز عجب گربہ رقصانید برائے ما (عجب تماشہ کیا۔
عجب کام کیا) عجب کار سبک و نالایق و بدتہذیبانہ کردہ ای۔ بہتر است شمارا
زود تر فرصت بکنم۔ بگیر ان (ایں) پنجہزار سکہ نقرہ و دستخط بکن برائے (ایں)
کاغذ و برو! بابا نجات بدہ ماہارا از وجود خویش۔ بُرو۔ بُرو۔ چرا ایستادہ
بُرو زود تر۔ مرد احمق و شاعر و منحوس! می روی یا..... ! من تو قاتل
یک مجسمہ (اسٹیچو) ایستادہ بودم۔ بگریستم تا دیر بر حالِ خود۔ چنانکہ تفہیم
مضمون کاغذ را۔ بادست رعشہ دار دستخط کردم و پولہا را گرفتم و برگشتم!!"

(۶)

آغا اور ہیرا من (ہراون)

"آغا۔ ہم ہوٹل سے باہر نکلے۔ کیا کریں کس طرف جائیں کچھ نہیں
جانتے۔ البتہ یک گونہ دلِ من قوی بود از اُن پنجہزار سکہ نقرہ۔ مگر
اس کا بھی خوف تھا آغا کہ پاریس شہر ہے۔ تمامی بدمعاشانِ دُنیا کا
مرکز۔ نہ معلوم کون کیسا ہے۔ یہ روپیہ کہ اب اسی پر گویا مدار زندگی
ہے کوئی دست بُرد نہ کرے۔ واقعی نیلے متفکر و پریشن (پریشان) خاطر بودم
کہ کجا روم و چہ کنم؟۔ لاکن آغا آخر ہم شاعر ہیں و ہم شعرا کا دل دیوان
(حضرت خواجہ (حافظ) علیہ الرحمۃ کے مانند ہے۔ بزلسان الغیب (دیوان)
وذالک الکتاب الغیب! (دل) (لاریب فیہ)۔ کیا معنی؟ کہ تم دُنیا جہان
کی جو شے چاہو آغا ان دونوں میں سے فوراً نکال لو۔ پیش از ان (یہ)
نیست کہ وہاں (دیوان) نظم میں جواب ملے گا۔ یہاں (دل) نثر میں"

"آغا۔ ہم شعرا مغز سخن و نتیجہ سخن تک فی الفور میرسیم! ہمارے
اُستاد (ازل) نے ہم کو مجبور نہیں بنایا۔ لنج۔ اپاہج نہیں کر دیا۔ شکر کہ از
مقدمات امور معلوم (ہمیشہ) بے نیاز و نجاتِ کلّی واز غلامی صغریٰ و
کبریٰ الحمدللہ آزادیم! ادراک ماہا (شعرا) بہ ان درجہ درست و رسا
کہ بلا استعانتِ دیگر قوتہائے دُنیا نتیجہ امرِ معلوم را بچشم زدن معلوم
میکنیم! کمیت ذہنِ رسا و تخیل ما شعرا واللہ از برق فزوں و تیز رفتار است!
ماہا تنبل (یعنی۔ بھدے) نیستیم کہ کار امروز را بفردا بگذاریم! ہم لوگوں
کو آغا جو امر یا مضمون پیش آیا بس بلا پیش و پس فوراً اُس کے
نتیجہ تک پہنچ گئے۔ و چونکہ ماہا تلامیذ الرحمٰن ہستیم بلا شک و شبہ وہ (وہ)
نتیجہ صحیح ہے (ہوگا) آغا! ارسطو نے ہم شعرا کے واسطے (ہرگز) نہیں
بلکہ برائے جہلا فن مکروہ منطق ترتیب دیا۔ ہم شعرا کا دماغ آغا اس سے
اعلیٰ وارفع ہے! منطق کہ برائے خر فہم ہاست۔ نہ برائے شعرائے
الٰہی نسل ما!!

"تو آغا در معاملاتِ خود قدرے فکر کردم۔ دماغ من از مشق و فکرِ
شعر و شاعری الحمدللہ تیار بودہ۔ یک مرتبہ ذہنِ رسائے من منتقل شدہ۔
واز قوتِ متخیلہ الہام نظیر خود معمائے زندگیِ خویش را حل کردم! ہش کرا!!
چہ طور آغا؟ ملاحظہ بفرمائید! حالا پنجہزار سکہ نقرہ دارم۔ مسوداتِ غزلیات
و قصائد و مثنوی (بے نظیر!) لیلیٰ و مجنوں را باید یک لاک جلد چاپ کردہ
بفرستم بہ ایرن (ایران) واز قیمتش ہر چہ گیرہ بہ آید خانۂ مختصر لاکن خوش وضع
و قشنگ و لایق فرزند نظام الملک بخرم در پاریس و آراستہ بکنم از اطرز
و وضع اُروپ و ملک ما۔ و بہ مانم در اُن خانہ بفراغت! و وجہ (روپیہ)
باقی ماندہ را جمع بکنم در بانکے معتبر و تنزیلش (منافع) کافی و وافیست
برائے حیات چندروزۂ طاہر عزلت پسند و قناعت گیر! آغا یک مرد
شاعر کو اس سے زیادہ اور چاہئے کیا؟ بس محتاج کسے نیستم۔ الحمدللہ
فرصت! (چٹکی بجا کر)۔ اُنجا با طمینان و فراغت کلّی نشستہ غلیان (حقہ)

لہ ذرا طنز اور چڑانا تو دیکھئے!

میکنم! واز شعر و شاعری خود جُبن (جہان) را متحیر و متعجب می سازم ایک قصیدۂ غرّا تصنیف کردہ بحضور اعلیحضرتِ شاہنشاہی تقدیم نمایم وانشاء اللہ ملقب بلقبِ ملک الشعراء می شوم!! چرا آغا؟ من آخر ہمرتبۂ فردوسی و قاآنی (کہ) نیستم؟! والدِ مرحوم ادیب الملک بود- من ادیب الممالک ام! عمر ما ہم کم نیست- شنیدہ ام کہ در ملکِ شما یک شاعرِ دہلوی[ل] در عمر نوزدہ[۱۹] سالگی خطابِ "ملک الشعرائی" یافت! ومن (ماشاءاللہ!) حالا سی سالہ شدہ چرا تمنائے ایں لقب و خطاب نکنم؟ مگر نہ بہ اُنجور (اُن طور)- لاحول وَلا- کہ چند ہوا خواہانِ یک نائب کونسل (سفیر) ما ہا (درہند) را (بجائے خود!) ملقب بہ..... ممالک بکنند و شہرت مید ہند کہ ایں خطاب دولت (گورنمنٹ) ما بخشیدہ! لاحول و لا! نہ- من بطور صحیح و درست انشاء اللہ لقب و خطابِ ملک الشعرائی را حاصل میکنم"!!

"نتیجۂ صحیح بود آغا- آفرن (آفریں) کردم بر دل و دماغ خویش و بعجلتِ تمام واپس آمدم بہ ہوتل! خیال میکنم کہ اطاقے کرایہ بکنم و اُنجا دو چار شب قرار گرفتہ بفراغت مسوداتِ خود را درست بکنم و ترتیب بدہم! خیر آقا- اطاقے لایق فرزندِ نظام الملک فی الفور گرفتم- حالا مالکِ پنجہزار سکۂ نقرہ ام- چرا صرف نکنم برائے آرام خودم (دارم- چرا نپوشم؟) شام قریب بود- بعجلت از عصر (نماز) فارغ شدم و بیرُن (بیروں) آمدہ طلب کردم کالسکہ (گاڑی) لَینڈو (لینڈو) سوار شدہ رفتم برائے گردش- ہوا خوری دو ساعت ہوائے تازہ خوردم- چار پنج سگار کشیدم- مفرّح و تازہ دم شدم- حکم دادم- برو واپس بہ ہوتل- آمدم منزل- پیادہ شدم (اُترے) کالسکہ چی (کوچبان) را پرسیدم- چہ قدر اجرت شد؟ عرض میکند- مسیو (آغا مسٹر) شہ پیرا (پونڈ)! خوب- تبسم کردم و چار طلا (پونڈ) بخشیدم و آمدم بہ اُطاق خود- شام

[ل] ملک الشعراء ذوق مرحوم-

از وو صرف کردم (ڈنر سویرے کھالیا) لباس شب خوابی پوشیدہ بہ آرام کرسی نشستہ سگار روشن کردم و مشغول شعر گفتن شدم"!!

"در ظرفِ دو ساعت آغا پنج شعر نظم کردم- حالا دو ساعت بہ نصف شب ماندہ و قدرے خستہ ہم شدہ تہیۂ خواب کردم- قدرے (ابھی) آنکھ لگی تھی آغا کہ یکایک یک آوازِ عجیب و مہیب پیدا شد- ہم آغا اپنے رخت خواب (بچھونا- بستر) پر اُچل گئے (اُچھل پڑے!) واللہ- گویا کسے میگوید "بکش قرم ساق را- بکش قرم ساق را"! آقا آپ خیال کر سکتے ہیں (کہ) اُس وقت ہمارا کیا عالم ہوا ہوگا- یقین کردم- واللہ کہ اُن زنِ طبیبک مالکہ حرامزادۂ منحوس کسے را فرستادست (فرستادہ است) برائے قتلِ ما- آغا طپانچہ ہمارا اُدور الماری میں بند تھا! خیلے دست پاچہ شدم- یک مرتبہ باز جُبن (ہماں) آواز می آید- بکش قرم ساق را- بکش قرم ساق را! آقا- حواسم رفت- بستر سے ہم نے جست کیا- الکتر (بجلی) روشن کردم- نوکر ہا را صدا زدم با آوازِ بلند (چیخے!)- ہمہ جمع شدند- ہم نے آغا سب کو یقین دلایا کہ اس اُطاق (کمرہ) میں یک بدمعاش چور داخل ہوا (گھسا!) ہے- وہ ہم کو قتل کرنا چاہتا ہے! نوکر ہا متحیر شدند- یک مرتبہ آواز می آید- بکش قرم ساق را- بکش قرم ساق را! ہمہ خائف و لرزاں (لرزاں) یکجا جمع شدہ و مثلِ چلپاسہ (چھپکلی!) بہ دیوار اُطاق چسپیدند (چمٹ گئے!) و آقا بندہ خود را زیرِ پلنگ پنہاں کردم!!

"آقا- اُس وقت دروازۂ اُطاق واشدہ بود- وود (وہ) آوازِ ہولناک اب بیرون سے یک مرتبہ آئی! ہمہ ساکت و بیحال- آقا- آوازِ نفس (سانس) ہم بند شد- واللہ! خیر- بعدِ چند دقیقہ آخر یک جوانِ رستم دل حواسِ خود را جمع آوردہ- ہمت کرد- و اپنا طپانچہ دست میں لیکر طرفِ آواز می تاخت (جھپٹا!)- خیر- ما ہم در عقب اُو افتاں و خیزاں می تاختند (دوڑے!) بیرونِ اُطاق آمدیم و الکترکِ روشن کردہ جستجوئے اُن قاتل و خونیٔ خبیث برپا شد!

یا للعجب! کسے نظر نمی آید! شاید رو پوش شدہ - مردم آمدند - غالباً فرار کرد! خیر - الحمد للہ - ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت!..... یکمرتبہ باز ہمُن (ہماں) آواز از قریب پیدا شد "بکُش قرم ساق را"! ہمہ نوکرہا صدا بلند کردند "ہمنجاست (ہماں جااست) ہمنجاست - پدر سگ - قرم ساق - قرم ساق - نامرد - نامرد! بہ آرید طپانچہ - بہ آرید طپانچہ! الکترکِ دیگر ہم روشن کردند - چار طرف نظرِ جستجو انداختیم - یا اللہ کسے را ندیدیم! مگر آقا دفعتہً ہماری نظر طرفِ دیوار جو گئی (پڑی!) چہ ملاحظہ کردم؟ واللہ دیدم کہ یک "طوطہ" سبزہ رنگ در پہلوے دیوار باطمینان و فراغت نشستست! (نشستہ است) گفتم بدل - یا اللہ این طوطہ، از کجا پیدا شد؟ یقیقینی (ہو نہو!) قاتلِ من از قسم "اجنہ" بود - حالا تغیر ہیئت و لباس دادہ در جامۂ "طوطہ" ہویدا شد! خوف تا حال غالب بود - نزدیک نرفتم - ہمہ متحیرانہ متوجہ شدند - یک مرتبہ اُن جانور گردنِ خود را قدرے جنبش دادہ و سرا بلند کردہ صدا میدہد "بکُش قرم ساق را"!! آقا - شناختم قاتلِ خود را! حواسم درست شد - نوکرہا خیلے خندیدند مرا ہم قدرے خندہ آمد! نوکرہا را انعام دادہ رخصت کردم"!!!

"اب آغا ہم تنہا ہیں - خدا بہتر میداند چرا باوجود اُن نفرتِ قلبی و جبلی کہ از جانوران (جانوراں) میدارم یک کشش قلبی از طرفِ آن "طوطہ" پیدا شد و رفتم باہستگی قریب! الحمد للہ - خیلے اہلی (پالتو) ست! ہیچ رم نمیکند! بسہولت گرفتم و متوجہ اُطاقِ خود دم کہ یک مرتبہ شنیدم یک آواز پُر لحن و گیرندہ و سبک و شیریں - کسے میگوید "مل گیا مل گیا مٹھو (مٹھوا) میرا مل گیا - اللہ شام سے ہم بیقرار تھے - مٹھو - آؤ - آؤ - دیکھو (دیکھوا) تمہارے بغیر ہم ابتک نہیں سوئے! آؤ مٹھو پیارے آؤ مٹھو پیارے"! آغا آواز بود یا برق - آغا اِن (ایں) صدا بود یا صدائے وادیِ ایمن! دل را باختم - متوجہ شدم بر آواز - اللہ اکبر! دیدم یک حورِ بہشتی (را) افگندہ گیسو یک طرف - زلفِ چلیپا یک طرف! اپنے دونوں دست (ہاتھوں) سے پلہ ہاے (پٹ) دروازۂ اُطاقِ خود را گرفتہ ایستادہ ہے! و از نظرِ جادو اثرِ خود ہماری طرف نگاہ (دیکھ) کر رہی ہے! آقا من ہم نگاہ میکردم (آقا ہم نے بھی اُس کو دیکھا!) نظر چار شد - اُف! مردُمکِ (دیدۂ) ما در چشمِ حیات بخشِ او - و مردمکِ نازنین وجُن (جان) پرورِ او در چشمِ پُر انتظارِ من جا گرفتند و یکدیگر را معانقہ و پذیرائی میکردند!!"

"آقا ہم کو کچھ بن نہیں آیا - باللہ العظیم فراموش کردم الفاظ را - حالا الکن ام - نہ - گنگ! دوبارہ دیدم و سر افگندم و سجدہ کردم - سجدۂ عبودیت! آقا وہ قریب آئی - و سرِ نیازِ من از دستہاے نازنین و سبک و شفقت آلودِ (خود) برداشت و مرا درست بہ نشانید! و از دستِ من اپنا مٹھو لیکر قدرے ایستادہ رہی - و فرمود "خدا حافظ شب بخیر - صبح ملیں گے"!! آقا - گویا تا حال در خواب بودم - یکایک بیدار شدہ ام - کسے نیست - کسے نیست! الٰہی - الٰہی - اِن (ایں) بیداریست یا خواب؟ کجا رفت - کجا رفت - قاتلِ منکہ - لا واللہ - جُن (جان) پرورِ من - نہ - حیات بخشِ من .....؟ یا اللہ - من شاید موسیٰ بودم و ان (ایں) وادیِ مقدس ست! یک صاعقہ دیدم و شنیدم چند کلمات شیریں و جُن (جان) بخش! سجدہ کردم و غش کردم ..... بہ ہوش آمدم و کسے نیست"!!

"آقا - کچھ نہیں معلوم ہم کب تک اُس حال میں (پڑے!) رہے - لباسِ شب خوابی پوشیدہ بودم - سردی معلوم ہوئی تو ناچار از اُن کوچۂ یار اپنے اُطاق میں گئے - دست و پایم سرد بود لاکن اندرون گرم مثلِ تپ کہنہ!..... خیر آغا ہم بستر پہ لی حال گرے - نیند کیسی - آرام کہاں کا - دل رخصت - جُن (جان) رخصت - ایمان رخصت! من ہوشیار و طالعم می خفت!..... الٰہی یہ کون بشر ہے؟ لا واللہ - حاش للہ ماہذا بشرا!..... واقعی اُن فرمود یا دلِ من آواز می داد (کہ) "خدا حافظ - شب بخیر - صبح ملیں گے"! مگر صبح کجا؟ حالا نصف شب شدہ - صبح دور - ما دور - دلِ من دور و روح من دور!..... بخیر! بخیر چرا گفت؟ معنی

بخیر چیست؟ دعا میگفت - دعا میداد! کس کو؟ ہم کو؟ نہیں - خود کو! ہاں درست! خدا بخیر بماند...! ہاں یہ شبِ دراز ختم ہو گی صبح آئیگی؟ ملیں گے - کس سے؟ ہا...! اس کی اُمید - اُمید - اُمید...! یہ کہتے کہتے آغا کا حال متغیر ہو گیا - کلیجہ کو کئی بار پکڑ پکڑ کر رہ گیا - آخر (غریب!) خود ہی حواس میں آیا - سنبھلا - اور نوکر کو تھرائی ہوئی آواز سے پکارا "بچہ یک چاے بدہ (ایک پیالی چاے) - گرم خوب گرم - زود - زود" نوکر چاے لایا - آغا صاحب کی (ماشاءاللہ) یہ چوتھی پیالی تھی! دو گھونٹ اُس کے جلد جلد (حلق سے) اُتارے اور پھر مجھے بغور دیکھکر "آغا ملاحظہ کردید - تا حال متاثرم - واللہ زندہ نیستم! ہاں آغا - جو دختر ہر شب باجنابِ شما اُس تالار (ہال) میں غذا نوش کرتی ہے - وہ کون ہے؟ حیف نظر - چشم بد دُور - ماشاءاللہ صاحب حسن است...! دو سہ بار ایشاں (ایشاں) را زیارت کردم - خیلے مانوس ست یا...! فرنگیست یا...؟ امشب ندیدم! مگر احوالش (الحمدللہ) خوبست؟ (جی تو اچھا ہے؟) چرا نہ آمدہ برائے غذا؟ از کجا آمدست (آمدہ است)؟ مسافرست یا محلی؟ وُہ ہے کون آغا؟ نامش چیست؟ شما کہ ہمدردِ من ہستید - آقاے من ہستید - غالباً تعارف (تکلف) از ما ندارید - نشاں" بدہید مرا...! "جواب" مجھے خود زیادہ حال نہیں معلوم - ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جس "بی بی" (لیڈی!) سے آپ کی یہ حالت ہوئی اُس کی ما لکہ (یا ملکہ!) وہی ہے! قریب تھا کہ آغا کے ہاتھ سے پیالی چھوٹ پڑے! تادیر غریب (پھر) سناٹے کے عالم میں ہو گیا - اور میں بھی چپکا ہی رہا!!

تقریباً دس منٹ بعد آغا نے پھر سلسلۂ کلام یوں شروع کیا - "ساعت چند ز دست؟ (کے بجے ہیں؟) معاف فرمائید - ظاہر گستاخ خیلے زحمت دادہ - آقا نہ معلوم کیوں یک کششِ قلبی آپ کے ساتھ ہو گئی ہے (توجہ عالی زیادہ!) دل ہمارا (ہی) چاہتا ہے کہ اپنا قصہ پر غم آپ کے حضور من وعن عرض کروں" (کردوں) "جواب" گیارہ میں کچھ باقی ہیں - ابھی سویرا ہے - گھبرایئے نہیں - میری نیند بھی آج اُڑی ہوئی ہے - اور آپ کے قصہ میں الگ دل لگا ہے! بسم اللہ - ہاں - تب - آخر چہ طور شب را بسر کردید؟

"ہاں آغا - عرض میکنم - ہم اُس وقت باللہ العظیم بی حواس تھے - یاد ندارم کہ چہ کردم و چہ شد! بعد قدرے جب سکون ہوا (تو) ہم نے اپنا دیوان نکالا و پکار پکار کر (چیخ چیخ کر!) باآوازِ بلند و لحن دار (گا گا کر!) غزلیات خود را خواندم (چیخ چیخ کر - گا گا کر اپنی غزلیں پڑھنا شروع کر دیں!) و بقیہ شب را ہمیں طور گزراندم! ظاہر بی چارہ بیدار و نہ معلوم آں فتنہ..... ہم بیدار است یا بخواب؟ صبح قریب بود آغا - ہم نے تہیہ نماز کیا اور سجدے میں جا کر اپنے اور.......... کے حق میں دعاے............ تادیر کرتے رہے"!! ہ

"پچھلے پہر اُٹھ اُٹھ کے نمازیں
ناک رگڑنی سجدوں پہ سجدے
جو نہیں جائز اُس کی دعائیں
اُف رے..... ہاے زمانے!"

(باقی دارد)

راسخ عظیم آبادی بلند پایہ شاعر اُستادِ وقت - میر و مرزا کے ہمعصر ہو گذرے ہیں - کلام بہت مقبول ہے - ایک جگہ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:-

"علائق سے آزادگی تھی میسر ۔ جنوں جن دنوں اپنا زنجیر پا تھا
نہ تھی فکر پوشش کی دیوانگی میں ۔ اس اندیشہ کو میں نے نہ کر رکھا تھا
نہ بالیں کی خواہش نہ بستر کی حسرت ۔ نہ پروا کلہ کی نہ شوق قبا تھا
فقط گرد کی تہ تھی پیراہن تن ۔ نہ کچھ اور پاس اپنے اس کے سوا تھا
کیا ہاے کیا تو نے اے ہوشیاری!
لباس اپنے تن پر وہی خوش نما تھا"

ملہ یہ دیکھیگا!

علم کی حد

[اس مضمون میں حد سائنس یا حد علم کی نسبت بحث کی گئی ہے۔ سائنس ایک جامع لاطینی لفظ ہے جس سے مراد ہے علم جو مشاہدات و تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔ اب سے پیشتر اس لفظ کا اطلاق صرف علوم طبیعیہ پر ہوا کرتا تھا۔ اور اب اس کی جامعیت کو اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ سارے علوم جو عقل انسانی کے نتائج ہیں اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ عربی میں سائنس کو علوم تجربیہ کہتے ہیں اور سنسکرت میں آنوشاستر کہتے ہیں۔ آر۔ راے کے دو مضامین "سائنس" و "علوم تجربیہ" کے نام سے نومبر و دسمبر گذشتہ کی اشاعت میں شایع ہو چکے ہیں۔ انھیں مضامین کا یہ ایک سلسلہ ہے۔ مسٹر موصوف نے اب کے اس امر کے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سائنس کی تحقیق و تدقیق اس قدر ناکافی ہے کہ غایر نظر ڈالنے پر بھی انسان اس کے ذریعہ سے کسی ایسے نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا جس کو قطعی قرار دیں۔ اور آخر اسی راے کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے عمر خیام اس رباعی میں ظاہر کر گیا ہے کہ "اجرام کہ ساکنان این ایوانند + اسباب تردد خردمندانند + ہان تا سر رشتۂ خرد گم نکنی + کانیشان کہ مدبرانند سرگردانند۔" اڈیٹر]

سائنس کی بحث کے ضمن میں یہ مذکور ہوا تھا۔ کہ وسیع ترین اور حقیقی معنی میں اس کا اطلاق اُن تمام علوم پر ہوتا ہے جو انسان نے نہایت قدیم زمانہ سے لیکر آج تک اپنی عقلی کدو کاوش اور ذہنی جدوجہد سے حاصل کئے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں مناسب سندیں پیش کر کے اسے مسلّم و واضح کیا گیا تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ "سائنس" "علم" کا مترادف ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اپنے اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

مبتدی اور منتہی کا عقلی رویہ

بیکن کا قول ہے۔ کہ جب انسان ابجد علم پر حاوی ہو جاتا ہے تو وہ اپنے کو منتہی اور "ہم چو من دیگرے نیست" سمجھتا ہے مگر جب اسے کسی خاص شعبۂ علم کی مہارت ہو جاتی ہے۔ تو وہ کہتا ہے "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد" اس وقت وہ کسی امر کی نسبت دعوی نہیں کرتا۔ غرور اور خود پسندی اس سے دُور ہو جاتی ہے۔ بیکن کے اس قول کے مخاطب اقلیم سائنس کے وہ نوخیز ہیں جو طبیعیات اور کیمسٹری کی پانچ سات نصابی کتابیں پڑھکر اپنے تئیں سائنس کا بڑا ماہر سمجھنے لگتے ہیں اور زمین و آسمان کے علوم کے مدعی بن بیٹھتے ہیں۔ فی زمانہ سائنس کی تحقیقات اور نتائج کو قطعی قرار دیکر تمام مسائل کی گتھی ان ہی کی وساطت سے سلجھائی جاتی ہے۔ کسی سچائی کی صحت اور عدم صحت کا تعین بھی اسی کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ جس امر کی نسبت سائنس شہادت دے اور اسے معقول قرار دے۔ وہ برحق اور قابل اعتبار۔ باقی سب لچر اور نامعقول۔ ایسے مدعیان ہمہ دانی اس درجہ عقل کے غلام ہیں۔ کہ خدا۔ آخرت۔ بقاے روح وغیرہ دینی عقائد کو بھی اسی معیار کے تابع کرتے ہیں۔ اور اس کی شہادت کی بنا کو صحیح اور واجب تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور گویا اسی کے اشاروں پر چلتے ہیں۔

سائنس اسرار عالم کی کلید اعظم نہیں

پروفیسر ہکسلے نے اپنی کتاب "مسائل متنازعہ" مطبوعہ ۱۸۹۲ء میں نقلی و اصلی سائنس کے موضوع پر بحث کی ہے جس میں یہ بتایا ہے۔ کہ اصلی سائنس کیا ہے اور نقلی یعنی جھوٹا علم کیا ہے۔ گو روئے سخن ہکسلے کا اہل دین کی طرف ہے مگر وہ اس کے ضمن میں سائنس کے مفہوم۔ مقصود۔ اور حد وسعت وغیرہ کو بھی واضح کرتا ہے۔ سائنس کے بڑے بڑے عالم اور محقق سائنس کی کوتاہیوں اور اُس کے بعض اہم مسائل کے حل کرنے کی ناقابلیت کا

فراخدلی سے اعتراف کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ محض سائنس کے نام پر مفتوں ہیں اور اس کے کسی شعبہ سے سطحی واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ اسے اسرار عالم کی کلید اعظم تصور کرکے اس کے افشا کے دعویدار ہیں۔ ہم یہاں پر یہ بتانے کی کوشش نہیں کرتے۔ کہ سائنس داں مذہب کے مسلمات کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کے لئے ایک جداگانہ مضمون درکار ہوگا۔ لیکن اس امر سے بحث کی جاتی ہے۔ کہ بعض بنیادی مسائل ایسے ہیں جنھیں سائنس آج تک حل کرنے میں قاصر رہا۔

سائنس کا مقصود یاد ہوگا کہ سائنس کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ اس کی حد وسعت موجودات عالم کی اصلیت معلوم کرنا ہے مزید برآں کارل پیئرسن کہتا ہے کہ "سائنس[1] کی تحقیقات کا میدان لامحدود ہے۔ اس کے مسائل جامع کی بھی انتہا نہیں ہے۔ موجودات عالم کا ہر نوع۔ تمدنی زندگی کا ہر ایک پہلو۔ موجودہ اور گذشتہ ارتقا کا ہر ایک مرحلہ سائنس کا تختۂ مشق ہے۔ سائنس کا موضوع تمام عالم مرئی کے پہلو بہ پہلو پایا جاتا ہے۔"

سائنس کی کمزوری

جرمن عالم ڈباے ریمنڈ کے خیالات دربارۂ مسائل لاینحل اس سلسلہ میں جرمن کے مشہور محقق ڈباے ریمنڈ نامی کے خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن کو اُس نے دوران تقریر میں ظاہر کئے تھے۔ اسی تقریر کی ابتدا میں اس نے کہا تھا کہ ان پرانی باتوں کے اعادہ سے شرم آتی ہے جن کی اصلیت سے بڑے بڑے عالم اور ارباب تحقیق واقف ہیں" اس تقریر میں اسنے سات مسائل کو مافوق الفہم اور لاینحل معمے قرار دیئے تھے۔ جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

ان مسائل میں سے سات بالخصوص قابل ذکر ہیں جن کو مافوق الفہم قرار دیتا ہوں کیونکہ ان کی حقیقت سے کماحقہ آگاہی حاصل کرنا میری عقل سے باہر ہے۔

مادہ اور قوت (۱) مادّہ اور قوت کی ماہیت کا معمہ درجۂ اول پر ہے انسان کا علم اور تحقیقات اس منزل پر ختم ہوگئی ہے۔ یہ اس کی عقل سے باہر ہے۔ سائنس کی ترقی یہاں پر بیکار ثابت ہوئی ہے اور نہ آئندہ اس کے توسط سے کوئی اہم نتیجہ نکلے گا۔ بڑے بڑے عالموں کی دانست اور عقل بھی کچھ نہ کرسکے گی۔ آخر کار ہم کو اپنی حکمت کی انتہا تسلیم کرنا پڑے گی۔

حرکت (۲) حرکت کی ابتدا۔ حرکت پیدا اور فنا ہوتی ہے۔ اگر ہم موجودات کی ابتدائی حالت پر غور کریں۔ تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ ہیولی شروع میں ساکن اور ہر جگہ محیط تھا۔ پس میں پہلے پہل کس طرح حرکت پیدا ہوئی تھی۔ ہم اس کی بابت کچھ نہیں جانتے۔ اگر کوئی مافوق العادت وجہ قرار دی جائے۔ تو وہ ہمارے سائنس کے موجودہ خیال و نظریہ تحقیق کے بالکل خلاف ہے۔ ایک اور نظریہ قایم ہوسکتا ہے کہ ہیولی ازل سے متحرک تھا اور ابد تک چلا جائے گا۔ اس حالت میں ہمیں اپنی عقل کو خیرباد کہنا پڑے گا۔

آغاز حیات (۳) آغاز حیات۔ یعنی جان کس طرح معرض وجود میں آئی۔ اگر ہم مادہ کی حرکت دائمی مان لیں۔ تو پھر یہ معمہ بآسانی حل ہوسکتا ہے۔ یعنی مادہ کی حرکت سے رفتہ رفتہ اس کی مختلف صورتیں قایم ہوگئیں۔ حرارت کے اخراج سے اجسام وجود پذیر ہوئے اور پھر اس کی بعض صورتوں میں ایک نئی حرکت آپ سے آپ پیدا ہوگئی۔ اور اس طرح جاندار وجود میں آئے۔ یا اس کے برخلاف دینی خیال ماننا پڑے گا۔ کہ ایک مافوق الطبع ہستی کے اشارہ سے جان کی ابتدا ہوئی ہے۔ ان دو صورتوں کے سوا اور کوئی صورت اس کے سلجھاؤ کی ممکنات میں سے نظر نہیں آتی۔

موجودات عالم کی آخری صورت (۴) کائنات کی آخری شکل یا صورت کیا ہوگی ڈارون نے اس سے گریز کرنے کا ایک طریقہ

[1] ماخوذ از گرامر آف سائنس مرتبہ کارل پیئرسن مطبوعہ ۱۹۱۱ء

انتخاب طبعی کا عمل قرار دیا ہے - مگر یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے۔ سردست
اس مسئلہ کو حل کرنا آسان نہیں ہے۔ گو کچھ عرصہ کے بعد اس کی تحلیل
ممکن الوقوع ہے۔

حاسہ یا شعور | (۵) شعور کا مسئلہ بھی لاینحل ہے - میرے دماغ
کے اندر خاص ذرّوں کی خاص حرکات - اور میرے احساس رنج
و راحت کے مابین کیا علاقہ ہے - مجھے سردی و گرمی کا احساس ہوتا
ہے - ایک چیز مجھے میٹھی لگتی ہے اور دوسری تلخ - پھول کی خوشبو
میرے دل کو مفرح کرتی ہے - باجے کی آواز - اور مختلف رنگوں کا
میری طبیعت کو احساس ہوتا ہے - میں جانتا ہوں کہ میں جیتا
ہوں اور انسان ہوں - میں بندر - گدھے - نباتات سے بالکل
نرالا ہوں - یہ ساری مختلف کیفیتیں کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ اور ان
کا دماغ کے اندرونی ذرّوں کی حرکتوں سے کیا لگاؤ ہے - یہ تو
سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کاربن - ہائیڈروجن - نائٹروجن - آکسیجن -
کے ذرّوں کے مجموعہ میں کیسی حرکتیں پیدا ہوتی ہیں جن کی وجہ سے
شعور پیدا ہوتا ہے - اور میں اپنے اندر باہر - ارد گرد کی چیزوں
کا علم حاصل کرتا ہوں - یا ہر ایک ذرہ بجائے خود شعور سے پُر
ہے؟ اس سے بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

قوت متخیلہ | (۶) قوت متخیلہ - یہ بھی اسی قسم کا مسئلہ ہے - ہمارے
دل میں خیالات کیونکر پیدا ہوتے ہیں - قوت گویائی کس طرح
وجود پذیر ہوئی - ہمیں اس کی حقیقت آج تک معلوم نہیں ہے۔

فعل مختاری | (۷) اس کے ساتھ ملتا جلتا ساتواں مسئلہ ارادت
یعنی فعل مختاری کا ہے - اس کے تعلق میں ڈوبائے ریمنڈ لائب نٹس
وغیرہ کے خیالات پیش کر کے کہتا ہے - یہ معمہ فوراً حل ہو جاتا ہے -
جب ہم یہ مان لیتے ہیں - کہ انسان اپنے افعال و اعمال کا مختار و
مالک نہیں ہے - بلکہ اس کی تمام حرکات کسی اور قوت کے عمل
سے سرزد ہوتی ہیں - اُس نے ان مسائل پر بحث کر کے اسی تقریر
کے خاتمہ پر یہ کہا ہے کہ ہمارا علم طبعی دو حدود کے اندر واقع ہے -
اوّل ہم قوت اور مادّہ کی ماہیت سمجھنے میں قاصر ہیں - دوم ذرّوں
کے مجموعہ سے عقل و احساس کیونکر پیدا ہوتے ہیں - اس کی ماہیت
بیان کرنے میں ہم لاچار ہیں - ان حدود کے اندر ماہرین سائنس
ترکیب و ترتیب لگانے پر قادر ہیں - لیکن اس کے باہر وہ لاچار
و مجبور ہیں -

ہستی کا اصل اصول عقل سے بعید ہے | ڈوبائے ریمنڈ نے اپنے سات معمے پیش کر دیئے جو
اس کی رائے میں انسان کی عقل و فہم سے
باہر ہیں - مگر اس نے ایک معمہ کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے - جو ہستی
کی تہ میں ہے - اور جس سے وہ محدود و مشروط ہے - اور اس کا
سُلجھاؤ یا اس کا تذکرہ نہایت ضروری ہے - کیونکہ اس کے بغیر
ہمارے علم کی عمارت مستحکم بنیادوں پر قایم نہیں ہو سکتی - ہماری
مراد مکان و زمان اور ہندسہ سے ہے - موجودات کا وجود زمان
سے ہے - اور کوئی شے ظرف سے باہر نہیں رہ سکتی - انسان کے
تمام تخیلات اس سچائی پر مبنی ہیں کہ ایک مساوی ایک کے اور
ایک اور ایک ملکر دو بنتے ہیں - ہمارے جملہ خیالات اسی اصول
کے تابع رہتے ہیں -

عالمان مابعدالطبعی کا نظریہ | عالمان مابعدالطبیعیات کا ایک گروہ ایسا بھی
ہے - جو ظرف - زمان - اور ہندسہ کے جداگانہ وجود کا قائل
نہیں ہے بلکہ انہیں معنوی کیفیتیں سمجھتا ہے - اس فرقہ کے
حکیموں کا یہ قیاس ہے - کہ یہ تینوں ہمارے تصوّر سے وجود حاصل
کرتے ہیں اور عالم بھی محض موجود ذہنی ہے - جرمنی کا نامور عالم
شاؤپن ہاور اس گروہ کا مقتدا ہے - ہم اس فرقہ کے حکما کے
خیالات اور طریقہ استدلال پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتے - کیونکہ مضمون

طول ہوجائے گا اور اصل بحث رہ جائے گی۔ اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ بشپ برکلے صاحب بھی اسی گروہ کے نامی فیلسوف تھے جنھوں نے مادہ کے وجود خارج از ذہن ہونے سے انکار کیا۔ ان کے خیال کے مطابق انقلاب ارض وسما اور طبقات ارضیہ کی ترکیب ایسے عملوں کے نتیجے ہیں جن کا کبھی وجود ہی نہیں ہوا ہے۔ یہ بڑے بڑے پہاڑ جنھیں آپ بارہا دیکھ چکے ہیں۔ اور پہاڑیاں اور شاندار ہمالیہ بھی کسی قدرتی عمل سے وجود میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا وجود نرا خیال اور ایک نام ہے جو حقیقت سے ناآشنا ہے۔ ایسے عالموں کی تعداد کثیر ہے۔ جو یہ مانتے ہیں۔ کہ عالم مرئی وجود خارجی ہے اور ایک حقیقی شے ہے۔ حواس خمسہ اس کے وجود پر شاہد ہیں۔ ہم فلسفہ کے اس پہلو کا مفصل ذکر فلسفہ کے مضامین میں کریں گے سردست اس کے اس پہلو پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو سائنس و تحقیق سے متعلق ہے۔

زمان کا مسئلہ زمان یا وقت کے بارہ میں عالم و جاہل دونوں معقول تجربہ رکھتے ہیں۔ زندگی کے تمام کاروبار اسی کے محکوم ہیں۔ صدی۔ سال۔ مہینہ ہفتہ۔ رات۔ دن۔ گھڑی۔ پل وغیرہ وقت کے اجزا ہیں۔ جو زمانی حالات پر حاوی ہیں۔ وقت کی رو کے ساتھ ہم سب چلے جاتے ہیں۔ چاہے ہم خوشی سے جائیں یا مجبوری سے۔ ہم اسی میں پیدا ہوتے۔ اسی میں پرورش پاتے۔ اس میں رہتے۔ چلتے۔ پھرتے۔ اور زندگی بسر کرتے ہیں۔ آخر کار اسی میں غائب ہوجاتے ہیں۔ گویا ہم ننھی مچھلیاں ہیں۔ جو بحر زمان میں وجود پذیر ہو کر نہنگ وقت کا لقمہ ہو جاتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں بتا سکتا کہ زمان کیا ہے اس کی اصلیت اور نوعیت بڑے بڑے عالم اور فلاسفر بھی نہیں سمجھا سکتے۔ افلاطوں قدیم زمانہ میں۔ ہربرٹ اسپنسر بیسویں صدی میں اس کی توجیہ کرنے میں اپنی عقل و دانست کی صدا مانتا ہے۔ جیسا اس کی مشہور تصنیف اصول اولیہ میں مذکور ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ہمارے حساب میں وقت کا سب سے ادنی جزو سکنڈ ہے۔ مگر دراصل یہ کتنا بڑا ہے۔ اس کی لمبائی کتنی ہے۔ ہم نہیں بتا سکتے اس کی بابت بھی ہمارے خیالات اور تصورات ہیں۔ جیسے اور چیزوں کی نسبت ہیں۔ اعصاب کے وسیلہ سے برق کی سرعت کے ساتھ احساس بھی ہوتا ہے۔ اور خارجی شے کا بھی دماغ کو احساس ہوتا ہے۔ لیکن ایک سکنڈ میں دس مختلف چیزوں کا علم ہونا دشوار ہے۔ اگر ہمارے تخیلات بھی ایسے ہی تیز ہوتے۔ جیسے ہیدروجن کے ذرے ہوتے ہیں تو کائنات ہمارے ذہن کو مردہ اور بے جان معلوم ہونے لگتی۔ اگر ہم کوئی ایسے انسان تصور کرسکیں جن کے ذہن بہت ادنی اور نہایت سست ہیں۔ جس کی وجہ سے ہماری صدی ان کے نزدیک پانچ منٹ سے زیادہ نہ ہوتی تو یہ عالم ان کے لئے کارخانے کے انجن کی طرح نہایت سرعت سے متحرک معلوم ہوتا۔ اور انھیں کسی چیز کے وجود کا علم نہ ہوتا۔ بایں ہمہ قاعدہ زمان مروج ہے۔ جو فلک پر نقش ہے اور چاند سورج اس کے نشان ہیں۔ دمدار تارہ سے لیکر سحاب سماوی تک یہ تقویم اپنے وجود میں لئے ہوئے ہے۔ بڑ اور پیپل کے تخم نہایت ننھے ہوتے ہیں مگر ان کے وجود کا قیام بھی مقرر ہے۔ اور ان پر کندہ ہے۔ الغرض تمام ہستیاں زمان سے وجود پذیر ہوتی ہیں۔ اور پھر اسی میں معدوم ہوجاتی ہیں۔ مگر انسان زمان کی حقیقت کے راز کو افشا نہیں کرسکتا۔ کہ اس کی ابتدا کب سے ہے اور اس کی انتہا کہاں ہوگی۔

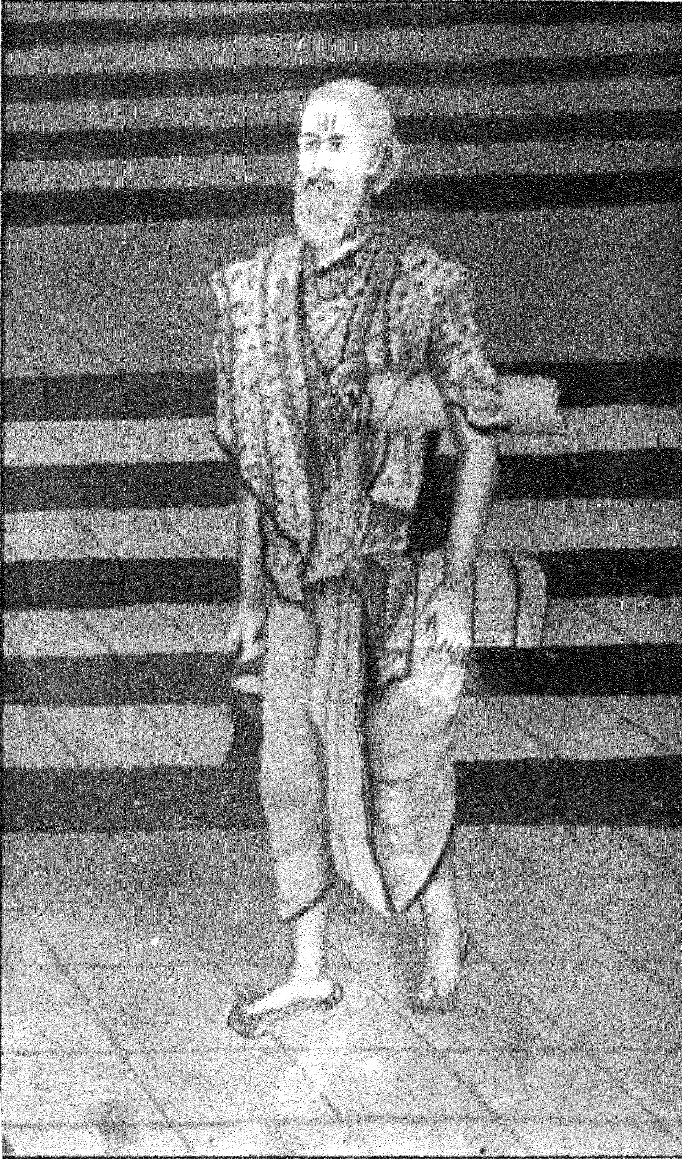
ظرف کا معمہ ظرف کا راز بھی زمان کی طرح راز سربستہ ہے۔ اگر ان دونوں کو توام قرار دیا جائے۔ تو بہت اچھا ہوگا۔ کیا ظرف کی

کہیں حد ہے؟ یہ کہاں سے کہاں تک پھیلتا ہے؟ ظرف مادہ کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ "خلا محال ہے"۔ تو کیا اس کے ساتھ مادہ بھی غیر محدود ہے؟ اگر ظرف اس سے خالی ہو۔ تو ہمیں اپنی حرکت کا کیسے اندازہ ہو! اس کے بغیر "یہاں" اور "وہاں" کا تمیز کیسے ہو؟ حرکت اور مقدار کا قیاس کیسے ٹھیک ہو؟ طول و عرض کا تعین ہم اپنے قد و قامت۔ انگل۔ بالشت۔ ہاتھ وغیرہ سے کرتے ہیں۔ لیکن سچ پوچھو۔ تو ہمارا قد ہی کیا ہے۔ اگر ہم کسی ننھے سیارہ کے نزدیک چلے جائیں جو چار پانچ سوا سٹرانڈ کے فاصلہ پر ہماری زمین سے قریب ہی گردش کرتے ہیں وہاں پر ہم دیو بن جائیں گے۔ برعکس اس کے سطح آفتاب پر سے ہم چیونٹی کی طرح ایک ذرہ دکھائی دیتے ہیں۔ اگر مجھے ایسی خوردبین سے دیکھا جائے جس کی قوت معمولی خوردبینوں سے پچیس ہزار گنا زائد ہو۔ تو ہم ایک بیس پچیس میل کے ایک طویل دیو نظر آئیں گے۔ لیکن پھر بھی محقق کیمیا کا اطمینان اس اندازہ سے نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مجھے بجائے خویش ایک نظام شمسی تصور کرتا ہے۔ جو خوفناک سرعت کے ساتھ گردش کر رہا ہو۔ کیمسٹری کے عالم یہ کہتے ہیں۔ کہ انسان عالم صغیر ہے۔ جس کے اندر دنیاؤں کے بننے بگڑنے کا وہی سلسلہ جاری ہے جو عالم میں مروج ہے ہمارے اندر متضاد قوتوں کا عمل ہر وقت جاری ہے۔ ایک سے ذروں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔ ادھر ایک حصہ بگڑتا ہے اُدھر دوسرا بنتا ہے۔ الغرض ظرف کے بغیر موجودات کی ہستی محال ہے۔ حرکت کا کوئی تعین نہیں ہوسکتا۔ عالم مرئی کا وجود مکان کے باہر نا ممکن ہے لیکن ظرف کیا ہے۔ حادث ہے یا قدیم؟ اس کی کیا ماہیت ہے؟ سائنس یا جسے علم انسانی کہنا بجا ہوگا۔ اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکتا۔

ہندسہ کا عقد بھی حل نہیں ہوسکتا

ہندسہ یا شمار تیسرا راز ہے۔ جس کی گتھی انسان اپنے تمام علم و عقل کے وسیلہ سے آج تک سلجھانے میں کامیاب نہیں ہوا ہے تخیل اس کے بغیر بیکار ہے۔ ہستی کی لازمی شرط بھی شمار یا ہندسہ ہی ہے۔ عالم کے وجود کی شرط لازمی اسی سے وابستہ ہے۔ ایک مساوی ایک کے ہے۔ دو کو دو سے ضرب دو تو چار ہو جاتے ہیں۔ یہ بات تو محض معمولی ہے۔ جسے مدرسہ کے چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں۔ اگرچہ اس کی اصلیت اور چون و چرا سے کوئی بھی واقف نہیں۔ بلکہ یہ امر وہم و گمان سے باہر ہے۔ شمار زمین سے لیکر آسمان کے بعید ترین ستاروں تک حاوی ہے۔ تخیل اس کی انتہا تک پہنچنے سے گھبراتا ہے۔ گو علما نے ہندسہ کا انتہائی درجہ ظاہر کرنے کے لئے اعداد مقرر کر رکھے ہیں۔ اور ان سے اشیاء کی مقدار کا تعین کیا جاتا ہے۔ مگر اس کی اصلیت کا معمہ بڑا سے بڑا حکیم بھی حل نہ کر سکا۔ فیثاغورس نے اسے مبداء عالم قرار دیا تھا۔ اس سے اتنا تو ظاہر ہوتا ہے کہ شمار کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔ سیکڑوں کے ہندسوں میں بڑے سے بڑا شمار (۹۹۹) ظاہر ہوسکتا ہے۔ اس کی کیا قدرت ہے۔ مقدار و شمار کے کیسے کیسے احتمالات اس میں مخفی ہیں۔ اب انھیں ہندسوں کو ذرا بدل کر رکھئے - ۹^۹^۹ [1] - اس کا مطلب یہ ہے کہ نو کی قوت کو نا لوے سے آپس میں ضرب دی گئی ہے اور اس کے حاصل ضرب کے لئے دنیا بھر کی گنتی کے اعداد کافی نہ ہوں گے۔ آپ نو کو نو

[1] یہ خیالات جرمن پروفیسر بٹلکس کی ایک تصنیف سے منقول ہیں۔ ۹^۹ کی اصل گنتی ظاہر کرنے کے لئے پہلے نوے درجے یا صفر درکار رہوں گے۔ اس کے بعد ان تینوں ہندسوں کو لکھنا پڑے گا۔ یا یہ کہنا بجا ہوگا کہ نو کو نو سے ضرب دو پھر حاصل ضرب کو نو سے ضرب دو۔ علی ہذا ننا نوے مرتبہ ایک دوسرے کے حاصل ضرب کو بڑھاؤ جو آخری نتیجہ ہوگا۔ اسے حساب کے تمام ہندسے ظاہر نہیں کر سکتے۔



گوسائیں تلسی داس جی

انڈین پریس الہ آباد

سے ننانوے درجہ تک ضرب دیتے چلے جائیے - اخیر میں جو نتیجہ ضرب برآمد ہوگا، وہ حساب و شمار سے ہزاروں کوس دور ہوگا۔ ایک اور مثال لیجئے، وہ یہ (۹۹۹) ہے گویا اوپر کے ہندسہ میں صرف ایک خط وحدانی بڑھایا گیا ہے - اب ان تینوں کی قوت پہلے سے لاکھوں کروڑ گُنا بڑھ گئی ہے گویا بارود اور دیگر بھک سے اُڑ جانے والے مصالح کی میگزین میں چنگاری ڈال دی گئی ہے - جس سے اس ڈھیر کی قوت مجہول کروڑوں ارب گُنا بڑھ گئی ہے - اس سے انسان کی عقل چکرا جاتی ہے - اور ذہن لڑکھڑا جاتا ہے - اس ہندسہ کی قوت ظاہر کرنے کے لئے سینتیس کروڑ صفروں کی ضرورت ہوگی - اور اگر یہ صفر معمولی حرفوں میں لکھے جائیں، تو دہلی سے پشاور تک (چھ سو میل سے زائد فاصلہ تک) ایک خط پہنچ جائے گا - دُنیا کی کوئی زبان اس کے لئے کافی الفاظ ہم نہیں پہنچا سکتی اور اگر ایک دو تین سے گننے لگو تو لاکھوں برس کا عرصہ درکار ہوگا - اس شمار کا ادنیٰ ترین جزو بھی لاتناہی ہے - دائرہ اور اس کے قطر کے متعلق کو ۱/۷ ۳ سے ظاہر کیا جاتا ہے - اس کے کسور اعشاریہ کو جتنا چاہو بڑھا لو - اس کا سلسلہ کبھی ختم[لہ] نہیں ہوگا - ابدیت بھی اس کی انتہا ظاہر کرنے میں لاچار ہے - شمار کی بابت جو خیال ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ ننھے ننھے ذرّوں کی صورت میں ہوتا ہے - اور وہ بتدریج ایسی وسعت اختیار کرتے ہیں، کہ ہماری عقل کی اُپج سے باہر چلے جاتے ہیں - یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ انسان کی عقل اور اس کا علم نہایت محدود ہے - اور یہ کہ ہم سچے اور کامل علم کے ابجد سے بھی آشنا نہیں ہیں -

جے - آر - رائے

تُلسی داس

[جہاں ہندوستان نے بڑے بڑے رہنما، مہاتما، دیوتا، رشی، منی، راجہ، مہاراجہ پیدا کئے ہیں وہاں ایسے ایسے شعرا بھی ہو گذرے ہیں جو صرف اپنے زمانہ کے مجتہد ہی نہ ہوئے بلکہ ان کی تصانیف سے اچھے اچھے فرید العصر نامور ہوتے گئے - اگرچہ زمانہ بہت بدل گیا اور اس کے ہاتھوں تمدن ہند پر تباہی آچکی ہے - پھر بھی والمیک جیسے فردوسیِ ہند - ملک الشعرا کالی داس جیسے شیکسپیرِ زمانہ - چند کوی جیسے انوری عہد اور کبیر داس جیسے مصلح کے نام اب تک تعظیم کے ساتھ لئے جاتے ہیں - اسی مردم خیز ہندوستان سے بابا سور داس و بابا تُلسی داس جیسے یکتائے روزگار شعرا بھی اُٹھے ہیں - جن کے کلام آج بھی ہندوستان کے خطہ خطہ میں زبان زد ہو رہے ہیں تُلسی جسے یہاں - بالنگو یا نیاز بو بھی کہتے ہیں اصل میں ایک پودے کا نام ہے جو ہندوؤں کے یہاں نہایت متبرک سمجھا جاتا ہے - اس لئے کہ سری کرشن جی کی معشوقہ کا یہی نام تھا جس کو اُنھوں نے تُلسی کا پودا بنا دیا تھا - بابا تُلسی داس قوم کے برہمن اور فقیر منش بزرگ تھے - بڑے پایہ کے پنڈت اور شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں - اُنھوں نے رامائن کو سنسکرت سے بھاشا میں اس طرح ترجمہ کیا کہ وہ لاثانی کتاب مقبول خاص و عام ہوگئی -

---

لہ کسر اعشاریہ میں ۱/۷ ۳ قطر اور دائرہ کی نسبت باہمی کا جو اندازہ ظاہر کرتا ہے - اس کا شمار یوں ہے
۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵۳۵۸۹۷۹۳۲۳۸۴۶۲۶۴۳۳۸۳۲۷۹۵۰۲۸۸۴۱۹۷۱۶۹۳۹۹...
اسے جہاں تک بڑھا لو - مگر اس کا خاتمہ نہیں ہوگا - ان ہندسوں کے گننے میں جتنا وقت درکار ہوگا اس سے آپ بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں - کہ سینتیس کروڑ صفروں کے ہندسہ کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوگا -

عربی و فارسی کا اثر ان کی زبان میں بھی پایا جاتا ہے۔ ان کے مختصر حالات جو دریافت ہو سکے ذیل کے عنوان میں بیان کئے گئے ہیں۔ اڈیٹر]

سال و مقام پیدائش شاید ہی کوئی ہندی جاننے والا ہوگا جو گوسائیں تلسی داس جی کا نام نہ جانتا ہو یا ان کے رامائن سے آشنا نہ ہو۔ گوسائیں جی کی پیدایش کی کوئی قطعی تاریخ یا سال بتایا نہیں گیا ہے مگر پنڈت رام غلام دوبے نے لکھا ہے کہ غالباً سمت ۱۵۸۹ (مطابق ۱۵۳۲ء) میں وہ پیدا ہوئے تھے۔ ڈاکٹر گریرسن بھی اسی کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس لئے قابل وثوق بھی یہ ہی سنہ ہے[1]۔

ان کے مقام پیدایش کا بھی ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ کسی کا قول ہے کہ یہ مقام تاری میں پیدا ہوئے۔ کوئی ہستنا پور بتاتا ہے۔ کوئی چتر کوٹ۔ کوئی حاجی پور۔ اور کوئی راجہ پور ضلع باندہ کہتا ہے۔ ان میں کوئی صاحب تاری کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کوئی راجہ پور کو اور قرین قیاس بھی یہی ہے کیونکہ پنڈت رام غلام دوبے کے علاوہ بابو شیو سنگھ نے بھی شیو سنگھ سروج میں راجہ پور ہی لکھا ہے اور وہاں گوسائیں جی کے مکان وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں نیز رامائن کی زبان بھی اسی طرف کی معلوم ہوتی ہے[2]۔

قوم گوسائیں جی برہمن تھے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کون برہمن تھے۔ کوئی قنوجیہ کہتا ہے اور کوئی سرجو پاری۔ راجہ پرتاب سنگھ نے اپنی کتاب میں قنوجیہ لکھا ہے۔ اور بابو شیو سنگھ سرجو پاری بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر گریرسن اور پنڈت رام غلام نے بھی سرجو پاری ہی لکھا ہے[3]۔

والدین سے جدائی تلسی داس کے ماں باپ کا نام کسی کتاب میں لکھا ہوا نہیں پایا جاتا لیکن کہا جاتا ہے کہ اُن کے والد آتمارام دوبے کے نام سے مشہور تھے۔ اور اُن کی والدہ تلسی کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ ڈاکٹر گریرسن کا یہ خیال ہے کہ گوسائیں جی مُول نچھتر[4] میں پیدا ہونے کی وجہ سے ماں باپ سے علیحدہ کئے گئے۔ ممکن ہے کہ پیدا ہوتے ہی یا ان کے بچپن کے زمانہ میں ان کے ماں باپ مر گئے ہوں۔ اور یہ امر قرین قیاس ہے۔ بہر حال گوسائیں جی ہمیشہ فقیروں کے ساتھ سیاحی میں رہتے تھے جس کا تذکرہ جا بجا وہ اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ ان کے مفصل حالات کسی کو نہ مل سکے۔ اگر کسی نے قلمبند کرنے کا خیال بھی کیا ہو تو کیونکر ان کے حالات اُس کو مل سکتے تھے۔ ان کا حال تو بعینہ یہ تھا کہ ؎

ایک جا رہتے نہیں عاشق ناکام کہیں   دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

بھر گو آشرم کا سفر سادھوؤں کے ساتھ رہتے رہتے اور اپنی ریاضت سے گوسائیں جی اچھے فقیر ہو گئے۔ ایک مرتبہ سفر کرتے ہوئے بھر گو آشرم پہنچے۔ لوگوں کی دعوتیں قبول کرتے ہوئے وہاں سے اور آگے بڑھے۔ ایک گانوں میں اُنھیں منگرو اہیر ملا۔ اُس نے ایک گوسالا ایسا بنایا تھا جس میں اکثر سادھو اور مہاتما آکر ٹھہرتے تھے۔ منگرو نے گوسائیں جی کی دعوت کی اور کچھ دودھ لاکر نذر کیا۔ گوسائیں جی نے اُس کا کھیر تیار کیا اور خوب مزے لے کر کھایا۔ خوش ہو کر منگرو

---

[1] کتاب شیو سنگھ سروج میں لکھا ہے کہ تلسی داس سمت ۱۵۸۳ (مطابق ۱۵۲۶ء) میں پیدا ہوئے۔ اور پروفیسر آزاد آبحیات میں فرماتے ہیں کہ تلسی داس سترھویں صدی عیسوی میں تھے۔ لیکن پنڈت رام غلام دوبے نے اس بارہ میں بڑی تحقیقات کی ہے۔ اس لئے وہی سند مانے جا سکتے ہیں۔ اڈیٹر

[2] آبحیات میں لکھا ہے کہ بابا تلسی داس ضلع باندہ کے رہنے والے تھے۔ اڈیٹر

[3] اور یہی ماننے کے قابل بھی ہے۔ راجہ پور میں قنوجیہ برہمن میں بھی کمیاب اور سرجو پاری بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اڈیٹر

[4] مُول نچھتر انیسویں نچھتر کو کہتے ہیں جو نہایت منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اور گیارہ تاروں کا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بچہ اس نچھتر کے وقت پیدا ہو تو ہندوؤں کے نزدیک اُس کے باپ کو چاہئے کہ بارہ برس تک بچہ کا مُنہ نہ دیکھے۔ اگرچہ کسی زمانہ میں رواج ہو لیکن گریرسن صاحب کے قول کو بشریت تسلیم کرنے نہیں دیتی تلسی داس جیسے خوش نصیب کی پیدایش کو مول نچھتر میں محض قیاسی طور پر قرار دینا عقل سے بعید ہے ممکن ہے کہ والدین سے جدائی کے اور اسباب ظہور میں آئے ہوں۔ اڈیٹر

سے کہنے لگے کہ "جو کچھ مانگنا ہو مانگ" منگرو نے دست بستہ عرض کی کہ "میرا دل پرمیشور کی طرف رجوع ہو۔ اور خاندان کی ترقی ہو" گوشائیں جی نے کہا اگر تم اور تمہارے خاندان کے لوگ چوری نہ کریں گے اور کسی کو ایذا اور تکلیف نہ پہنچائیں گے تو ایسا ہی ہوگا۔ کہتے ہیں کہ یہ دعا گوشائیں جی کی قبول ہوئی۔ منگرو کا خاندان چوری وایذارسانی سے تائب ہوگیا۔ بلیا اور شاہ آباد میں اب تک اُس کا خاندان سادھوؤں کی مہمان نوازی کے لئے مشہور ہے۔

شادی اور اولاد ان کی شادی دین بندھو پاٹھک کی لڑکی مساۃ رتناولی سے ہوئی تھی جس سے تارک نام ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو بچپن ہی میں مرگیا۔ گوشائیں جی اپنی بیوی سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ بغیر اطلاع وہ اپنے میکے چلی گئی۔ گوشائیں جی اُس کی مفارقت گوارہ نہ کرسکے اور سسرال چلے گئے۔ ایک روز ان کی بیوی کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا کہ بہت متاثر ہوئے اور دُنیاوی بکھیڑوں سے مُنہ موڑ کر فقیرانہ لباس پہنا۔ اور پھر سیاحی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ بنارس اور اجودھیا کے سوا متھرا۔ برندابن۔ چترکوٹ۔ پُری جگناتھ وغیرہ وغیرہ جگہوں میں اکثر جایا کرتے تھے۔

ایک مدت کے بعد ضعیفی میں گوشائیں جی چترکوٹ سے واپس آئے تو حُسنِ اتفاق سے سسرال میں ٹھہر گئے۔ اُن کی بیوی بھی ضعیف ہوگئی تھیں۔ پہلے پہچان نہ سکیں۔ اور ثواب حاصل کرنے کے لئے گوشائیں جی کی تواضع وتکریم میں مصروف ہوگئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اُنھوں نے پہچان لیا کہ یہ میرے خاوند ہیں۔ اور محض انجان بنکر گوشائیں جی کے پاؤں دھونے بڑھیں۔ لیکن گوشائیں جی نے منع کیا اور پاؤں نہیں دھلوایا۔ اُن کی بیوی تمام رات غور و خوض کرنے کے بعد اپنے کو ظاہر کرکے گوشائیں جی سے کہنے لگیں کہ "اگر لونڈی کو بھی آپ اپنے ہمراہ رکھتے تو آپ کی خدمت میں یہ تھوڑی سی زندگی خوشی وخرمی کے ساتھ گذر جاتی" مگر گوشائیں جی نے نامنظور کیا۔

گوشائیں جی کے قیام کی جگہیں شروع شروع گوشائیں اجودھیا جی میں آکر مقیم ہوئے۔ اُن کے کلام سے چترکوٹ میں بھی رہنا ثابت ہوتا ہے۔ مگر زیادہ تر وہ بنارس ہی میں رہا کرتے تھے اور اخیر وقت تک بنارس ہی میں رہے یہاں چار مقام اُن کے رہنے کے مخصوص تھے۔

(۱) اسی پر (۲) گوپال مندر (۳) پرہلاد گھاٹ (۴) سنکٹ موچن ہنومان۔

وبائے طاعون اور تلسی داس کی دعا شاہ جہانگیر ۱۶۰۵ء میں تخت نشین ہوا اُس کے عہد سلطنت میں ۱۶۱۶ء کا زمانہ یادگار رہے اسی سال پنجاب میں طاعون کا زور شور ہوا اور ۱۶۱۸ء میں تو آگرہ میں اس طرح پھیل گیا کہ آٹھ برس تک وہاں پھیلا رہا۔ ایک سو آدمی روز مرتے تھے۔ شہر کو چھوڑ کر لوگ باہر بھاگ گئے تھے۔ مُردوں کا اُٹھانے والا نہ ملتا تھا۔ لوگوں نے ملنا جلنا ترک کردیا تھا۔ چاروں طرف یہ عارضہ پھیلا ہوا تھا۔ مگر فتح پور سیکری جہاں شاہ سلیم چشتی کا مزار ہے اس کے اثر سے بچا ہوا تھا۔

جن دنوں آگرہ میں طاعون تھا اُس سے چار برس قبل ۱۶۱۲ء سے ۱۶۱۶ء تک بنارس میں طاعون کی بیماری پھیلی رہی ان دنوں تلسی داس جی بنارس میں تھے۔ اُنھوں نے اپنے رامائن کے کبت نمبر ۲۱۷-۲۱۸-میں اس کی کیفیت بیان کی ہے۔ گوشائیں جی دست بدعا تھے کہ اس مہلک بیماری سے باشندۂ بنارس نجات پائیں۔

ٹوڈر سے دوستی ٹوڈر نامی ایک زمیندار بنارس میں تھے۔ اس وقت تک اُن کے مکان کے کھنڈر بنارس کے محلہ کچوری گلی میں پائے جاتے ہیں۔ پانچ گانوں کے مالک تھے۔ جو بنارس کے ایک

سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں ان کے نام یہ ہیں
بھدینی ندیسر شیوپور چھیتوپور اور لہرتارا بھدینی اب
مہاراجہ بنارس کے قبضے میں ہے۔ اور اسی میں اسی گھاٹ ہے
ندیسر میں دیوانی کچہری ہے۔ شیوپور نچلی سی میں ہے۔ یہاں باندو
کا مندر بنا ہے۔ چھیتوپور بھدینی سے جانب مغرب ہے۔ لہرتارا
بنارس کے کنٹونمنٹ اسٹیشن کے پاس ہے۔ ٹوڈر کے مرنے پر اُن کے
پوتے کندھئی اور اُن کے بیٹے انندرام میں فساد پیدا ہو گیا۔ اس
میں گوسائیں جی حکم مقرر کئے گئے۔ اور جو فیصلہ گوسائیں جی نے
کیا تھا وہی گیارہ پشت تک ٹوڈر کے خاندان میں قائم رہا وہ فیصلہ
آگے لکھا جائے گا۔

ڈاکٹر گریرسن کا خیال ہے کہ ٹوڈر اکبر کے وزیر اعظم[1] تھے چونکہ راجہ
ٹوڈر مل کا وطن لاہرپور تھا اُسے وہ لہرتارا خیال کرتے ہیں۔ مگر ایسا
نہیں ہے۔ راجہ ٹوڈر مل ٹنڈن کھتری تھے اور ٹوڈر چھتری ہیں۔ یہ بھی
ممکن نہیں ہے کہ شہر کا قاضی فیصلے میں راجہ ٹوڈر مل وزیر اعظم کو ایسے
حقیر الفاظ میں لکھے کہ " انندرام بن ٹوڈر بن دیورائے و کندھئی بن
رام بھدر بن ٹوڈر مذکور در حضور آمدہ الخ " وغیرہ راجہ ٹوڈر مل کا کوئی
نشان بنارس میں موجود نہیں ہے۔

"فیصلہ

اللہ اکبر

چوں انندرام بن ٹوڈر بن دیورائے و کندھئی بن رام بھدر بن
ٹوڈر مذکور در حضور آمدہ قرار دادند کہ موازی متروکہ کہ تفصیل آں در
ہندی مذکور است بالمناصفہ و بتراضی جانبین قرار دادیم و یک صد و
پنجاہ بیگہ زمین زیادہ ...... در موضع بھدینی انندرام مذکور و کندھئی
بن رام بھدر مذکور تجویز نمودہ بریں معنی راضی گشتہ .... شرعی
نمودند بنا براں مہر کردہ شد۔

مہر کردہ سعد اللہ

قسمت انندرام	قسمت کندھئی
قرعہ	قرعہ
بھدینی دو حصہ لہرتارا درست	بھدینی سہ حصہ شیوپور درست
قرعہ	قرعہ
نیپورہ حصہ ٹوڈر تمام	ندیسر حصہ ٹوڈر تمام

قرعہ

چھتوپورہ خرد حصہ ٹوڈر تمام"

خان خاناں سے دوستی

بادشاہ اکبر کے نامی وزیر عبد الرحیم خان خاناں اور
گوسائیں جی سے دوستی تھی۔ ایک مفلس برہمن کی لڑکی جب شادی
کے لایق ہوئی اُس نے گوسائیں جی کو اپنی کیفیت اور مفلسی
سے اطلاع دی۔ اُنھوں نے ایک پرچہ پر آدھا دوہا لکھکر اُسے
خان خاناں کے پاس بھیجدیا۔

" سرتیہ نرتیہ ناگتیہ سب چاہت اس ہوئے "[2]

خان خاناں نے اُس برہمن کو روپیے سے مالامال کرکے نصف
دوہا اُس کے جواب میں لکھ بھیجا۔

" گود لئے ہُلسی پھرے تُلسی سون سُت ہوئے "[3]

مہاراجہ مان سنگھ سے محبت

آمیر کے مہاراجہ مان سنگھ اور اُن کے بھائی جگت سنگھ
اکثر گوسائیں جی کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا کرتے
تھے۔ ایک شخص نے گوسائیں جی سے دریافت کیا کہ مہاراج
پہلے تو آپ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا اور اب تو راجہ مہاراجہ

[1] یہ واقعہ ہے کہ راجہ ٹوڈر مل اکبر کے وزیر اعظم نہ تھے بلکہ اور رشیدوں میں سے ایک یہ بھی
تھے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ راجہ ٹوڈر مل سے تُلسی داس کی دوستی تھی۔ اڈیٹر

[2] "सुरतिय, नरतिय, नागतिय, सब चाहत अस होय"

[3] "गोद लिये हुलसी फिरै, तुलसी सों सुत होय"

بادشاہ بھی حاضر ہوتے ہیں اس کا کیا سبب ہے۔ تُلسی داس جی نے اس کے جواب میں کہا۔

"گھر گھر مانگے ٹوک پُن بھوپت پوجے پائے[1]
تے تُلسی تب رام بن۔ تے اب رام سہائے"

باباسور داس ان کے ہمعصر تھے۔ وہ بھی بڑے پایہ کے شاعر تھے۔ اُنھوں نے سری کرشن جی کے ذکر سے اپنے کلام کو مقبول خاص و عام کیا ان کی تصانیف میں سُور ساگر بہت مشہور ہے۔

تصنیفات

گوشائیں جی کی تصنیفات درج ذیل ہے۔

(۱) دوہاولی (۲) کبت رامائن (۳) گیتاولی (۴) راماگیاں (۵) بنے پتر کا۔ (۶) رام چرت مانس (رامائن) (۷) رام للا نہچھو (۸) بیراگ سندیپنی۔ (۹) بروے رامائن (۱۰) پاربتی منگل۔ (۱۱) جانکی منگل۔ (۱۲) کرشناولی۔

علاوہ اس کے کچھ تصنیفات شیو سنگھ سروج کے مؤلف نے لکھا ہے۔

(۱) رام ستسئی (۲) سنکٹ موچن۔ (۳) ہنومان باہک (۴) رام سلاکا۔ (۵) چھند اولی۔ (۶) چھپے رامائن۔ (۷) کنڈ کھا رامائن (۸) ردا رامائن۔ (۹) جھولنا رامائن۔ (۱۰) کنڈلیا رامائن۔

رامائن کی خوبی | ان کے جملہ تصانیف میں رامائن کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اس قدر مقبول ہوئی ہے کہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی مقبول ہوئی ہو۔ ڈاکٹر گریرسن لکھتے ہیں کہ اگرچہ گوشائیں تلسی داس جی نے کبیر داس وغیرہ کے مانند کوئی جدید مذہب نہیں جاری کیا تاہم کسی مذہب کا ہندو کیوں نہ ہو گوشائیں جی کے راستے کی پیروی ضرور کرتا ہے۔ مذہب اور شرع اور دنیاوی باتوں کو بغیر مذہبی تعصب کے اس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہر مذہب کے غیر متعصب پیرو ان کی باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ اور تلسی داس کے کلام معمولی آدمیوں کے دلوں میں تو گھر کر جاتے ہیں۔

رامائن کا رواج ہندوستان کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے مگر بہار لیکر پنجاب تک اور ہمالیہ سے لیکر وندھیاچل تک اس کا پورا عمل دخل ہے۔ ان حصوں میں ایسا کوئی گاؤں نہیں ہے جہاں رامائن نہ ہو۔ اور ایسا کوئی آدمی نہیں ملتا کہ جس کی زبان پر رامائن کے دو ہے چوپائی وغیرہ نہ ہوں۔ ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو رامائن کو پڑھ کر دنیا سے الگ ہو گئے ہیں۔

پند و نصایح اور مذہبی تعلیم کے علاوہ رامائن کے احسانات سے بھاشا زبان زیر بار ہے بقول ڈاکٹر گریرسن کے اس رامائن کو امیر و غریب۔ بادشاہ و رعایا دونوں کے گھروں میں جگہ ملتی ہے۔ اور سب کے ساتھ اس کا سلوک یکساں ہے۔

[1] घर घर माँगे टूक पुनि, भूपति पूजे पाय
ते तुलसी तब राम बिन, ते अब राम सहाय ॥"

[2] بقول گارسن ڈی ٹاسی سور داس نے نلدمن کے قصہ کو بھاشا میں نظم کیا ہے اسی کو فیضی نے فارسی نظم کر کے مثنوی نلدمن کے نام سے موسوم کر دیا۔ اڈیٹر۔

نواب ذکی دہلوی

[غالب کے ارشد تلامذہ میں جہاں حالی و مجروح کا نام تعظیم کے ساتھ لیا جاتا ہے وہاں نواب ذکی دہلوی کا نام بھی ادب کے ساتھ لیا جائے گا جس کی سند خود غالب دے چکے ہیں لیکن تعجب ہے کہ ذکی دہلوی کو سب نے بھلا دیا۔ [illegible] خواجہ حالی نے لکھ دیا کہ "داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں — نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز" بہرحال نواب سید محمد زکریا خاں رضوی ذکی دہلوی غالب کے شاگرد رشید اور خاندانی شاعر تھے۔ جس قدر عالی خاندان تھے اسی قدر علم و فضل میں بھی ممتاز تھے۔ حافظ ہونے کے علاوہ تین زبانوں کے ماہر تھے۔ طبیب تھے اور وکیل بھی، نجومی تھے اور خوشنویس بھی۔ ایک زمانہ تک مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر رہے۔ دہلی کے رہنے والے، اردو ان کی مادری زبان۔ اور شاعری مسلم الثبوت۔ ان کے مختصر حالات زندگی جو مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہجہاں پوری نے فراہم کئے ہیں ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ اڈیٹر]

نام و سنہ ولادت | نواب سید محمد زکریا رضوی، ذکی تخلص، سنہ ۱۸۳۵ء میں بمقام شاہجہاں آباد (دہلی) پیدا ہوئے۔

خاندانی حالات | نواب ذکی کا خاندان دہلی کے ان چند نامور و موقر گھرانوں میں سے تھا جن کے افراد ذاتی اعزاز و مناصب کے علاوہ شاہی انعام و اکرام کے بھی مالک تھے نسباً وہ سید مشہدی اور خراسانی الاصل تھے۔ ان کے بزرگ ہندوستان اس وقت آئے جس زمانہ میں سلاطین مغلیہ کے اقبال کا آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ لمعہ افگن تھا۔ ان کی آؤ بھگت بھی ایسی ہوئی جو ان کی شان کے شایان تھی۔ ان کی خدمات سے حکومت کو بھی قابل قدر امداد پہنچتی رہی اور بطور صلہ موقع موقع سے ان کی عزت و توقیر میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ نواب ذکی کے والد نواب سید محمود خاں مرحوم محمود کے حالات زندگی نہیں ملے صرف اس قدر معلوم ہے کہ درگاہ بھیکڑا واقع سندھ میں مدفون ہیں۔ نواب ذکی کے نانا نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں اعظم جنگ سرور کے سوانح بھی نایاب ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک خوش فکر شاعر تھے نواب ذکی نے اپنے دیوان کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"پدر بزرگوار را دیوانے، و حضرت سرور را دیوانے، و مثنویات سہ پارہ و تذکرۂ شعرائے اردو بود کہ ہمہ یکجا یکجا ہنگام بربادی خانماں جوانمردان سیاہ دل زبان سیہ تاب رو سیاہ از راہ بدنہادی بہ آزادی تمام بہ یغما برا گویم بہ دزدی بردند۔ حیف بریں آزادی، و تف بریں بدنہادی، کہ متاع کسے بردن و خویشتن را سزاوار آں شمردن۔"

ان سطور سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سرور کا کلام کافی تعداد میں زمانہ غدر تک محفوظ تھا لیکن اس کے بعد ضائع ہو گیا اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان سے ایک تذکرۂ شعرائے اردو یادگار تھا۔ افسوس ہے کہ وہ بھی ناپید ہے[1] میں نے نواب سید ابوالقاسم خاں صاحب سے اس تذکرے کی بابت استفسار کیا تھا لیکن انھوں نے بھی مایوسی ہی ظاہر کی۔

لکھتے ہیں کہ:-

"اس تذکرے کی وجہ سے میں نے اکثر کتب خانے چھان مارے مگر پتہ نہیں لگتا سب سے بڑا کتب خانہ میری نظر سے میرے خسر صاحب نواب نورالحسن خاں کے والد نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کا گزرا۔

---

[1] ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لکھنو کے شاہی کتبخانہ میں اس کا ایک اچھا نسخہ محفوظ تھا۔ جو آجکل ولایت کے کتب خانہ میں پایا جاتا ہے۔ اڈیٹر

اُس میں بھی کسی تذکرے[1] میں اُن کا حال دیکھا اور یہی لکھا پایا کہ ان سے ایک تذکرہ یادگار ہے۔"

ہمیں اس جگہ نواب سید ابوالقاسم خاں صاحب کی غائبانہ توجہات کا اعتراف کرنا چاہیئے اگرچہ ہماری خواہش کے مطابق اب بھی یہ مضمون مکمل صورت میں نہیں آسکا پھر بھی جو کچھ اور جس قدر تکمیل اس کی ہوسکی ہے ہم اُس کے لئے نواب صاحب کے زیربار احسان ہیں - آپ نواب سید ذکی کے فرزند اصغر ہیں اور علمی ذوق وشوق میں اپنے خاندان کے لئے سرمایۂ نازش - آپ بھی اپنے دادا صاحب نواب محمود مرحوم اور نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں مغفور کے مفصل حالات بتانے سے ساکت ہیں البتہ اپنے والد صاحب کی ننہال کے چند اور بزرگوں کے متعلق مختصر سی مزید واقفیت بہم پہنچائی ہے - جس سے آپ کے خاندانی مراتب اور ظاہر ہوتے ہیں۔

نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور نواب سید ذکی کے نانا تھے ان سے پہلے چوتھی یا پانچویں پشت میں میر ابوالقاسم ملقب بہ محمد عارف خاں شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں بہت نامور گذرے ہیں - ذاتی طور پر وہ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے فقیہہ محدث بھی بڑے پایہ کے تھے - شاہجہاں نے اُن کی اجتہادی قابلیت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ممالک محروسہ کے قاضی القضاۃ کی ذمہ دار خدمت اُن کے سپرد کر رکھی تھی وقایع نگار کا کام بھی اُن کے تفویض تھا اور کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے اُن کا لقب "محمد عارف خاں" پڑ گیا تھا۔

نواب میر محمد خاں معظم جنگ سے اوپر نواب اعظم الدولہ میر ابوالقاسم خاں بہادر شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ میں بخشی گری کے منصب پر ممتاز تھے - اور ایک لڑائی میں جو ضابطہ خاں کے مقابلہ میں ہوئی کام آئے - ان سے اوپر نواب ابوالبرکات خاں بہادر "محمد شاہ بادشاہ" کی طرف سے کشمیر کے گورنر تھے - ان کے ایک بھائی عبدالمجید خاں المخاطب بہ مجد الدولہ عبدالمجید خاں بہادر بہرام جنگ جو محمد شاہی امرائے عظام میں سے تھے منصب ہفت ہزاری مع علم ونوبت وفیل و پالکی رکھتے تھے اور خدمت عمدہ دیوانی پر مامور تھے - دوسرے بھائی مجد الدولہ عبدالاحد خاں اشرف الامرا وزیرالممالک فتح جنگ "امارت ہفت ہزاری ومنصب قدیم" کے علاوہ شاہ عالم بادشاہ کے وقت میں "مراتب مختار الملکی ووزارت" بھی رکھتے تھے - اس اجمال سے معلوم ہوسکتا ہے کہ نواب سید ذکی کے بزرگوں نے سلطنت مغلیہ میں کیا کیا عروج پائے تھے - گرانمایہ خدمات کے صلے میں ان لوگوں کو جاگیریں ملی تھیں جن سے اُن کی اولاد نسلاً بعد نسلاً فائدہ اُٹھاتے رہے - غدر کے بعد جاگیر کے بدلے پنشن[2] ہوگئی تھی پھر وہ بھی موقوف ہوگئی - یہ جاگیریں مواضعات نواح علیگڈھ میں تھے - نواب ابوالقاسم خاں فرماتے ہیں کہ

"جاگیریں کہاں تھیں یہ معلوم نہیں - تعداد میں گانوں بہت سے تھے مجھے صحیح اور درست صرف دو ہی گانوں کے نام یاد ہیں خنجرپور اور پدیکا جو علیگڈھ کے علاقہ میں اب بھی ہیں - تمام کاغذات ہماری جاگیروں کے الہ آباد کے خزانے میں موجود ہوں گے"

تعلیم وتربیت

نواب سید ذکی علمی قابلیت کے لحاظ سے بڑے پایہ کے آدمی تھے - اُن کی تعلیم وتربیت عمدہ طریقے پر ہوئی تھی اور اصول کے ساتھ - ذہن اچھا پایا تھا - پڑھنے کا شوق تھا - ذہانت وشوق

[1] یہ تذکرہ خود نواب نورالحسن خاں نے فارسی میں لکھا ہے - اڈیٹر

[2] غدر کے بعد ہی دستور ہوگیا تھا - خود غالب نے جابجا اس کا ذکر کیا ہے کہ اُن کی جاگیروں کی جگہ سرکار سے پنشن مقرر ہوگئی - اڈیٹر

دونوں کا ایک جا ہو جانا اکتساب کمال کی دلیل ہے - اُردو - فارسی - عربی میں انتہائی لیاقت رکھتے تھے - طب اور قانون میں بھی مہارت تامہ تھی - تصوف - نجوم - خوشنویسی - ان چیزوں کی تعلیم باقاعدہ پائی تھی - مولوی علیم صاحب ایک بزرگ تھے اُن سے قرآن مجید اور علم منطق پڑھا - عربی مولوی سبحان بخش صاحب سے جو دہلی کالج کے ماسٹر تھے پڑھی - اور فارسی پنڈت رام کشن بسمل کشمیری اور مولانا امام بخش صہبائی سے - پنڈت بسمل صاحب بھی دہلی کالج کے اسٹاف میں تھے - تصوف کی تعلیم مولوی جاوید علی صاحب سے نجوم کی سادھو بابا بالشمبر ناتھ سے اور خوشنویسی کی آغا نجف سے جو اپنے وقت کے بہترین خطاط تھے -

سید ذکی نے علم کو علم سمجھکر حاصل کیا تھا اور اُن کے شوق اور محنت کا اندازہ کسی قدر اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸ برس کے سن میں اقلیدس کے گیارہ مقالے ختم کر لئے تھے - حافظ بھی اعلیٰ درجہ کے تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ کب اور کس سے حفظ کیا - بیس برس کی عمر میں طب پڑھی اور جب بسلسلۂ ملازمت الہ آباد میں تھے تو آپ نے مسلسل محنت و کوشش سے امتحان وکالت بھی پاس کر لیا لیکن اسے بطور پیشہ کبھی اختیار نہیں کیا -

واقعات زندگی | نواب سید ذکی ۳۰ - ۳۵ برس کی عمر تک دلی میں رہے - تعلیم کا زمانہ بھی یہیں تمام کیا - زینت باڑی ان کا موروثی مکان تھا - کچھ دنوں بعد سموسہ کی گلی واقع فراشخانہ دلی میں جا رہے لیکن یہ مکان شاید کرایہ پر لیا تھا - ان کے موروثی مکان کی صرف ایک دیوار قایم ہے جس پر "زینت باڑی" لکھا ہوا ہے - سسرال کوچۂ میر عاشق میں تھی جہاں اب تک ان کی اولاد آباد ہے -

نواب ذکی کا عالم شباب تھا کہ ندر رشتہ ہوا - اُس وقت یہ دلی ہی میں تھے یہیں مقیم رہے - جبتک ملازمت کی وجہ سے اُنھیں باہر نہ جانا پڑا -

ملازمت | یہ پتہ نہیں چلتا کہ نواب سید ذکی کی ابتدائے ملازمت کہاں سے، کب اور کس طرح ہوئی یا دوران ملازمت میں وہ کن کن خدمات پر مامور رہے - صرف اتنا معلوم ہے کہ آخر میں وہ صوبہ متحدہ کے محکمۂ تعلیمات عامہ کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے اور اس سلسلہ میں انھیں الہ آباد - گورکھپور - بریلی - اور بدایوں میں رہنا پڑا - ملازمت کی وجہ سے پھر دلی میں مستقل قیام نہ رہ سکا - ہاں گاہے گاہے وہاں ہو آتے تھے - بدایوں میں ان کا قیام چھ سات برس تک رہا اور وہاں انھیں ایسی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ تمام لوگ چھوٹے بڑے ان سے مانوس ہو گئے تھے - بالآخر باشندگان بدایوں اور نواب سید ذکی کے درمیان روابط اس قدر مخلصانہ قایم ہو گئے کہ پنشن لینے کے بعد بھی وہ بدایوں نہ چھوڑ سکے اور زندگی کے آخری ایام گزار کر وہاں کی خاک کے پیوند ہو گئے -

نواب سید ذکی ذی علم آدمی تھے - اُنھوں نے اپنی خدمات کی بجا آوری میں پوری تندہی اور محنت سے کام لیا - اور نیکنامی کے ساتھ پنشن پائی - حکام کے سرٹیفکیٹ اور اسناد جو اب تک اُن کی اولاد کے قبضے میں ہیں - اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ افسران بالادست کی نگاہ میں اُنھیں نمایاں عزت اور وقار حاصل تھا -

وفات | پنشن لینے اور ملازمت سے کنارہ کش ہونے کے دو سال بعد ۱۹۰۳ء میں وفات پائی اور حضرت خواجہ سید احمد صاحب قدس سرہ العزیز کے احاطے میں مدفون ہیں -

عادات و خصایل | نواب ذکی قدیم تہذیب کے ایک دلپسند نمونہ تھے - پابندی وضع - انکسار - سیر چشمی - خلق - کم سخنی ان تمام صفات کا گویا مجموعہ تھے - زود فہم بلا کے تھے - فقرا سے اُنھیں خاص عقیدت تھی گویا درویش پرست تھے - بظاہر کسی کے مرید نہ تھے

سبحان اللہ سارے ملک کے لکھنے کا کسوقت میں اتفاق
ہوا ہے کہ میں نیم جاں چندروز کا مہماں ہوں مہینا بھر سے
غذا بالکل مفقود صرف گوشت کے پانی پر مدار ہے
اٹھنا دشوار اگر اٹھوں تو دوران سر سے گر پڑوں
۲ سید محمد زکریا خان نسب میں سید امیرزادہ عالی
خاندان انکے بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں
جاگیر اب تک تھی پھر بعوض جاگیر پنسن مقرر ہوا مع ہذا
یہ شخص بذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع
اور دانشمند اور نیک طینت اور رنگین طبع معنے
طبیعت کو علاقہ اچھا ہے شعر کہتے ہیں اور خوب
کہتے ہیں اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں —
اسد اللہ خاں غالب



سند غالب بنام ذکی مع مہر و دستخط

لیکن وفات کے بعد یہ عقدہ کھلا کہ کسی بزرگ سے مخفی طور پر آپ کو بیعت یا عقیدت بھی تھی اور اسی رعایت سے آپ کا مدفن حضرت خواجہ سید آحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ میں بنایا گیا ہے۔

تصانیف | نواب ذکی کا مجموعہ غزلیات شایع ہو چکا ہے۔ اس دیوان کے علاوہ آپ کی اور کوئی تصنیف یا تالیف موجود نہیں ہے۔ ہاں کچھ غیر مطبوعہ غزلیات اُن کے خاندان میں موجود ہیں دیوان شروع سے آخر تک غزلوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ خلاف قیاس ہے کہ انھوں نے غزل کے علاوہ کسی اور صنفِ سخن پر طبع آزمائی نہ کی ہو لیکن اب کسی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ نواب سید ابو القاسم خاں سے ہم نے قصائد وغیرہ کی درخواست کی تھی لیکن آپ فرماتے ہیں کہ مرحوم کے غیر مستقل قیام کی بدولت اُن کا تمام دفتر گاؤ خورد ہو گیا۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اور تصانیف نہیں لیکن بدایوں سے دہلی جانے میں اُن کے انتقال کے بعد بہت سی چیزیں ضایع ہوئیں منجملہ اُن چیزوں کے کتابوں کا ذخیرہ اور علی الخصوص ان کی تصانیف برباد ہو گئیں ہم تو کم سن تھے علم موسیقی میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کے چند ورق ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی رسالہ تھا۔ غرضیکہ جو کچھ ذخیرہ تھا سب تلف ہو گیا۔"

آخری سطور سے اُن کے ماہر علم موسیقی ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ یہ اوراق اب تک محفوظ ہیں۔

شاعری | شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ مجروح اور حالی کی طرح نواب ذکی بھی غالب کے خرمنِ فضل و ہنر کے خوشہ چیں ہیں۔ اور اس میں کلام نہیں کہ خیالات کے لحاظ سے وہ اپنے اُستاد کے راسخ الاعتقاد پیرو ہیں۔ غدر سے پہلے اُن کی شاعری کا سلسلہ قایم تھا۔ دہلی کی علمی مجالس تشویق کا بہترین ذریعہ تھیں اس کے علاوہ اُن کے والد نواب محمود اور نانا حضرت سرور دونوں شاعر اور صاحب دیوان تھے۔ بہرکیف یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اُن کا رجحان ابتدائے سن تمیز ہی سے شعر گوئی کی طرف ہو گیا تھا۔ یہ شوق یوماً فیوماً ترقی پذیر رہا صرف غدر کے ہو جانے پر سلسلہ ٹوٹ گیا تھا لیکن امن اور سکون قایم ہونے کے بعد ذوقِ شاعری کا عالم پھر وہی تھا۔

غالب سے خاندانی مراسم تھے اس وجہ سے اُستادی اور شاگردی کے تعلقات اور بھی خوشگوار ہو گئے تھے یہ ضرور ہے کہ دوسرے اُستاد بھائیوں کی طرح اُستاد کی صحبت میں رہنے کا موقع نواب ذکی کو بہت زیادہ نہیں ملتا تاہم اُن کے کلام میں غالب کا رنگ کسی سے کم نمایاں نہیں ہے۔ غالب بھی انھیں اپنے شاگردوں میں فخر کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنا شاگرد رشید سمجھتے تھے بلکہ اس باب میں انھوں نے سند بھی دی تھی کہ وہ اُن کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ تلمیذ رشید ہونے کی سند دینا بیشک نئی اُپج تھی لیکن یہ امر خاص طور پر تشفی بخش ہے کہ اس سند سے قطع نظر نواب ذکی کا کلام بجائے خود مستند ترین سرٹیفکٹ ہے کہ وہ شاگرد رشید تھے۔ ہم ذیل میں غالب کی عبارت سند بجنسہ نقل کرتے ہیں جس کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا[1]

"سبحان اللہ۔ سارٹیفکٹ کے لکھنے کا اس وقت اتفاق ہوا ہے کہ میں نیم جاں چند روز کا مہمان ہوں مہینے بھر سے غذا بالکل موقوف۔ صرف گوشت کے پانی پر مدار ہے۔ اگر اٹھوں تو دوران سر سے گر پڑوں سید محمد زکریا خاں نسب میں سیدا میر زادہ عالی دودمان۔ ان کے بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں۔ جاگیر اب تک تھی پھر بعوض

---

[1] اصل سند اب تک موجود ہے اُس کی عکسی کاپی اس مضمون کے ساتھ شایع کی جاتی ہے۔ اڈیٹر۔

جاگیر پنشن مقرر ہوا۔ معہذا یہ شخص بذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع اور دانشمند اور نیک طینت اور رنگین طبع معنی سے طبیعت کو علاقہ اچھا ہے۔ شعر کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اس فن میں میرے شاگرد رشید ہیں"۔

جہاں یہ سطور نواب ذکی کے کلام کی وقعت کو اور زیادہ کرتی ہیں وہاں ان سے غالب کے بعض دیگر مشہور تلامذہ کی کسر شان بھی نہیں ہوتی جن میں سے اکثر اگر نواب ذکی سے بڑھکر نہ تھے تو کم بھی نہ تھے۔ بالخصوص میر مہدی مجروح جو پختگی کلام اور نفاست خیال کے اعتبار سے کسی طرح نواب ذکی سے پیچھے نہیں۔ بلاشبہ مجروح اور ذکی ایک آسمان کے دو آفتاب تھے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔

نواب ذکی کو شعر و سخن سے اس درجہ لگاؤ تھا کہ دوران ملازمت میں اُن کا قیام جہاں کہیں رہا اُن کے دم سے وہاں شاعری کا چرچا ہونے لگا۔ الہ آباد میں بالخصوص کچھ دنوں تک ان کی ذات سے عجب چہل پہل پیدا ہو گئی تھی اور حسن اتفاق سے بعض ایسے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے جنہیں مذاق شاعری سے کافی مناسبت تھی ان میں حضرت ذبیح الہ آبادی۔ منشی خواجہ غلام غوث صاحب الہ آبادی۔ مولوی غلام صفدر صاحب میر منشی بدایونی۔ اور مرزا نثار علی بیگ اکبر آبادی مخصوص طور پر قابل ذکر ہیں یہ سب لوگ گویا بلبل تھے اور ان کے خوش آگین ترانوں سے الہ آباد چمن بنا ہوا تھا یہی حال بدایوں میں تھا۔ نواب ذکی کی موجودگی وہاں کے شعراء کی تحریص کا باعث ہوئی اور اکثر مشاعرے دھوم دھام سے ہوتے رہے۔

شاگرد نواب سید ذکی کے شاگردوں کی فہرست معقول ہے لیکن افسوس ہے کہ کوئی مکمل فہرست باوجود کوشش کے مرتب نہ ہو سکی۔ حضرت ذکی جہاں رہے وہیں اُن کے شاگرد بھی بہت سے ہو گئے۔ بہت سے اس قسم کے بھی شاگرد ہیں جنھوں نے ان سے مختلف علوم و فنون کا اکتساب کیا ہے اور اکثر نے اصلاح سخن بھی لی ہے۔ مولوی سید احمد صاحب ذبیح۔ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ۔ پنڈت جواہر ناتھ کول ساقی[1] دہلوی اور مولوی حشمت اللہ صاحب جائنٹ مجسٹریٹ صوبجات متحدہ ان سبھوں نے نواب ذکی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ مولوی حشمت اللہ نے فارسی اور منطق کی تحصیل انھیں سے کی ہے۔ خمخانۂ جاوید میں اکثر شعراء نواب ذکی کے شاگرد کی حیثیت سے روشناس کئے گئے ہیں۔ مولوی نواد حسین (بدایونی)۔ مولوی علی احمد خاں اسیر ہیڈ ماسٹر تحصیلی اسکول (بدایوں)۔ مولانا حافظ حکیم شاہ ظہیر احمد ظہیری سہسوانی۔ مولوی عبدالرحمن حیا۔ منشی محمد اختر صدیقی اختر میرٹھی یہ تمام حضرات بھی سید ذکی کے تلامذہ کے زمرہ میں ہیں۔ نواب سید ابوالقاسم لکھتے ہیں کہ "بہت سے شاگرد بدایوں میں اور سب سے زیادہ دہلی میں موجود ہیں" مگر ان کی جامع اور مفصل فہرست کی ترتیب یقینی مشکل ہے۔

فاروق شاہپوری

[1] حضرت ساقی ایک خوشگو شاعر ہیں۔ نیاز مند راقم الحروف کے غائبانہ کرم فرماؤں میں ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا آپ نے اپنی ایک غزل مرحمت فرمائی تھی جس کے چند اشعار ہدیہ ناظرین ادیب کئے جاتے ہیں ؎

وہی ساغر کش صہبائے جنوں آمادہ آتا ہے ۔۔۔ خرابات مغاں کا عاشق دلدادہ آتا ہے
جنوں انگیزی جوش تمنا کا ہے سر دادہ ۔۔۔ سر شک چشم پرنم سر بصحرا دادہ آتا ہے
وہ دلدادہ ہو گیا اس شاہد حسن دو روزہ کا ۔۔۔ جو صاحبدل یہاں با خاطر آزادہ آتا ہے
حریم دل میں پنہاں مل گئی راہ حرم ہم کو ۔۔۔ جو نامحرم ہے اس کو کب نظر یہ جادہ آتا ہے
نکل اے حسن لیلیٰ شوق بنکر جذبۂ دل سے ۔۔۔ بڑے جاہ و حشم سے نجد کا شہزادہ آتا ہے
علو ہمت جو ہیں وہ دستگیر درد منداں ہیں
اٹھا لیتے ہیں اس کو جو کوئی افتادہ آتا ہے

امرؤ القیس

[یوں تو یورپ کے چند محققین[۱] امرؤ القیس کے سوانح قلمبند کر چکے ہیں۔ لیکن اس کے تفصیلی حالات کی جگہ اب تک خالی تھی۔ اس کمی کو مولانا سیّد علی حیدر صاحب نظم طباطبائی پروفیسر نظام کالج نے اس مضمون کے ذریعہ سے پورا کر دیا ہے۔ آپ سے اُردو کی دُنیا بالعموم اور قدردانان ادیب بالخصوص وبخوبی واقف ہیں۔ ملک الشعرائے عرب ہونے کے علاوہ امرؤ القیس کے خاندان میں قبیلہ بنو اسد کی امارت وراثتہً چلی آتی تھی۔ سات معلقات میں سے ایک قصیدہ اس کا بھی ہے جس کو اس نے ایام جاہلیت عرب میں لکھا تھا۔ رسول اللہ کا معاصر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہرقل سے مدد مانگنے گیا تھا۔ اُس نے اس کو ایک زہر آلود لبادہ بطور خلعت عطا کیا۔ بدن پر ڈالتے ہی زہر ایسا اثر کر گیا کہ پھر جانبر نہ ہو سکا۔ اگرچہ ابو الفدا نے اس واقعہ کی تردید کی ہے۔ لیکن ابن الکلبی کا بیان قرین قیاس ہے۔ کیونکہ امرؤ القیس بنو اسد کے خلاف ہرقل سے مدد مانگنے گیا تھا۔ اسی قبیلہ کا ایک شخص طماح نامی قیصر کے دربار میں ممتاز تھا۔ اس نے قیصر کو امرؤ القیس سے بدظن کرا دیا۔ بہرحال امرؤ القیس کا قصیدہ بہترین تخیل سے مالامال ہے۔ اور متاخرین شعرائے عرب نے اس کی تقلید کو فخر تصوّر کیا ہے۔ اس کی مقبولیت کا اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ تقریباً یورپ کی ہر زبان میں اس کا ترجمہ ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے اس کا انگریزی ترجمہ سر ولیم جونس نے ۱۷۸۲ء میں کیا۔ اڈیٹر]

صاحب اغانی لکھتے ہیں کہ امرؤ القیس مصنف معلقہ اولیٰ پسر حجر بن الحرث بن عمرو بن حجر آکل المرار ملوک کندہ میں سے ہے۔ حجر کو آکل المرار[۲] اس سبب سے کہتے ہیں کہ جب اُس نے سُنا کہ الحرث بن جبلہ اُس کی عورت کے زانو پر سر رکھے سو رہا ہے اور وہ اُس کے جوئیں دیکھ رہی ہے تو مارے غصّہ کے مرار چبانے لگا مگر ذرا بھی اُسے کڑواہٹ نہ معلوم ہوئی۔ آکل المرار کے بعد عمرو اور عمرو کے بعد اُس کا بیٹا الحرث رئیس قوم ہوا۔ اُسی کے زمانہ میں قباد بن فیروز جب بادشاہ ہوا تو اُس کے عہد دولت میں مزدک[۳] نے خروج کیا اور لوگوں کو زندقہ تعلیم کیا اور ایک کی حرم کو دوسرے پر مباح کر دیا اور یہ حکم کیا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے برادر دینی کو اس بات میں مانع نہ ہو۔ ان ہی دنوں میں المنذر بن ماء السماء الحیرہ کا عامل تھا۔ قباد نے اسے بھی اسی دین میں ملانا چاہا۔ اس نے نہ مانا۔ پھر اُس نے الحرث بن عمرو سے دعوت زندقہ کی اُس نے قبول کر لیا۔ اسی سبب سے قباد نے الحرث کی ریاست کو قایم و مستحکم رکھا اور المنذر کو اس کے ملک سے نکال کر اپنے ملک میں الحاق کر لیا۔

ایک دن نوشیرواں کی ماں قباد کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ یکایک مزدک داخل ہوا اور نظر نوشیرواں کی ماں پر پڑی۔ قباد سے کہنے لگا

---

[۱] کلنٹ ہوارٹ نے ہسٹری آف عربک لٹریچر میں اور نکولسن صاحب نے لٹریری ہسٹری آف عربک لٹریچر میں امرؤ القیس کا تذکرہ کیا ہے انگریزی لاطینی۔ جرمنی اور فرانسیسی زبانوں میں جو اس کے معلقہ کے ترجمے ہوئے ہیں ان کے دیباچوں میں بھی کچھ حالات پائے جاتے ہیں۔ اڈیٹر

[۲] مرار کا کھانے والا۔ مرار ایک گھانس ہے جو نہایت تلخ اور کڑوی ہوتی ہے۔ اس کا درخت ہوا کیکر یا مغیلاں سے بہت مشابہ ہوتا ہے کڑواہٹ کے باعث اس کا یہ نام ہوا تلخی میں نیم سے بھی سوا۔ اونٹ جب اسے کھاتا ہے تو اُس کے دانت ظاہر ہو جاتے اور ہونٹ پھر جاتے ہیں۔ اڈیٹر

[۳] اس کے خروج کا حال ہمارے کرم فرما۔ ای۔ جی۔ براون پروفیسر کیمبرج کالج نے بڑی تحقیق سے اپنی لٹریری ہسٹری آف پرشیا (تاریخ شعر العجم) میں لکھا ہے۔ اڈیٹر۔

کہ یہ عورت مجھے دو۔ قباد نے کہا شوق سے لے جاؤ۔ یہ سنتے ہی نوشیرواں لپک کر آیا اور مزدک کے سامنے آکر منتیں کرنے لگا کہ میری ماں کو چھوڑ دو اور اُس کے پاؤں چومنے لگا۔ آخر مزدک اپنے ارادے سے باز آیا مگر نوشیرواں کے دل میں یہ بات رہ گئی۔ جب قباد مرگیا اور نوشیرواں والی ملک ہوا اور المنذر نے بھی قباد کے مرنے کی خبر اور نوشیرواں کا آبائی مذہب سے مخالف ہونے کا حال سُنکر نوشیرواں کی طرف رُخ کیا تو نوشیرواں نے دربار عام کیا۔ اُس میں مزدک بھی آیا اور المنذر بھی باریاب ہوا۔ ان دونوں کو دیکھکر نوشیرواں نے کہا کہ دو آرزوئیں میرے دل میں تھیں اور میں چاہتا تھا کہ خدا اُن دونوں کو ساتھ ہی پورا کرے۔ مزدک نے پوچھا اے بادشاہ وہ کون سی دونوں آرزوئیں ہیں؟ اُس نے جواب دیا ایک تمنا تو یہ تھی کہ اس مرد شریف کو یعنی المنذر کو ریاست عطا کروں اور دوسری یہ کہ ان سب زندیقوں کو قتل کروں۔ مزدک کہنے لگا بھلا اتنے لوگوں کو تو قتل کرسکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا "او پسرزانیہ اس وقت تو تو میرے پنجہ میں ہے۔ واللہ جس دن تیرے پاؤں کو میں نے چوما ہے جب سے آج تک وہ سڑی ہوئی بو میرے دماغ سے نہیں نکلی"۔ یہ کہکر اُس کے قتل کا حکم دیا۔ فوراً سولی دیدی گئی اور تمام زندیقوں کے لئے قتل عام کا حکم جاری ہوا۔ ایک ہی وقت میں مقام حاذر سے لیکر نہروان تک ایک لاکھ زندیق مقتول و مصلوب ہوئے۔

اس کے بعد نوشیرواں نے الحرث کو حاضر ہونے کا حکم کیا۔ اُسے جو یہ خبر معلوم ہوئی تو اپنے سب اونٹ اور مال اور عیال لیکر انبار سے جہاں اُس کا گھر تھا بھاگ کھڑا ہوا۔ مقام ثویہ کی طرف سے اُس کا گذر ہوا اور المنذر نے تغلب اور بہرا اور ایاد کے سواروں کے ساتھ اُس کا تعاقب کیا۔ وہ بھاگ کر سرزمین کلب پر نکل گیا مگر سارا اسباب مع دواب لُٹ گیا۔ اس تعاقب میں بنی تغلب نے آکل المرار کی اولاد میں اڑتالیس شخص گرفتار کئے اور اُن کو المنذر کے سامنے حاضر کیا۔ سب کی گردن ماری گئی۔

الحرث کا یہ انجام ہوا کہ ایک دن شکار کو نکلا اور ایک ہرن کے پیچھے پڑگیا مگر اُس نے دق کردیا اور ہاتھ نہ آیا۔ یہ قسم کھا بیٹھا کہ اب کھاؤں گا تو اسی ہرن کی کلیجی کھاؤں گا۔ تین دن تک تمام سوار ہرن کو ڈھونڈھا کئے۔ تیسرے دن اُس کو لائے تو یہاں بھوک قریب ہلاک کرچکی تھی۔ جلدی جلدی اُسے بھونا اُس نے جلتی ہوئی ایک بوٹی کلیجی کی کھائی اور مرگیا۔

الہیثم بن عدی بیان کرتا ہے کہ عمرو جب قتل ہوا تو الحرث بن عمرو جس کی ماں بنت عوف ہے بادشاہ ہوا اور حیرہ میں اُترا ہوا تھا۔ اُن ہی دنوں میں جب نزار کے قبائل میں فسادات برپا ہوئے تو بزرگان قوم نے الحرث سے آکر کہا کہ ہم سب تیرے ہی دین میں ہیں اور آپس کے فسادات میں ہمیں ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو ہم سب فنا ہوجائیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے فرزندوں کو ہمارے قبائل میں بھیجدے تاکہ باہمی جنگ و جدال سے ہم لوگوں کو باز رکھیں۔ اس درخواست کے بموجب الحرث نے اپنے بیٹوں کو تمام قبائل عرب میں متفرق کردیا۔ حُجر کو بنی اسد اور غطفان کا رئیس مقرر کیا اور شرحبیل کو جو کہ جنگ الکلاب میں قتل ہوا تمام قبیلۂ بکر اور بنی حنظلہ پر اور بنی دارم بن تمیم کے چند گروہوں پر حاکم مقرر کیا اور معدی کرب کو بنی تغلب اور النمر اور سعد اور بنی دارم بن حنظلہ کے چند گروہوں پر اور الصنائع پر یعنی بنی رقیہ پر جو لوگ کہ ملوک عرب کے ساتھ رہا کرتے تھے اور وہ خود عرب نہ تھے حاکم کیا اور عبداللہ کو بنی عبدالقیس کا سردار کیا اور سلمہ کو بنی قیس پر مسلط کیا۔

حجر بن الحرث بنی اسد میں رہا کرتا تھا اور وہ لوگ اُسے سالانہ خراج دیا کرتے تھے - ایک مدت تک یہی صورت رہی - ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حجر تہامہ میں تھا - اُس نے اپنا محصل جو ہمیشہ تحصیل خراج کیا کرتا تھا بنی اسد کے پاس بھیجا تو اُن لوگوں نے اُسے روکا اور سفیروں کو بہت بُری طرح مار بیٹا - یہ خبر جب حجر کو ہوئی تو ایک فوج اپنے بھائی کی فوج میں سے بنی قیس و کنانہ کی لیکر اُن کی سرکوبی کو آپہنچا - اور اُن کے رئیسوں کو گرفتار کرکے لاٹھیوں سے پٹواتے پٹواتے مار مار ڈالا اور اُن کا مال لٹوا دیا اور سب کو تہامہ کی طرف روانہ کیا اور قسم کھائی کہ اب کبھی اُن کے ساتھ نہ رہوں گا اور عمرو آسدی اور عبید شاعر کو قید کیا - بنی اسد میں منزل چلے تھے کہ عبید نے حجر کے سامنے کھڑے ہو کر اُن کی سفارش میں چند اشعار پڑھے - حجر کو بھی ترس آگیا اور اُن کے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا - تہامہ تک پہنچنے میں ایک دن کی راہ باقی رہ گئی تھی کہ اُن کے کاہن عوف بن ربیعہ نے پکارا اے میرے بندو! یہ بولے ہم حاضر ہیں خداوند - کہنے لگا "بتاؤ وہ کون بھورے رنگ کا بادشاہ ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوا - اُونٹ اُس کے پاس اتنے ہیں جیسے نیل گاؤں کی ڈاریں - اُس کے دماغ پر شور و غوغا کچھ اثر نہیں کرتا - اُس کے لہو کی دھاریں وہ دیکھو اُڑ رہی ہیں اور وہ دیکھو سب سے پہلے اُسی کے ہتیار اور توشا لٹ رہی ہے"۔ لوگ پوچھنے لگے "خداوند یہ کون شخص ہے" - بولا اگر کسی کو ناگوار نہ ہو تو میں بنکار کر کہدوں کہ وہ حجر ہے - یہ سُنتے ہی وہ سب کے سب چڑھ دوڑے - ابھی دن نہیں نکلنے پایا تھا کہ حجر کی فوج پر جا پڑے اور اُس کے قبہ کو گھیر لیا - معاویہ اور شبیب اور رقیہ اور مالک اور حبیب یہ پانچوں بھائی حجر کے اردلی کے تھے اور ان کے باپ کو حجر نے قتل سے رہا کیا تھا - اُنھوں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ بادشاہ کو قتل کیا چاہتے ہیں تو اُس کے بچانے کے لئے گرد آ کھڑے ہوئے - علبا ایک شخص تھا اس کا باپ حجر کے ہاتھ سے مارا گیا تھا - اُس نے بڑھکر اُن ہی لوگوں کے درمیان میں سے ایک نیزہ مارا کہ وہ حجر کے رگ نسا پر جاکے لگا - اُسی زخم میں وہ مر گیا - جب اُسے قتل کر چکے تو بنی اسد اُس کی فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے "اے گروہ کنانہ و قیس! ہم تم بھائی بھائی ہیں اور بنی عم ہیں اور یہ شخص ہمارے نسب و برادری سے بہت دور و دراز ہے اور تم خوب جانتے ہو کہ یہ اور اس کی قوم کے لوگ کیسی کیسی بدسلوکی ہمارے ساتھ کرتے تھے - لو اُٹھو اور لوٹو" یہ سنتے ہی سب حجر کے اونٹوں پر دوڑ پڑے - سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا - اُس کی لاش ایک چادر میں لپیٹ کر رستہ میں ڈالدی - قیس و کنانہ نے اُس کے کپڑے لوٹ لئے - عمرو نے اُس کے عیال کو اپنے متعلق کیا اور کہا یہ میرے ذمہ ہیں -

الہیثم بن عدی کہتا ہے کہ حجر نے اپنے لڑکے بالوں کے اور گھر والوں کے لئے عویر سے پناہ لے لی اور بنی اسد کے مقابلہ سے کنارہ کیا اور اپنی قوم میں ایک مدت تک رہ کر جماعت عظیم لڑائی کے لئے جمع کر لی اور اُس لشکر کو ساتھ لیکر بڑے فخر و ناز سے چڑھائی کی - بنی اسد نے یہ خبر سُنکر آپس میں مشورہ کیا اور یہ کہا کہ واللہ اگر یہ شخص تم پر غالب آگیا تو غلاموں کا سا تمہارا دہاڑا بنائے گا - وہ زندگی کس کام کی جو ذلیل ہو کر ملے اور سُنو تم لوگ خدا کے فضل سے اس وقت عرب میں سب سے زیادہ بہادر ہو بہتر یہی ہے کہ عزت کے ساتھ مر جاؤ - یہ سُنکر یہ لوگ بھی حجر کے مقابلہ کو نکلے - وہ تو چل ہی چکا تھا مڈبھیڑ ہو گئی اور جنگ عظیم برپا ہوئی - اس لڑائی میں اسد کا رئیس علبا تھا اُس نے دوڑ کر حجر کو ایک نیزہ مارا اور اُس کا کام تمام کر دیا - بنی کندہ کو بڑی شکست ہوئی

امرؤالقیس اس لڑائی میں اپنے کمیت گھوڑے پر چڑھ کر بھاگ گیا کسی کے ہاتھ نہ لگا۔ اُس کے عزیزوں میں سے جو لوگ بنی اسد نے پائے اُن کو قتل کیا اور خوب لوٹا۔ حجر کی لونڈیاں اور بیبیاں اور اسباب سب آپس میں حصّہ بانٹ کر لئے۔

ابن السکیت کا بیان حجر کے قتل ہونے کے بارہ میں یہ ہے کہ جب الحرث مرض الموت میں مبتلا ہوا تو حجر باپ کے دیکھنے کو گیا اور اُس کے مرنے تک وہیں رہا۔ اُس کے بعد بنی اسد کی طرف پلٹا۔ اُس کی یہ حالت تھی کہ رعایا کی عورتوں پر تصرّف کیا کرتا تھا اور بہت بُری طرح سے اُن پر حکومت کرتا تھا اور اُس کے سفر کا دستور یہ تھا کہ پہلے کچھ اسباب روانہ ہو جاتا تھا تاکہ جہاں مقام ہونیوالا ہے وہاں اُترنے کا سامان پیشتر سے ہو رہے۔ جب وہ پہنچے تو سامان راحت کو دیکھکر خوش ہو اور جب اُس جگہ مقام ہوا تو اُس کے آگے جو منزل آنے والی ہے وہاں کے لئے اسباب روانہ ہو گیا۔ بنی اسد اس کے باپ کے مرنے کی خبر سُن چکے تھے۔ جب یہ قریب پہنچا تو انھیں اس کے قتل کی فکر پیدا ہوئی۔ جب اُنھوں نے سُنا کہ حجر آپہنچا اور اُس کے خیمے نصب ہو چکے تو سب کے سب نوفل کے پاس جمع ہوئے۔ وہ کہنے لگا کہ اے بنی اسد تم میں کون ایسا ہے جو اس شخص کی راہزنی کرے۔ میں نے تو حملہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ سب کہنے لگے یہ کام تیرے سوا کسی سے نہ ہوگا۔ غرضکہ نوفل اپنے سواروں کو لیکر نکلا اور حجر کے اسباب سفر کو لوٹا۔ جس جس کو پایا اُسے قتل کر ڈالا اور سب اسباب اپنی قوم کی طرف روانہ کر دیا اور حجر کی دو گائنیں بھی اُس کے ہاتھ لگیں۔ اس کے بعد اپنی قوم میں پلٹ کر آیا۔ جب اُنھوں نے جو واقعہ گذرا تھا سُنا اور جو کچھ وہ ساتھ لایا تھا دیکھا تو یقین کر لیا کہ حجر لڑے گا اور اب لڑائی ضرور ہوگی۔ اسی سبب سے سب جمع ہونا شروع ہوئے اور حجر کو بھی خبر پہنچی۔

اُس نے ان کی طرف رُخ کیا۔ جب ان لوگوں پر وہ آپڑا تو سب کے سب جنگ پر تیار ہو گئے۔ بالو کے دو ٹیلے جو بلاد بنی اسد میں آج تک حجر کے ٹیلے کہلاتے ہیں وہاں یہ جنگ واقع ہوئی۔ بہت جلد اُنھوں نے حجر کے سپاہیوں کو شکست دی اور اُس کو پکڑ لیا اور قید کیا۔ اُس کے قتل کے باب میں آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ جب اُنھوں نے اس مشورہ کے لئے اس کو قید کیا تو اُن کے ایک کاہن نے کہا اے لوگو جبتک میں اس باب میں تمہارے لئے فال نہ کھول لوں اُس وقت تک اس شخص کے قتل میں جلدی نہ کرو۔ یہ کہکر وہ فال کھولنے کے لئے سامان کرنے لگا۔ علباء نے جو یہ رنگ دیکھا تو اُسے ڈر ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ اُس کے قتل میں سُستی کریں۔ بنی کاہل میں سے اس کا ایک بھانجا تھا اُس کے باپ کو حجر نے قتل کیا تھا۔ علباء نے اس لڑکے کو بُلایا اور کہا "اے فرزند اگر تو کچھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اپنے باپ کا بدلہ لے اور ہمیشہ کی عزّت حاصل کر۔ تیری قوم کے لوگ ہرگز تجھے نہیں قتل کرتے کے"۔ یہاں تک اُس لڑکے کو اُس نے اُبھارا کہ اُس میں جوش پیدا ہو گیا۔ اس نے فولاد تیز کر کے اُسے دیا اور سکھا دیا کہ اپنی برادری والوں کے ساتھ حجر کے پاس جا اور یہ فولاد اُس کے بھونک دے۔ لڑکے نے اُسے لیکر چھپا لیا۔ جس خیمہ میں حجر قید تھا وہاں یہ پہنچا اور اُسے غافل پاکر حملہ کیا اور مار ڈالا۔ لوگوں نے اُس کو پکڑا۔ بنی کاہل نے اس پر کہا کہ وہ ہمارے قبضہ میں تھا ہم نے اُس سے بدلہ لے لیا۔ لڑکے نے بھی کہا میں نے اپنے باپ کا بدلہ لیا۔ یہ سُنکر سب نے اُس کو چھوڑ دیا۔ کاہن نے آکر کہا اے قوم دو دن کی بادشاہی اور عمر بھر کی ذلّت اُٹھانے کو تم نے اُسے قتل کیا سُنو واللہ اب کبھی کسی بادشاہ کو تمہارا اعتبار نہ ہوگا۔

ابن السکیت نے لکھا ہے کہ جب علباء اسدی نے حجر پر وار کیا

اور اُسے زخمی چھوڑ دیا تو اُس نے وصیت لکھی اور وصیت نامہ ایک شخص کو دیکر کہا کہ یہ میرے فرزند نافع کے پاس جو سب میں بڑا بیٹا ہے لے جانا۔ دیکھنا اگر وہ رویا پیٹا تو اُس سے کچھ کام نہیں۔ اسی طرح سب بیٹوں کے پاس جانا آخر میں امرؤالقیس کے پاس جانا جو سب میں چھوٹا ہے۔ جس کو دیکھنا کہ رویا پیٹا نہیں اُسے میرے ہتیار اور گھوڑے اور دیگیں اور وصیت نامہ حوالہ کرنا۔ وصیت نامہ میں اُس نے اپنا سارا حال اور اپنے قتل ہونے کا ذکر لکھا تھا۔ یہ شخص وصیت نامہ لیکر نافع کے پاس گیا۔ وہ دیکھکر خاک اُڑانے لگا۔ پھر اُس کے ایک ایک بیٹے کے پاس گیا۔ سب نے ایسا ہی کیا یہانتک کہ امرؤالقیس کے پاس پہنچا۔ اُسے دیکھا کہ وہ اپنے ایک مصاحب کے ساتھ شراب پی رہا ہے اور تختہ نرد کھیل رہا ہے۔ اس نے کہا کچھ خبر بھی ہے حجر قتل ہوگیا اس پر اُس نے کچھ توجہ نہ کی۔ مصاحب ذرا رُکا تو اُس سے کہنے لگا اپنی چال چلو وہ پھر کھیلنے لگا جب بازی تمام ہوگئی تو کہنے لگا میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہارا کھیل خراب کرتا۔ یہ کہکر قاصد سے اپنے باپ کا سارا حال پوچھا۔ اُس نے سب بیان کیا۔ سُنکے کہنے لگا کہ اب جبتک بنی اسد میں سے سو شخصوں کو قتل نہ کرلوں اور سو چوٹیاں نہ کاٹوں جبتک مئے و معشوق مجھ پر حرام ہے۔

ابن الکاہن اسدی سے روایت ہے کہ حجر نے امرؤالقیس کے شعر کہنے سے ناراض ہوکر اُسے نکال دیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ اب کبھی اُس سے نہ ملوں گا۔ اُس زمانہ میں بادشاہ اپنے لئے شاعری کو عیب سمجھتے تھے۔ اس کا یہ حال تھا کہ بنی طے اور کلب اور بکر کے اوباش ساتھ لئے ہوئے قبائل عرب میں پھرا کرتا تھا۔ جہاں کوئی تالاب یا باغ یا شکار کا میدان مل گیا وہیں ڈیرے ڈالدئے۔ روز روز شکار رہے اور دُنبے ذبح ہوتے ہیں اور شراب و کباب کا جلسہ ہے اور گائنیں محفل میں نغمہ سرا ہیں۔ جب وہاں پانی نہ رہا تو اور کوئی جگہ دیکھی۔ اسی رنگ میں اس کی عمر بسر ہوتی تھی یہانتک کہ سرزمین یمن میں دمون ایک مقام ہے وہاں یہ فروکش تھا کہ عامر اعور نے اس کے باپ کے قتل کی خبر آکر سُنائی۔ کہنے لگا کہ حجر نے مجھ کو نکالا اور اُس کے خون نے گھسیٹا۔ بس آج تک شراب خواری ہے اور کل سے پرہیزگاری "الیوم خمر و غداً امر" (آج شراب ہے اور کل امر بزرگ)۔ جب سے یہ قول اُس کا مثل ہوگیا۔ اس کے بعد سات دن تک مے نوشی کی جب نشہ اُترا تو قسم کھائی کہ جبتک باپ کا بدلہ نہ لے لوں گا اُس وقت نہ گوشت کھاؤں گا نہ شراب پیوں گا نہ تیل لگاؤں گا نہ عورت کا مُنہ دیکھوں گا نہ غسل جنابت کروں گا۔

جب حجر قتل ہوگیا تو اُس کی بیٹی نے اور سب گھر والوں نے عویر یا عامر بن جوید کے پاس جاکر پناہ لی۔ عامر کی بیٹی نے باپ کو مشورہ دیا کہ حجر کے مال و عیال پر قبضہ کرلے۔ یہ سُنکر وہ اُٹھا اور اسی سوچ میں ایک وادی میں چلا گیا۔ وہاں جاکر خوب چیخ کرکے کلمہ کہا "عامر نے بدعہدی کی" پہاڑ پر سے جو صدا پلٹی تو سُنکر کہنے لگا یہ کیا بُرا کلمہ ہے۔ پھر خوب چیخ مار کر یہ کہا "عامر نے وفاداری کی" اس کہنے کے بعد جو صدا سُنی تو کہنے لگا یہ کیا اچھا کلمہ ہے۔ اس کے بعد بیٹی سے ایک بھیڑ کو منگوایا اُس کا دودھ دُوہ کر پیا اور چت لیٹ کر کہنے لگا واللہ جبتک ایک بھیڑ مجھکو کفایت کرتی ہے ہرگز بدعہدی نہ کروں گا۔ جب کھڑا ہوا تو اُس کی تیلی پتلی پنڈلیاں دیکھکر بیٹی بولی ایسے وفادار پاؤں میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ کہنے لگا اگر یہ پاؤں بے وفا ہوتے تو واللہ اور بھی زیادہ بُرے ہوتے۔ اس کے بعد راتوں رات حجر کے عیال کو سوار کرکے خود مہار کھینچتا ہوا نجران تک پہنچا آیا۔ اس وفا کی

بدولت امرؤالقیس سے ملک الشعرا کا ممدوح بنا۔ اُس نے عویر کی مدح میں کئی قصیدہ کہے ہیں۔

امرؤالقیس باپ کے قتل کی خبر سُنکر دمّون سے روانہ ہوا اور قبیلہ بکر و تغلب میں جاکر بنی اسد سے لڑنے کے لئے کمک مانگی اور بنی آسد میں جاسوس بھیجے۔ وہ لوگ جاسوسوں کو دیکھکر خائف ہوئے اور بنی کنانہ کے پاس جاکر چھپے۔ علباء ہی نے جاسوسوں سے اُن کو ڈرایا تھا۔ جب رات ہوئی تو علباء ہی نے اُن لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ اے بنی اسد تم خوب جانتے ہو کہ امرؤالقیس کے جاسوس آئے اور تمہاری خبر اُس سے کہنے کو روانہ ہوئے بہتر یہ ہے کہ رات ہی کو یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور بنی کنانہ کو اُس کی خبر بھی نہ کرو۔ وہ سب لوگ وہاں سے چل کھڑے ہوئے اور امرؤالقیس بنی بکر اور تغلب کو ساتھ لئے ہوئے بنی کنانہ پر آپڑا اور بنی اسد سمجھکر اُنھیں پے تلوار کھینچی اور پکارا بادشاہ کا قصاص لینے والو چلو۔ امیر بزرگ کا قصاص لینے والو چلو۔ یہ سنکر بنی کنانہ سے ایک بڑھیا نکل کر آئی اور کہنے لگی تجھ پر پھٹکار نہ ہو ابیت اللعن۔ ہم لوگ تیرے باپ کے قاتل نہیں ہیں۔ ہم لوگ بنی کنانہ ہیں جا باپ کے قاتلوں کو لے اُن کو جانے نہ دے وہ لوگ کل روانہ ہوئے ہیں۔ امرؤالقیس نے بنی اسد کا پیچھا کیا مگر اُس شب نہ پا سکا۔ گھوڑے چلنے سے رہ گئے اور پیاس نے حلق خشک کر دئے اور بنی آسد پانی پر قبضہ کئے ہوئے تھے۔ آخر کو جا پہنچا اور کُشت و خون ہونے لگا۔ بنی آسد کے بہت سے لوگ مارے گئے اور بہت زخمی ہوئے۔ رات کے وقت بنی آسد بھاگ گئے۔ جب صبح ہوئی تو قبیلہ بکر و تغلب نے اُن کا پیچھا کرنے سے انکار کیا اور امرؤالقیس کو سمجھایا کہ بس اب تو بدلہ لے چکا وہ کہنے لگا واللہ ابھی میں نے بدلہ نہیں لیا نہ بنی کاہل میں سے کسی کو میں نے قتل کیا نہ بنی آسد میں سے کوئی مارا گیا۔ اُنھوں نے جواب دیا ایسا ہرگز نہیں ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ تو کمبخت آدمی ہے۔ اُن لوگوں نے امرؤالقیس کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ بھاگ کر سیدھا حمیر میں پہنچا۔

ابن الکیت کا بیان ہے کہ امرؤالقیس جب اپنے کمیت گھوڑے پر چڑھکر میدان جنگ سے نکلا تو عمرو بن المنذر اس کی پھوپھی کا بیٹا تھا اُس کے پاس جاکر پناہ لی اور یہ وہ دن ہیں کہ اُس کے باپ اور چچا سب قتل ہو گئے اور اُس کے گھر کی ریاست میں تفرقہ پڑ گیا اور عمرو انبار و ہیت کے درمیان میں ایک مقام بقہ وہاں اپنے باپ کا جانشین ہے۔ اس نے عمرو کی مدح سرائی کی اور اپنا رشتہ اُس سے اور ماں کی طرف سے جو قرابت ہے اُس کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ میں نے تمہارا دامن پکڑا ہے اور تمہارے پاس پناہ لی ہے۔ عمرو نے اُس کو پناہ دی اور کچھ دنوں یہ اُس کے یہاں مقیم رہا۔ المنذر کو عمرو کے پاس امرؤالقیس کے رہنے کا حال معلوم ہو گیا اُس نے بلا بھیجا۔ عمرو نے امرؤالقیس کو وہاں جانے سے ڈرایا اور یہ بھاگ کر حمیر میں چلا آیا۔

ابن الکلبی اور الہیثم اور عمرو بن شبہ اور ابن قتیبہ کہتے ہیں جب بکر و تغلب نے بنی اسد کا پیچھا کرنے سے انکار کیا تو امرؤالقیس فوراً وہاں سے یمن کی طرف روانہ ہوا وہاں جاکر قبیلہ ازد شنوءہ سے کمک مانگی اُنھوں نے انکار کیا اور کہا بنی اسد ہمارے بھائی بند ہیں اور ہمسایہ والے ہیں یہ ایک اور رئیس حمیری کے یہاں جس کا نام مرثد تھا جاکر اُترا اور اُس سے بنی اسد سے لڑنے کو کمک مانگی اُس نے حمیر میں سے پانچسو آدمی اُس کو دئے۔ یہ ابھی وہاں سے چلنے نہیں پایا تھا کہ مرثد مر گیا اور اس کی جگہ پر ایک اور شخص حمیری جس کا نام قرمل تھا رئیس ہوا

اُس نے امرؤالقیس کو بُلایا اور اُس پر احسانات کئے اور وہ فوج
اُس کے ساتھ روانہ کی اور بہت سے اوباش عرب اُس کے ساتھ
ہولئے اور کچھ لوگ قبائل عرب میں سے اُس نے نوکر رکھے۔ ان
سب کو لیکر بنی اسد کی طرف روانہ ہوا۔ راہ میں تبالہ ایک مقام
ہے وہاں ایک بُت تھا ذوالخلصہ کہ عرب اُس کی تعظیم کیا کرتے
تھے وہاں جاکر اس نے ازلام کی فال نکالی آمر اور ناہی اور
متربّص یہ تینوں تیر اُس نے گھمائے تو ناہی (منع کرنے والا)
نکلا پھر گھمائے پھر وہی ناہی نکلا اس کے بعد پھر گھمائے پھر
وہی ناہی نکلا اس نے ازلام کو سمیٹ کر توڑ پھوڑ کر بت کے مُنہ
پر کھینچ مارے اور گالی دیکر کہا "اگر تیرا باپ مارا گیا ہوتا تو کبھی تُو
مجھے نہ روکتا۔ اس کے بعد وہاں سے چلا اور بنی اسد پر ظفریاب ہوا"

المنذر کو امرؤالقیس کے حاضر کرنے میں بڑی کد تھی اُس
نے ایاد و بہرا و تنوخ کی ایک زبردست فوج روانہ کی۔ یہ جماعت
کچھ زبردست نہ تھی نوشیرواں نے بھی سواروں کا ایک رسالہ
یا قوم اساورہ کی ایک فوج کمک کے لئے بھیجدی۔ حمیر کے
سب لوگ اور جو جو امرؤالقیس کے ساتھ والے تھے سب
منتشر ہوگئے اور وہ اپنے بھائی بندوں کے ساتھ الحرث بن
شہاب کی طرف بچ کر نکل گیا اس کے ساتھ پانچ زرہیں تھیں
الفضفاضہ اور الضافیہ اور المحصنہ اور الخریق اور ام الذیول یہ
زرہیں آکل المرار کے خاندان میں جو شخص بادشاہ ہوتا تھا اس
کو وراثۃً ملتی تھیں۔ تھوڑے ہی دن اس کو الحرث کے یہاں گزرے تھے کہ المنذر نے
اپنے ہمراہیوں میں سے سو آدمی اُس کے پاس لڑائی کی دھمکی دینے کو بھیجے
کہ اگر آکل المرار والوں کو ہمارے حوالہ نہ کردے گا تو جنگ ہوگی اُس نے
سب لوگ اُن کے حوالہ کردئے۔ لیکن امرؤالقیس اپنی بیٹی
کو جس کا نام ہند تھا، یزید بن معاویہ بن الحرث کو، زرہیں اور
ہتیار، اور کچھ مال جو باقی رہ گیا تھا ساتھ لیکر نکل گیا اور سعد بن
الضباب کے یہاں جاکر اُترا یہ شخص رئیس قوم تھا۔ اُس نے پناہ
دی۔ ابن الکلبی لکھتا ہے سعد کی ماں پہلے حجر کے پاس تھی
اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ حاملہ ہے اُس نے طلاق دیدی اور الضباب
نے عقد کرلیا سعد اُسی کے گھر میں پیدا ہوا اور اُسی خاندان میں
اُس کا شمار ہوا۔ امرؤالقیس نے اپنے بعض اشعار میں اس کا
ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد یہ سعد کے یہاں سے بھی چلا آیا اور
سرزمین طے میں جاکر معلّی نامے بنی جدیلہ میں سے ایک شخص تھا
اُس کے یہاں کچھ دنوں رہا اور وہاں اس نے اونٹ بہت
سے لئے کچھ لوگ جدیلہ کے جنھیں بنی زید کہتے ہیں اس کے
اونٹ پکڑلے گئے اونٹوں کے علاوہ امرؤالقیس کے پاس
سانڈنیاں تھیں کہ وہ دروازہ پر اس واسطے بندھی رہتی تھیں
کہ مبادا کوئی وقت ایسا ویسا پڑے تو اُن پر سوار ہوکر نکل جاے۔
جب اونٹ جاچکے تو سوار ہوکر نکلا اور بنی نبہان کے یہاں کہ
وہ لوگ بھی طے میں سے ہیں جاکر اُترا۔ کچھ لوگ
بنی نبہان کے انھیں سانڈنیوں پر سوار ہوکر اونٹوں کے
ڈھونڈھنے کو نکلے بنی جدیلہ نے اُن سے سانڈنیاں بھی چھین
لیں۔ اونٹ لانے گئے تھے اونٹنیاں بھی کھو آئے بنی نبہان
نے کچھ بکریاں اسے دیں اُن کا دودھ دوہا کرتا تھا۔ کچھ دنوں
اُن کے یہاں رہ کر نکلا اور عامر بن جوین کے یہاں جاکر اُترا اور
وہاں اس نے پھر اونٹ لئے اور عامر کا یہ حال کہ ایک ہی بیباک
اور لٹیرا تھا اُس کی قوم والے اُس سے بری الذمہ ہوچکے تھے۔
امرؤالقیس کو یہاں رہتے ہوئے تھوڑے دن گزرے تھے کہ
عامر کی نیت میں فتور آگیا وہ چاہتا تھا کہ اُس کے مال وعیال کا
قابض ہوجائے امرؤالقیس اس بات کو تاڑ گیا اور اُسے دھوکا دیکر بنی ثعل کے

ایک شخص کے یہاں جس کا نام حارثہ تھا چلا گیا اور اُس سے پناہ مانگی اسی بات
پر عامر اور حارثہ میں ایک جنگ ہوئی اور بہت کچھ امور واقع ہوئے۔

وارم بن عقل کہتا ہے جب بنی طے میں امرؤالقیس کے سبب
سے جدال و قتال واقع ہوا تو یہ وہاں سے چلا آیا اور عمرو بن جابر
ایک شخص بنی فزارہ میں تھا اُس سے جاکر پناہ مانگی اُس نے کہا
اے ابن حجر میں دیکھتا ہوں کہ تو اپنی قوم میں گھرا ہوا ہے اور تجھ
ایسے معزز لوگوں کی طرف مجھے خود رغبت ہے۔ مگر کل کی بات
ہے کہ بنی طے چاہتے تھے کہ تجھے کھا جائیں اور ہم لوگ صحرا نشیں
ہیں قلعہ میں نہیں رہتے کہ اُن کو روک سکیں اور یہاں سے لیکر
یمن تک بنی قیس کے اڈے لگے ہوئے ہیں میں تجھے ایسے
شخص کے پاس پہنچا دوں گویا قیصر و نعمان کے پاس پہنچ گیا میں
نے مہمان اور سائل کے حق میں اُس کو بے مثل و نظیر پایا اُس نے
پوچھا وہ کون شخص ہے اور کہاں رہتا ہے اُس نے کہا وہ سموأل
(یہودی) ہے اور تیما میں رہتا ہے اُس کا سلوک تیرے ساتھ
ضرب المثل ہوگا تیرے ضعف کو وہ دفع کردے گا اور وہ مستحکم قلعہ
میں ہے اور صاحب شوکت ہے۔ امرؤالقیس نے کہا میں کیونکر
اُس تک جا سکتا ہوں اُس نے کہا میں تجھے ایسے شخص کے پاس
پہنچائے دیتا ہوں جو تجھے وہاں تک لے جائے۔ فزاری نے
امرؤالقیس کو ربیع بن ضبع فزاری کے ساتھ کر دیا۔ یہ شخص سموأل
کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور وہ اس پر احسانات کیا کرتا تھا۔
امرؤالقیس ربیع کے ساتھ سموأل کے پاس پہنچا اور اُس کے
سامنے اشعار پڑھے اور وہ اس کے مرتبہ سے واقف ہوا عورتوں کو
چرمی خیمہ میں اور مردوں کو ایک میدان میں جو اُس کی نشست کا تھا
اُتارا۔ کچھ دنوں کے بعد سموأل نے امرؤالقیس کو بلا کے اُس کی
سفارش کا رقعہ الحرث غسانی کے نام پر جو کہ شام میں رہتا تھا لکھ دیا تاکہ
اُسے قیصر تک پہنچا دے۔ امرؤالقیس نے ایک رہبر اپنے ساتھ لیا اور عورتوں
کو اور زرہوں کو اور مال و اسباب کو سموأل کے حوالہ کیا۔ یزید نے بھی ان ہی
عورتوں کے ساتھ قیام کیا امرؤالقیس قیصر کے یہاں باریاب ہوا اور
اُس کی نظر میں منزلت حاصل کی۔ قیصر نے ایک بڑا لشکر جس میں شاہزادوں
کی بھی ایک جماعت تھی امرؤالقیس کے ساتھ کر دیا۔

ابن الکلبی کہتا ہے کہ جب امرؤالقیس قیصر کے پاس سے چلا
تو طماح ایک شخص بنی اسد کا تھا اُس نے قیصر سے کہا کہ امرؤالقیس
ایک مرد جاہل اور فاسق ہے جب وہ آپ کے پاس سے لشکر لیکر
چلا تو ذکر کرتا تھا کہ آپ کی بیٹی سے اور اُس سے نامہ و پیام ہوا کرتا
تھا اور ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ وہ یہاں سے جاکر اس مضمون کے
اشعار کہے گا اور تمام عرب میں آپ کو اور آپ کی بیٹی کو رسوا کرے گا۔
قیصر نے یہ سُنکر ایک خلعت زریں جس پر زہر کے نقش و نگار بنے تھے
امرؤالقیس کے لئے روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں نے اپنا ملبوس
خاص تیری عزت بڑھانے کے لئے روانہ کیا ہے جس وقت یہ
پہنچے اسے بخیر و خوبی پہن لینا اور منزل منزل کا اپنا حال مجھے
لکھنا۔ یہ خلعت جب پہنچا تو اُس نے پہن لیا اور بہت خوش ہوا۔
لیکن زہر اُس میں دوڑ گیا اور جلد گرنے لگی اسی سبب سے امرؤالقیس
کا نام ذوالقروح (گھائل) بھی مشہور ہے۔ بلاد روم میں ایک شہر
انقرہ کہلاتا ہے وہاں جب پہنچا تو اُس کی حالت احتضار ہوگئی تھی
وہاں کوہ عسیب کے دامن میں ایک شہزادی کی قبر تھی اُس نے اُس کا حال دریافت
کیا اور اُس کا سارا قصہ سُنکر دو شعر کہے جن کا مضمون یہ ہے۔

"اے ہمسایہ! والی وقت ملاقات قریب آگیا اب میں بھی جبتک کوہ عسیب قائم رہے تیرے قیام
کروں گا ہم تم دونوں یہاں پردیسی ہیں اور پردیسی پردیسی آپس میں رشتہ رکھتے ہیں"

اس کے بعد وہ مرگیا اور اُسی قبر کے پہلو میں دفن ہوا۔

علی حیدر طباطبائی

بسنت رُت

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو
جس کی نوید پہنچی ہے رنگ بسنت کو

انسان فطرتاً اس قدر جدت پسند واقع ہوا ہے کہ ایک حالت میں رہنا اسے گوارا نہیں۔ خزاں میں بہار، بہار میں خزاں، گرمی میں جاڑا اور جاڑا میں گرمی کے موسم کی وہ تلاش کرنے لگتا ہے۔ ایسی طبیعت کے انسان کو ایک پہلو پر کب قرار ہوگا۔ اسی پر کیا منحصر ہے خود قدرت نے دُنیا کو نیرنگیوں سے مالامال کر دیا ہے۔ اور جب انسان کے دل پر اس کا اثر ہوتا ہے تو وہ خود بخود کہنے لگتا ہے۔ ع رُت بدلتے ہی بدل جاتی ہے نیت اپنی۔

ایسی حالت میں جبکہ بسنت رُت کی ابتدا ہو چکی ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے کچھ نہ سہی اس رُت کی وضاحت ہی کر دیں تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔ بسنت ہندی جو سنسکرت میں وسنت ہے کُسم کے پھول کو کہتے ہیں۔ وہ موسم جبکہ دلوں میں خود بخود اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں انسان ہزار بڑھا پژمردہ ہو دل کی بےچینی اس سے دل ہی دل کہلا دیتی ہے کہ

پیری سے گو ہے کُند طبیعت مسری ظفرؔ لیکن شباب کی سی ہے جی میں اُمنگ تیز

حکمائے ہندوستان نے سال کے بارہ مہینوں کو چھ رتوں پر تقسیم کیا ہے۔ اور اس طرح ہر رُت دو ماہ تک رہتی ہے۔ ان میں سے پہلی رُت کا نام بسنت ہے جس کی مدت چیت سے بیساکھ تک ہوتی ہے۔ ایک راگنی کو بھی بسنت کہتے ہیں۔ سرسوں کے پھولنے کا یہی موسم ہے۔ چنانچہ نظیر اکبرآبادی فرماتے ہیں:-

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا ۔۔۔ دھو لنے کے برابر وہ لگا باجنے ٹھکا
دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول سے اٹکا ۔۔۔ ہر بات میں ہوتا تھا اسی بات کا لٹکا
سب کی تو بسنتیں ہیں یہ یاروں کا بسنتا

اگلے زمانہ کے ہندو مصنفین اپنی کتابوں میں بسنت کی تصویریوں کھینچتے ہیں:-

"بسنت رُت بھی ایک راجہ ہے جس نے اپنے بڑے بڑے خیمے اور شامیانے کا ہی کے تنے ہیں بڑے بڑے درختوں کے چھتوں پر جال دار بلیں ڈالی ہیں اس نے جھنڈے اور پھریرے کیلوں اور کھجوروں کے درختوں سے قایم کئے ہیں۔ جن کو کوئی بڑا ہی زبردست پہلوان ہوگا جو دیکھکر متحیر ہوگا جو بھانت بھانت کے درختوں پر پھول کھل رہے ہیں وہ اس کے تیر انداز سپاہی ہیں جو طرح طرح کی وردیاں پہنے ہیں، اور ان میں جو کوئی بڑا ہی سہانا درخت کھڑا ہے وہ گویا سور بیر افسر ہے۔ بھونروں کی گونج جو ہو رہی ہے وہ شہنائی بج رہی ہے۔ کوئلیں جو بول رہی ہیں وہ اس کے مست ہاتھی ہیں۔ بگلے، بیل و خچر و اونٹ ہیں، یورا و چکور۔ موٹے اُس کے جنگی گھوڑے ہیں۔ کبوتر اور ہنس اس کے عربی گھوڑے ہیں۔ بٹیر تیتر اس کے پیادے ہیں ہوا جو مندی مندی خوشبودار چل رہی ہے وہ گویا قاصدی کر رہی ہے بسنت رُت بج رہی ہے، نئے نئے درختوں پر رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں، چاروں طرف بن، باغ، تالاب سہاونے ہو رہے ہیں، ٹھنڈی ٹھنڈی سگندھ بھری پون مندی مندی چل رہی ہے، عشق کی آگ سُلگا رہی ہے۔ مردہ دلوں کو زندہ بنا رہی ہے، ناچ رنگ کی محفلیں جمی ہوئی ہیں، پریاں ناچ رہی ہیں۔ بھانت بھانت کے پھولوں کی گیندیں مالنیں اُچھال رہی ہیں۔ مالی تانوں کی ترنگوں میں

۵۱ مزید معلومات کے لئے کالیداس کی تصنیف رتو سنگار اور پروفیسر ذکاء اللہ کے ترجمے ملاحظہ ہوں۔

گا رہے ہیں۔ سب جگہ لاڈ پیار کی باتیں ہو رہی ہیں۔ تالابوں میں سُندر کنول کھل رہے ہیں۔ اُن پر بھونروں کے جھنڈ کے جھنڈ گونج رہے ہیں۔ سُندر سُندر ہنس ان میں تیر رہے ہیں۔ کوکلا اور پکھشی رس بھرے سُر گا رہے ہیں" انشا فرماتے ہیں ؎:۔

آتے نظر ہیں دشت و جبل زرد ہر طرف ٭ اب کے سال ایسی ہی لے دوستاں بسنت"

اگرچہ اصل رُت بیساکھ کے مہینہ میں آتی ہے لیکن زندہ دلان ہندوستان ماگھ ہی کے مہینہ سے جب سرسوں پھولنے لگتی ہے اس موسم کا خیر مقدم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تقاضائے طبیعت بھی یہ ہی ہے کیونکہ جاڑے کی بڑی بڑی راتیں کاٹے نہیں کٹتیں۔ اور جی اُکتا جاتا ہے۔ سردی کے مارے طبیعت رُکی رہتی ہے۔ رگوں میں خون اچھی طرح نہیں دوڑتے بسنت کی ابتدا ہوتے ہی قدرتاً آفتاب کی حدت سے خون میں تیزی آجاتی ہے پھر تو نہ پوچھو طبیعت میں کیسا ولولہ، اُمنگ، شگفتگی، اور جوش و خروش پیدا ہوتا ہے۔ مزید براں ان کیفیات کے محسوس کرنے کی مسرت جو دلوں میں ہوتی ہے اس کا ہر انسان بشرطیکہ وہ دل رکھتا ہو خود اندازہ کر سکتا ہے کچھ ہندوستان ہی پر منحصر نہیں ہے۔ دُنیا کے کسی ملک اور اُس ملک کے کسی حصہ میں چلے جاؤ۔ اس خاص موسم میں سب کو یکساں سرشار و مسرور پاؤ گے۔ سعدی جیسے صوفی صافی سے بھی نہ رہا گیا۔ آخر اس کیفیت کو نظم کر گئے۔ ؎

"برگ درختان سبز در نظر ہشیار ٭ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار"

اور پھر کہتے ہیں ؎

"صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن بر گلزار ٭ کہ نہ وقتیست کہ در خانہ نشینی بیکار
بلبلاں! وقت گل آمد کہ بنالند از شوق ٭ نہ کم از بلبلِ مستی تو بنال اے ہوشیار!"

غرضکہ ہر ملک اور ہر ولایت میں کسی نہ کسی طرح اس کا رنگ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس کے اثر کو نہ تو کوئی مذہب مخصوص کر سکتا ہے اور نہ کوئی فرقہ اس میں پھوٹ ڈال سکتا ہے۔ یہ بھی فیضانِ قدرت ہے جس سے اس کی ہر مخلوق یکساں طور پر مالا مال ہو جاتی ہے۔ پادری ہو یا برہمن۔ پیر ہو یا مرشد کسی کے تلقین کی ضرورت نہیں پڑتی حضرتِ دل خود پیرِ طریقت بنتے ہیں۔ آپ وجد میں آجاتے ہیں اور پھر سارے قوے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لیتے ہیں بقول انشا ؎

تو نے لگائی آ کے یہ کیا آگ اے بسنت ٭ جس سے کہ دل کی آگ اُٹھی جاگ اے بسنت

اہلِ ہند اس موسم کو نہایت مبارک سمجھکر بطور فال نیک یا اظہار مسرت کے لئے بزرگوں کے مزار اور دیبی اور دیوتاؤں کے استھانوں پر کثرت سے پھول چڑھاتے ہیں۔ اور پھول بھی موسم کے مطابق یعنی سرسوں کے۔ بسنتی رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور گاتے بجاتے ہیں اسی مناسبت سے زرد رنگ کو بسنت اور اس میلا کو بسنت کا میلا کہنے لگے۔ اس زمانہ میں ایسے میلے بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اب سے کچھ پیشتر زردپوش سیلانی بڑے تزک و احتشام سے جلوس نکالتے تھے۔ جس کی ایک ایک چیز بسنتی رنگ میں رنگی ہوتی تھی۔ رتھ۔ گھوڑے۔ ہاتھی، پالکی۔ پیادے، ملازم سب کے سب زردپوش ہوتے تھے۔ نظیر کہتے ہیں ؎

پھر صحن میں چمن کے آیا بحسن و خوبی ٭ اور طرفہ تر بسنتی اک انجمن بنائی

مگر نہ اب وہ دل ہے نہ وہ دماغ۔ نہ وہ ہندوستان ہے نہ وہ تہذیب و تمدن۔ قاعدہ ہے کہ جس طرح تبادلۂ خیال سے انسان کے خیالات میں تبدیلی و تغیر واقع ہوتا ہے اسی طرح قدیم و جدید رسم و رواج، علم و ہنر، اور تہذیب و شائستگی کے میل ملاپ سے باہم دیگر انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انسان اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی تو صحیح ہے کہ انسان جدت پسند ہونے کے باعث نئی چیز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی دلچسپی اس کو ایسا منہمک و مستغرق کر دیتی ہے کہ بھول کر بھی اپنی پرانی چیزوں کی طرف رُخ نہیں کرتا۔ اگلے زمانوں میں بسنت کے موقع

پر جیسے جشن منائے جاتے ہوں گے ان کے احوال بزرگوں کی تصانیف
میں قلمبند ہیں۔ جس کا ایک ٹکڑا ہم اوپر بیان کر چکے۔ اب بھی ایسی
ریاستیں موجود ہیں جہاں اس موسم میں غیر معمولی طور پر اظہارِ مسرت
کے سامان بہم پہنچائے جاتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس اُمنگ کے جوش و خروش اور اس شگفتگی کے
احساس کو قسامِ ازل سے یکساں طور پر پایا اور ان کیفیتوں کے اظہار
میں بھی وہ کسی قوم سے پیچھے نہیں رہے۔ بادیہ نشین آزاد عرب سے بڑھ کر
اس موسم کی خوبیوں سے کون زیادہ متاثر ہو سکتا تھا۔ سرزمین
ایران جس کا چپہ چپہ گل بوٹے سے بھرا پڑا تھا۔ یہاں ان کا آنا تھا
کہ ع سمندِ ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا۔ نکتہ سنج جانتے ہیں کہ امیر
بخارا کے دربار میں رودکی[1] جیسا موسیقی داں شاعر تھا۔ فتحمند امیر جب
خراسان میں داخل ہوا تو موسم بہار کی ابتدا ہو چکی تھی وہاں کی
آب و ہوا۔ سبزوں کی شادابی۔ پھولوں کی مہک۔ بلبلوں کی چہک
اور مختصر یہ کہ قدرت کی کرشمہ سازیوں نے اسے ایسا گرویدہ کر لیا کہ اپنے
وطن بخارا کو بالکل بھول گیا۔ اُمرا نے منتیں کیں۔ خوشامدیں کیں۔
لیکن وہ کسی طرح وہاں سے جانے پر رضامند نہ ہوتا تھا۔

رودکی نے ایک قطعہ موزوں کر رکھا تھا حسنِ اتفاق سے
ایک شب امیر نے بخارا کی آب و ہوا۔ اور گل و گلزار کا ذکر کیا۔ پھر
کیا تھا۔ رودکی نے گانا شروع کر دیا۔ سُریلی آواز اُس پر سارنگی
کا ساز۔ واقعہ سچا اور بندش کی سادگی ساری خصوصیات دلکش
جب وہ ان اشعار کی تکرار کرنے لگا کہ ؎

"بوئے جوئے مولیاں آید ہمی یادِ یارِ مہرباں آید ہمی
ریگ آموی و درشتیہائے او پائے مارا پرنیاں آید ہمی
اے بخارا شاد باش و دیر زی شاہ سوئیت میہماں آید ہمی"

تو امیر بے چین ہو گیا کہ رودکی نے جو کچھ سُنایا ہے اسے چل کر دیکھئے
اس اضطراب میں اس کو موزوں کا بھی خیال نہ رہا اور سوار ہو گیا
اور کوسوں اسی طرح چلا گیا۔

بہرحال ہندوستان میں بھی ان جذبات کو مسلمانوں نے اپنے
ساتھ لایا۔ آب و ہوا مناسب تھی وہ جذبات اور اُبھر گئے آپس
کے میل ملاپ اور تبادلۂ خیال سے جہاں مسلمانوں کے خیالات
ورواج کا ہندوؤں پر اثر ہوا وہاں ہندوؤں کی بعض رسمیں
بھی مسلمانوں میں چلی آئیں۔ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ تغلق
شاہیوں میں بسنت کے رواج کی ابتدا ہونے لگی تھی۔ اور یہ
ہجری کی آٹھویں صدی کی ابتدا تھی۔ ہوتے ہوتے خواجہ
امیر خسرو دہلوی جیسے نقادِ سخن کا زمانہ آیا۔ آپ نے بسنت
کے میلے کا رواج دے دیا۔ جس کا قصہ یہ ہے:۔

خواجہ امیر خسرو دہلوی سلطان المشائخ حضرت نظام الدین
اولیا کے مرید خاص تھے۔ آپ ہی کی شان میں امیر خسرو نے
فرمایا ہے کہ ع "خواجہ نظام است و نظامی منم"۔ ایک روز حضرت
اپنے مریدوں کے ساتھ باولی کی سیر کو نکلے اتفاق سے اسی
دن بسنت پنچمی کا میلہ تھا۔ اور بہار کی ابتدا ہو چکی تھی۔ عقیدتمند
ہندو سرسوں کے پھولوں کے گڑوے بنائے گاتے بجاتے
لئے جا رہے تھے۔ حضرت تو آگے بڑھ گئے۔ موسم کی کیفیت کو
امیر خسرو کے دل نے بے حد محسوس کیا اور بے خود ہو کر حضرت
کے ہمراہیوں سے پیچھے رہ گئے۔ کچھ دیر تک زرد پوش سیلانیوں
کو دیکھتے رہے۔ اور برجستہ آپ نے یہ مصرعہ موزوں کیا۔ ع
"اشک ریز آمدہ است ابرِ بہار"۔ آپ فن موسیقی کے بھی بڑے
ماہر تھے۔ بے خودی میں لگے اپنا مصرعہ الاپنے۔ اس ذوق و
شوق نے ایسی آگ بھڑکا دی کہ وجد میں آ کر آپ ایک سرسوں

---

[1] ۳۳۰ھ ہجری میں اس کا انتقال ہو گیا۔

کے کھیت میں بیٹھ گئے - اور سرسوں کے پھول دستار میں ادھر اُدھر اُلجھا کر آپ آگے بڑھے - مگر اسی طرح اپنے مصرعہ کو الاپتے ہوئے جو جو آگے بڑھتے جاتے تھے - آپ کے الاپ کی آواز حضرت سے نزدیک ہوتی جاتی تھی - سُریلی بھنک کان میں پہنچتے ہی حضرت نے پھر کر دیکھا تو امیر خسرو ندارد - آپ نے فرمایا آج خسرو کہاں رہ گیا" ؟ پوچھنا تھا کہ مریدوں میں سے دو چار امیر خسرو کو ڈھونڈھنے چلے - تلاش کرتے ہوئے آئے تو دیکھتے ہیں کہ امیر خسرو کچھ اور ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں - قاعدہ ہے کہ زود اثر طبیعتیں فوراً متاثر ہو جاتی ہیں - یہ لوگ بھی خسرو ہی کے ہم جلیس ہو گئے - غرضکہ جو کوئی جاتا ہے اُسی رنگ میں رنگ جاتا ہے - یہ ہزار دقت ایک مرید واپس آیا اور حضرت سے سارا ماجرا بیان کیا - سُنتے ہی حضرت، امیر خسرو کو لینے چلے - دیکھتے ہی خسرو جہاں تھے وہیں تھم گئے اور رقت طاری ہو گئی - اور اسی عالم میں آپ یہ شعر گانے لگے ؎

"اشک ریز آمدہ است ابر بہار　　ساقیا گل بریز بادہ بسیار

سلطان مشائخ جب قریب پہنچے تو اس شعر کو سنتے ہی بیتاب ہو گئے - بے خودی میں آپ نے دامان و گریبان چاک کر ڈالا - اور امیر خسرو کے گلے میں بانہیں ڈال دئے - اور اسی حالت میں دونوں روانہ ہوئے - جب تک بسنت کی کیفیت محسوس ہوتی رہی یہی شعر یاد آتا تھا - خسرو سے حضرت فرماتے اور وہ الاپتے تھے - یہاں تک کہ سارے اہل دل مرغ بسمل کی طرح تڑپتے اور پھڑکتے تھے یہ بھی قاعدہ ہے کہ بزرگوں کا کوئی خاص واقعہ یادگار میں داخل ہو جاتا ہے اسی زمانہ سے وہاں کے مسلمانوں نے بھی بسنت کے میلے کو رواج دے دیا اور حضرت نظام الدین اولیا نے جو اپنے بھانجے کے انتقال کے بعد راگ کو چھوڑ بیٹھے تھے پھر سماع شروع کر دیا - اور بقول مولوی سید احمد دہلوی "رفتہ رفتہ ہر ایک بزرگ کے مزار پر بسنت چڑھنے لگی - اول پہاڑوں پر آمد میاں کی بسنت چاندرات کو چڑھتی ہے - پھر پہلی تاریخ کو قدم شریف میں غرض اسی طرح خواجہ صاحب چراغ دہلی، حضرت نظام الدین اولیا - وغیرہ وغیرہ بزرگوں کے مزاروں پر باری باری سے چڑھتی ہے - بسنت کے روز قوال اول حضرت کی قدیم خانقاہ میں جا کر پھول چڑھاتے ہیں اس کے بعد مولانا تقی الدین نوح کے مزار پر اور اخیر میں حضور کے روضۂ اقدس پر چڑھاتے ہیں"۔

ہندوستان کے شکسپیر شیخ ولی محمد نظیر اکبرآبادی نے اُردو میں سب سے پہلے بسنت پر نظمیں لکھیں - ان میں سے ایک غزل یہ ہے -

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو　　جس کی نوید پہنچی ہے رنگ بسنت کو
بیٹھو چمن میں نرگس و صد برگ کی طرف　　نظارہ کر کے عیش و مسرت کی داد دو
سُن کر بسنت مطرب زریں لباس سے　　بھر بھر کے جام پھر مئے گلرنگ کے پیو
کچھ قمریوں کے نغمہ کو دو سامعے میں راہ　　کچھ بلبلوں کا زمزمۂ دل کشا سنو
مطلب یہ ہے نظیر کا یوں دیکھ کر بسنت　　ہو تم بھی شاد دل کو ہمارے بھی خوش کرو

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ　　سب کھیت اُٹھا سر کے اوپر رکھ لیا جھاڑ

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں :—

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج اہا ہا!　　دل شاد ہیں ادنیٰ و فقیر آج اہا ہا!
بلبل کی نکلتی ہے صفیر آج اہا ہا!　　کہتا یہی پھرتا ہے نظیر آج اہا ہا!
سب کو تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کو بسنتا"

اڈیٹر

بہار

(نتیجہ فکر جناب ابو الحسن خانصاحب آرزو)

یاد مینا و سبو کے ساتھ آتی ہے بہار — ہجر ساقی میں لہو ہمکو رولاتی ہے بہار
دیکھئے کس کس کو دیوانہ بناتی ہے بہار — کچھ عجب انداز سے اس سال آئی ہے بہار
اُسکی گُل کاری ہر اک برگ و شجر سے ہے عیاں — صنعت باری ہمیں کیا کیا دکھاتی ہے بہار
اشک شبنم سے سدا روتی ہے خود بھی اے اثر — عشق میں گل کے جو بلبل کو رولاتی ہے بہار
سیر گلشن کو اگر جاتا ہوں میں خونیں جگر — داغ لالہ کا مجھے اکثر دکھاتی ہے بہار
آتش گُل سے گلستاں سینۂ عشاق ہے — آگ گلشن میں لگاتی ہے جب آتی ہے بہار
داغ لالہ کا نہ پہونچا داغ سینہ کو مرے — داغ دل پر مرے کیا کیا داغ کھاتی ہے بہار

دیر سے ہے منتظر یہ آرزوئے بادہ خوار
ساقیا مے کب ملے گی آئی جاتی ہے بہار

بہار بیکار

(نتیجہ فکر جناب امین الحسن رضوی صاحب بسمل موہانی)

موسم نے بہار کی ہے ٹھانی — ہر چیز پہ آگئی جوانی
رندوں نے گھٹا سے کی ہے سازش — میخانہ پہ چھا رہا ہے پانی
کیا وقت ہے کیا سماں ہے کیا دن — ہر چیز دھلی ہوئی سہانی
اللہ رے ابر کا تلاطم — موج دریا ہے پانی پانی
نیرنگی ابر بھی ستم ہے — اودا براق ارغوانی
ہوتا گر ابر ہی تو کیا تھا — ہے برق کی بھی گلفشانی
تڑپی چمکی گری کسی پر — بنتی ہوئی قہر آسمانی
شعلہ جو بنی جھپک گئی آنکھ — گویا کہتی تھی لن ترانی
یہ برق یہ ابر سب گوارا — ہو اُنکی نصیب میزبانی
ہاں وہ جو برق کی چمک سے — ڈر کر ہو وجہ کامرانی
یعنی سینے اختیار ہو جائے — سب چھوڑ کے ناز سرگرانی
ہونٹوں میں بھی کپکپی ہو تھوڑی — ٹھنڈے ہو جانے کی نشانی
گرمی پہونچا دوں اپنے لب سے — کچھ کر نہ سکے وہ دُرفشانی
ایک مرتبہ ابر پھر سے گرجے — بجلی بھی تڑپ کے ہو دوانی
پھر کیا ہو میں کیا بتاؤں ہمدم — خود وقت ہو آرزو کا بانی
ہو جائے وہ چشم دید سارا — جو کچھ کہ ہے قصہ و کہانی
کیا واقعی یوں بھی ہو سکیگا — یا ہے یہ خیال کی روانی
تقدیر سے تو امید کب ہے — ہاں ہوتا نہ سید آسمانی
بنے ہے یہ فلک کی چھیڑ خانی — بیکار برس رہا ہے پانی
کیا فائدہ جب نہیں ہے وہ بت — سرمایۂ عیش جاودانی
بے اُسکے بہار تو خزاں ہے — ہر گل ہے ایک ستم کا بانی
ہر ایک گرج ہے چوٹ اسیر — بجلی کی چمک ہے جانستانی
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اسدم — ہیں جلتے توے پہ جیسے پانی
افسردہ دلوں کی بات مت پوچھ — اُنکو عنقا ہے شادمانی
بارش سے غرض فقط یہی ہے — افزوں ہو اور خستہ جانی
ہم بھی اب دیکھتے ہیں کبتک — اے پیر فلک تری جوانی
ہم اور یہ جور ہاسے بیجا — اللہ ری تیری بدگمانی

بسمل سنبھلو سنبھالو دلکو
کبتک اُف ابر ہائے پانی

خوف رسوائی

(نتیجہ فکر جناب محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی)

مزے کی چیز ہے الفت نہ ہو گر خوف رسوائی — دل عاشق میں پیدا اس سے ہو جاتی ہے گہرائی

نہ ہو گر خوف رسوائی کسی کے شوق پنہاں کا   نہ ہو وارفتہ دل کوئی نہ سرگشتہ نہ سودائی

ہمیشہ سے رہا ہے دشمن اہل تمنا یہ   تعجب ہے حسینوں سے بھی اسنے خاک چھنوائی

اسی کے سر ہے خون آرزو ناکام الفت کا   اسی نے بیگناہوں سے لیا عہد شکیبائی

کسی کے قلب میں رہتا ہے یہ ضبط فغاں ہوکر   حیا بنکر کسی دلمیں ہے اسکی جلوہ آرائی

کسی کے دلمیں رعب حسن بنکر یہ سمایا ہے   کسی دل میں ادائے حسن کی صورت جگہ پائی

یہی ظالم ہوا ہے مانع اظہار حال دل   زبان شوق سے کی سلب اسی نے تاب گویائی

کبھی رحم اسکو آیا ہی نہیں حسرت نصیبوں پر   کسی کو راہ صحرا اور کسی کو قبر دکھلائی

دہان عرض مطلب پر بنا یہ مہر خاموشی   زبان مدعا کو بے زبانی اسنے سکھلائی

بتایا اُسنے رونا چپکے چپکے بستر غم پر   طبیعت جب سکون و صبر سے عاشق کی گھبرائی

کبھی ہمت جو لوٹی ضبط غم سے قلب مضطر کی   بڑھایا حوصلہ اور داستان قیس دہرائی

کیا کچھ اسطرح پامال ذوق کامیابی کو   کہ پھر کوئی دل آشفتہ کی حسرت نہ بر آئی

مٹایا صفحۂ ہستی سے ایسا نو جوانوں کو   کہ جنمیں شان خودداری رہی باقی نہ رعنائی

تہ و بالا کیا کچھ اسطرح انبوہ شادی کو   مسرت پھر نہ بھولے سے کبھی دل کی طرف آئی

اسی نے منزل مقصود سے ناکام رکھا   یہی پھر بنگیا گردش نصیبوں کا تماشائی

ہماری طرح اکثر بیکسی میں نامرادوں نے   در بیت خانہ و کعبہ پہ کی ہے ناصیہ سائی

غرض کرتا رہا مجبور مشتاقوں کو یہ لیکن   کسی محبوب کے مُنہ سے نقاب اسنے نہ سرکائی

نہ ہو گر ننگ بدنامی دل معشوق و عاشق میں   سر بازار حسن و عشق کی ہو کار فرمائی

مزے جاں اپنی کوئی ہجر کے مُنہ سے نہ لگا کر   گوارا بھی نہ ہو مرقد کی ظلمت اور تنہائی

کوئی آوارۂ کوئے تمنا ہو نہ دنیا میں   نہ پھر صحرا نوردی ہو نہ ہو پھر آبلہ پائی

نہ ہو پھر کچھ شکستہ حالی نہ ذوق پریشانی   نہ دلمیں داغ حسرت ہوں نہ شوق جادہ فرسائی

نہ کر و شمار رات دن کا اور نہ ہو ہر دم کی خاموشی   نہ مایوسی نہ مجبوری نہ ناکامی نہ تنہائی

جگر کا خون پانی ہو نہ چشم تر رہے جاری   نہ مٹنے پائے حسن صورت و شکل ہیولائی

مرض بڑھنے نہ پائے اشتیاق دید جاناں کا   دکھائیں حسن اور عشق اپنی اپنی وہ مسیحائی

کچھ ایسا انقلاب آجائے اس دنیائے الفت میں   کہ حسن دلربا سے عشق کو ہو ناز ہمتائی

حسینان جہاں خاطر کریں عاشق مزاجوں کی   ہماری بھی ہو بزم ناز میں پھر عزت افزائی

حکومت اور دولت کچھ نہ ہو محوی مگر پھر بھی   دکھائیں عشق کے اقلیم میں ہم شان دارائی

بجائے سوز غم دلمیں و فور شادمانی ہو   ہماری بزم عشرت کا فلک بھی ہو تماشائی

تمنائیں دل مشتاق کی ساری نکل جائیں

مآل کار ضبط شوق پنہاں ہو نہ رسوائی

پھول میں

(نتیجہ فکر جناب سید شریف الحسن صاحب اثیم و تمنا)

طور پر کیا گر وہ ہوتا جلوہ افگن پھول میں   اور کھلتا شعلۂ وادیٔ ایمن پھول میں

دیکھنے کے واسطے چشم بصیرت چاہیے   ہے چھپا دانہ میں خرمن اور گلشن پھول میں

خار گل سے ہے خلش نرگس سے شبہ ہے مجھے   اک عدو کانٹوں میں میرا ایک دشمن پھول میں

اب تو انساں بھی بنینگے عندلیبوں کے رقیب   گلعذاروں کا پھٹا پڑتا ہے جوبن پھول میں

اسنے گل توڑے کہ گلچیں کو نہیں اتنی تمیز   پھول دامن میں ہے یا ہے اپنا دامن پھول میں

جتنے نازک ہیں وہ ہے اتنی ہی ہلکی انکی تیغ   تول کر رکھا ہے آہنگر نے آہن پھول میں

سب سے کم ہے زندگی شبنم کی پر با لطف ہے   پھول شاخوں میں ہے لیکن اسکا مسکن پھول میں

بلبلوں میں ہے مرا انداز آہ صبحگاہ   سینہ چاکی ہے مثال صبح روشن پھول میں

ڈال لیتے ہیں گلے میں شوق سے بدھی کو وہ   یہ صفت تیری ہے بندش میں کہ مالن پھول میں

سچ تو یہ ہے بے اثر ہیں تیرے نالے عندلیب   ورنہ کچھ غنچہ میں پتھر ہے نہ آہن پھول میں

تو نے پروانہ ابھی لالہ کو دیکھا ہی نہیں   وہ بھی ہے اک شمع مثل شمع روشن پھول میں

ہے گل خورشید گلشن میں گل مہتاب بھی   ہم تو شام و صبح کا کرتے ہیں درشن پھول میں

آگئی ہے رفتہ رفتہ چاک دامانی مری   شاید آجائے مرا انداز شیون پھول میں

غیر چھپ سکتے نہیں دلمیں یہ ظاہر ہو وہ گل   دو ہی پھولوں میں تُلے تھے آج دو من پھول میں

بلبل سرگشتہ میرے دل سے کہتا ہے یہ کاش   میرا مسکن زلف ہو تیرا نشیمن پھول میں

بلبل و پروانہ نے ان کو نہیں دیکھا اثیم

شمع میں ویسی تجلی ہے نہ جوبن پھول میں

خزاں

(نتیجہ فکر جناب سید شریف الحسن صاحب نسیم و تمنا)

فصلِ خزاں کی دست درازی ہے بوستاں | اُجڑا کچھ اس طرح کہ نہیں قابل بیاں
سوکھے درخت دیکھ کے روتا ہے باغباں | گلچیں کو پھول کا نہیں ملتا کہیں نشاں
اشجار میں نہ شاخ نہ پتا نہ پھول ہے | اب تازگی کی جائے فقط خاک دھول ہے
پتوں کا نام تک نہیں اب شاخسار میں | سایہ کہاں ہے اب شجر سایہ دار میں
پھولوں کی جائے خار ہیں ہر لالہ زار میں | دو اک شجر نظر نہیں آتے ہزار میں
شاداب دشت ہے نہ کوئی کوہسار ہے | اب باغباں کو خدمتِ گلشن بھی بار ہے
رہتا ہے صبح و شام ترا سب کو انتظار | ویراں ترے بغیر ہے ہر دشت اور دیار
اُجڑا اگر ہے باغ تو برباد شاخسار | وہ چہچہے رہے نہ نوا سنجیِ ہزار
سبزی ہے شاخ میں نہ تو رنگت گلوں میں ہے | نغمہ کی جائے آہ و فغاں بلبلوں میں ہے
بے لطف رنگ شام ہے بے نور ہے سحر | بے رونقی سی چھائی ہے عالم میں سربسر
ویران بوستاں ہے تو سنسان دشت و در | پہلے سے جو خراب تھا اب ہے خراب تر
شب کا وہ رنگ ہے نہ وہ دن کا ہے رنگ و بو | دلکش نہ چاندنی ہے نہ دلچسپ دھوپ ہے

بہار

رخصت ہوا ہے خزاں کہ ہے آمد بہار کی | چمکا نصیب پھول کا قسمت ہزار کی
حالت بدل چکی تھی ہر اک لالہ زار کی | مرضی مگر کچھ اور ہے پروردگار کی
ظالم تمام ظلم ترے حد سے بڑھ چکے | اب اور تیرے نیرِ اقبال چڑھ چکے
جو کچھ جہاں میں تو نے کیا ہے چھپا نہیں | وہ کونسا ستم ہے جو تجھ سے ہوا نہیں
گلشن کو دشت دشت کو ویراں کیا نہیں | تو ہی بتا یہی تھا ترا کام یا نہیں
رو اپنی جان کو کہ اب آتی ہے پھر بہار | پھر داغ دل وہی ہیں وہی رنگ لالہ زار
اُٹھیگا اب ضرور یہاں سے ترا عمل | باغِ جہاں میں رہ نہیں سکتی تو ایک پل
رخصت ہو اپنی راہ لے گلزار سے نکل | اب نخل ظلم کا ترے ملتا ہے تجھکو پھل
اچھا ہے یہ کہ جائے تو سیدھے طریق سے | ورنہ نکالی جائیگی تنگی سے ضیق سے
آ اے بہار باغ جہاں میں کہاں ہے تو | مشہور دہر دشمن فصل خزاں ہے تو
معروف رونقِ چمن و بوستاں ہے تو | موسوم کارساز گل و گلستاں ہے تو
تیرا وجود گلشن و صحرا کی شان ہے | موسم اگر ہے جسم تو تو اسکی جان ہے
گلشن میں پھول پھول میں رنگت تجھی سے ہے | لالہ میں داغ داغ میں کلفت تجھی سے ہے
خوشہ ہے زر میں خوشہ میں حمرت تجھی سے ہے | شاخوں میں برگ برگ میں نزہت تجھی سے ہے
خامہ اگر کرے ترے اوصاف کا بیاں | قرطاس پر ہو گلشن فردوس کا گماں
تجھ سے ہی پھلتی پھولتی ہیں شاخہائے تر | فیضِ قدم سے تیرے ہیں سارے شجر ثمر
پُر لطف تیری ذات سے ہے شام اور سحر | کیا بات ہے وہاں کی جہاں تو ہو جلوہ گر
تیرے غمِ فراق کا ہر گل گواہ ہے | دستِ خزاں کے ظلم کا بلبل گواہ ہے

دنیا اور انسان

(نتیجہ فکر جناب سید احمد حسین صاحب امجد)

اک مسافر کسی جنگل سے چلا جاتا تھا | ناگہاں راہ میں اک شیر ژیاں کو دیکھا
چڑھ گیا ایک شجر پر وہیں وہ خوف زدہ | شیر نے دیکھا کہ ہاتھ سے شکار گیا
ہونٹ چابے کبھی غصہ سے دھڑو کے مارے | رنج و غم سے نظر آنے لگے دن کو تارے
اور تو سوجھی نہ کچھ۔ دل میں یہ اُسنے ٹھانی | کہ کسی روز تو اُترے گا یہ خصمِ جانی
خون سب اسکا میں کر دونگا بہا کر پانی | کب تک آخر ملک الموت سے آناکانی
یہ کہا اور وہیں زیر شجر بیٹھ گیا | خوف کے مارے مسافر کا جگر بیٹھ گیا
ایک ڈالی پہ سہارا لیا بیچارہ نے | خوف و دہشت سے جگر ہو گیا ٹکڑے ٹکڑے
بھوک سے ہو گیا مجبور وہ بیحد بارے | ثمرِ پختہ و خام اُسنے کئے چٹ سارے
ہو گئی شاخ وہ جب برگ و ثمر سے خالی | چاہا کمبخت نے تلکے کوئی اونچی ڈالی
دیکھا پھن کھولے ہوئے ناگ ہے کالا سر پر | اُڑ گئے ہوش وہیں تختِ سلیماں بنکر
تھی نگہ شیر پہ گاہے کبھی افعی پہ نظر | سچ ہے آتی ہے مصیبت پہ مصیبت اکثر

یک من و بر سر قتل اندر یزادے چند
وائے بر صید کہ یک باشد و صیاد چند

جان زار اُسکی کشاکش میں پھنسی تھی ہیہات
پڑ گئی کیسی الٰہی - نہ کوئی سنگ نہ سات

نہ کہیں بھاگنے کو رہ - نہ کہیں پائے ثبات
تھی حباب لبِ دریا کیطرح اُسکی حیات

سانپ کی شکل کا رہ رہ کے خیال آتا تھا
خوف سے شیر ژیاں کے کبھی ڈر جاتا تھا

اور لوٹا فلک پیر نے یہ اُس پہ ستم
کہ وہ جس شاخ پہ بیٹھا تھا بہ چشم پُرنم

اُسکو دو چوہے کترنے لگے ملکر پیہم
کہیں کٹ جائے جو ڈالی - تو گریگا اکدم

سانپ اُدھر تاک میں ہے شیر اِدھر منہ کھولے
اور کترتے ہیں الگ شاخ نشیمن چوہے

پھر اُسی شاخ پہ اک شہد کا چھتہ دیکھا
بیحیائی کی بلا دور کہ سب کچھ بھولا

نحل سے بچکے وہیں شہد لیا تھوڑا سا
انگلیاں چاٹ کے پھر خوب مزے سے کھایا

اُس مسافر نے عجب شہد کی لذت پائی
رنج و غم بھول گیا دل پہ جو غفلت چھائی

نہ رہا شیر سے کچھ خوف نہ کچھ سانپ کا ڈر
چوہے تو ڈالی کترتے ہیں نہیں اسکو خبر

لذت شہد میں مصروف رہا شام و سحر
کور باطن کو نہ یاد آئی کسی کی دم بھر

پھنس گیا شہد میں کمبخت مگس کے مانند
بنگئی شاخ نشیمن کی قفس کے مانند

اسی حالت میں اُسے ایک زمانہ گزرا
ناگہاں سانپ اُترتا ہوا نزدیک آیا

ڈالی کٹنے کو ہوئی - شیر نے منہ پھیلایا
ہائے بیچارہ پہ کیا پردہ غفلت چھایا

تب بھی ان باتوں کا کچھ دھیان نہ آیا اسکو
نفس امارہ کے شیطاں کا تھا اسایا اسکو

ڈس لیا کالے نے آخر اُسے - ٹوٹی ڈالی
گر پڑا نیچے - تو بس شیر کے منہ میں جا لی

شہد سے دست ہوس رد گئے دونوں خالی
شیر نے ایسا چبایا کہ ہوئی پامالی

اُسکو دانتوں سے کیا پیس کے بالکل چورا
اُس کے جو دل میں تھا ارمان - ہو نسبورا

اب سنو غور سے اے مال پہ مرنیوالو!
جھوٹ سچ بول کے اس پیٹ کے بھرنیوالو!

بلبلا پانی میں بن بن کے ابھرنے والو!
ناک چوٹی میں گرفتار - سنورنے والو!

یہ کہانی نہیں پر بیتی ہی سب خود بیتیا
جائے عبرت ہے - ذرا ترک کرو خود بینی

وہ مسافر نظر آیا جو تمھیں صحرا میں
سمجھو وہ تم ہی ہو جو آئے ہو اس دنیا میں

شیر پھر دیکھا اچانک جو اسی اثنا میں
نقشہ خوف کھنچا مردمک بینا میں

چڑھ گیا شاخ پہ جس ڈر سے مسافر مضطر
اور یہ منہ کھولے ہوئے بیٹھ گیا زیر شجر

آپ کچھ سمجھے بھی ؟ کیا چیز ہے وہ شیر ژیاں
قبر سمجھو - کہ جو ہے منتظر ہر انسان

شیر سا قبر بھی ہے کھولے ہوئے اپنا دہاں
کہ کسی روز تو آئیگا یہ جائے گا کہاں

اس کا سب ناز و تبختر نہ بھلا دوں تو سہی
ہڈیاں پیس کے چورا نہ بنا دوں تو سہی

عمر سمجھو - اُسے جس شاخ پہ اُسنے جا لی
ملک الموت ہے وہ سانپ جناب عالی

رات - دن - چوہے ہیں - جو کاٹ رہے ہیں ڈالی
شہد کا چھتہ - ہے دنیا سبب پامالی

وائے بر شامت اعمال مگس کے مانند
طمع شہد میں ہم ہو گئے بالکل پابند

نہ لحد کا کبھی بھولے سے خیال آتا ہے
دل بدبخت نہ اعمال سے شرماتا ہے

حلق تک صبح و مسا لقمہ تر کھاتا ہے
اپنے خالق کے سوا غیر سے گھبراتا ہے

پھنس کے دنیا میں زر و مال کا ہو رہتا ہے
طلب جاہ میں کیا کیا غم و ہم سہتا ہے

طمع زر ہوس مال کہاں تک امجد!
تا کجا حرص و ہوا کین و ریا بغض و حسد

یاد میں تیری ہے منہ کھولے ہوئے قعر لحد
جان لینے میں تری ہے ملک الموت کو کد

رنج بیہودہ مبر - بند علائق مگسل
ہمچو ہاروت مماں - در تہ چاہ بابل

غزلیات

گا ہے اِدھر کی فکر ہے گا ہے اُدھر کی ہے
مٹی غرض خراب جہاں میں بشر کی ہے

معصوم پر بھی شدت سکرات ہے ضرور
مظلوم کی دعا کو بھی حاجت اثر کی ہے

گُلگیر کا خطر ہے تو پتنگوں کی ہے خلش
آفت میں جان شام سے شمع سحر کی ہے

بحر جہاں میں کیا ہو حبابوں کا آسرا
انکو یہاں پڑی ہوئی آپ اپنے گھر کی ہے

اُجڑی پڑی ہیں تربتیں شاہانِ دہر کی
پھولوں کی چادریں ہیں نہ بتی اگر کی ہے

آوارگی میں میرے تجھے ایک لطف خاص
مجھکو یہاں تلاش ترے سنگ در کی ہے

ہوتا ہے زندگی کا کوئی دم میں فیصلہ
دن بھر کی بات ہے نہ یہ دو پہر کی ہے

قدرت نمائیاں تری روشن ہیں دہر میں
حاجت ہے شمس کی نہ ضرورت قمر کی ہے

قاتل وہ شاخ ہے تری بہسہ تیغ آبدار
جسکو نہ گُل کا غم ہے نہ حاجت ثمر کی ہے

خوشبوے زلفِ یار کی صندل کو کیا خبر　　یہ تو دوا میں ایک دوا دردِ سر کی ہے

اے عرش تو خاک میں دلی کی سو ہیں

مت کر بھی خوابگاہ یہ اہلِ ہنر کی ہے

عرش گیاوی

جلتے ہیں پر فرشتوں کے واں تک گذر کہاں　　اللہ رے ارتفاع کہ پہونچا بشر کہاں

قاصد جو کہہ گیا ہے وہی مانتا ہوں میں　　اسکے سوا حدیث کوئی معتبر کہاں

بابِ قبول تک نہ رسا ہو گئی دعا　　کہتا نہ تھا کہ تجھ میں زباں یا اثر کہاں

پہنچے گناہگار جو دوزخ کے روبرو　　رحمت کو جوش آ گیا بولی ادھر کہاں

سجدہ میں کیوں جھکا نہ رہے یہ سرِ نیاز　　اُس آستاں کی خاک کہاں اپنا سر کہاں

نازاں نہ عیش و راحتِ گیتی پہ ہو کبھی　　غم سے فراغ درد و الم سے مفر کہاں

نیت بخیر رکھ کہ عمل رائیگاں نہ ہو　　پرہیز جب نہیں تو دوا کا اثر کہاں

ہر نقشِ پا سے آتی ہے رہ رہ کے یہ صدا　　جو جا چکے عدم کو اب اُن کی خبر کہاں

امداد کس طرح سے ہو اصلاحِ نفسِ شوم

انسان کی عیوب پہ اپنے نظر کہاں

امداد عظیم آبادی

اجل آتی نہیں اور ہم اجل کی راہ تکتے ہیں　　بلکتے ہیں سسکتے ہیں تڑپتے ہیں پھڑکتے ہیں

ابھی سے بڑھ گئے ناخن ہمارے دستِ وحشت کے　　ابھی تو زخم آئے ہیں ابھی تو زخم پکتے ہیں

یہ کسنے نام میرا لے لیا تھا اُنکی محفل میں　　خفا ہوتے ہیں اک اک پردہ اک اک کو جھڑکتے ہیں

اجل آئے تو آئے وہ نہ آئینگے نہ آئینگے　　اجل کی راہ تکتے ہیں جو اُنکی راہ تکتے ہیں

خدا کی شان ہمسے لوگ کی لیتے ہیں کانٹے بھی　　خدا جانے کہ ہم انکی نظر میں کیوں کھٹکتے ہیں

شفق کا نام تو یونہیں برائے نام ہے ورنہ　　فلک پر یہ ہماری آہ کے شعلے بھڑکتے ہیں

ہماری چشمِ گریاں خون برسانے لگی آخر　　کبھی دامن سے موتی ٹپکتے تھے اب لعل ٹپکتے ہیں

گلہ گم گشتگی کا دشتِ الفت میں نہیں شایاں　　یہ وہ منزل ہے جسمیں خضر بھی برسوں بھٹکتے ہیں

وہ مٹی قبر کو دیدیکے کہتے ہیں شرارت سے　　مبارک ہو کہ تم سوتے ہو ہم تمکو تھپکتے ہیں

یہ کس کس دن کے گردولے رہا ہے بدلا گن گن کر　　بھلا پوچھے کوئی اس سے اسے ہم کیوں کھٹکتے ہیں

وہ گویا رو کتے ہیں حشر میں فریاد کرنے سے　　جو چپکے چپکے پیچھے سے مرا دامن جھٹکتے ہیں

ذرا دیکھو تو اُنکی شوخ چشمی حضرتِ طالب

چھپا کر دل کو مٹھی میں ہمارا مُنہ کو تکتے ہیں

طالب میرٹھی

مخمس

(بر غزل جناب جلیل مدظلہ)

یہ کس دل کے تھے کہنے آج جو تو نے نکالے ہیں　　کہ اُنکے بال و پر تیرے ستم نے نوچ ڈالے ہیں

بھلا تجھ جیسے سنگیں دل یہ نالے سننے والے ہیں　　"یہ ہم سے پوچھ لے صیاد کیا بلبل کے نالے ہیں"

"وہ نالے ہیں کہ پھولوں کے گریباں پھاڑ ڈالے ہیں"

چھپا ہے باز گردوں تا تماشا چھپ نہیں سکتے　　لئے پھرتے ہیں ہاتھوں پر کلیجہ چھپ نہیں سکتے

مری آنکھوں میں ہیں یہ کوہ صحرا چھپ نہیں سکتے　　"کہیں جائیں تمہارے دشت پیما چھپ نہیں سکتے"

"زمیں پر نقش اکھتے ہیں ان تلووں میں چھالے ہیں"

عروجِ شادمانی دور ہے ذلت نصیبوں سے　　وصالِ کامرانی ہے الگ فرقت نصیبوں سے

یہ کیسا داؤ کھیلا چرخ نے حسرت نصیبوں سے　　"دغا کی ہے مقدر نے کہاں غربت نصیبوں سے"

"اُدھر رستہ میں کانٹے ہیں اُدھر تلوؤں میں چھالے ہیں"

تصور کو کسی تصویر سے بڑھکر سمجھتا ہوں　　خیالِ یار کو میں وصل سے بہتر سمجھتا ہوں

سرِ خارِ بیاباں کو میں اپنا گھر سمجھتا ہوں　　"علاجِ درد کو میں درد سے بڑھکر سمجھتا ہوں"

"چبھے ہیں دل میں وہ کانٹے جو تلوؤں سے نکالے ہیں"

نہیں خالی ہیں دونوں دشت پیمائی کے مشغلے　　پریشاں آجکل دونوں ہیں اپنے بخت وارونے

پسینہ بہتا ہے لیلیٰ کے رخسارِ شفق گوں سے　　"ٹپکتی جاتی ہیں بوندیں لہو کی چشمِ مجنوں سے"

"کہیں چھالوں میں کانٹے ہیں کہیں کانٹوں میں چھالے ہیں"

قیامت ہے نگہ ملتے ہی اُس طناز نے مارا　　ہزاروں عاشقوں کو چشمِ محشر ساز نے مارا

جو ہم سے پوچھتے ہو یہ کہ کس دمساز نے مارا　　"مجھے مارا تری تیغِ نگاہِ ناز نے مارا"

تضمین

”خدا لگتی کہیں گے ہم بھی اکدن مرنے والے ہیں“

یہ دیکھو کر رہی ہے کیا تماشا اپنی پلکوں سے   جنوں میں جھاڑتی پھرتی ہے صحرا اپنی پلکوں سے
کوئی کیا سمجھے کیا کرتی ہے دھندا اپنی پلکوں سے   ”کوئی کیا جانے کیا چنتی ہے لیلیٰ اپنی پلکوں سے“

”یہ وہ کانٹے ہیں جو مجنوں کے تلوؤں سے نکلے ہیں“

یہ زاہد طاق ہیں گو علت وحرمت جتانے میں   مگر ثانی نہیں رکھتے حسینوں کے لبھانے میں
بہت ہوشیار ہیں لوگوں کو اپنے ڈھب پہ لانے میں   ”جلیل ایسے بھی دو ہی چار نکلیں گے زمانے میں“

”بتوں کو گھورتے ہیں اور پھر اللہ والے ہیں“

قیصر از بھوپال

تضمین قطعہ ملک الشعرا مرزا داغ مرحوم

ایسے ستم ظریف پہ دل کیوں نہ ہو نثار   ہو جسکی بات بات میں اک بات آشکار
جسکو ہنسی ہنسی میں بنانے کو شرمسار   کل چھیڑ سے جو ہم نے کہا کیوں ستم شعار

کہتے ہیں ہم فسانۂ رنج و الم غلط

کیا بیوفا نہیں ہے ستم آرا نہیں ہے تو   کیا عاشقوں کی جان کا لیوا نہیں ہے تو
کیا ہم سے ربط چھوڑ کے بیٹھا نہیں ہے تو   کیا رسم و راہ غیر سے رکھتا نہیں ہے تو

کیا جھوٹ ہے یقین ہمارا۔ بھرم غلط

کیا تو کبھی مکان سے باہر نہیں گیا   کیا سیر کے بہانے سے اکثر نہیں گیا
کیا میری ضد سے غیر کے گھر پر نہیں گیا   کیا کوچۂ رقیب میں چھپکر نہیں گیا

ہو جائیگا سراغ نشانِ قدم غلط ؟

ہے کسکو آج جھوٹ کا لپکا جہان میں   ہے کون وعدے کر کے مکرتا جہان میں
ہے کسکے دم سے کذب کا چرچا جہان میں   مشہور کسکا نام ہے جھوٹا جہان میں

کھاتا ہے کون روز قسم پہ قسم غلط

برآئی تجھسے گو نہ کسی دن ذرا امید   دل میں مگر کھٹکتی ہے صبح و مسا امید
اب تجھسے رکھیں او بتِ بے مہر کیا امید   تجھسے امید ہو تو خدا سے ہوں نا امید

کیا جانتے نہیں ترے وعدہ کو ہم غلط

یہ رنگ دیکھکر کوئی کس طرح چپ رہے   سچا جو حال ہو وہ بیاں کیوں نہ اب کرے
ہے رات ہی کی بات کہ چشم خیال سے   دیکھا ہے تجھکو آخرِ شب پاس غیر کے

کہتے ہیں خواب صبح کا ہوتا ہے کم غلط

ایسا ہی اُن سے تیرا جہاں میں تھا اتفاق   ایسا ہی اُن سے ملنے کا تھا تجھکو اشتیاق
ایسی ہی اُن کو تیری جدائی وہاں ہے شاق   ایسے ہی خوش گئے ہیں ترے کشتۂ فراق

تڑپیں گے تیری یاد میں اہلِ عدم۔ غلط

ہر خوب و نیک تیری سمجھ میں زبون و زشت   ہر قصر و باغ تیری نظر میں ہے خار و خشت
نزدیک تیرے ایک ہے کعبہ ہو یا کنشت   اپنے ہی گھر کو آپ سمجھنا کہ ہے بہشت

اسکے سوا حکایتِ خلد و ارم غلط

مجبور دل کے ہاتھ سے ہو کر کبھی ذرا   لکھیں جو تجھکو حال غم و اضطراب کا
پڑھنا نہ ایک حرف بھی اور ہنس کے برملا   کہنا یہ نامہ بر سے مرے وہ تو مر گیا

جھوٹا ہے تو۔ یہ نامہ غلط۔ یہ رقم غلط

تجھسے یقین بغض و عناد و ریا بجا   تجھسے یقین مکر و فریب و دغا بجا
تجھسے یقین ذلت و رنج و عنا بجا   تجھسے یقین کینہ و جور و جفا بجا

چشم وفا و الفت و مہر و کرم غلط

اختر یہ سنتے سنتے نہ لائے وہ تاب آہ   اس درجہ مجھسے بگڑے کہ اللہ کی پناہ
تیور بدلکے۔ ہو کے خفا۔ پھیر کر نگاہ   بولے وہ داغ آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

معشوق سے شکایتِ جور و ستم غلط

لیکر اس اپنی شکل حزیں کو سدھارئے   میری طرف سے چاہے کہیں کو سدھارئے
راحت جہاں ہو دل کو وہیں کو سدھارئے   حوروں سے ملئے خلد بریں کو سدھارئے

دنیا میں آپ کا نہیں ہونے کا غم غلط

اختر

ادارۂ ادیب

نامہ نگاروں سے گذارش ہے کہ:-

(۱) مضامین واضح خط میں ورق کے ایک طرف لکھا کریں۔

(۲) ہر مضمون بجائے خود مکمل ہو۔ ناتمام مضامین شائع نہ کئے جائینگے۔

(۳) ہر مضمون کے نیچے نامہ نگار کا پورا نام ہو اور وہ فرضی نام بھی جو شائع کرانا چاہتے ہوں۔

(۴) مضامین جو کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں وہ ادیب میں دوبارہ شائع نہ کئے جائینگے اگر ادیب کے علاوہ کسی دوسر رسالہ میں کوئی مضمون بھیجا گیا ہو تو براہ کرم اطلاع دیدیجائے۔ ایسا نہ ہو کہ بیک وقت دو رسالوں میں ایک ہی مضمون شائع ہو جائے۔

(۵) مضامین کم از کم اشاعت سے ایک مہینہ پہلے دفتر ادیب میں پہنچ جائیں۔ اور وقتی مضامین تو اس سے بھی پیشتر۔

(۶) مضامین جن میں سیاسی امور پر بحث ہوگی۔ ذاتیات پر حملے ہونگے، مذہبی تعصب، تو تو میں میں اور لڑائی جھگڑے ہونگے جو مخرب اخلاق ہوا کرتے ہیں۔ ہرگز ہرگز نہ قبول کئے جائینگے۔

(۷) مضامین جو کسی وجہ سے شائع نہ کئے جائینگے وہ داخل دفتر کر دیئے جائینگے۔ جن نامہ نگاروں کو ناپسندیدہ مضامین کی واپسی منظور ہو وہ اپنے مضمون کے ساتھ محصول ڈاک بھی روانہ کر دیا کریں۔

(۸) مضامین یا ادارہ سے متعلق جملہ مراسلات ذیل کے پتہ سے بھیجے جائیں۔

اڈیٹر ادیب
انڈین پریس الہ آباد

اڈیٹوریل

تصاویر

اسکے ایک رنگین تصویر، ایک عکسی سند، اور چار عکسی تصویریں شائع کیجاتی ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) "نوید بسنت" کی رنگین تصویر زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ ع
مجھے کہتے ہیں سب **نوید بسنت**"۔ حکماے ہند نے سال کے تین موسم قرار دیئے ہیں پھر ہر موسم کے دو حصے کئے اسطرح چھ رتیں ہو جاتی ہیں:- بسنت - گریکھم - برکھا - سرت - ہیمنت - ششر - ہر رت کی بہار الگ ہوتی ہے۔ اسکے گل بوٹے، میوے، پھل غرضکہ ساری چیزوں کی خوبیاں اور لذتیں الگ ہوا کرتی ہیں۔ رت بدلتے ہی طبیعتیں اسکی کیفیت محسوس کرنے لگتی ہیں۔ انہی چھ رتوں میں سے پہلی رت بسنت کی مجسم تصویر ہے جسکی تفصیل کے لئے مضمون "بسنت رت" کافی ہے۔ یہ بھی انڈین پریس کے ایک نوجوان مصور کی صنعت کا ایک خوشنما نمونہ ہے۔ (۲) "ابوالقاسم اور کرامات طاؤس" کی تصویر الف لیلہ کے ایک باب کی نقلی کیفیت کو اصلی صورت میں دکھا رہی ہے جسمیں ابوالقاسم طاؤس کے کرشمے دکھا رہا ہے۔ (۳) "خواب ہے یا خیال ہے میرا"۔ یہ تصویر عالم رویا کی وہ کیفیت دکھاتی ہے جسمیں بیداری کا دھوکا ہوتا ہے۔ تصریح کے لئے تصویر خود زبان حال ہے۔ (۴) "گوسائیں تلسی داس جی" کی شبیہ کی وضاحت اس مضمون سے بخوبی ہو جائیگی جسکا عنوان "تلسی داس جی" ہے۔ (۵) "عکس سند غالب بنام ذکی مع مہر و دستخط" اسکی تفصیل کے لئے مضمون بعنوان "نواب ذکی" کافی ہے۔ (۶) "دہلی میں حضور ویسرائے ہند کا جلوس" یہ تصویر اسوقت کی ہے جبکہ ۲۳؍ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ممدوح نہایت تزک و احتشام سے دربار کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اسکی وضاحت اڈیٹوریل کے مضمون سے ہو جائے گی۔

ریاست میسور میں صنعت و حرفت

ہمیں یہ سنکر بڑی مسرت ہوئی کہ ریاست بڑودہ کی تقلید اور ریاستیں بھی کرتی جاتی ہیں۔ ریاست میسور جہاں اشاعت تعلیم کے لئے مدارس وغیرہ قائم کرنے میں نمایاں حصہ لے رہی تھی وہاں صنعت و حرفت کے لئے ایک نیا محکمہ بھی قایم کردیا ہے۔ اور اسکی نگرانی مسٹر چیٹرجی جیسے کارآزمودہ اور تجربہ کار افسر کے ذمہ کردیگئی ہے۔ حال ہی وہاں ایک ایسے محکمہ کی بھی بنیاد ڈالی گئی ہے جسکا کام یہ ہوگا کہ ملک کے آثار قدیمہ اور اگلے زمانہ کی صنعت و حرفت کے نمونے بلاتفریق مذہب محفوظ رکھے جائینگے۔ غیر زبانوں کی مفید کتابیں بھی ترجمہ کی جائینگی۔ قدیم دستکاریوں کا زندہ کرنا تو مشکل ہے۔ پھر بھی یہ کیا کم ہے کہ انکے نمونے قائم رکھے جائیں۔ ریاست بڑودہ کے عجائب خانوں میں ابتک بہتیری نادر الوجود یادگاریں محفوظ ہیں ہمیں امید ہے کہ ریاست میسور کامل توجہ سے کام لیگی۔

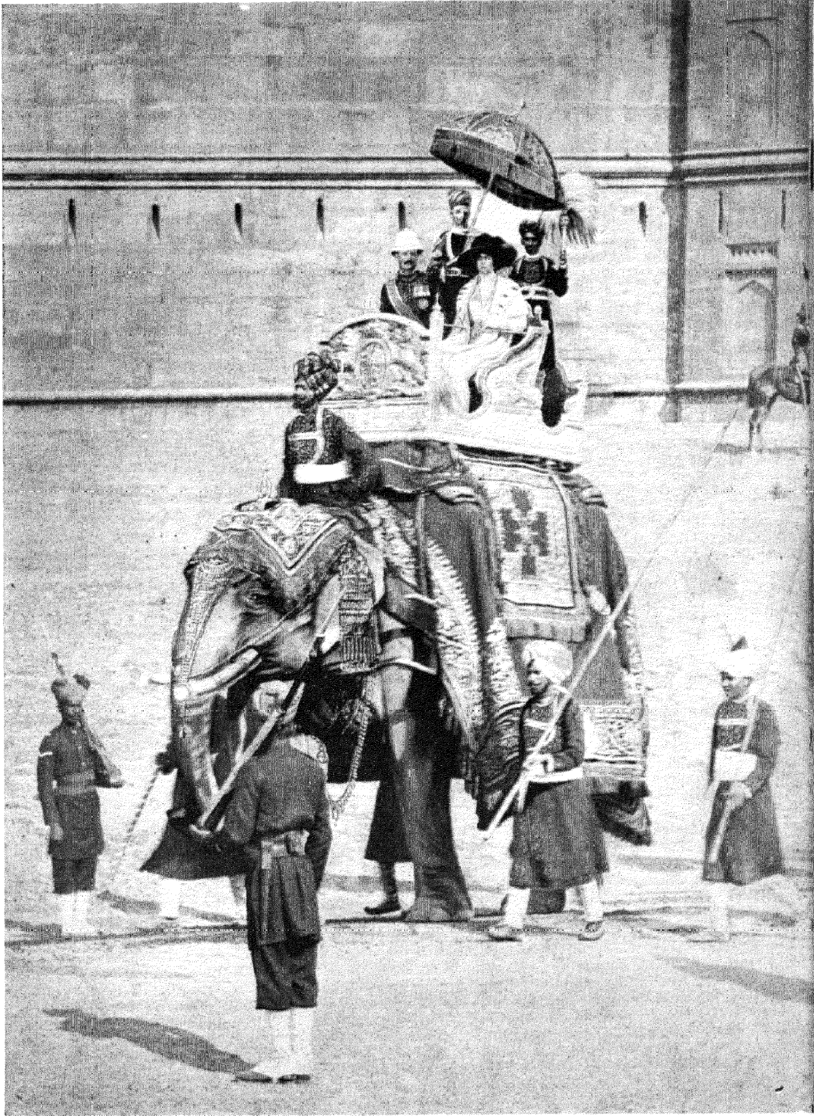
دہلی میں ایک شاندار کالج کی تجویز

کہا جاتا ہے کہ اگلے مارچ میں ایک کانفرنس بمقام دہلی اس غرض سے منعقد ہوگی کہ آندور، راجکوٹ، اجمیر اور لاہور کے چاروں چیفس (راجکمار) کالجوں کی تعلیم کو وسیع پیمانہ پر لانے کے لئے دہلی میں ایک نئے کالج کے قایم کرنے کی تجویز کی جائے۔ چنانچہ اُن مقامات کے بڑے بڑے افسران اس میں شریک ہونے کو ہیں۔ کام تو اچھا ہے بشرطیکہ انجام ہو۔ دہلی و اطراف دہلی کے رہنے والے بمقابلہ اور صوبوں کے باشندوں کے تعلیم میں ایک حد تک پیچھے ہیں اسلئے سب سے پہلے یہاں متعدد مدرسے ہوجاتے تو اچھا تھا۔ اسکے بعد انکو صنعت و حرفت کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ مردونکی تعلیم کی طرف کوئی متوجہ بھی نہیں ہوتا اور زنانہ طبی کالج۔ زنانہ صنعتی کالج کی تجویزیں ہوتی جاتی ہیں۔ یہ دوسرا سال ہے کہ السنۂ مشرقیہ کی اشاعت کے لئے اورینٹل انسٹیٹیوٹ قایم کرنیکی بڑی سرگرمی سے تجویزیں ہورہی تھیں۔ لیکن اب تک کوئی مفید مطلب امر ظہور میں نہ آیا۔ سرہار کورٹ بٹلر جب سے ایجوکیشن منسٹر (وزیر تعلیمات) ہوئے ہیں ہر ہندوستانی جسکو ذرہ بھر بھی تعلیم سے دلچسپی ہے ممدوح سے سوا امید رکھتا ہے۔ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔

کیسے کیسے نشان باقی ہیں

آثار صنادید ہند

آثار قدیمہ کی تلاش کے لئے مسٹر ٹاٹا کی کوشش سے عظیم آباد کے کھنڈرات کھودے جارہے ہیں۔ قدیم الایام میں اس شہر کا نام پاٹلی پتر تھا۔ جو پٹھانوں کے وقت میں پٹن اور مغلوں کے اخیر عہد میں عظیم آباد کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اگلے زمانہ میں بھی اس شہر کو دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل تھا۔ بہرحال مسٹر بیڈل جو علم طبقات الارض و آثار قدیمہ کے بڑے ماہر بتائے جاتے ہیں وہاں صنادید ہند کے آثار کی جستجو کررہے ہیں وہ راجہ چندر گپت کا ایک مدفون محل بتاتے ہیں اور سنا جاتا ہے کہ زمین کے نیچے سے کسی پرانے مکان کا ایک ستون برآمد ہوا ہے جو پتھر کا ہے۔ چندر گپت خاندان کی ایک مہر اور کچھ سکے بھی نکلے ہیں۔ لیکن یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ عظیم آباد کی قدامت دہلی کے مقابلہ کی ہے خاص سب ڈویژن بہار جسکو کسی زمانہ میں سنسکرت کی یونیورسٹی ہونے کا فخر حاصل تھا، اور جہاں سے گوتم بودھ جیسا اولوالعزم مجتہد عصر نشو و نما پاکر نکلا اس سے آگے راجگیر کے پہاڑوں کی طرف چلے جایئے۔ جسکا سلسلہ ضلع گیا سے بھی بڑھتا ہوا آگے چلا گیا ہے۔ ابتک جا بجا اس میں ایسے ایسے کتبے دریافت ہوتے ہیں



دھلی میں حضور وایسراے ھند کا جلوس

انڈین پریس الہ آباد

کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے - اور پتہ لگتا ہے کہ ہندوستانیوں نے کیسی کیسی ترقیاں کی تھیں - پہاڑکے دروں میں پتھروں کو تراش کر ایسے مکانات بنائے ہیں کہ حیرت ہو جاتی ہے جا بجا ان عمارات کی دیواروں پر عبارتیں کندہ ہیں بعض ہماری نظر سے گذر چکے ہیں - اس صوبہ میں تو آثار قدیمہ کی کثرت ہے - اطراف بہار میں بہتیرے ایسے گانوں ہیں جہاں قدماء کے آثار پائے جاتے ہیں - انہیں سے ایک بہار سے چار میلوں کے فاصلہ پر موضع رہونی عرف رحیم پور نامی ہے جو کسی زمانہ میں مگھ کا دارالسلطنت تھا - راجہ روہ کے آثار یہاں اکثر پائے جاتے ہیں جنکی تفصیل کے لئے ایک مستقل مضمون چاہیئے ایسے صوبہ میں صرف راجہ چندر گپت کے کچھ نشانات پائے گئے تو کونسی بڑی بات ہوئی - ایک چینی سیاح جو قریب قریب اسی زمانہ میں ہندوستان آیا تھا یہ بات سے نشانات بتا گیا ہے اسی سیاح نے اپنے سفرنامہ میں عظیم آباد کی اُس میونسپلٹی کا ذکر کیا ہے جسکو پہلے پہلے راجہ چندر گپت نے ہندوستان میں رواج دیا تھا -

حضور ویسراے کی صحت یابی

ہندوستانیوں کی خوشی کی غایت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے نائب شاہ نے شفا پائی - ہز اکسلنسی ایک مہینہ سے کچھ زیادہ زمانہ تک علیل رہے - اس مدت میں اہل ہند جسطرح مضطرب و بے چین رہے اسکا اندازہ اسی سے کر سکتے ہیں کہ جا بجا ممدوح کی صحت یابی پر خوشیاں منائی جا رہی ہیں - اور تقاضاے طبیعت بھی یہ ہی ہے - جس استقلال سے ممدوح نے اس صدمہ کو برداشت کیا ہے وہ قابل داد ہے سچ ہے جنکے رتبے سوا ہیں انکے دل و دماغ بھی غیر معمولی ہوتے ہیں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ممدوح کو جسطرح اُسنے بدبخت قاتل کے حملہ سے بچایا اُسیطرح ہمیشہ اپنے سایۂ عاطفت میں رکھے - جس سرگرمی سے ہندوستانیوں نے حضور وایسراے ہند کی صحت یابی کے موقع پر خالص و ہمدردانہ مسرتوں کا اظہار کیا ہے اسکی خبریں مقامی اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں - لیکن خاتونان الہ آباد کا جلسہ جو ۲ فروری کو آنریبل مسٹر سید عبدالرؤف کی کوٹھی پر منعقد ہوا وہ قابل ذکر ہے افسوس ہے کہ اسکی مفصل کاروائی ہمارے پاس بدیر پہنچی - تقریباً پچاس معزز خواتین اس جلسہ میں شریک تھیں - غرض یہ تھی کہ حضور عالیہ لیڈی ہارڈنج صاحبہ کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کیا جاے اور لیڈی صاحبہ و نیز حضور وایسراے کی خدمت میں مبارکباد کا تار بھیجا جاے بیگم صاحبہ آنریبل مسٹر سید عبدالرؤف و بیگم صاحبہ نواب سربلند جنگ بہادر مسٹر حمید اللہ خاں دونوں نے مختصر تقریریں کیں پھر جناب سہاگن صاحبہ یعنی بیگم صاحبہ نواب سربلند جنگ بہادر نے ایک قصیدہ پڑھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

قصیدہ

بتقریب صحت ہز اکسلنسی حضور وایسراے بہادر بالقابہ

یہی نغمہ ہے ہر سو عندلیبانِ خوش الحاں کا کہ عالم ہر شجر پر ہند کے ہے باغ رضواں کا
بہارِ تازہ گلزارِ جہاں میں ہر طرف آئی بنا ہے دیکھیے گلدستہ ہر پتہ گلستاں کا
مچی ہے دھوم ہر اک جا مبارک کی سلامت کی زبانوں پر رعایا کی ہے ہر دم شکر یزداں کا
مبارک ہو جناب لیڈی ہارڈنگ صاحبہ تمکو ہوا اچھا مزاج اب فضل حق سے لارڈ ذیشاں کا
نہیں معلوم کس سفاک نے کی تھی یہ سفاکی کہ اب تک کچھ پتہ لگتا نہیں اس ظلم پنہاں کا
خداوندا ! دعا یہ ہے وہ ظالم ہاتھ آجائے نکلتے دیکھ لے ہر کوئی اُسکے جسم سے جاں کا
رعایا ہند کی اس واقعہ سے تھی بہت غمگیں مگر اب اور ہی عالم ہے سب کے روے خنداں کا
بحمد اللہ کہ اب صحت ہوئی ہے لارڈ ہارڈنگ کو خدا کا شکر ہے احسان ہے عیسیِ دوراں کا
جناب عیسیِ گردوں نشیں کا سر پہ سایا ہو رہے تا حشر قایم نام یا رب ایسے ذیشاں کا
بڑھے اقبال و منصب عمر و دولت دونوں میں ترقی ہو وظیفہ پنج وقتہ ہے یہی ہر اک مسلماں کا
رہیں دونوں جہاں میں شاد و خرم ہند والے سب کے رہے ہندوستاں کے سر پہ سایہ انکے داماں کا

سہاگن ختم کر دو اس دعا پر اس قصیدہ کو
خدا حافظ رہے ہر دم رعایا کے نگہباں کا

ایسے ہی اور جلسے کانپور وغیرہ میں بھی منعقد ہوئے جنمیں بہت سی ہندوستانی خواتین شریک ہوئی تھیں لیکن خواتین الہ آباد کا جلسہ واقعی غیر معمولی تھا - اور یادگار رہیگا -

ہمارے مطالعہ کی میز

کسی رسالہ کے پہلے نمبر پر رائے قایم کرنا مہمل سا معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے انکے چند نمبروں کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں ریویو کا دستور یہ ہے کہ جسقدر کتابیں یا رسالے آتے ہیں سلسلہ وار رکھے جاتے ہیں۔ اور اسی ترتیب سے ان پر ریویو کیا جاتا ہے۔ ابکے ذیل کے رسالوں اور کتابوں کا نمبر ہے۔ رسالہ نقاد۔ تناسخ کی تردید۔ بچوں کے لئے مفید اور نصیحت آموز کہانیاں۔ ملک ہند کے زوال کے بواعث۔ مشیر صحت۔ رسالہ روشنی۔

نقاد نامی آگرہ سے ایک ادبی، علمی اور تاریخی رسالہ شایع ہونے لگا ہے جسکے اڈیٹر مشہور انشا پرداز سید نظام الدین حسین شاہ دلگیر صاحب اکبر آبادی ہیں۔ جنوری ۱۹۱۳ء سے اسکی اشاعت ہونے لگی۔ ہونہار کے آثار ہی کچھ اور ہوتے ہیں۔ نقاد کا پہلا نمبر زبان حال سے اپنے ہموطن نظیر کے ایک شعر کی تضمین کرکے یوں کہہ رہا تھا کہ ؏ نقاد ہونیوالے جو دنیا میں آتے ہیں٭ پچھن سب انکے پہلے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ جوں جوں اسکی عمر بڑھتی جاتی ہے رنگ نکھرتا جاتا ہے۔ سچ پوچھو تو رسالہ کی جان انتخاب و ترتیب مضامین ہے۔ یہ خوبی پیدا ہو نہیں سکتی جب تک مرتب خود نکتہ سنج نہ ہو۔ حضرت دلگیر کی نکتہ سنجی محتاج بیان نہیں اور نقاد میں حسن ترتیب موجود۔ پھر اسکو اسم بامسمیٰ نہ کہا جائے تو کیا کہا جاوے۔ دونوں نمبر کے مضامین چیدہ اور مشاق اہل قلم کے ہیں۔ پہلے نمبر کا دوسرا مضمون بعنوان نقاد حضرت دلگیر کے زور قلم کے لئے کافی سند ہے اسی کے تحت میں آپ یہ فرماتے ہیں ... "اگر سچ پوچھیے تو اُردو کی اصلی ولادت گاہ اور اُسکا وطن آگرہ ہی ہے .... کہیں ایسا نہ ہو، اُردو کو اپنے اصلی منشا و مولد کا نام بھی بھول جائے، جس سے زیادہ کوئی بدقسمتی آگرے کی نہیں ہوسکتی۔ بس اسی اندیشہ کے دور کرنے کے لئے نقاد آگرے سے نکالا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اُردو کو اسکا وطن مالوف یاد دلائے ..." اس دعوی کی سند مولانا سید علی حیدر طباطبائی جیسے اہل زبان سے مل چکی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ مولد میر تقی ہونے کے علاوہ نظیر جیسے شکسپیر ہند کے نشو و نما کی جگہ آگرہ ہی ہے۔ خود فرماتے ہیں ؏ شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے۔" مزید براں غالب جیسا قادر الکلام جس نے اُردو کے جسم میں روح پھونک دی طفولیت کے دن گذار کر اور نظیر جیسے مشاق کی اصلاحوں سے فیضیاب ہوکر اُسی آگرہ سے نکلا۔ ہم نقاد کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور حضرت دلگیر کی کوششوں کی داد دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں یقین ہے کہ اگر نقاد کی قدردانی کی گئی تو ایک دن کامیاب ہوکر رہیگا۔

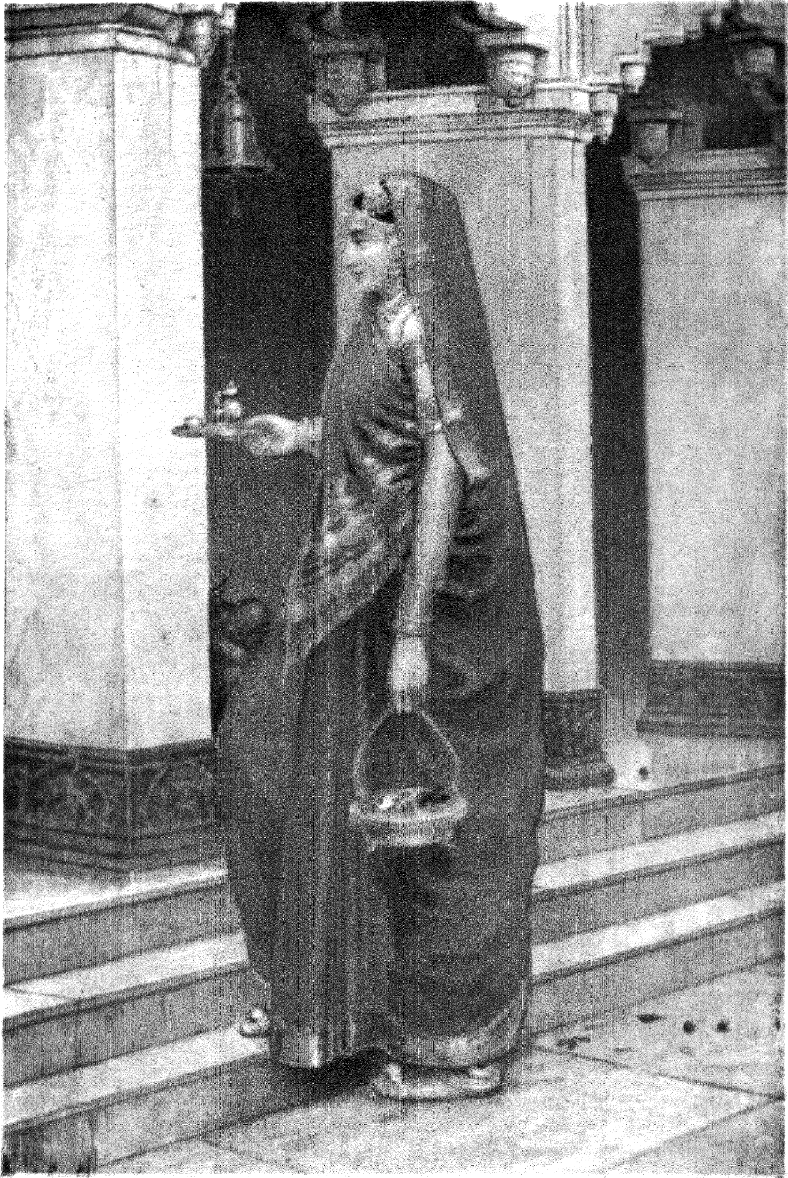
تناسخ کی تردید مولفہ سیتارام صاحب۔ مطبوعہ یونین اسٹیم پریس لاہور، قیمت ۲ آنے۔ ۴۴ صفحات کا یہ ایک دلچسپ مکالمہ ہے جس میں تناسخ کی تردید کی گئی ہے۔ دلایل ایسے واضح اور عام فہم کہ معمولی عقل کا انسان بھی بخوبی سمجھ جاوے۔ اگر اسمیں حکمائے پیشین کے اقوال ہوتے تو بحث اور مدلل ہوجاتی۔ مثلاً مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ حکیم عمر خیام تناسخ کا قایل تھا حالانکہ خیام خود کہتا ہے ؎ "دریاب تو این یکدمہ وقت کہ نہ ٭ آن ترہ کہ بدرو ند و دیگر روید٭ تو زر نہ، اے غافل ناداں کہ ترا ٭ در خاک نہند و باز بیروں آرند" "مگر جملہ رفتگان یکی باز نیامد" "می خور کہ بدیں جہاں نمی آئی باز" اسلوب بیان بچے سا ہے۔ اگر زبان کی خوبی ہوتی تو اس کتاب کی پسندیدگی اور بڑھ جاتی - ممکن ہے کہ طبع ثانی میں اسکا لحاظ کیا جائے چھپائی صاف تقطیع چھوٹی اور کتاب بکار آمد ہے۔

بچوں کے لئے مفید اور نصیحت آموز کہانیاں حصہ اول مرتبہ شری دسپے پرکاش دیوجی صاحب مطبوعہ راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور" قیمت ۴ آنے۔ چھوٹی تقطیع کے ۷۰ صفحات کی یہ ایک کتاب ہے جسمیں صرف اصلی واقعات کے متعلق حکایات قلمبند کی گئی ہیں جو بچوں کے لئے مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ آخر میں کچھ نصیحت آموز اشعار (غالباً مولف کے) ہیں۔ حکایتیں زیادہ تر انگریزی اخباروں، رسالوں، اور چھوٹی چھوٹی درسی کتابوں سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ عام فہم کرنیکی اسقدر کوشش کی گئی ہے کہ ناموں کا بھی ترجمہ کردیا گیا ہے، مثلاً صفحہ ۸ پر لکھا ہے کہ "شہنشاہ یوسف ثانی ایک دفعہ وائنا میں سیر کررہا تھا" یہ جملہ اگر اسطرح لکھا جاتا کہ شہنشاہ جوزف دی سکنڈ (یوسف ثانی) .... تو بچوں کے غلط فہمی کی جگہ باقی نہ رہتی۔ بہرحال ان وقتوں کو دور کرکے زبان درست کردیجائے تو کتاب امید سے سوا مفید ثابت ہو۔

ملک ہند کے زوال کے بواعث چھوٹی تقطیع کے ۲۸ صفحات کا یہ ایک رسالہ ہے جسکو مذکورہ بالا کتاب کے مولف نے پنڈت شیوناتھ شاستری صاحب ایم۔ اے کی بنگلہ کتاب سے ترجمہ کیا ہے مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس قیمت ایک آنہ۔ اس کتاب میں زوال ہند کے اسباب قلمبند کئے گئے ہیں۔ دلائل و براہین کی بنا مذہبی اصول پر رکھی گئی ہے۔ دلچسپ ہونے کے علاوہ کتاب مفید ہے۔ اور کدو کاوش سے لکھی گئی ہے۔ اسمیں یہ بھی بتایا ہے کہ آیندہ اپنی حالت سدھارنے کے لئے کونسی روش زیادہ مفید ہوگی۔ زبان مذکورہ بالا کتاب کی سی ہے۔

مشیر صحت ایک ماہوار رسالہ ہے جو زیر اڈیٹری شنکر داس صاحب حاصلا نوالہ ضلع گجرات سے شایع ہونے لگا ہے۔ ظن غالب ہے کہ اسکا پہلا نمبر اکتوبر ۱۹۱۲ء میں نکلا ہوگا۔ ہمارے پاس دسمبر اور جنوری کے نمبر ریویو کے لئے آئے ہیں ایک آدھ طبی رسالہ اور بھی ہندوستان میں ہے۔ لیکن مشیر صحت میں صرف داد۔ اسہال۔ خارش پیچش۔ شربت۔ حبوب اور روغن کے نسخے نہیں ہوتے بلکہ واقعی معجون مرکب ہے جس میں بکثرت ایسے مضامین ہوتے ہیں جو مفید صحت ثابت ہوں اور ملک کو ایسے پرچہ کی ضرورت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آگے چل کر یہ اور ترقی کرے گا۔

روشنی ایک ماہوار رسالہ ہے جسکے آنریری اڈیٹر پروفیسر رتن لعل ایم۔ اے ہیں غالباً نومبر ۱۹۱۲ء سے اسکی اشاعت ہونے لگی ہے۔ لاہور کی اُس سوسائٹی سے یہ رسالہ نکلتا ہے جسکی غرض علوم تجربیہ کی تحریک ہے۔ اخلاق۔ تاریخ۔ کیمیا۔ طبعیات اور ہیئت وغیرہ علوم سے متعلق مضامین اسمیں اکثر شایع ہوتے ہیں۔ ہر نمبر میں ایک تصویر بھی ہوتی ہے۔ رسالہ کے بکار آمد ہونے میں کوئی شبہ نہیں اسکے پڑھنے سے معلومات میں اچھا اضافہ ہوسکتا ہے۔ اسکی رفتار ترقی کی امید دلاتی ہے۔



ید قدرت کے شاهد هیں شگفته پھول ڈالي میں

انڈین پریس الہ آباد

ادیب

عادات

ان کا فلسفہ اور ان کی اہمیت

[عادت دل کی اس تحریک کا نام ہے جو فطرتی و یقینی طور پر ارتکاب فعل کے لئے آسانی ہماری رہبری کرتی ہے۔ یہ افعال ہمیشہ، ہر دم، اور ہر ساعت ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہیں ان کے بار بار ظہور میں آنے یا ان کی کثرت ارتکاب کا دوسرا نام رسم و رواج ہے۔ یہ دونوں خصوصیات متحد ہیں فلسفیوں کا بعض گروہ ایسا بھی ہے جو عادت ہی کو اصلی فطرت قرار دیتا ہے۔ اور واقعی طبائع اس قدر محتاج عادت ہیں کہ انسان "عادت سے لاچار" ہو جاتا ہے۔ عادت کا واسطہ قوت آئندہ ہے، جس کا تجربہ اکبر بادشاہ نے یوں کیا تھا کہ صحبت انسانی سے الگ رکھا ایک معصوم بچہ کی پرورش کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نرا گونگا ثابت ہوا۔ سب جانتے ہیں کہ کتا استفراغ کے لئے گھاس کھاتا ہے اور کبھی اسے ہضم نہیں ہوتا۔ اگرچہ خلاف عقل کہا جائے گا لیکن ایسا کتا موجود ہے جو بکریوں کی طرح گھاس کھاتا، چنے چباتا، اور کبھی ہضم کرتا ہے۔ لطف یہ کہ جب کوئی اس کے سامنے گاتا ہے تو کتا ایک غیر معمولی آواز سے گرلاتا ہے بہتیری ایسی عادتیں بھی ہیں جو اضطراری طور پر ظہور میں آجاتی ہیں مثلاً کسی ماہر موسیقی کے آگے گانے لگو تو وہ ایسا محو ہو جائے گا کہ خود بخود بے ساختہ گنگنانے لگے گا۔ اور اس کی انگلیوں میں ایک خاص حرکت پیدا ہونے لگے گی۔ گویا وہ خود بجا رہا ہے۔ سچ پوچھو تو انسان عادات کا ایک خاصہ مجموعہ ہے۔ ذیل کا مضمون مولانا عبدالماجد صاحب کے فکر معقول کا نتیجہ ہے اس میں عادات کا فلسفہ۔ اور ان کی اہمیت کو بڑی خوش اسلوبی سے ممدوح نے بیان کیا ہے۔ اڈیٹر]

"عادت ام الاخلاق ہے" (نذیر احمد)

"عادت کو فطرت ثانیہ کہتے ہو! حالانکہ اس کی قوت، فطرت کی طاقت سے دس گنی زاید ہے" (ڈیوک آف ولنگٹن)

یہ واقعہ ہر شخص کو نظر آتا ہے، کہ انسان کوئی مفرد یا بسیط ہستی نہیں، بلکہ مختلف اعضاء و جوارح کے مجموعہ، اور متعدد قویٰ کی ترکیب کا نام ہے، جن میں سے اگر کوئی ایک شے بھی غائب ہو، تو اسی نسبت سے انسان کے کامل ہونے میں کمی رہ جائے گی،

لیکن بعض چیزیں اپنی اہمیت کے لحاظ سے اس قدر ضروری ہوتی ہیں، کہ اگر وہ نہ ہوں، تو انسانیت کے کمال و نقص کا کیا ذکر ہے اس مجموعہ پر لفظ انسان کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی جسم بہ ظاہر آدمیوں کا سا معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں قوائے عقلیہ کا شائبہ نہیں، تو ہم اسے انسان نہیں، بلکہ ایک انسان نما حیوان کہیں گے۔ یا مثلاً کسی انسانی جسم کے اور اعضا تو ہمہ وجوہ درست ہیں، مگر اس میں خون کا ایک قطرہ نہیں، تو یہ بھی بجائے انسان کے انسان کا ڈھانچ کہا جائے گا۔ اس قسم کے اعضا و قوی رئیسہ میں جو شے سب سے زیادہ افضل و اعظم ہے، اور رئیس الرؤسا کا درجہ رکھتی ہے، وہ کوئی واحد عضو نہیں، بلکہ ایک نظام اعضا ہے، جس کا اصطلاحی نام نظام عصبی ہے، اور جس کے اوپر حیات انسانی کا تمام انحصار ہے۔ نظام عصبی کا خاص کام، جسم انسانی کے مختلف اعضا و قویٰ کے درمیان نظم و تناسب پیدا کرنا، اور ان کو باہمدگر مربوط رکھنا ہے۔ نظام عصبی کے بغیر انسان کی مثال اس مکان کی سی ہے، جس کے لئے اینٹ، مٹی، چونا، لکڑی، غرض سارے مسالہ کا بہ افراط ڈھیر لگا ہے، لیکن کوئی معمار یا کاریگر نہیں، جو ان متفرق چیزوں کو ایک خاص طرح پر ترکیب و ترتیب دے، اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مکان کبھی تعمیر نہ ہو سکے گا۔ یہی حال جسم انسانی کا ہے۔ فرض کرو، کہ گوشت، پوست، خون، و استخوان کو جوڑ جاڑ کر ہم نے انسان کی صورت قائم بھی کر دی، لیکن اگر نظام عصبی نہیں، تو اگرچہ قلب و شرائین موجود ہیں، لیکن دوران خون ایک لحظہ کے لئے بھی جاری نہیں رہ سکتا؛ پھیپھڑے موجود ہیں، اور ڈھانچ کو ہم نے تازہ ہوا میں بھی کھڑا کر دیا ہے، مگر تنفس ایک سکنڈ کے واسطے بھی ممکن نہیں؛ معدہ صحیح و سالم ہے، اور معدہ کے اندر غذا بھی کسی آلہ کی مدد سے پہنچا دی گئی ہے، لیکن وہ اعمال انہضام سے معذور محض ہے؛ عضلات سب کے سب موجود ہیں، مگر جس وضع پر ہم نے ڈھانچ کو کھڑا کر دیا ہے، اس سے ایک سر مو حرکت کی اُن میں قدرت نہیں؛ غرض یہ کہ نظام عصبی کی عدم موجودگی میں انسان، انسان نہیں ہو سکتا۔

نظام عصبی ذیل کے دو بڑے حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، حالانکہ ان میں سے ہر جزو بجائے خود متعدد اجزا پر منقسم ہے:۔

(۱) نظام عصبی محیطی[1]، یعنی نظام عصبی کا وہ حصّہ جو جسم کے ہر ہر گوشہ میں محیط ہے، وہاں سے اپنے مرکز تک تاثیرات پہنچاتا ہے اور اپنے مرکز سے وہاں تک تحریکات لے جاتا ہے۔

(۲) نظام عصبی مرکزی[2]، یعنی اس کا وہ حصّہ جو بطور صدر مقام کے ہے، جس پر تمام تاثیرات کی انتہا، اور جس سے تمام تحریکات کی ابتدا ہوتی ہے، ان میں سے آخر الذکر ان دو خاص اعضا پر منقسم ہے:۔

(الف) دماغ، یعنی کاسۂ سر کے اندر جو مغز ہے۔

(ب) نخاع، یعنی فقرات پشت کے اندر کا گودا، جسے عام گفتگو میں حرام مغز کہتے ہیں۔

اسی طرح نظام عصبی محیطی، اعصاب پر مشتمل ہے، جو خوردبینی جسامت کے، یا اُس سے بھی باریک تر سفید دھاگے ہوتے ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں:۔

(الف) اعصاب حسیہ[3]، یعنی وہ جو اطراف و جوانب سے مراکز عصبی تک تاثیرات لے جاتے ہیں۔

(ب) اعصاب محرکہ[4]، یعنی وہ جو مراکز عصبی سے اطراف و جوانب تک تحریکات لاتے ہیں۔

---

[1] Peripheral nervous system

[2] Central nervous system

[3] Sensory nerves [4] Motor nerves

نظام عصبی کی فعلیت کا طریقہ یہ ہے، کہ مہیجات[۵۱] خارجی کے اثر سے اعصاب حسیہ میں سے ایک یا چند میں ایک ارتعاشی کیفیت (بالکل اسی طرح کہ جیسے تار کے ایک سرے کو ہلانے یا صدمہ پہنچانے سے سارے تار میں ارتعاش پیدا ہوجاتا ہے) جسے اصطلاح میں تہیج کہتے ہیں، پیدا ہوجاتی ہے، اور جب یہ تہیج جاکر حصۂ مرکزی یعنی دماغ یا نخاع سے ٹکراتا ہے، اس وقت وہاں فوراً ہی اس "درآمد" کے مقابلہ میں ایک عمل "برآمد" بھی شروع ہوجاتا ہے، یعنی اعصاب حسیہ کے اس تہیج تاثیری کی مطابقت میں عمل رجعی[۵۲] کے طور پر، اعصاب محرکہ میں ایک تہیج تحریکی پیدا ہوجاتا ہے، اور اعصاب محرکہ اس تحریک کو اندر سے خارج کی طرف لاتے ہیں اس بیان کی تشریح امثلۂ ذیل سے ہوگی:-

مثال (۱) ہم کمرہ میں بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے، کہ زور کی بارش ہوتے، اور سرد ہوا چلنے لگی۔ اس تغیر ماحول کے باعث سرد ہوا کا ایک جھونکا ہماری جلد سے ٹکرایا، اور فوراً ہی ان اعصاب حسیہ میں، جن کا تعلق لمس سے ہے، اور جن کے سرے ہماری جلد میں منتہی ہوئے ہیں، ایک تہیج پیدا ہوا، اور جیوں ہی یہ تہیج جاکر دماغ میں پہنچا، ہمارے اعصاب محرکہ کو حرکت ہوئی، اور ہم نے اٹھ کر دروازہ بند کردیا۔ یہ فعل سارے کا سارا نظام عصبی کی ماتحتی میں ہوا۔

مثال (۲) ہم ایک تاریک کمرہ میں لیٹے ہوئے تھے، کہ دفعتہً ایک شخص نہایت تیز روشنی کا لیمپ لئے ہوئے داخل ہوا، اس پر نظر پڑتے ہی ہمارے اعصاب حسیہ بصری متہیج ہوئے، فوراً ہی حصۂ مرکزی متاثر ہوا، اور ساتھ ہی پیشانی کے اعصاب محرکہ کو حرکت ہوئی، جنھوں نے ہمارے پپوٹے بند کردئے، جسے ہم آنکھ کا جھپک جانا کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فعل بھی نظام عصبی کے دائرۂ عمل کے اندر رہا۔

مثال (۳) ہم نے کھانا کھایا، غذا معدہ میں پہنچی۔ اب جلد معدی کے اعصاب حسیہ میں تموج پیدا ہوا، جو نخاع تک پہنچا، اور وہاں سے اعصاب محرکہ نے معدہ، جگر، لبلبہ، انتڑیوں وغیرہ میں وہ تمام حرکات پیدا کردیں، جن کا مجموعہ عمل انہضام کہلاتا ہے۔ یہ کل کارروائی بھی بداہتہً ایک عصبی فعل تھی۔

ان مثالوں سے ظاہر ہوا ہوگا، کہ ہمارے جسم کی ساری مشین نظام عصبی کے زیر نگین ہے، اور ہم اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ فعل میں بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ یہ بھی ظاہر ہے، کہ ہمارے افعال، بلحاظ اپنے طریق صدور، مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں، جو سراسر ہماری قوت ارادی کے تابع ہوتے ہیں، کہ اگر ہم چاہیں انھیں کریں اگر نہ چاہیں نہ کریں (دیکھو مثال ۱)۔ بعض ایسے ہیں جو ہمارے ارادہ کے تصرف سے باہر ہوتے ہیں، تاہم ان کے صدور کے وقت ہم انھیں محسوس کرتے رہتے ہیں، گویا یہ افعال غیر ارادی ہوتے ہیں، مگر ہمارے علم و معرفت[۵۳] سے خارج نہیں ہوتے (دیکھو مثال ۲۔ ہم جانتے ہیں، کہ ہماری آنکھ جھپک رہی ہے، مگر ہم نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا)۔ اور بعض ایسے ہیں، جو غیر ارادی ہونے کے ساتھ غیر محسوس بھی ہوتے ہیں، اور ہمارے علم وارادہ دونوں کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں (دیکھو

[۵۱] Stimulii

[۵۲] عمل رجعی ترجمہ ہے Reaction کا۔ یہ اس فعل ثانی کو کہتے ہیں، جو کسی فعل اول کے سرزد ہونے پر اس کے جواب کے طور پر از خود صادر ہو، مثلاً ہم دیوار پر ربڑ کا گیند پھینکتے ہیں، یہ ایک فعل ہوا، اب گیند اچھل کر پھر ہماری طرف لوٹ آتا ہے۔ یہ اس فعل کا عمل رجعی ہے بعض میں اس کا ترجمہ "ردعمل" ہوا ہے (دیکھو قاموس طبی عربی و انگریزی، مرتبہ ڈاکٹر خلیل خیر اللہ، مطبوعہ مصر)

[۵۳] Consciousness

مثال ۳ - اعمال ہضم، احشاء کے اندر جاری رہتے ہیں، مگر نہ ہم ان کا ارادہ کرتے ہیں، اور نہ ہمیں ان کی خبر ہوتی ہے)۔ ان میں سے اوّل الذکر کو افعال ارادی[1] کہتے ہیں، مثلاً کھانا پینا، چلنا، بولنا، پڑھنا، لکھنا، سوچنا، متوسط الذکر کا نام افعال اضطراری[2] ہے، مثلاً ہنسنا، کھانسی آنا، چھینک آنا، اچانک تیز آواز سے جسم کا جھجھک جانا، سردی میں کانپنا، اور آخر الذکر کو افعال قسری[3] کہا جاتا ہے، مثلاً دوران خون، حرکت قلب، عمل انہضام۔

افعال انسانی کی اس تقسیم و درجہ بندی پر عامیانہ تجربات اور سائینٹفک شہادت دونوں متفق اللفظ ہیں، لیکن اس واقعہ حقیقت سے عام خیال یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے، کہ افعال قسری، جو سب کے سب لازمۂ حیات ہیں، انسانی دخل و اختیار سے قطعاً و کلیۃً آزاد ہیں؛ افعال اضطراری پر بھی انسان کا تصرف محض برائے نام ہے؛ ہاں صرف افعال ارادی ایسے ہیں، جن تک انسان کی دسترس ہے، اور جن میں وہ اپنی خواہش و مرضی سے کچھ ترمیم یا تہذیب کر سکتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے، کہ اس اصول تقسیم کی بنا پر افعال انسانی کے طبقات ثلٰثہ جو قرار دئے گئے ہیں، کیا ان کے حدود واقعی ہر جگہ قایم رہتے ہیں؟ اگر یہ کُلیہ ہے، تو کیا اس میں نہایت کثرت سے مستثنیات داخل نہیں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جن افعال کو ہم نے افعال ارادی قرار دیا ہے، وہ ہمیشہ ارادہ کے محتاج رہتے ہیں، اور جنھیں ہم افعال اضطراری کہتے ہیں، وہ ہر جگہ ہماری قوت ارادی کے دخل و تصرف سے آزاد رہتے ہیں؟ ہماری روزانہ زندگی کا تجربہ، ان سوالات کے جواب میں یہ بتاتا ہے، کہ بہت سے افعال، جن کے صدور کے لئے دوسروں کو ارادہ صرف کرنا ہوتا ہے، وہ ہم سے بلا قصد از خود صادر ہوتے رہتے ہیں؛ اور اسی طرح بہت سے افعال جو ہمارے لئے افعال ارادی ہیں، دوسرے انھیں اس سہولت، سرعت، بیساختگی سے کرتے ہیں، کہ گویا ان کے لئے وہ افعال اضطراری ہیں۔ تنفس کو ہمارے علماء افعال الاعضا ایک فعل اضطراری قرار دیتے ہیں، لیکن بہت سے مرتاض فقرا ایسے ہوئے ہیں، اور اب بھی پائے جاتے ہیں، جو اپنی خوشی سے گھنٹوں حبس دم رکھ سکتے ہیں، اور بعض فقرا کے متعلق معتبر ذرایع سے یہاں تک معلوم ہوا، کہ وہ کئی کئی دن تک اپنی سانس روکے رہنے پر قادر تھے۔ انہضام غذا سے جتنے افعال، احشاء میں واقع ہوتے رہتے ہیں، ان کا اضطراری ہونا کیا معنی، قسری ہونا مُسلّم ہے، لیکن بعض لوگ ایسے بھی پائے گئے، جو جب چاہتے ہیں، بغیر کسی خارجی اعانت کے، استفراغ کر ڈالتے ہیں۔ کھانسی بھی ایک عمل اضطراری ہے، چنانچہ جب زور سے اُٹھتی ہے، تو ہم لوگوں سے روکنا ممکن نہیں لیکن اکثر جوہرو تقب زن ایسے ہیں، جنھیں چاہے کتنی شدت کی کھانسی اُٹھتی ہوئی معلوم ہو، مگر وہ بلا تکلف روک لیں گے۔ یہی حال ہنسی کا ہے، عموماً لوگ ضبط ضحک پر قادر نہیں ہوتے، مگر بعض لوگ ایسے بھی نظر سے گزرے ہیں، جن کے سامنے کتنی ہی مضحکہ خیز باتیں کیجئے، مگر ایک مرتبہ جہاں انھوں نے ضبط کا ارادہ کر لیا، پھر کسی طرح نہ ہنسیں گے۔ اخراج منی، عام طور پر بعض خاص شرائط کے اجتماع پر اضطراراً ہوتا ہے، مگر جو لوگ شہوت پرستی میں حد اعتدال سے بڑھے ہوتے ہیں، وہ محض اپنے ارادہ سے انزال پر قادر ہوتے ہیں۔ تقریر و گفتگو کے ارادی ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں، لیکن بعض مشہور مقرروں اور خطیبوں کا بیان

---

[1] Voluntary acts [2] Reflex actions

[3] Automatic actions

ہے، کہ پلیٹ فارم پر جاکر ابتدا کے چند الفاظ تو وہ اپنے قصد و ارادہ سے ادا کرتے ہیں، مگر اس کے بعد ان کی قوت ارادی کو کوئی دخل نہیں رہتا، اور الفاظ از خود مُنہ سے نکلتے چلے آتے ہیں۔ بائیسکل کی سواری جن لوگوں کو آتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ شروع شروع اپنا جسم کا وزن درست رکھنے میں کتنی دقتیں پیش آتی تھیں، اور ہر مرتبہ ایک نیا ارادہ صرف کرنا ہوتا تھا، لیکن اب مشق کے بعد یہ حالت ہے، کہ احباب سے گفتگو میں مشغولیت کے ساتھ کئی کئی میل سایکل پر بیٹھے، مگر اس کی طرف سے غافل، چلے جاتے ہیں، اور اپنی سواری کے متعلق کہیں بھی قوت ارادی کی مداخلت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سب سے آخر، مگر سب سے واضح مثال چلنے کی ہے۔ انسان کو اپنی مشی سے زیادہ بدیہی اور کون فعل ارادی مل سکتا ہے، چنانچہ ہم سب کو اپنے بچپن کا زمانہ یاد ہوگا، جب ہم چلنا سیکھتے تھے، اس وقت کس اہتمام و کوشش کے ساتھ ایک ایک قدم سنبھال کر اُٹھاتے تھے، لیکن اب کیا حال ہے؟ اب ہم جب چلنا چاہتے ہیں، تو ابتداءً بلاشبہ یہ ارادہ ذہن میں قایم کرتے ہیں، لیکن اس کے بعد ہی یا تو کسی ہمراہی سے گفتگو میں مشغول ہو جاتے ہیں، یا خود کسی فکر و خیال میں منہمک ہو جاتے ہیں، غرض اپنے چلنے کی طرف ارادہ کیا معنی، توجہ تک نہیں رکھتے، باایں ہمہ قدم ہیں کہ بغیر ہماری توجہ و ارادہ کے از خود اُٹھتے چلے جاتے ہیں۔

الغرض اس طرح کے بیشمار شواہد کی موجودگی میں یہ یقین کرنا دشوار ہے، کہ افعال انسانی کے یہ طبقات ثلاثہ مستقل علحدہ وجود رکھتے ہیں، تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا، کہ افعال انسانی کے تین جداگانہ اصناف ہیں۔ یہاں جس شے سے انکار ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ طبقات ثلاثہ مستقلاً ایک دوسرے سے علحدہ ہیں۔ ایسی صورت میں واقعہ یہ نظر آتا ہے، کہ گو افعال انسانی کے اصناف ثلاثہ، یعنی افعال ارادی، اضطراری، و قسری، آج موجود ہیں، لیکن ان ہر سہ اصناف کے درمیان کوئی فطرتاً مستقل، اور ناقابل عبور حدِ فاصل حایل نہیں، بلکہ بجز اُن دو ایک افعال قسری کے، جو لازمۂ حیات ہیں (مثلاً حرکت قلب[1]) تمام افعال انسانی اپنی فطرت کے لحاظ سے متحد النوع ہیں، اور ہر فعل کے لئے ممکن ہے کہ مشق و تمرین کے ذریعہ سے ایک طبقہ سے نکل کر دوسرے طبقہ میں داخل ہو جائے۔ اسی قوت، اسی استعداد کا نام عادت ہے۔ علم افعال الاعضا کے قوانین کے رو سے، ارادی و اضطراری اعمال کے درمیان فرق یہ ہے، کہ اگر کسی مہیج کا کوئی عمل رجعی متعین و مشخص ہے، یعنی جب وہ مہیج موجود ہوتا ہے، تو ہمیشہ ایک خاص عمل رجعی ظہور میں آتا ہے، تو وہ فعل اضطراری ہے، اگر مہیج کا کوئی عمل رجعی مشخص و متعین نہیں، یعنی اُس مہیج کے طاری ہونے پر کبھی کوئی عمل رجعی اس کا مجیب ہوتا ہے، اور کبھی کوئی، تو وہ فعل ارادی ہے۔ لیکن عادت کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ علم افعال الاعضا کی قایم کردہ تفریق مٹ جاتی ہے، اور مشق و تمرین کے ذریعہ سے یہ ممکن ہو جاتا ہے، کہ کسی خاص مہیج کے متعلق اعمال رجعی کا تذبذب فنا ہو جائے، اور اس کا مجیب کوئی خاص عمل رجعی، ہمیشہ کے لئے متعین ہو جائے۔ تفصیل اس کی آگے چل کر معلوم ہوگی۔

لیکن عواید کا دائرۂ عمل، کچھ نظام عصبی تک محدود نہیں، بلکہ ہمارے جسم کا ریشہ ریشہ ان کے اثر سے جکڑا ہوا ہے۔ یہ روزمرہ کے مشاہدات ہیں کہ جہاں ایک مرتبہ کوئی شخص کسی عارضہ میں مبتلا ہو چکا، دوسری مرتبہ نہایت ہی معمولی بداحتیاطی سے وہ

---

[1] بعض عجلت پسند علماء نفس کے نزدیک یہ استثنا بھی غیر ضروری ہے۔

مرض بآسانی عود کر آتا ہے؛ جہاں کسی جگہ ایک مرتبہ چوٹ آچکی ہے، پھر دشوار ہے کہ ٹھنڈی ہوا چلے اور وہ درد تازہ نہ ہوجائے؛ اگر ایک دفعہ کسی شدید صدمہ سے ہاتھ اُکھڑ چکا ہے، تو دوبارہ خفیف سے خفیف صدمہ میں بھی اس کے اُکھڑ جانے کا احتمال ہے؛ اگر ایک بار پیر میں موچ آگئی ہے تو آیندہ ہلکا سا صدمہ بھی پھر موچ پیدا کر دینے کے لئے کافی ہے۔ یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ نہ صرف ہمارے افعال، بلکہ جس قدر حالتیں ہمارے جسم کے کسی حصہ پر طاری ہونا ممکن ہیں، سب قانون تعود کی پابند ہیں۔ مگر تعودات کی ہمہ گیر عملداری یہاں بھی ختم نہیں ہوتی، بلکہ نظر وسیع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات سے گزر کر نباتات وجمادات اور بے جان مادہ تک، سب عواید کے اثر میں محیط ہیں۔ نیا لباس اوّل اوّل ضرور کچھ نہ کچھ چُست یا ڈھیلا معلوم ہوتا ہے، مگر چند روز کے بعد ٹھیک ہو جاتا ہے۔ نئے قفل میں ابتداءً اندر کی جانب کچھ گرفتگی سی محسوس ہوتی ہے، جو استعمال کے بعد جاتی رہتی ہے۔ کپڑا اپنی پہلی شکن کے اوپر کس آسانی سے تہ ہو جاتا ہے۔ سطح زمین کے اوپر تھوڑا پانی ڈالو، اس کی دھار اتفاقاً ایک خاص راستہ اختیار کر لیتی ہے، دوبارہ پانی ڈالنے سے پھر دھار اسی طرف بہتی ہے، یہاں تک کہ وہ راستہ مثل نالی کے گہرا ہو جاتا ہے۔ ایک سیدھی شاخ لے کر ہم جھکاتے ہیں، مگر جہاں اس کا سرا چھوڑا، بدستور سیدھی ہو جاتی ہے، لیکن اس کی قوت مدافعت ہر مرتبہ کم ہوتی جاتی ہے، یہانتک کہ چند بار کی کوشش کے بعد، وہ ہماری حسب خواہش مستقل طور پر خم ہو جاتی ہے، اور اب سرا چھوڑ دیتے سیدھی نہیں ہوجاتی۔ کیا یہ تمام تجربات، عادت کے اثر کی ہمہ گیری کے کافی شواہد نہیں؟

یہاں تک اثرات عواید کا ذکر تھا، مگر یہ سوال باقی رہ جاتا ہے، کہ عادت کی ماہیت کیا ہے؟ اہمیت تعودات کا اجمالی بیان تو ہو چکا، لیکن فلسفہ تعود کیا ہے؟ عادت کا فلسفہ جاننے سے پیشتر چند خواص مادّی کو ذہن نشین کر لینا لازمی ہے۔ علم طبیعات کا ایک مسلّم مسئلہ ہے کہ کُل موجودات عالم کی ترکیب، نہایت ہی لطیف وباریک ذرّات سے، جنھیں سالمات کہتے ہیں، ہوئی ہے۔ ان میں باہم ایک کشش اتصال ہوتی ہے، جس کے باعث ایک سالمہ دوسرے سالمہ سے ملا رہتا ہے، اور انھیں کے متفرق مجموعے اجسام مادی کہلاتے ہیں۔ یہ قوت اگرچہ تمام سالمات عالم میں مشترک ہے، تاہم اس میں تفاوت مدارج ہے، یعنی بعض اجسام میں یہ قوت زیادہ ہوتی ہے، بعض میں کم، اور بعض میں اس سے بھی کم؛ اور اسی تفاوت مدارج کی بنا پر مادہ کے تین اقسام، منجمد، سیال، اور گیسی کئے گئے ہیں۔ جن اجسام میں قوت اتصالی حد درجہ پر ہوتی ہے، یعنی جن کے سالمات ترکیبی باہمدگر بالکل پیوستہ ہوتے ہیں، اُن میں ہم صلابت وجمود پاتے ہیں، اور انھیں ٹھوس یا منجمد مادہ قرار دیتے ہیں۔ جن میں یہ قوت کم ہوتی ہے، یعنی جن کے سالمات ترکیبی نسبتاً ایک دوسرے سے فاصلہ پر رہتے ہیں، اُن میں جمود وصلابت کا وجود برائے نام سے زیادہ نہیں ہوتا، اور وہ مادہ سیال کہلاتے ہیں۔ تیسری قسم کے اجسام، جن کے درمیان کشش اتصال بہت ہی کم پائی جاتی ہے، اور جن کے سالمات ترکیبی گویا ایک منتشر حالت میں رہتے ہیں، انھیں مادہ ہوائی یا گیسی کہتے ہیں۔ سالمات کے خواص ثلثہ مندرجہ ذیل خصوصیت کے ساتھ اہم اور قابل لحاظ ہیں:-

(۱) اولاً یہ کہ ہر مفرد سالمہ کی ساخت ناقابل تغیر ہوتی ہے، یعنی سالمات کی ساخت انفرادی حیثیت سے، کسی تحریک خارجی سے متاثر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ بالفرض ہم کسی واحد سالمہ کو

اپنے ہاتھ میں پکڑ سکیں (حالانکہ موجودہ سائنٹفک تحقیقات کے لحاظ سے ایسا ہونا ناممکن ہے) اور چاہیں کہ اس کی ساخت میں کسی طرح کا تغیر پیدا کریں، مثلاً دبائیں، پھیلائیں، یا جھکائیں تو اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(۲) ثانیاً یہ کہ ہر اجتماع سالمات میں موثرات خارجی سے متاثر ہونے کی قابلیت بہت کافی طور پر موجود ہوتی ہے، چنانچہ ہم ہر جسم محسوس کی ہیئت و ساخت میں، کم و بیش آسانی کے ساتھ تغیر و تبدل پیدا کرسکتے ہیں، اس لئے کہ ایسی حالت میں صرف اس مجموعۂ سالمات (یعنی جسم محسوس) کے اجزاء ترکیبی کی ترتیب بدلنا ہوتی ہے، اور اس طرح کے تغیر قبول کرنے کو ہر جسم آمادہ رہتا ہے۔

(۳) ثالثاً، یہ کہ اجسام کی تغیر پذیری اور ان کے سالمات ترکیبی کی کشش اتصال کے درمیان ہمیشہ تناسب معکوس رہتا ہے یعنی جن اجسام کے سالمات میں کشش اتصال زیادہ ہوتی ہے، ان میں استعداد تغیر کم ہوتی ہے، اور جن کے سالمات میں کشش کم ہوتی ہے، ان میں استعداد تغیر زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ٹھوس چیزوں میں تغیر پذیری بہت ہی قلیل ہے، اور ان کی ہیئت میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے نسبتاً قوی موثر کی ضرورت ہوتی ہے، بہ خلاف اس کے ہوا اور پانی میں (چونکہ ان کے سالمات ترکیبی نسبتاً منتشر حالت میں رہتے ہیں) اثرات خارجی سے متاثر ہونے کی اتنی زیادہ صلاحیت موجود ہوتی ہے، کہ وہ اپنی کوئی خاص صورت تک نہیں رکھتے، بلکہ جس ظرف میں ہوتے ہیں، ہمیشہ ویسا ہی قالب اختیار کرلیتے ہیں۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، کہ سب ٹھوس چیزوں کے مدارج جمود مساوی نہیں ہوتے، اسی لئے ان کی تغیر پذیری کے درجات میں بھی نہایت نمایاں فرق ہوتا ہے، پتھر اور گھاس، فولاد اور موم، شیشہ اور ربڑ، استخوان اور گوشت، چمڑا اور نان پاؤ، یہ سب چیزیں منجمد ہیں، مگر دیکھو کہ ان میں سے بعض کس قدر آسانی سے اثرات خارجی قبول کرلیتی ہیں، اور بعض میں تغیر پیدا کرنے کے لئے کتنی محنت و کاوش کی ضرورت پڑتی ہے۔

عوائد انسانی کی ماہیت کا راز اگر دریافت کرنا ہو تو انہی قوانین طبعیہ کے اندر تلاش کرو۔ ہم ابھی کہہ آئے ہیں، کہ دنیا کی جن چیزوں میں سب سے زیادہ استعداد تغیر موجود ہے، وہ وہ ہیں، جو منجمد ہونے کے ساتھ لچکدار ہوتی ہیں، مثلاً موم یا حلوائے تر، جو ایک طرف نہ تو اتنی سخت ہوتی ہیں، کہ معمولی موثرات خارجی کا اثر قبول ہی نہ کریں، اور نہ پانی و ہوا کی طرح اپنی کسی مستقل صورت سے معرا ہوتی ہیں، جن کی ہیئت کوئی موثر خارجی متغیر ہی نہ کرسکے۔ یہ لچکدار اجسام عام موثرات سے برابر متاثر ہوتے رہتے ہیں، لیکن باستثنائے غیر معمولی قوت کے موثرات کے، کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوتے، کہ دفعتہً اسی کے موافق ڈھل جائیں، گویا ان کا وصف امتیازی تدریجی تغیر پذیری ہے، اور یہی وصف، عادت کا جوہر حقیقی یا مایۂ خمیر ہے۔ جن اجسام میں جس درجہ پر یہ خاصہ موجود ہوگا اسی نسبت سے، یہ کہا جائے گا کہ ان میں اکتساب عواید کی قابلیت ہے۔

اب نظام عصبی پر جب ہم نظر کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساخت بعینہ اسی قسم کے مادہ سے ہے، جو کسب عواید کے لئے خاص طور پر موزوں ہے۔ بکری یا دوسرے حیوانات کا مغز ہر شخص نے دیکھا ہوگا، بس اسی طرح کا ملیتن، پلپلا، اور لچکدار مادہ، انسانی دماغ و نخاع کے اندر ہوتا ہے، اور

جس عصبی مادہ سے اعصاب کی ترکیب ہوئی ہے، لینت و
قابلیت فطر (یعنی لچک) کے لحاظ سے وہ بھی بالکل اس کے
مشابہ ہوتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل لحاظ ہے، کہ مغز انسانی جس
حفاظت و استحکام کے ساتھ کاسہ سر کے اندر بند ہے، اس کے
باعث وہ ہر موثر خارجی سے متاثر نہیں ہوسکتا، بلکہ معمولی
حالات میں اس کے اوپر صرف دو موثر کارگر ہوسکتے ہیں،
ایک خون، دوسرے تہیجات عصبی۔ مگر خون کا اثر چونکہ صحت
کی حالت میں عموماً یکساں رہتا ہے، اس لئے اس سے قطع نظر
کرکے ہمیں صرف تہیجات عصبی کو دیکھنا چاہئے، جو ساعت
بہ ساعت بدلتے رہتے ہیں۔ یہ علم النفس کا ایک طے شدہ مسئلہ
ہے، کہ خارج سے جتنے تہیجات، اعصاب حسی کے ذریعہ سے
ہمارے دماغ یا نخاع تک پہنچتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک
کے لئے عمل رجعی کا ہونا لازمی ہے، اور اس کی صورت یہ ہے
کہ ہر داخل شدہ تہیج، اپنے اخراج اپنی نکاس کے لئے مغز سے باہر کا
راستہ ڈھونڈھتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ راستہ اعصاب محرکہ ہی
کا ہوتا ہے؛ اب بعض افعال ایسے ہوتے ہیں، جن کے تہیجات
کے اعمال رجعی، مقرر اور بندھے ہوتے ہیں، جن میں کبھی کوئی
فرق نہیں پڑتا، یعنی جب وہ تہیجات پیدا ہوں گے، تو چند
خاص اعمال رجعی لازمی طور پر ان کے مجیب ہوں گے، مثلاً
جب جسم کے بعض حصے گدگدائے جائیں گے، تو اس تہیج پر یہ
عمل رجعی لازمی طور سے طاری ہوگا، کہ اعصاب محرکہ متعلقہ
ضحک حرکت کریں، اور چہرہ کے عضلات کی خواہ مخواہ وہ صورت
بن جائے گی، جسے ہم ہنسی آنا کہتے ہیں، اس طرح کے افعال
اضطراری ہیں؛ اور بعض افعال ایسے ہوتے ہیں، جن کے
تہیجات کے کوئی مشخص اور بندھے ہوئے اعمال رجعی نہیں

ہوتے، بلکہ وقتی اسباب و ہنگامی اتفاقات سے اُسی تہیج کا
مجیب کبھی ایک عمل رجعی ہوتا ہے، کبھی دوسرا، کبھی تیسرا، وقس
علیٰ ہذا، مثلاً ہم اپنے نوکر کو دیکھکر کبھی اس سے بہ لطف و اخلاق
کوئی بات کہتے ہیں، کبھی اس پر برہم ہوتے ہیں، اور کبھی محض
خاموش رہتے ہیں، نوکر کی موجودگی، تہیج ایک ہی ہے، مگر
دیکھو کہ مختلف مواقع پر اس کے اعمال رجعی کتنے مختلف ہوتے
ہیں، اس طرح کے افعال، افعال ارادی کہلاتے ہیں۔ اس
بنا پر افعال اضطراری کی فصل، تہیجات کے اعمال رجعی کی تشخیص
وتعیین، قرار پاتی ہے، اور انسان کی خوش نصیبی ہے، کہ وہ اپنے
ارادہ و خواہش کے مطابق، خاص خاص تہیجات کے لئے خاص
خاص اعمال رجعی تعیین و مشخص کرسکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے
کہ جن افعال کو افعال اضطراری بنالینا مقصود ہو، ان کے تہیجات
پر اپنے حسب دلخواہ اعمال رجعی کو ابتداءً بہ کوشش مترتب کرے،
اور ایک مدت تک برابر ایسا کرتا رہے، یہانتک کہ کچھ عرصہ میں
مغز اور مادہ عصبی میں، جو نہایت لچکدار ہے، انہیں اعمال رجعی
کے خطوط یا القوس اتنے گہرے ہوجائیں گے، کہ ان میں ایک
کیفیت اضطرار پیدا ہوجائے گی، اور ان تہیجات کے پیدا ہونے
پر یہ اعمال رجعی از خود مترتب ہونے لگیں گے۔ اسی واسطے
افعال اضطراری و افعال عادی میں عملاً کوئی فرق نہیں۔
افعال الاعضا کا یہ قانون ایک مادی مثال کے ذریعہ سے
بآسانی ذہن نشین ہوجائے گا۔ نقشہ ذیل میں، ا ایک سطح
قطعہ زمین ہے، جس میں، ب، ج، د تین نالیوں سے پانی
آتا ہے، جن میں سے ب کا لایا ہوا پانی ہمیشہ ہ کے راستہ سے
باہر جاتا ہے، لیکن ج و د کے ذریعہ سے آتے پانی کی کوئی
نکاس معین نہیں، کبھی وہ ہ سے نکل جاتا ہے، کبھی ز سے

اور کبھی ط سے۔ لیکن ممکن ہے، کہ ہم چند بار بہ کوشش ج کے اور وہ پانی کو و سے اور د کے اور وہ پانی کو ز کے راستہ سے نکالیں۔ اس کے



بعد یہ ہوگا کہ ہماری کوشش کی احتیاج نہ باقی رہے گی، ج کے منتہی اور و کے مبتدا، نیز د کے منتہی اور ز کے مبتدا کے درمیان از خود ایک ملا دینے والی نالی بن جائے گی، اور جس طرح ب و ہ کے درمیان ایک تلازم ہے، اُسی طرح ان بقیہ دونوں جوڑوں میں بھی تلازم پیدا ہو جائے گا۔ (اس مثال میں ا نظام عصبی مرکزی کا قائم مقام ہے، داہنے طرف کے خطوط اعصاب محرکہ کے، جو محل اعمال جسمی ہوتے ہیں، اور بائیں طرف کے خطوط، اعصاب حسیہ کے، جو تہیج آور ہوتے ہیں)۔

اوپر کی عبارت میں ہم نے قوت اکتساب عواید کو انسان کی خوش نصیبی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے، کہ جس طرح طاقت جسمانی، اور ذہانت، انسان کے پاس دو بہت بڑے آلات ہیں، کہ ان کے مصرف صحیح سے انسانی زندگی کامیاب بن سکتی ہے، اسی طرح اکتساب عواید کی قابلیت بھی اس کے لئے بہت بڑی نعمت ہے، کہ اگر اسے مفید طریقہ پر استعمال کرے، تو فتوحات عظیمہ حاصل کر سکتا ہے۔ افعال عادی، چونکہ افعال اضطراری کے حکم میں داخل ہیں، اس لئے ان کے کرنے میں انسان کو وہ توجہ و ارادہ نہیں صرف کرنا پڑتا، جو افعال ارادی کے صدور کے لئے لازمی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افعال عادی سے، بہ خلاف افعال ارادی کے، انسان کو خستگی بہت کم محسوس ہوتی ہے، اور یہ کوئی حقیر فائدہ نہیں۔ ہماری روزانہ زندگی کے افعال کا حصہ غالب ایسا ہے، جسے ہم محض عادت کی بنا پر بلا توجہ کیا کرتے ہیں۔ اگر ہم شام کی ہوا خوری کے عادی ہیں، تو ادھر وقت مقررہ آیا، اور اُدھر ہمارے اندر از خود چلنے کی تحریک پیدا ہوئی۔ اپنی جگہ سے حرکت کرنا، کوٹ کی آستین میں ہاتھ ڈالنا، اس کو پہننا، بٹن لگانا، کالر ہاتھ میں لے کر گلے تک لے جانا، اسے لگانا، ٹائی کا باندھنا، چھڑی کا اُٹھانا، اسے ایک خاص وضع پر ہاتھ میں لینا، دروازہ کی طرف رُخ کرنا، اس کے بعد ہزاروں مرتبہ قدم کا از خود اُٹھتے رہنا، غرض اس طرح کی بے شمار مفرد حرکات، جو بجائے خود سب کی سب ارادی ہیں، ہمیں کرنا ہوتی ہیں، مگر ہمیں مطلق ان کا تکان نہیں ہوتا، خیال کرو کہ اگر یہی سب حرکات ایک بچہ کو کرنا پڑیں، جسے ہر لحظہ توجہ اور قوت ارادی صرف کرنا ہو گی، تو چند منٹ میں کس قدر خستہ ہو جائے گا![۱] ایک تعلیم یافتہ شخص اوسطاً دن میں ہزاروں لفظ پڑھتا، اور سیکڑوں الفاظ لکھتا ہے، مگر خیال کرو، کہ یہ ایک مرکب فعل عادی، کتنے مفرد افعال ارادی کا مجموعہ ہے۔ کتاب کا کھولنا، صفحات کا اُلٹنا، ہر صفحہ کا ایک ایک لفظ، ہر لفظ کا ایک ایک حرف، پڑھنا، پھر ہر حرف کو دوسرے حرف، اور ہر لفظ کو دوسرے لفظ سے ربط دینا، ساتھ ہی ان کے معانی کی طرف ذہن کا منتقل کرنا، یہ سب پڑھنے کے مراتب ہیں، اور لکھنے میں، قلم کا اُٹھانا، ایک خاص وضع پر اسے ہاتھ میں لئے رہنا، الفاظ نیز حروف

[۱] یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ بچہ کو اپنی ناتوانی کی وجہ سے دقتیں پڑیں گی۔ اس کی اصل وجہ درحقیقت صرف مشق عادت کا نہ ہونا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نوجوان ہو گیا ہو، لیکن بیماری یا کسی اور سبب کے باعث اُسے ابتدائے پیدائش سے اب تک کبھی چلنے کا اتفاق نہ ہوا ہو، اور اس وقت اسے پہلی بار چلنا پڑے، تو اس کو بھی ایک بچہ کے مساوی دقتیں پڑیں گی۔

کے درمیان تناسب کتابت کا قایم رکھنا، خط کی صفائی کا خیال
رکھنا، وغیرہ متعدد مراحل کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ یاد ہوگا، کہ
انہی دقتوں کی وجہ سے، بچپن میں جب ہم بچے لکھنا پڑھنا سیکھتے
تھے، اس وقت ایک لفظ کے پڑھنے میں کتنی مشقت پڑتی تھی،
اور لکھنے میں تو اس سے زیادہ محنت شاقہ کا سامنا ہوتا تھا،
مگر اب صرف عادت کی بنا پر، ہم لکھتے پڑھتے وقت عموماً حروف
والفاظ کی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے، بلکہ وہ ازخود صحت کے
ساتھ نکلتے ہیں، اور نہ ہم لکھنے پڑھنے سے جلد تھکتے ہیں یہی حال
بولنے کا ہے، روزمرہ کی عام گفتگو میں نہ ہم خستگی محسوس کرتے ہیں،
اور نہ سوچ سوچ کر الفاظ تلاش کرتے ہیں، حالانکہ ہم وہی ہیں،
جو بچپن میں اٹک اٹک کر اور مُتلا کر الفاظ زبان سے نکالتے
تھے، اور معمولی واقعات کو بیان کرنے میں بھی کئی کئی منٹ صرف
کردیتے تھے، اور بچپن کا کیا ذکر ہے، اب بھی ہم غیر زبان میں جب
گفتگو کرنا چاہتے ہیں، تو تلاش الفاظ میں وقت صرف ہوتا ہے،
اور تاوقتیکہ غیر معمولی مہارت نہ حاصل ہوجائے ہم اپنی مادری
زبان کی طرح، غیر زبان میں کبھی پوری صفائی، بے تکلفی، و بے خستگی
کے ساتھ اظہار خیال نہیں کرسکتے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی جاسوس
ہمارے ہر فعل کی نگرانی کرتا رہے، تو معلوم ہوگا، کہ ہمارا کھانا
پینا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، سب قانون تعود کے تابع ہے،
ہم میں سے ہر فرد کا ایک خاص طرز گفتگو ہوتا ہے، ایک خاص
انداز رفتار ہوتا ہے، اس کا عام طور پر ایک خاص طریقۂ نشست
ہوتا ہے، وہ عموماً اوقات مقررہ پر سوتا ہے، جاگتا ہے کھاتا
ہے، رفع حاجت کرتا ہے، اور اگر اس کے ان معمولات میں کبھی
خلل ڈالئے، تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ اس سے بڑھکر یہ کہ
وہ کپڑے اور جوتے پہننے میں بھی عواید کا محکوم ہوتا ہے، مثلاً
ہر فرد عموماً پہلے ایک خاص ہاتھ آستین میں ڈالے گا، عموماً پہلے
ایک خاص پیر میں پاتابہ یا جوتا پہنے گا، یہ نہ ہوگا کہ کبھی داہنے
ہاتھ اور پیر کو سبقت دے اور کبھی بائیں کو، یا کم از کم جب تک کوئی
مانع قوی نہ موجود ہو، وہ ہمیشہ ایک خاص عضو کے ساتھ ابتدا
کرے گا، انسان ان چیزوں کو کبھی دھیان نہیں دیتا، وہ اگر کبھی
اپنا جاسوس بنکر وہ اپنے افعال کی نگرانی کرے تو معلوم ہو کہ
جزئیات تک میں وہ بندۂ عواید ہے! ان سب مثالوں سے ظاہر
ہوا ہوگا، کہ ہم اپنی روزانہ زندگی میں بیشتر افعال کو صرف عادت
کی بنا پر بلا تکلف انجام دیتے رہتے ہیں، اگر اکتساب عواید کی قابلیت
ہم میں نہ ہوتی، تو ہر ادنی سے ادنی فعل کے لئے از سر نو ارادہ
و توجہ کی ضرورت ہوتی، تجربہ و مہارت بے معنی الفاظ ہوجاتے،
نتیجہ یہ ہوتا کہ ہم بہت جلد خستہ ہوجاتے، بہت سے ضروری کام ادھورے و
ناتمام رہ جاتے، اور اُن افعال کے لئے نہ ہمارے پاس قوت رہتی اور
نہ وقت ملتا، جن میں ارادہ کا صرف کرنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے،
مثلاً غور و فکر۔ اسی لئے ہم کو چاہیئے، کہ جن افعال کو ہم نیک و
مفید خیال کرتے ہیں، ان کی جلد سے جلد عادت ڈال لیں،
نظام عصبی کو، جس میں ہمارا سب سے بڑا دوست اور ہمارا سب
سے بڑا دشمن، دونوں کے بننے کی قابلیت موجود ہے، اسے
اپنا دوست بنالیں، اس سے صلح کرلیں، اور اس کی اعانت سے
ان عادات کو راسخ کرلیں، ان افعال کو اپنے میں خوب گہرے
طور پر منقش کرلیں، جو ہمارے لئے مفید ہیں۔ لیکن یہ بھی ذہن
نشین رکھنا چاہیئے، کہ وہی آگ جو ہمیں گرم رکھتی ہے، جو ہمارا
کھانا پکاتی ہے جو ہماری مشینوں اور انجنوں کو چلاتی ہے، اگر
کہیں بیجا رکھدی جاتی ہے، تو ہماری ذرا رعایت نہیں کرتی، بلکہ
چشم زدن میں ہمارے گھر بار، مال و متاع، بلکہ خود ہم کو جلا کر خاکستر

کر دیتی ہے - بالکل یہی حال ہمارے نظام عصبی کا ہے، وہ جس طرح ہمارے وقت اور محنت میں بے حد کفایت پیدا کر دیتا ہے، ہمارے نیک خصائل کو راسخ کرکے، ہمیں ان کی طرف سے فارغ و مطمئن کر دینے والا ہے، اسی طرح اگر کوئی بُری عادت اس میں جڑ پکڑ گئی ہے، تو وہ بھی عوایدحسنہ کی طرح اب ہمارے اختیار سے تقریباً خارج ہوگئی ہے، اور اس کا مٹنا سخت دشوار ہوگیا ہے کیا دیکھا نہیں کہ بعض لوگوں کی زبان پر گالیاں چڑھ جاتی ہیں، یا بعض لوگوں کا کوئی لفظ سخن تکیہ ہوجاتا ہے، وہ مہذب سوسائٹی میں، یا اپنے بزرگوں کے سامنے ہر چند اپنے تئیں روکتے ہیں، ہر چند اپنی زبان سنبھالتے ہیں، لیکن بے مروت نظام عصبی ذرا پروا نہیں کرتا، وہی الفاظ جنہیں وہ دبانا چاہتے ہیں، بے تحاشہ زبان سے ادا ہوجاتے ہیں۔ یہ منظر بعض اوقات نہایت عبرتناک ہوتا ہے، گفتگو کرنے والا نہایت محجوب ہوتا ہے، اپنے تئیں سخت ملامت کرتا ہے، مگر بے سود اسے بارہا ذلیل ہونا پڑتا ہے، اور بعض دفعہ سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ کچھ گفتگو اور الفاظ کی تخصیص نہیں، دانتوں سے ناخن کاٹنا، ہونٹ چبانا، پیر ہلانا، غرض جو لت انسان کو پڑ جاتی ہے، پھر کیا چھوڑے چھوٹتی ہے۔ عادات جب پوری طرح پر راسخ ہوجاتی ہیں، تو انسان کی عقل و تمیز پر غالب آجاتی ہیں، اسے موقع و محل کا لحاظ قطعاً نہیں رہتا، اور انسان کی حالت، ایک بے جان مشین کی طرح یہ ہوجاتی ہے، کہ جہاں اُسے مُہیج ملا، بس فوراً اس کے مطابق عمل بھی اس سے سرزد ہوجاتا ہے، خواہ اس فعل کا صدور کسی موقع پر کتنا ہی غیر معقول، بلکہ مضحکہ خیز ہو، چنانچہ پنشن یافتہ سپاہیوں کو، جن کی ایک عمر فوج میں گذر چکتی ہے، دیکھا گیا ہے، کہ وہ جہاں فوجی بگل یا باجہ کی آواز سنتے ہیں، فوراً قواعد فوج کے مطابق تن کر سیدھے کھڑے ہوجاتے ہیں[1]۔ اسی لئے مشہور انگریزی جنرل، ڈیوک آف ولنگٹن، ایک دفعہ متحیر ہوکر پکار اُٹھا "عادت کو فطرت ثانیہ کہتے ہو حالانکہ اس کی قوت، فطرت کی قوت سے دس گنی ہے" یعنی عادی ہو [illegible] قواے فطری بھی ماند پڑ جاتے ہیں، جس کی تصدیق عام تجربہ میں یوں ہوتی ہے، کہ جو قیدی ۲۰، ۲۵ سال کے بعد رہائی

[1] ایک روز لکھنؤ کا اخبار "انڈین ڈیلی ٹیلیگراف" دیکھ رہا تھا، کہ اس میں حکایت ذیل نظر سے گزری، (دیکھو اخبار مذکور مورخہ ۲۴ جون ۱۹۱۱ء)۔

"ایک انگریز سپاہی مسمی جونس، ہندوستان کی فوج میں ایک عمر دراز کی ملازمت کے بعد وطن واپس آیا، اور ایک روز غسل کے قصد سے بالاخانہ پر گیا، لیکن تھوڑی ہی دیر میں نہایت جھلائی ہوئی صورت کے ساتھ غسل خانہ سے باہر نکل آیا۔ سامنے مسز جونس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میاں بیوی کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:-

مسز جونس - کیوں خیر تو ہے؟

جونس - خیر کیسی، غسل نہ کر سکنا تھا، نہ کر سکا۔

مسز جونس - لیکن آخر کیوں؟ کیا پانی خوب گرم نہ تھا؟

جونس - نہیں پانی ٹھیک تھا۔ لیکن نیچے گلی میں ایک بدمعاش اٹالین کھڑا ہوا تھا۔ میں جب جب ٹب کے اندر غسل کے لئے قدم رکھتا تھا، وہ بدمعاش ہر مرتبہ ارگن پر God save the King کا فوجی ترانہ چھیڑ دیتا تھا۔

مسز جونس (حیرت آمیز لہجہ میں) لیکن اس کو تمہارے غسل کرنے سے کیا تعلق؟

جونس - (غصہ سے بے خود ہوکر) کیا تعلق ہمارے جمن، تیری سمجھ میں اتنا نہیں آتا، کہ اس کے ہر راگ کے ساتھ مجھے ہر دفعہ فوجی قواعد کے مطابق Attention یعنی سیدھا کھڑا ہوجانا پڑتا تھا۔"

صاحب اخبار نے اس حکایت کو لطایف و ظرایف کے کالم میں جگہ دی تھی، لیکن کیا اس لطیفہ کے اندر حیات نفسی کی ایک گہری حقیقت، علم النفس کا ایک اہم اصول، یعنی قانون عادت مضمر نہیں؟

پاتے ہیں، ان کی فطری آزادی کی خواہش اتنی مردہ ہوجاتی ہے، کہ وہ از خود دوبارہ محبس میں جانے کی تمنا و درخواست کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ پرند جو شروع ہی سے پکڑ کر پنجرے میں بند کردئے جاتے ہیں، آزادی پاتے پر بھی اڑ نہیں جاتے، بلکہ پھر قفس میں واپس چلے آتے ہیں۔ گھوڑے جو کبھی کبھی اپنے نگراں کی غفلت سے بھاگ جاتے ہیں، ان کو دیکھا ہوگا، کہ کچھ دیر تو میدان میں کلیلیں کرتے ہیں، اس کے بعد چپ چاپ اپنے اصطبل میں آکر پھر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پروفیسر جیمس، جس کی بعض تصانیف سے اس مضمون کے اکثر حصوں میں فائدہ اٹھایا گیا ہے، ایک شیر کا واقعہ نقل کرتا ہے، جو کسی سرکس میں پلا ہوا تھا۔ سرکس کمپنی ریل پر جارہی تھی، کہ ٹرین پٹری سے اتر گئی، شیر جس قفس میں بند تھا، اس کا دروازہ کھل گیا، خونخوار درندہ باہر نکل آیا، لیکن عادت کے مقابلہ میں فطرت کی مغلوبیت دیکھو، کہ بغیر کسی کو نقصان پہنچائے، تھوڑی دیر کے بعد اپنے کٹہرے میں واپس آکر بدستور بیٹھ گیا۔

(باقی آیندہ)

عبدالماجد

مسز سروجنی نائڈو

[ذیل کا مضمون جناب مولوی سید خورشید علی صاحب نے خاص ادیب کے لئے عطا فرمایا ہے۔ ممدوح سے ناظرین ادیب بخوبی واقف ہیں اور آپ کے خیالات سے اکثر مستفید ہوتے رہے ہیں۔ مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مضمون میں مسز سروجنی نائڈو کی انگریزی شاعری کی اہمیت دکھائی گئی ہے۔ آپ کی قادر الکلامی کے خود ولایتی ادیب اور جوہر شناس معترف ہیں۔ آپ کے کلام انگریزی رسائل میں بارہا ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ زور طبع، معنی آفرینی، اور آمد مضمون واقعی قابل داد ہے۔ نکتہ سنج جانتے ہیں کہ دوسرے ممالک کے خیالات و جذبات، رسم و رواج، اور عادات و خصائل کو شاعری کا جامہ پہنانا کس قدر دشوار اور مشکل کام ہے۔ مسز سروجنی نائڈو میں یہی بہت بڑا کمال ہے کہ جس حسن و خوبی سے وہ اپنے ملک کے خیالات کی بندش کرتی ہیں اسی خوش سلیقگی اور شگفتگی کے ساتھ یورپ کے جذبات کو بھی نظم کرتی ہیں۔ اور مشرق و مغرب میں ہر حیثیت سے جو بُعد ہے وہ ظاہر ہے۔ ان کی ذات پر ابنائے وطن جس قدر فخر کریں بجا ہے۔ اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہر زمانہ میں ایک نہ ایک باکمال ہندوستان کے لئے مایۂ ناز ہوا ہے۔ انگریزی شاعری پر مس تورودت آنجہانی کے بھی جو احسانات ہیں ان کو زمانہ کبھی نہ بھولے گا۔ اور یہ تو قاعدہ ہے کہ متقدمین سے متاخرین کو بڑھ جانے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ یہی کمالات ہیں جن کو یکسو کردینے سے کسی خاص فن میں ممتاز ہوجانے کے اسباب ہوجاتے ہیں۔ اور مثال کے لئے پنڈتا رامابائی کی ذات کافی ہے۔ (اڈیٹر)]

مسٹر عبداللہ یوسف علی نے اپنی مشہور کتاب لائف اینڈ لیبر آف دی پیپل آف انڈیا (اقوام ہند کی طرز زندگی اور کسب معیشت) میں کیا خوب کہا ہے کہ "یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے صرف دو شاعروں نے درحقیقت انگریزی ادب میں نام کیا ہے اور وہ دونوں خواتین ہی ہیں"۔ اس میں شک نہیں کہ جب سے انگریزی تعلیم ہمارے ملک میں عام ہوئی ہے اہل ہند کی کثیر تعداد نے انگریزی زبان میں شعر کہنے کا شوق کیا لیکن کسی کے کلام کو مقبولیت و شہرت میں وہ درجہ حاصل نہ ہوسکا جو مس تورودت آنجہانی اور مسز سروجنی نائڈو کا حصہ تھا۔ نام ازل

نے اس حقیقی دولت سے اب تک مادر ہند کے ان ہی دو سعادت اطوار خوش نصیب بچوں کو مالامال کیا۔ مس تورودت اور مسز سروجنی نائڈو کے نام نامی انگریزی ادب کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ ان ہر دو فخر وطن خواتین کی دلکش شاعری نے نظم انگریزی میں ایک جدید پر لطف باب کا اضافہ کیا اور ان کے تخیل کی جدت اور مضامین کی تازگی نے انگریزی نظم کے گلزار میں عجیب و غریب روح پرور گل بوٹے لگائے۔ لیکن مسز سروجنی نائڈو نے اپنی پیشرو مس تورودت آنجہانی سے بھی گوے سبقت لے جاتے میں کامیابی حاصل کی۔ جوانمرگ مس تورودت کو بے وقت موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی خداداد سخن طرازی اور خوش فکری کے زیادہ ترقی و تربیت یافتہ نمونے دنیا کے سامنے پیش کر سکتیں۔ انگلستان کے مشہور شاعر مسٹر اڈمنڈ گاس نے ان دونوں شاعرہ خواتین کا باہمی مقابلہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:-

"تورودت کی تصانیف نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہیں لیکن مصنفہ کی کمسنی، علالت و تنہائی اور بہت مختصر ناشاد و ناکام زندگی کے نہایت درد انگیز و جاں گداز واقعات کے باعث ان میں کچھ امور قابل معافی بھی ہیں۔ مسز نائڈو کے تازہ اور پختہ کلام میں کوئی بات بھی ایسی نہیں پاتا جو سخت سے سخت تنقید میں بھی قابل گرفت معلوم ہو سکے۔"

مسز سروجنی نائڈو ۱۳۔ فروری ۱۸۷۹ء کو بمقام حیدر آباد پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ماجد اگھور ناتھ چٹا پادھیائے۔ ڈی۔ ایس۔ سی (اڈنبرا) مشرقی بنگال کے ایک معزز اور موقر خاندان کے رکن رکین ہیں۔ ان کا خاندان سنسکرت میں بہت فاضل اور یوگ کے عمل میں کامل ہونے کے باعث بنگالہ میں بہت مشہور ہے۔ ڈاکٹر اگھور ناتھ ان محترم بزرگوں میں سے ہیں جن کے ہاتھوں حیدر آباد میں انگریزی تعلیم کی داغ بیل پڑی آج حیدر آباد میں بچہ بچہ اس نام سے واقف ہے اور حیدر آباد کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگ ڈاکٹر صاحب کی عزت اور ان کے خاندان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہاں کے سررشتہ تعلیمات کی مختلف خدمتیں ادا کیں۔ مدت تک وہ نظام کالج کے سائنس پروفیسر تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے وظیفہ لینے کے بعد اب سال ڈیڑھ سال سے اپنے وطن مالوف میں رہنا اختیار کیا ہے لیکن ان کی ذاتی خوبیوں اور پاکیزہ اخلاق کی یاد اور ان کی سادہ طرز زندگی کا نیک اثر اب تک ویسا ہی باقی ہے۔

مسز سروجنی نائڈو ڈاکٹر صاحب کی سب سے بڑی اولاد ہیں۔ ابتدائی تعلیم حیدر آباد کے مشہور سنٹ جارجس گرامر اسکول میں ہوئی۔ بمصداق "سالے کہ نکوست از بہارش پیدا" شروع ہی سے غیر معمولی قابلیت کے آثار ہویدا تھے۔ بارہ برس کی عمر میں مدراس یونیورسٹی کے امتحان مٹرکیولیشن میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸۹۵ء میں سرکار نظام کی جانب سے بعطاے وظیفہ انگلستان بھیجی گئیں۔ انگلستان میں ۱۸۹۸ء تک قیام رہا۔ اس زمانہ میں کچھ دنوں تو لندن کے کنگس کالج میں تعلیم پائی اور باقی ایام مشہور زنانہ درس گاہ گرٹن میں بسر کئے۔ ۱۸۹۸ء کے ستمبر میں حیدر آباد واپس ہوئیں اور اسی سال دسمبر میں ڈاکٹر ایم۔ جی۔ نائڈو کے ساتھ جو اڈنبرا یونیورسٹی کے ایم۔ بی۔ سی۔ ایم ہیں شادی کر لی۔

مسز سروجنی نائڈو کو بہت کمسنی سے شعر کہنے کا شوق ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں:-

"ایک روز جبکہ میں گیارہ برس کی تھی جبر مقابلہ کا ایک سوال

مجھ سے حل نہیں ہو رہا تھا۔ میں اس کو حل کرنے کی کوشش میں
بہت پریشان ہو رہی تھی اور اپنی ناکامی پر بیٹھی افسوس کر رہی تھی
سوال تو حل نہیں ہوا لیکن اس کے عوض خود بخود ایک پوری
نظم میرے ذہن میں آ گئی۔ میں نے فوراً اسے قلمبند کر لیا اور
اس دن سے میری شاعری کی ابتدا ہوئی۔"

پانچ چھ برس بعد جب وہ انگلستان پہنچی ہیں تو انھیں شعر کہنے میں
خوب کمال حاصل تھا۔ وہ کئی بہت نفیس اور پاکیزہ نظموں کی
مصنفہ بن چکی تھیں۔ ایک آدھ دلچسپ ڈراما بھی لکھا تھا۔
غرض وہ اُس وقت ایک بہت اچھی شاعرہ تھیں۔ مسز سروجنی نائڈو
کی غیر معمولی قابلیتیں انگلستان میں بڑی حیرت اور قدر کی نگاہوں
سے دیکھی گئیں۔ اس کا اندازہ مسٹر اڈمنڈ گاس کے مندرجہ ذیل
بیان سے ہو سکتا ہے:۔

"سروجنی چٹا پادھیائے جیسا کہ وہ اُس وقت کہلاتی تھیں
جب پہلے پہل لندن پہنچیں تو وہ ایک سولہ برس کا بچہ تھیں۔
مگر اسی عمر کی انگریز لڑکی سے وہ اتنی ہی مختلف تھیں جس قدر
کہ کنول یا ناگ پھنی سوسن سے الگ ہوتا ہے۔ اُن کی دماغی
پختگی غضب کی تھی۔ حیرت ناک طور پر مطالعہ کیا تھا اور دُنیا کی
معلومات میں مغربی لڑکیوں سے بدرجہا فائق تھیں۔"

مسز سروجنی نائڈو کی اُس وقت کی شاعری کے متعلق
وہ کہتے ہیں:۔

"اُن کا کلام تمام ظاہری امور میں بالکل مکمل، قواعد کے
لحاظ سے نہایت درست اور جذبات و خیالات کی نظر سے
بالکل بے عیب تھا۔"

مسز سروجنی نائڈو کی شاعری کی ابتدا کی طرح اس کے تغیرات
کی تاریخ بھی بہت دلچسپ ہے۔ مسٹر اڈمنڈ گاس نے مسز سروجنی نائڈو
کی نظموں کے ایک تازہ ترین مجموعہ کی تمہید میں اس پر روشنی ڈالی
ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ مسز نائڈو کے
کلام کو دیکھکر انھیں سخت مایوسی ہوئی۔ کیونکہ مسز سروجنی نائڈو
کا اُس وقت تک کا کلام باوجود تمام اوصاف و محاسن کے ایک
بہت بڑی خامی یہ رکھتا تھا کہ کسی بابہ الامتیاز خصوصیت سے ممتاز نہ تھا۔
جذبات اور تخیل میں وہ بالکل مغربی تھا۔ ٹنی سن اور شیلے کے کلام
پر اس کی بنا تھی۔ یہانتک کہ عیسائی مذہب کے مخصوص جذبات
کے پرتو سے بھی وہ خالی نہ تھا۔ مسٹر اڈمنڈ گاس نے مسز نائڈو
کو اس نقص کی جانب متوجہ کیا اور سمجھایا کہ ایک انتہا درجہ کی سمجھدار
نوجوان ہندی سے جس کو نہ صرف انگریزی زبان پر بلکہ مغربی عروض پر
بھی پوری دستگاہ حاصل ہو اہل انگلستان اس بات کے
خواہشمند نہ تھے کہ وہ خود اُن ہی کے تجربات اور احساسات کو
اُن کی زبان میں اُن کے سامنے پیش کرے بلکہ وہ اس کے متوقع
تھے کہ اُنھیں ہندوستان کے ٹھیٹ ہندوستانی شاعرانہ اسرار
سے تعارف حاصل ہو۔ مسز سروجنی نائڈو نے اس دانشمندانہ
مشورہ کو بڑی ممنونیت کے ساتھ قبول کیا۔ اُس روز سے اپنی
طرز بدل دی اور مسٹر اڈمنڈ گاس کی مشفقانہ نصیحت پر عمل کرنا
شروع کیا۔ ۱۸۹۵ء سے آج تک ان کا کلام خالص ہندوستانی
خیالات و جذبات کا ترجمان اور انگریزی شاعری کے خزانہ میں
بالکل ایک انوکھا قابل قدر اضافہ ہے۔ اب تک مسز نائڈو کے کلام
کے کئی مجموعے شایع ہو چکے ہیں جن میں (۱) "دی گولڈن تھرش ہولڈ"
یعنی "آستانۂ زریں" یا "سنہری چوکھٹ" اور (۲) "دی برڈ آف
ٹائم" یعنی "طائر العصر" بہت مشہور ہیں۔ انگریزی ادب کی دُنیا۔
مسز نائڈو کے کلام کا بڑی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتی
ہے۔ ہندوستان اور انگلستان کے سربرآوردہ نامور علمی رسالے

مسز سروجنی نائڈو کے دل آویز کلام کو فخر اور قدر و وقعت کے ساتھ اپنے صفحات میں درج کرتے ہیں۔ بڑے بڑے نقادانِ سخن نے مسز نائڈو کے ایک ایک مصرعہ کی داد دی ہے اور اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ مسز سروجنی نائڈو کا کلام انسان کے باطنی احساسات کو بیدار کرتا روح کو لذت و سرور بخشتا اور لطیف جذبات کو وجد میں لاتا ہے۔ غرض مسز نائڈو کی شاعرانہ قابلیت کے اعتراف میں ہندوستان اور انگلستان والے یک زبان رطب اللسان ہیں اور وہ بجا طور پر اس وقت ایک بہت اعلیٰ پایہ کی شاعرہ مانی جاتی ہیں۔

شاعری کی طرح مسز نائڈو کی ایک اور بہت بڑی خصوصیت ایسی ہے جس میں بھی وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ وہ قابلیت ان کی خداداد قوت بیان ہے۔ وہ ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ مقرر ہیں۔ مبدء فیاض نے اس کے خاص جوہر ان کو عطا کئے ہیں۔ جن لوگوں کو مسز نائڈو کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا ہے وہی اس بات کا پورا اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس پایہ کی مقرر ہیں۔ خصوصاً جبکہ مضمون زیر بحث ہندوستان کی دیرینہ عظمت کا اظہار کرتا ہو تو پھر مسز نائڈو کی پرجوش فصیح البیانی عجیب و غریب ہوتی ہے جب وہ تقریر کرتی ہیں تو سامعین پر وجد اور محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے مبصر ان کی جادو بیانی کے قائل اور ثناخواں ہیں۔ سوشل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دہلی وغیرہ بڑے بڑے مجمعوں میں مسز نائڈو نے جو پاکیزہ تقریریں کی تھیں ان کی تعریف میں سارا ہندوستان گونج اٹھا تھا۔ تو انگریزی مسز نائڈو کی شستہ زبان کے مداح ہیں۔ وہ اس شعر کی پوری مصداق ہیں:-

اللہ رے صفائے بیانِ حدیثِ دوست   دم بند ہے فصاحتِ اہلِ فرنگ کا

مسز نائڈو کو اپنی درماندہ ہمجنسوں کی بھلائی و بہبودی میں کوشش کرنے کا خاص شوق ہے۔ حیدرآباد میں عورتوں کی ہمدردی اور بہتری کا جو کام ہوتا ہے اس میں مسز سروجنی نائڈو کے مبارک ہاتھ ضرور سب سے پہلے شریک رہتے ہیں حیدرآباد پر پچھلے دنوں رود موسیٰ کی طغیانی کے باعث جو عام تباہی چھائی تھی اور بیچارے بے زبان فرقہ نسواں کو جو ناگوار مصائب اس میں برداشت کرنے پڑے تھے۔ اس کے رفع کرنے کی کوششوں میں مسز نائڈو نے بے انتہا تکلیفیں گوارا کیں۔ ان دنوں انھوں نے اپنے اوپر گویا خواب و خور حرام کر رکھا تھا۔ رسم و رواج اور الف و عادت کے طوق و سلاسل میں گرفتار شکستہ حال، فلک زدہ پردہ کی بیٹھنے والیوں کی بروقت اعانت و دستگیری میں اس عالی حوصلہ، نیک نفس، خدا ترس، روشن خیال خاتون نے خالصاً للہ جو سخت کوششیں اور شدید محنتیں جس مستعدی، سرگرمی اور جفاکشی سے کیں ملک کبھی ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ مسز سروجنی نائڈو کی یہ جانفشانیاں ہر طبقہ میں بڑی ممنونیت کے ساتھ دیکھی گئیں۔ چنانچہ سرکار انگریزی نے اس کے متعلق اپنی پسندیدگی کے اظہار میں قیصر ہند کا اول درجہ کا تمغہ مرحمت فرمایا۔ مختصر یہ کہ مسز سروجنی نائڈو اپنے ملک کی واجب الرحم عورتوں کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتی ہیں اور ان کی رفاہ و بہبودی کے ہر کام میں دل و جان سے شریک ہوتی ہیں۔

آج کل کی حالت پر نظر کرتے یہ بات خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ مسز سروجنی نائڈو ولایت کی تعلیم یافتہ ہیں، انگریزی کی بہت بڑی ادیب ہیں، اعلیٰ پایہ

کی شاعرہ ہیں اور انگریزی زبان بمنزلہ ان کی مادری زبان کے ہے، لیکن وہ ہندوستان کے تقریباً تمام سربرآوردہ اُردو رسالے برابر مطالعہ کرتی ہیں اور اُنھیں اُردو سے خاص دلچسپی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تعلیم نسواں کی معدومیت اور پردہ کی سختیوں نے ہندوستان کی خواتین کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ فطری انعامات سے کام لے کر اپنے دماغی نور کی شعاعوں سے دُنیا کو منور کرسکیں۔ لیکن ان تمام موانعات کے باوجود جب کسی خوش نصیب خاتون کا نام افق کمال پر اس عزت و وقعت کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے تو حقیقت میں نہایت شادمانی ہوتی ہے۔ خصوصاً ایسا نام جو نہ صرف فرقہ نسواں کے لئے بلکہ سارے ملک کے لئے بجا طور پر فخر و ناز کا باعث ہو بے انتہا مسرت بخشتا ہے۔ وہ لوگ جو عورتوں کی دماغی ترقیات کے منکر ہیں سرزینی نائڈو کی اعلیٰ قابلیتوں سے بصیرت حاصل کرکے اپنے مفروضہ توہمات کی اصلاح کرسکتے ہیں۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا ۔ یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

سید خورشید علی

تکلم

[جس طرح انسان کو ناطق، طبیعت کو مدنی، اور ذہن کو متعقل ہونا لازمی ہے اسی طرح تکلم سامعہ و مشاہدہ سے وابستہ ہے۔ جذبات دلی جس قدر الفاظ سے ادا کئے جاتے ہیں اسی قدر ان کو موثر بنانے کے لئے ایک خاص کیفیت درکار ہوتی ہے جس کے آثار بشرے سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ استجابت دعا کے لئے حضور قلب کی حاجت کیوں ہوتی ہے؟ محض اس غرض سے کہ دل و دماغ، چہرہ و بشرہ، اور ظاہر و باطن سب کو یکسوئی ہو جاتی ہے۔ ان کیفیات کا سامع کے دل پر خاص اثر ہوتا ہے اور پھر نتیجہ وہی ظاہر ہوتا ہے جس کا متکلم آرزومند ہے جیسے شعاع آفتاب آئینہ پر منعکس ہو کر اُسی آب و تاب کے ساتھ لوٹ جاتا ہے۔ بڑے بڑے لسانوں کی نسبت کیوں کہتے ہیں کہ اپنی گفتگو سے وہ تسخیر قلوب کرتے ہیں۔ انسان کا دل پھیر دیتے ہیں؟ وہی مرثیے ہیں جن کو میر انیس مجلسوں میں پڑھتے تھے اور عوام بھی پڑھتے ہیں۔ خوبی مضامین کے مزے تو سب لیتے ہیں لیکن میر انیس کے پڑھنے سے جو خاص کیفیت پیدا ہوتی تھی وہ اب کیوں نہیں ہوتی؟ میر سوز کا یہ ایک قطعہ ہے:- "او مار سیاہ زلف سیہ کہ + بتلا دو دل جہاں چھپا ہو + گنڈلی تلے دیکھیو نہ ہووے + کاٹا نہ ہفی ترا پڑا ہو"۔ پہلے ڈرتے ڈرتے، پھر تیسرے مصرع پر جھکے۔ گویا ڈھونڈھتے ہیں اور آخر مصرع کے "کاٹا نہ ہفی" کو ایک انداز خاص سے پڑھکر اُنگلی کو چھاتی تلے اس طرح مسوس کر دبایا اور بیخود ہوکر لوٹ گئے کہ گویا واقعی افعی نے کاٹا اور اہل مشاعرہ گھبرا اُٹھے۔ حکیم آغا حسن ازل کا یہ شعر ہم نے ایک لڑکے کو پڑھتے سنا کہ
"حضرت نوح کا طوفاں کیا ہے + میرے دامن کو نچوڑو تو سہی"۔
آخر مصرع کے ساتھ اس نے دامن کو نچوڑ کر اس انداز سے بتایا کہ لوگ اُس کی ذہانت، طباعی اور سخن فہمی پر حیرت کرنے لگے۔ گانے والا اگر اچھا بتانے والا ہے تو پھر سامعین پر جیسی بے خودی طاری ہوتی ہے اس کو باکمال بخوبی جانتے ہیں۔ کسی مشاق اور کارداں سپاہی سے اس شعر کو پڑھوا کر

سُنئے کہ تلوار یوں چلتی ہے ؎ "گردن سے جو سینے پہ تو سینے سے
شکم پر + توسن سے رکابوں پہ رکابوں سے قدم پر"۔ رجز کا جو
دلوں پر خاص اثر ہوتا ہے اس کو اسی خصوصیت تکلم سے مناسبت
ہے۔ مشاہدۂ تکلم بالکل فطرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مطلب
تحریر کے بدلے تقریر سے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ سعدی
کا قول ہے ؎ "تواں شناخت بیک روز در شمایل مرد + کہ تا کجاش
رسیدست پایگاہ علوم" انہی فلسفیانہ خیالات کو بڑی خوش اسلوبی
کے ساتھ اور بعنوان احسن خان بہادر جناب مرزا سلطان احمد صاحب
ایم، آر، اے، ایس، نے اس مضمون میں بیان فرمایا ہے۔ [اڈیٹر]

ایک قسم مشاہدۂ تکلم بھی ہے جب انسان کسی سے
کچھ سنتا، یا کسی کے ساتھ بات چیت کرتا ہے تو اُس کی آنکھوں
کے سامنے چند واقعات، یا چند سانحات، اور چند کیفیات کا ایک
نقشہ، یا ایک سماں آجاتا ہے۔ تکلم یا تخاطب سے دماغ اور ضمیر پر
ایک قسم کا خاص اثر پڑنے لگتا ہے۔ باتیں کرتے کرتے انسان اکثر
جدید امور سے واقف ہوتا یا اُن پر بحث اور غور کرنے کے قابل
ہو جاتا ہے۔

حکیم ارسطو کے سامنے جب کوئی اجنبی شخص آتا تھا تو ارسطو
اُس سے کہا کرتا تھا: "بولو تاکہ میں تمہیں پہچان سکوں"
بمصداق ؎ "تا مرد سخن نگفتہ باشد + عیب و ہنرش نہفتہ باشد"
ارسطو کا ایسا کہنا ایک ایسی فلاسفی تھی جو اولیات فلسفہ میں داخل
ہے، اور جس سے واقعات، اور مختلف امور کی تہ پر روشنی پڑتی
ہے۔ انسان تکلم ہی کے ذریعہ بہت سے امور دریافت کرتا اور
اُن کی حقیقت تک پہنچتا ہے اور اُن سے قسم قسم کے نتایج اخذ
کرتا ہے۔ ہمارا علم، ہمارا ادراک، ہمارے احساس، ہمارے خیالات
کی نشو و نما اکثر تکلم ہی کی آب و ہوا کے تابع ہے۔ اگر انسان کی
ذات میں طاقت تکلم اور قوت نطق نہ ہوتی تو اگرچہ اُس کے
دل میں ہزاروں قسم کے خیالات، اور جذبات ہوتے اُن کا
اظہار اور انشاء کسی طرح نہ ہو سکتا، اور اُن سے مختلف نتایج
مترتب نہ ہو سکتے۔ اگرچہ عمل تحریر سے دُنیا میں بہت کچھ ہو رہا ہے
لیکن اگر تکلم کی نعمت نہ ہوتی تو عمل تحریر بھی یہ ترقی اور عروج
حاصل نہ کرتا۔

ہم روزمرہ صدہا ایسی باتیں سُنتے سُناتے ہیں کہ جن پر سلسلۂ
گفتگو میں غور کرنے کا موقع نہیں ملتا، اور نہ ہم یہ جانتے یا جاننے
کی کوشش کرتے ہیں کہ کون کون سی باتیں، اور واقعات
دماغ اخذ کرتا جاتا ہے، اور کن کن امور پر ضمیر غور کر رہا ہے اور
روز کی صدہا باتوں میں سے کتنی ایسی باتیں اور ایسے واقعات ہیں
کہ جن کی تہ میں صدہا نکات اور فلاسفیاں مخفی اور مودعہ ہیں۔ گو اکثر
سُننے اور سُنانے والے ایسی باتوں پر غور نہ کریں، اور انھیں خیال
بھی نہ ہو لیکن جب اُن کی تہ میں رموز اور حکمتیں مودعہ ہیں تو اُن
سے کس طرح انکار ہو سکتا ہے۔ بقول بعض حکیموں کے نطق اور
تکلم بھی اولیات فلسفہ میں سے ہے، اور آنکھ کے بعد یہ دوسرے
درجہ پر ہے۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، زبان اور نطق اُس کا اظہار کرتا
ہے۔ لقمان علیہ السلام کا قول تھا: "میں نے جاہلوں ہی سے حکمت
کے سبق لئے ہیں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ لوگوں نے
کہا، یا لوگوں سے سُنا اُس میں سے ہزاروں نکات اخذ کئے، اور
ان نکات پر علوم و فنون کی ایک برجستہ بنیاد رکھی۔

یہ بات غور کرنے سے ثابت اور معلوم ہو سکتی ہے کہ کلام
میں ایک قسم کا جذبہ اور اثر ہوتا ہے اور ہر کلام اگرچہ کیسا ہی
کیوں نہ ہو اُس میں امور ذیل لازمی طور پر پائے جاتے ہیں۔

(۱) واقعات۔

(۲) کیفیات۔

(۳) مشتقات۔

(۴) تسخیرات۔

(۵) مبادیات لسانیہ۔

کوئی کلام اور بات ہو وہ کسی نہ کسی واقعہ یا واقعات کو محتوی ہوگی، اگرچہ ایسا واقعہ یا ایسے واقعات اپنی ذات میں کیسے ہی ادنیٰ درجہ کے ہوں اور اگرچہ اُن کا کہنے یا بیان کرنے والا کیسا ہی درجہ رکھتا ہو، چاہے جاہل سے گفتگو ہو، چاہے کسی عالم اور فاضل سے دونوں کے کلام، اور بات چیت میں معلومات و مخفیات کا ایک خزینہ ہوگا اور سُننے والوں کے دلوں پر کسی نہ کسی رنگ میں موثر ثابت ہوگا۔

ہر واقعہ کوئی نہ کوئی کیفیت رکھتا ہے، جو کسی نہ کسی حقیقت کے تابع ہوتی ہے۔ بہت سی ایسی کیفیتیں نکل آتی ہیں کہ جن کی تہ میں بڑی بڑی کیفیتیں دبی ہوتی ہیں اور دُنیا کو ایک حد تک اُن کی ضرورت ہے۔ ایسی کیفیت یا ایسی کیفیات کا ادراک اور انکشاف ایک ایسی علمی خدمت ہے، جو دنیا کے واسطے اکثر حالات میں ایک نعمت اور برکت ثابت ہوتی ہے۔

جس طرح ہر حقیقت، اور ہر کیفیت کے مشتقات بھی ہوتے ہیں جن سے جزویات کی تنقید کی جا سکتی ہے؛ اسی طرح مستخرجات بھی معرض بحث میں لائے جاتے ہیں، اور ہر بشر اپنی سمجھ کے موافق اُن کی بابت غور کرتا اور نتایج ترتیب دیتا ہے، اور اُن سے مختلف علوم و فنون کی بنیاد پڑتی ہے۔ مبادیات لسانیہ، یا اُن امور سے، جو زبان اور تکلم سے بالخصوص وابستہ ہیں، صدہا علوم و فنون کی بنیاد پڑی ہے؛ اور خاصکر لٹریچر یا لٹریری دُنیا میں اسی شعبہ نے بہت کچھ کام دیا ہے۔ اگرچہ لوگوں میں عام طور پر اس کی قدر و منزلت نہ ہو، مگر اس کی افادت سے کسی حالت میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

انسان جو کچھ دوسروں سے سُنتا ہے اس کی بنیاد پر۔

"زبان کی درستی کرتا ہے"۔

"محاورات کی بنیاد ڈالتا ہے"۔

"صرف و نحو کی ترتیب دیتا ہے"۔

"فصاحت کی داغ بیل ڈالتا ہے"۔

"بلاغت کی تیور رکھتا ہے"۔

"لٹریچر کے اسباب بہم پہنچاتا ہے"۔

"منطق کی ہستی کو وجود میں لاتا ہے"۔

وہ جن لوگوں سے سُنتا اور جن لوگوں سے باتیں کرتا ہے اُن میں سے پچیس فیصدی کو بھی یہ خبر نہیں ہوتی کہ اُن کی باتوں اور اُن کے کلام کا دوسروں کے دماغ میں جا کر کیا اثر اور کیا کیفیت ہوگی اور اُن کی کیا کچھ قیمت پڑے گی، اور کس کس بیلنے میں سے ہو کر باتیں نکلیں گی، اور کس کس روپ میں نمایاں ہوں گی۔

جس طرح یورپ میں ہندوستان کی روئی جا کر مختلف اور رنگارنگ کپڑوں کی صورت میں جلوہ نما ہوتی ہے، اسی طرح عوام الناس کی باتیں، الفاظ اور فقرات غور کرنے والوں، اور باعلم لوگوں کے دماغوں اور ضمایر میں جا کر مختلف اور خوبصورت و دلکش علمی صورتوں کی شکل میں وجود پذیر ہوتے ہیں۔ یہ صرف و نحو، یہ لغات و محاورات کی گرم بازاری، یہ فصاحت و بلاغت کی ساحرانہ کیفیت کیا ہے؟ وہی کلام، اور وہی الفاظ، جو عوام الناس سے وقتاً فوقتاً سُنتے جاتے ہیں، جنھیں ہوا دوسرے کانوں تک پہنچاتی ہے۔

صرف و نحو اور منطق میں سوائے اس کے اور رکھا ہی کیا ہے کہ عام لوگوں کی روزمرہ باتوں، اور مکالمات کو خاص اصطلاحات کے تابع رکھ دیا گیا ہے۔ صرف و نحو عام لوگوں کی باتوں کا ایک خوبصورت عکس ہے۔ منطق وہی جوڑ توڑ ہے، اور وہی کلام جو ہر کوچہ و ہر بازار میں ہم روز سُنتے ہیں۔

یہ وہی نقش و نگار، اور بیل بوٹے ہیں جو دنیا کے مختلف باغوں میں زیب نگاہ ہیں۔ یہ وہی سودا ہے، جو ہر دوکان پر بک رہا ہے، اور جس کا ہر شخص اپنے اپنے رنگ میں گاہک ہے۔ یہ سب سامان وہی ہے جس کو تھوڑا بہت ایر پھیر سے دوسرے روپ میں علمی اسٹیج پر لایا گیا ہے۔

"در قفس یک ہم نفس محرم نہ شد راز مرا   حیرت صیاد بگرفت است آواز مرا"

اگر شجر نطق اور نہال تکلم نشو و نما نہ پاتا تو اس قدر خوش آیند شاخیں کیوں پھوٹتیں، اور یہ خوش آیند پھل پھول کیوں لگتے۔ نطق ہی کی بدولت یہ سب ثمرات صداقت، اور گلہائے حقایق زیب چمن خیال ہیں۔ انسانی زندگیوں کی لائبریری انھیں صحف علمیہ اور جواہر تنقیدیہ سے پر رونق اور مالامال ہو رہی ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس اولیہ تکلم سے حضرت انسان نے عملی، علمی اور فلسفی رنگ میں کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا؟ اور کیا ہر جہت سے انسان اس کا محتاج نہیں ہے؟

"دیوانۂ پیغام نگار است دل ما   سودا زدۂ بوے بہار است دل ما"

اگر انسان گونگا اور بہرا ہوتا، اور ایک دوسرے سے اپنے دل کا مطلب نہ کہہ سکتا تو اُس صورت میں نطق اور تکلم کی بدولت جو کچھ حاصل ہوا یا حاصل ہو رہا ہے نام کو بھی نہ ہوتا۔ قدرت نے انسان کو یہ ایک ایسا مفید اولیہ دیا ہے کہ جس کی شان، اور وقعت بجائے خود ایک خصوصیت رکھتی ہے۔ اس اولیہ کے جزئیات کو چھوڑ کر انسان بعض وقت صرف اسی خوشی میں مگن رہتا ہے کہ وہ انبتاً ایک ناطق حیوان ہے، اور دنیا میں اس نطق کی وجہ سے اُسے شرف و فضیلت کی ڈگری مل چکی ہے۔ بے شک بمقابلہ دیگر حیوانات کے نطق بھی ایک فضیلت اور شرف ہے، لیکن فلسفی رنگ میں نطق سے مراد صرف بات چیت کرنا اور بولنا ہی نہیں بلکہ یہ کہ جو کچھ بولا اور جو کچھ کہا اور سُنا جاتا ہے اُس سے علمی رنگ میں کون کام لیا جائے۔

وہ کام کیا اور کیسا ہے؟ تکلم اور نطق سے وہ صورتیں ترتیب دینی جو ابنائے جنس اور دُنیا کے حق میں معاداً اور معاشرتاً مفید ہوں۔ اخلاقی فلسفہ کا جزو اعظم یہی تکلم ہے۔ اگرچہ اور جذبات سے بھی واسطہ پڑتا ہے، لیکن دیگر سب جذبات کا اظہار قریباً اسی قوت کی بدولت ہوتا ہے فلسفۂ اخلاق تکلم کا اخیر تک مشکور رہے گا، اور اُس کی وجہ سے جو کچھ عظمت اُسے نصیب ہوئی ہے وہ ایک خاص عظمت و وقعت ہے۔

اگرچہ فلسفۂ اخلاق کی بہت کچھ بنیاد خیالات پر بھی ہے اور خیالات کی سرزمین میں اُس کا بہت کچھ دخل و قبض ہے، لیکن خیالات کا کثیر حصہ نطق اور تکلم کے تابع ہے اور بجز اس کے فلسفۂ اخلاق کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔

سائنیس کو تکلم و نطق سے بہت کچھ مدد ملتی ہے اگر سائنیس کی تبلیغ کا بہت سا حصہ نطق اور تکلم سے وابستہ نہ ہوتا تو سائنیس کی شہرت آج نصف سے بھی کم ہوتی گو تحریر نے بھی بہت کچھ کام دیا ہے اور اُس کی فتوحات بھی بے انداز ہیں اور اُس کے احسانات تمدن پر بھی کم نہیں ہیں، مگر چونکہ تحریر بہت کچھ بذات خود تابع نطق ہے اس واسطے تقدم نطق ہی کو حاصل ہے؛ اور اُسی کی بدولت بہت کچھ تحریر کی شہرت اور گرم بازاری ہے

قلم کے ساتھ ساتھ ہی نطق چلتا اور کام دیتا ہے قلم اُٹھتا بھی اُس وقت ہے جب نطق زیادہ ہوتا ہے۔

پولیٹیکل فلسفہ یا پولیٹیکل سائنس میں جہاں تحریر نے بہت کچھ کام دیا ہے، تقریر اور کلام نے بھی وہ کچھ کر دکھایا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ جادو اثر فقرات اور ساحرانہ الفاظ نے دم بھر میں ہی جماعتوں اور گروہوں کے دلوں کو مسخر کر لیا، اور ایسی روح پھونک دی کہ جس کا شان و گمان بھی نہ تھا۔ پل بھر میں دل کے دل ادھر اُدھر کر کے دکھا دئے۔ گھنٹوں میں نہیں بلکہ منٹوں میں جماعت کی جماعت میں ایسی کھلبلی ڈال دی کہ خدا کی قدرت یاد آگئی اور نظروں کے سامنے ایک ایسا سماں بندھ گیا کہ جو اپنی آپ ہی نظیر تھا۔

جو جذبات مدتوں سے مدھم پڑ چکے تھے، وہی چار فقروں سے دوبارہ زندہ ہو کر کام دینے لگ گئے؛ اور سارے جسم اور سب رگ و ریشہ میں جوش کا خون دورہ کرنے لگا اور کایا پلٹ ہو گئی۔

"اشک من صد محلہ ویراں کرد قطرۂ رفتہ رفتہ طوفاں کرد"

نطق یا تکلم وہ فلاسفی یا وہ سائنس ہے کہ اگر انسان رفتہ رفتہ اُس کا تزکیہ تنقید اور مشق کرے تو جادو کا کام دے جائے۔ ایک ایک نقطہ اور ایک ایک فقرہ میں وہ زور، اور وہ اثر پیدا ہو کہ صدہا دل کلمہ پڑھنے لگیں اور صدہا دماغ اپنے جوف میں جگہ دیں۔ بعض حکیموں نے اسی بنیاد پر خاموشی کی تعریف کی ہے نشا ان کا یہ تھا کہ:۔ قوت نطق اور طاقت تکلم کو جس قدر ضبط میں رکھا جائے گا اُسی قدر اُس میں برکات اور خوبیاں پیدا ہوں گی چونکہ نطق ایک گراں بہا جذبہ ہے اس واسطے اُس کا یوں ہی رائیگاں دینا اُن برکات اور اُن خوبیوں کو کھو دینا ہے جو فلسفی رنگ میں اُس کی تہ میں قدرت نے ودیعت کر رکھی ہیں ہر انسان خود اپنی ذات پر بھی تجربہ کر کے کہہ سکتا ہے کہ ضبط نطق سے کس قدر فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جس قدر علوم فصاحت و بلاغت لغت محاورات وغیرہ مدون ہیں یہ سب ضبط نطق ہی کی بدولت ہیں۔

"دود مان سوختن را یکا احیا کردہ ام زندہ می گردد چراغ مردہ از افسانہ ام"

ہر انسان ودیعت نطق اور شرف تکلم رکھتا ہے بالقوت کوئی انسان اس سے معرا نہیں گو بالفعل نہ ہو اور یہ ثابت ہے کہ نطق اور تکلم چند در چند علوم اور فنون کا موجب ہے اور فلسفہ کی بہ چند وجوہ یہ بھی ایک بنیاد یا مرحلہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ فلسفہ ہر شخص کی طبیعت میں رکھا گیا ہے یہ جدا بات ہے کہ ہر شخص اُس سے مستفید ہو یا نہ ہو یا اُس کو ایسا موقع زندگی بھر میں ملے یا نہ ملے۔ جو شخص بولتا اور سنتا ہے وہ اکثر باتوں میں فلسفہ کا ذکر کرتا ہے اور اکثر باتیں فلسفہ کے رنگ میں سنتا ہے۔ فلسفہ دوسرے الفاظ میں خوبی اور نقص میں فرق کر کے دکھاتا ہے اور بقول حضرت سعدی۔

"تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد"

خوبی اور نقص کا اکثر حصہ کلام ہی سے تنقید کیا جا سکتا ہے جو ایک فلسفہ ہے فتدبر۔

سلطان احمد



نواب سید محمد زکریا خاں رضوی' ذکی دہلوی

انڈین پریس الہ آباد

کلام نواب ذکی دہلوی

[اس مضمون میں نواب ذکی دہلوی کے کلام کی خصوصیات دکھانے کی کوشش کی گئی ہے غالب کے شاگرد رشید ہونے کے علاوہ جو خود دو کم ایک درجن مشہور و معروف شاگردوں کا اُستاد ہو اُس کی شاعری کا کیا کہنا ہے۔ ایک بڑی خوبی نواب ذکی کے کلام میں یہ پائی جاتی ہے کہ مرحوم نے غالب کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضمون بھی مولوی سید محمد فاروق صاحب شاہپوری کا ہے۔ اگرچہ دیوان ذکی میں غزلیات کے سوا دوسرے قسم کے کلام نہیں۔ لیکن ظن غالب یہی ہے کہ نواب ذکی نے اور اصناف سخن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ آج نہیں کل وہ دستیاب ہو جائیں۔ جس طرح اور متقدمین کی نایاب تصانیف صدیوں کے بعد ملتی جاتی ہیں۔ اس بارہ میں ہمیں زیادہ امید مولوی سید محمود حسن صاحب ثاقب رضوی دہلوی[۱] سے ہوتی ہے جو نواب ذکی کے بھتیجے اور شاگرد ہونے کے علاوہ بچپن سے مرحوم کے پاس رہے اور اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات کیجا کرتے رہے ہیں۔ اڈیٹر]

نواب ذکی دہلوی مرحوم کے دیوان میں سوائے غزلیات کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ اور اصنافِ سخن میں اُن کی طبیعت کا رنگ کیا تھا۔ اس سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو غزلیات سراپا مرصع ہیں۔ خیالات کی تازگی۔ زبان کی صفائی الفاظ پر قدرت۔ طرز ادا کی نفاست یہ سب باتیں اُن کے ایک ایک شعر کو دلاویز بنانے کے لئے موجود ہیں۔ اُن کی زبان میں اگرچہ مجروح کی سی صفائی اور سلاست نہیں لیکن وہ پیچیدگی اور ثقالت بھی نہیں جو مغلق اور غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ جدّت پسندی میں وہ اپنے اُستاد کے پیرو بہ پے تھے اور بہت مشکل سے آپ کو کوئی غزل ایسی ملے گی جس میں چند اشعار خاص غالب کی بندشوں اور خیالات کی یاد نہ دلاتے ہوں۔ غزل سر دیوان کے یہ اشعار قابل ملاحظہ ہیں:۔

"فریب عالم ادراک ہے خطرہ جدائی کا　　کہ توقیع کُن آئینہ ہے شانِ خود نمائی کا

مری آنکھوں میں رونق ہے بہارستانِ جلوہ کی　　نہیں دلدادہ میں ہرگز طلسم خودنمائی کا

دلِ پُر داغ میرا دہر میں وہ نقد کاسد ہے　　کیا ہے ثبت جس پر سکۂ ننگ ناروائی کا"

آخری شعر کو دیکھئے۔ مضمون جس کو ادا کرنا چاہتے تھے بہت معمولی ہے لیکن الفاظ اور اسلوب بیان نے کچھ اور بات پیدا کر دی ہے۔ یہی حال دوسرے شعر کا ہے۔ آخری شعر میں دل کی کس مپرسی کا مضمون باندھا ہے۔ اسی خیال کو ایک اور شعر میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

"دل سوداز دہ ہے ایک متاع کاسد　　مفت دیتا ہوں مگر کوئی خریدا نہیں

مضمون کی نزاکت کے اعتبار سے یہ دوسرا شعر پہلے سے اچھا ہے۔ پہلے شعر میں صرف دل کی کیفیت بیان کی ہے لیکن اس شعر میں دل کے متاع کاسد ہونے کا ثبوت آخر مصرع میں دیتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نواب ذکی کے وہ اشعار درج کرتے ہیں جو کسی نہ کسی لحاظ سے غالب کے رنگ کے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کریں کہ اس میں انھیں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے کہتے ہیں:۔

---

[۱] آپ کے والد بزرگوار نواب سید محمد یحییٰ خاں صاحب مرحوم نواب ذکی مرحوم کے بڑے بھائی تھے۔

"شب غم مرتے ہی آخر ہوئی یعنی برابر ہے   نکلنا جان کا آسان ہونا ایک مشکل کا
اُڑا حسرت سے لیکن بن کے نقش مدعا بیٹھا   ہوا ہے غازۂ روئے تمنا رنگ سایل کا"

"بھرنے میں زخم کے وہ گل افشانیاں کہاں   جی میں ہے دل کو چھیڑ دیں پھر نشتر سے ہم"

"ہاں اہل بزم دعوئے ذوق نظر درست   سرگرم جلوہ وہ بُتِ طناز ہی نہیں"

غالب کا ایک مشہور شعر ہے ؎

"دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں   بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں"

اسی مضمون کو نواب ذکی نے اس طرح باندھا ہے ؎

"میں آپ کی محفل میں نہ بیٹھا تو نہ بیٹھا   کیا غیر کو دعویٰ ہے سرِ راہگذر کا"

اسی طرح غالب کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

"مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی   ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا"

ذکی کا ایک شعر اسی کے قریب قریب ہے ؎

"نصیبوں سے مرے ہوتا ہے سب پہلے ہی خاکستر   پشیماں برق پھر جاتی ہے جب گرتی ہے خرمن پر"

غالب کہتے ہیں ؎

"اُگا ہے گھر میں سبزہ خانہ ویرانی تماشا کر   مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا"

ذکی کا شعر ہے ؎

"گریہ سے پھر نظر آنے لگی سبزے کی نمود   بارے آباد ہوا کلبۂ ویراں اپنا"

ذکی کا ایک اور شعر اُن کے اس شعر سے ملتا جلتا ہے۔ کہتے ہیں ؎

"رو رو کے میں نے اپنا بیاباں بنا لیا   زنداں ہوا خراب تو آباد گھر ہوا"

اسی کے ساتھ یہ شعر بیساختہ قلم سے نکلتا ہے جس میں شوق دید کی انتہائی کیفیت دکھائی ہے ؎

"حسرت یہی رہی کہ حسینوں کو دیکھئے   میں خاک بھی ہوا تو غبار نظر ہوا"

اشعار غالب کے بالمقابل کلام ذکی کے پیش کرنے سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم اُنھیں غالب سے بہتر یا ان کا ہم پلہ سمجھتے ہیں بلکہ محض اُس فیضان صحبت کے نتایج عملی طور سے دکھانا مقصود ہے جو ذکی نے اپنے لایق اُستاد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیے۔

نواب ذکی کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن کی قوت متخیلہ بسا اوقات اپنا کمال دکھا جاتی ہے اور وہ معمولی مضامین کو اس ندرت سے باندھتے ہیں کہ بیساختہ دل سے مرحبا نکلتی ہے مثال کے طور پر ہم یہاں دو چار شعر پر اکتفا کریں گے۔

"اُڑے جاتے ہیں مگر شوق میں ارباب فنا   راہ میں ورنہ کہیں نقش کف پا ہوتا
عشق کو باعث ہنگامۂ کثرت پایا   بیخودی ساتھ نہ ہوتی تو میں یکتا ہوتا"

"بگڑا رقیب اُن سے کہ وقعت بنی رہے   میں سادگی سے خوش کہ دعا کا اثر ہوا"

"خاموش ہوں میں دیکھ کے انداز خامشی   جو بات لاجواب ہوا اُس کا جواب کیا
سو رنج سو الم ہیں یہاں ہر نفس کے ساتھ   دم کا نہیں شمار تو غم کا حساب کیا"

"تا دم مرگ ذکی دی گئی ہر سال گرہ   رشتۂ عمر بہت جائے سے ٹوٹا نکلا"

"یہ شکر ہے کہ یار نے اپنا تو کر لیا   لوگوں کو یہ گماں کہ ہے فریاد زیر دام"

"ہم نے کاٹی ہے شب غم نالہ و فریاد میں   وائے گر ہوں یہ نفس بھی زیست کی تعداد میں"

پہلے شعر میں ذوق و شوق کی اعلیٰ کیفیت دکھائی ہے کہ گویا ارباب فنا اُڑتے چلے جاتے ہیں ورنہ راستے میں کہیں تو اُن کا نقش پا ملتا۔ تیسرے شعر میں سادگی کا مضمون نہایت لطیف اور نیچرل ہے۔ پانچواں شعر بہت بلیغ واقع ہوا ہے۔ شاعر رنج و الم کی کثرت ان الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہے کہ گویا ان کا اندازہ غیر ممکن ہے لیکن پچھلے مصرع میں یہ کہکر کہ ہر سانس کے ساتھ سو سو رنج و الم ہیں اُنھیں محدود کر دیتا ہے اور اس کے باوجود اُن کا غیر محدود ہونا بھی ثابت کر دیتا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ سو سو رنج و الم ہیں لیکن سانس کا خود ہی شمار نہیں تو رنج و الم کا شمار کس طرح ہو سکتا ہے۔

سالگرہ والے شعر میں انسانی زندگی کی کتنی صحیح اور سچی تصویر دکھائی گئی ہے۔ رشتۂ عمر کے جگہ جگہ سے ٹوٹے ہونے کا ثبوت یہ کتنا قرین قیاس ہے کہ ہر سال اُسے قایم رکھنے کے لئے گرہ دی جاتی رہی ہے۔

آخری شعر میں شب غم کی تکلیف اور صعوبت کا حال کس قدر پُراثر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی اُس کی تعداد انفاس پر ہے۔ اور جب یہ تعداد پوری ہو جاتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔ اب شاعر کہتا ہے کہ میں نے شب غم میں جو جو ایذائیں برداشت کیں اُن کے اعتبار سے میں گویا زندہ ہی نہ تھا۔ پھر اگر یہ گھڑیاں بھی میری زندگی میں شمار کی جائیں تو جائے افسوس ہے۔ خاص خاص خیالات وجذبات جو بجائے خود نازک ہوں اُن کو ندرت کے ساتھ نظم کرنا زیادہ تعجب کی بات نہیں ہو سکتی لیکن نواب ذکی نے معمولی مضامین کو بھی جنھیں متقدمین اور متاخرین دونوں پامال کر چکے ہیں اس طرح ادا کیا ہے کہ اُن میں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور بادی النظر میں گمان ہوتا ہے کہ یہ بھی جدت پسندی کی مثال ہے۔ یہ اشعار دیکھئے ؎

" بے دلی تھی یہ شب غم کہ ہجوم غم کو   دل پژمردہ نے ہنگامۂ محشر جانا"

"ہے شب غم کس قدر ذوق تماشائے بلا   بند ہونا دیدۂ بیدار کا اچھا نہیں"

یہ دونوں شعر بظاہر ایک دوسرے سے متضاد ہیں لیکن ہر ایک بجائے خود طبّاعی اور نازک خیالی کا نمونہ ہے۔ اسی طرح یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

"شہادت پر ہوا موعود وصل حور کیوں یارب   وہ مجھکو قتل کر کے ہائے اُس کا بدگماں ہونا

براہ خاکساری میل پستی اوج سے کرنا   غبار ناتواں آموزگار آسماں ہونا"

"مہرباں وہ نہ ہوئے دل ہی کو تسکین ہوئی   یہ غلط ہے کہ دم سرد میں تاثیر نہیں"

"نہ اُٹھ سکا تو وہ غم کیا ہے کوہسار ہوا   نکھما نہ ایک دم آنسو تو آبشار ہوا"

ہر ایک کام ہو مشکل تو کیا کرے انساں   مجھے تو جان کا دینا بھی وصل یار ہوا"

ان کی ایک غزل ہے " گھر جانا" " بہتر جانا" اس کے چند منتخب اشعار دیکھئے۔ مضمون آفرینی کی جگہ صفائی کلام کا زیادہ خیال رکھا ہے اور خوب خوب کہا ہے ؎

" غیر کے حق میں کہیو دل ناداں کوئی حرف   وہی بہتر ہے جسے یار نے بہتر جانا

ساز نیرنگ فریب دل غمگیں پایا   راز امید و فاہم نے سراسر جانا

لے کے دل پوچھتے ہیں تو نے ہمیں کیا سمجھا   ابھی آفت ہو اگر کہئے کہ دلبر جانا

ٹوٹ کر جس سے صدا نکلے وہ کیا نازک ہے   شیشہ جانا جو مرے دل کو تو پتھر جانا

بزم افروز عزاخانۂ ہستی نکلا   ہم نے اب سود دل سوختہ اختر جانا"

پہلا شعر باعتبار نفس مضمون کے عشق و محبّت کا پہلا زینہ ہے۔ یار کی رضا جوئی اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ غیر کو بھی بُرا نہ کہو حالانکہ عاشق کے خیال میں کوئی چیز دُنیا سے اُس سے بُری نہیں ہوتی تیسرے اور چوتھے دونوں شعر کی بیساختگی بیان قابل داد ہے۔ اس طرح میں دو غزلہ کہا ہے۔ دوسری غزل کے یہ تین شعر دیکھنے کے لایق ہیں مطلع کی شان دیکھئے کیا زوردار ہے۔ دوسرے شعر میں یار کے شرم و حیا کی حالت دکھائی ہے اور آخر شعر میں " عاشق دیوانہ" کا عاقل ہونا کتنی آسانی سے ثابت کیا ہے ؎

" ساتھ ساتھ اہل تماشا کا وہ ششدر جانا   اللہ اللہ ترا جانب محشر جانا

شرم پر اُس کی مٹا ہوں کہ نظر کو جس کی   ننگ ہے پردۂ مژگاں سے بھی باہر جانا

کھُل گیا عاشق دیوانہ کا دانا ہونا   خاک اُڑانے کو ترے کوچہ میں اکثر جانا"

اس میں شک نہیں کہ نواب ذکی کو اپنے خیالات پر پورا قابو تھا وہ جس طرح چاہتے اُنھیں جدت اور نازک خیالی کا جامہ پہنا کر دلفریب بنا دیتے تھے اور یہ شاعر کی سب سے بڑی صفت ہے بلکہ اصل میں اصلی شاعری کا یہی دوسرا نام ہے۔ یہ اشعار دیکھئے۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی بات قابل تعریف ضرور ہے اور بعض شعر تو ایسا ہے کہ سامع کے قلب پر تیر کا کام کرتا ہے ؎

"متحیر نہ ہو کیوں شمس و قمر کی صورت   تم نے دیکھی ہی نہیں اہل نظر کی صورت"

" وہ دل خستہ ہوں دُکھ جاتا ہے دل اندوہ دشمن پر   رُلایا بیکسی نے طالع ناکام رہزن پر"

" باغباں کو ذوق نامحرم تھا ننگ   کر دی کانٹوں سے روِ گلزار بند"

" وہ سادگی سے تغافل کو ناز کہتے ہیں   مگر سکھاتی ہے شوخی کہ امتحاں کیجئے"

"تمہارا ذکر نہ ہو روئیداد شوق نہ ہو تو یہی کیوں نہ کہو کوئی بے زباں ہو جا"

پہلا شعر ایک مشہور طرح میں ہے - اس زمین میں داغ - امیر نے بھی غزلیں کہی ہیں اور خوب کہی ہیں داغ کا مجھے صرف ایک مطلع اس وقت یاد ہے کہتے ہیں ؎

"بزم دشمن میں نہ کھلتا گلِ تر کی صورت جاؤ بجلی کی طرح آؤ نظر کی صورت"

حضرت امیر مینائی نے دو غزلہ لکھا ہے - جن کے تینوں مطلع یہ ہیں ؎

"ایک ہے میرے حضر اور سفر کی صورت گھر میں ہوں گھر سے نکل کر بھی نظر کی صورت
چشم عشاق سے پنہاں ہو نظر کی صورت وصل سے جان چراتے ہو کمر کی صورت
رنگ فق صبح کو کیوں ہو نہ سحر کی صورت پھرتے ہیں شام سے شب بھر وہ قمر کی صورت"

امیر و داغ نے اپنے اپنے رنگ میں بہت خوب کہا ہے لیکن ذکی کے مطلع کا جواب ان چاروں میں سے کوئی نہیں ہو سکتا البتہ مولانا حالی کا مطلع جو اسی طرح میں ہے باعتبار اپنی معنوی خوبیوں کے بجائے خود بے نظیر ہے ؎

"اُس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت"

اس زمین میں حضرت امیر مرحوم کے یہ دو شعر گھر کے قافیہ کے کتنے صحیح اور پُر اثر ہیں ہم بیساختہ حوالۂ قلم کرتے ہیں ؎

"قبر ہی وادیٔ غربت میں بنے گی اک دن اور کوئی نظر آتی نہیں گھر کی صورت
عمر گذری ہے مری وادیٔ غربت میں مگر اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت"

"حساب میں"، "حجاب میں"، یہ بھی بہت پامال طرح ہے - داغ و امیر کے علاوہ غالب و آتش کی معرکۃ الآرا غزلیں اس زمین میں موجود ہیں - شاعر کا کمال ایسے ہی موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ جب اُس کے کلام پر نظر ڈالی جائے تو شاعر کا طبعی رنگ اُس سے نمایاں ہو - ذکی نے اس غزل میں چند شعر بہت اچھے نکالے ہیں دیکھئے ؎

"یہ شرمگیں نگہ یہ تبسم نقاب میں کیا بے حجابیاں ہیں تمہارے حجاب میں
اُس کی طلب میں ہر نفس آغاز شوق ہے رکھتا ہے کون عمر گذشتہ حساب میں
کیوں آؤں ہوش میں کہ ہوں بے حسرتِ فراق ذوقِ خیالِ یار سے ہوں محو خواب میں
لیلےٰ کے نام سے بھی تھی مقصود ایک شان دیکھا تو غیر قیس نہ کچھ تھا نقاب میں
آوارگی تھی فطرتِ آدم کہ خلد سے آباد ہونے آئے جہانِ خراب میں"

قوت متخیلہ کے یہی کارنامے ہیں جنھیں سحر اور اعجاز کا لقب ملا ہے - ان میں سے ہر ایک شعر بجائے خود تاثیر بیان کے ساتھ نازک خیالی کا دلفریب مرقع بنا ہوا ہے - چوتھے شعر میں "انا لیلےٰ" کی جو کیفیت دکھائی گئی ہے اُس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں تصوف اور معرفت کی رمز شناسی کا ملکہ ہے - یہ شعر اگر کسی حال و قال کی مجلس میں پڑھ دیا جائے تو ناممکن البیان حالت پیدا کر سکتا ہے - تقریباً اسی خیال کو سید ذکی نے ایک دوسرے پیرائے میں بھی اس طرح قلمبند کیا ہے ؎

"قیس وجدِ ذوق میں ہے محوِ صدر نگ عشق لیلےٰ لیلےٰ کہہ رہا ہے اور تم محمل میں ہو"

مندرجۂ ذیل اشعار جو ایک اور غزل سے انتخاب کئے جاتے ہیں ملاحظہ ہوں کس رنگ میں کہے ہیں ؎

"اسیری میں تباہی رونقِ کاشانہ ہو جائے قفس ہی نالے سے جل کر چراغ خانہ ہو جائے
تغافل ساز گار دردِ اہل شوق کیا ہوگا ادا سے دو فریب ایسا کہ دل دیوانہ ہو جائے
دل آسا ہے فراغِ نیستی ہاں کچھ تو تسکین ہو اگر عالم زمیں تا آسماں ویرانہ ہو جائے
جنون عشق بھی ہے علم حکمت ورنہ کیا معنی جو دیوانہ ترا ہو جائے وہ فرزانہ ہو جائے"

اس طرح میں یہ دو شعر خاص طور پر قابل ذکر ہیں ؎

"خدا بزم جہاں میں دے وہ ذوقِ بادہ آشامی کہ دور چرخ مجکو گردشِ پیمانہ ہو جائے
تماشا عام ہوگا اور کیفِ بیخودی ارزاں عجب کیا ہے قیامت صحبتِ مستانہ ہو جائے"

"گڑ ہی ہے"، "لڑی ہے" - ایک اور مشہور طرح ہے حضرت آصف خلد مقام نے حیدر آباد دکن میں ایک مصرع طرح دیا تھا

"یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے" - خود بھی غزل لکھی تھی۔ داغ - امیر - افضل سب کی غزلیں اس پر موجود ہیں - ہمیں سید ذکی کا مقابلہ کسی سے کرنا یا اُنھیں کسی پر فوقیت دلانا مقصود نہیں صرف ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ اس زمین میں کس طرح پھلے پھولے ہیں کہتے ہیں ؎

"نشان عشق ہے اُن کی نگہ بھی   جگر کے پار ہے دل میں گڑی ہے
کہاں تک یہ مطول مختصر ہو   غم دل کی حکایت ہی بڑی ہے
وفا میں مستقل ہے شمع محفل   جلا کی رات بھر لیکن کھڑی ہے
کہاں ہے پیچ سر مغرور پامال   تمہاری زلف قدموں میں پڑی ہے
نعیم خلد مژدہ پارسائی   حریفوں کے لئے اچھی گھڑی ہے
وہ یہ ہیں مرحبا ذوقِ تصور!   نظر کے سامنے صورت کھڑی ہے"

خیالات کی جدت اور مضمون آفرینی کے ساتھ زبان کی صفائی اور سلاست قابل لحاظ ہے - حقیقت یہ ہے کہ غالب کی جو دولت مجروح کو ملی تھی اُس میں بحصۂ رسدی نواب ذکی بھی حق دار بن گئے تھے - کوئی شک نہیں کہ اُن کی زبان ہر پہلو سے فصیح اور رواں ہے - الفاظ کی موزونی اُس کے حُسن کو اور زیادہ کر دیتی ہے - چوچلے - معاملہ بندی - عشق و الفت کے رمز و کنائے کلام ذکی میں نہیں ہیں خال خال شاید ہوں مثلاً ؎

"میں عائے وصل کرتا ہوں تو وہ تسکین غیر   کہتے ہیں دیوانہ ہے اس کا کہا ہوتا نہیں"

"تم کو ستمگر کہیں اور بُرا کیا کریں   اس کے سوا کیا کہیں اس کے سوا کیا کریں"

"تم مضطرب ایسے ہوئے جاتے ہو کہوں کیا   آئی ہے عدو کی خبر ایسی کہ نہ پوچھو
کم حوصلہ کہئے نہ تنک ظرف سمجھئے   رونے کو تو ہے چشم تر ایسی کہ نہ پوچھو"

"خموش بزم میں بیٹھے ہو کوئی بات ہے یہ   زبان دی ہے خدا نے تمہیں مُہاں نہ سہی"

لیکن ان خصوصیات کی عدم موجودگی میں بھی بیان کی بیساختگی اور زبان کی روانی میں کوئی کمی نہیں رہی - بسا اوقات معلوم ہوتا ہے کہ کسی سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں - دیکھئے ؎

"ہم مل کے کسی اور سے دل شاد کریں گے   جو کچھ نہ کیا تھا ستم ایجاد کریں گے
میں دل میں نہیں ہوں تو بھلاتے ہیں وہ کس کو   ہے یاد مری جب نہ مجھے یاد کریں گے
یہ کہتے ہو قاتل سے کہ ہونے دو قیامت   کیا حضرتِ دل آپ بھی فریاد کریں گے"

"اُسے بھی شوق ہے خاک اپنی داستاں کہئے   تمام شب یہی کہتا ہے رازداں کہئے"

"جان دے کوئی تو دے محوِ تماشا ہو کر   پردہ کیوں کرتے ہو تم آئینہ سیما ہو کر"

بول چال اور روزمرہ سے جو خاص تعلق داغ کو ہے اُس کی نظیر کسی اور شاعر کے کلام میں ملنا ناممکن ہے لیکن اس سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو سید ذکی نے اپنے رنگ میں صفائی و سلاست بیان کے بہترین نمونے دکھائے ہیں - غور کیجئے اس سے زیادہ صاف و شستہ زبان کیا ہوگی ؎

"حق محبت - عزیز - اور ادا کیا کریں   آپ ہیں بیمار غم میری دوا کیا کریں
اُن کو مذاقِ ستم عذر جفا کیا کریں   خو ہمیں تسلیم کی اس کا گلہ کیا کریں
بزم کو بے خود کیا جلوے نے اب دیکھئے   چشم و نگہ کیا کریں ناز و ادا کیا کریں"

"چاک دامن کیجئے ٹکڑے گریباں کیجئے   کچھ تو آخر چارۂ طبع پریشاں کیجئے"

"غم بناوٹ ہے اضطراب غلط   ہر سخن کا ملا جواب غلط
بارہا مر کے ہم جئے شب ہجر   ہو گیا عمر کا حساب غلط
آرزوئیں بھری ہیں بے معنی   دل الٹا میں ہے یا کتاب غلط"

"بجا کہتے ہو اعدا بے وفا ہیں   تمہارے طعنے میرے مدعا ہیں
تعالی اللہ جناب عشق کی شان   ہمارے مقتدا ہیں پیشوا ہیں"

"جان و دل سازگار ہیں دونوں   یعنی تم پر نثار ہیں دونوں
چشم گریاں ہے اشک اتر ہے   کچھ عجب بد شعار ہیں دونوں
آفریں تم کو ایک ناوک میں   جگر و دل فگار ہیں دونوں"

اوپر کے اشعار تقریباً سب کے سب اُن غزلیات سے لئے گئے ہیں جو بحر خفیف کی ہیں - معمولی شاعر کا کام نہیں کہ ان چھوٹی بحروں میں بھی کلام کی خوبیاں قایم رکھ سکے - اساتذہ بھی

اس رنگ میں جو کچھ کہتے ہیں اُسے مضمون آفرینی اور جدت پسندی سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ یہی حال ذکیؔ کا ہے۔ صاف اور سیدھی باتیں کہتے چلے گئے ہیں۔ ان غزلیات میں صرف ادائے مطلب کا اسلوب اور زبان کی شگفتگی دیکھنے کی چیزیں ہیں لیکن جہاں کہیں ان صفات کے ساتھ شاعرانہ خیالات کا سایہ پڑ جاتا ہے تو اشعار بہت دلآویز ہو جاتے ہیں مثلاً ؎

"صد شکر قتیل دوستی تھے — ورنہ ہم تنگ زندگی تھے
وصف دہن و کمر نہ کچھ پوچھ — صانع کے یہ نکتۂ خفی تھے"

"قلب آئینہ میں کیا پنہاں ہے — محشرستانِ خیال انساں ہے
وسعتِ مایدۂ دل دیکھو — درد مدعو ہے الم مہماں ہے"

"وہ جلوے قیامت اُٹھاتے رہے — مجھے میری جرأت سنبھالے گئی
دمِ بے اثر سے ہوئی بے دلی — مرا دل ہی گویا دعا لے گئی"

"عشق کا وہم ہے زمانے پر — کیا بگڑتے ہیں وہ فسانے پر
مردِ شوق سے پہنچتا ہوں — تیر سے پہلے میں نشانے پر
میری قسمت میں تھا کہ اشک پیوں — مُہر ہوتی ہے دانے دانے پر"

مندرجہ ذیل اشعار بھی بحرِ خفیف میں کہے گئے ہیں۔ آخری دونوں اشعار دیکھنے کے قابل ہیں ؎

"میں نے اچھا تمہیں کیا ٹھہرا — تم بُرا کہتے ہو بلا سے کہو
غیر کیا جانے لطفِ مرگِ وصال — مجھ سے محروم مدعا سے کہو
ڈوبتا ہے سفینۂ امید — ناخدا کون ہے خدا سے کہو
آرزو ہے کہ اپنا کہہ لیجے — گو کسی لفظ ناروا سے کہو"

ناظرین غور کریں تیسرے شعر کا مضمون کتنا بلند ہے اور آخری شعر میں تو "آرزو" کی انتہائی حالت دکھا دی ہے۔

کسی کا یہ ایک شعر بہت مشہور ہے ؎

"قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند — دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا"

اسی خیال کو نواب ذکیؔ نے کسی قدر ندرت سے باندھا ہے اور اُن کا شعر اوپر کے شعر سے اس وجہ سے افضل سمجھا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی شومیِ قسمت کے نتایج صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھے بلکہ کہتے ہیں ؎

"کیا یہ یاد سعی ناخدا کو میری قسمت نے — کہاں جا کر ڈبویا جب کنارے پر سفینہ تھا"

نواب ذکیؔ کے اُستاد غالبؔ اُس قید سے آزاد تھے جو تقلید کی زنجیر بنکر آج تک اُردو شعرا کے پاؤں میں پڑی ہوئی ہے۔ ذکیؔ بھی حتی الوسع خیالات میں دوسروں کی تقلید نارواسمجھتے تھے اپنی اس خصوصیت کا ذکر شاعرانہ انداز میں وہ خود اس طرح کرتے ہیں ؎

"آزاد و رند جانتے تھے سب ہمیں ذکیؔ — ہم زندگی میں کرتے تھے فسق و فجورِ خاص
جب وقت آگیا کہ ہوں رخصت جہان سے — اس لطف سے گئے کہ ہو جیسے حضورِ خاص
القصہ اپنی وضع الگ تھی زمانے سے — اُٹھنے میں قبر سے بھی ہو صورت ضرورِ خاص
سرگرمِ ناز آکے وہ محشر خرام ہو — مرقد پہ اپنے چاہئے شور نشورِ خاص
پڑھ ہے ادائے خاص کی عاشق ہے تو فرو — جنت بھی خاص چاہئے غلمان و حورِ خاص"

کلامِ ذکیؔ کم از کم دو خصوصیات سے ضرور خالی ہے ایک یہ کہ درد اور سوز و گداز کم ہے دوسرے معرفت اور تصوف کے مضامین پر خاص توجہ نہیں کی۔ اصل یہ ہے کہ شاعر اپنے طبعی رنگ پر چلتا ہے اگر وہ اوروں کی طرح چاہتے تو خواہ مخواہ یہ چیزیں بھی غزلوں میں ٹھونستے لیکن ایسا نہیں کیا ہاں جہاں از خود اس قسم کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں وہ بیساختہ منظوم ہو گئے ہیں اور حق یہ ہے کہ کیفیت سے خالی نہیں۔ معرفت میں یہ اشعار قابل دید ہیں ؎

"روشن چراغ تجھ سے ہوا لالہ زار کا — تو ہی فروغ ہے چمنِ روزگار کا
تو وہ کریم ہے کہ تری بارگاہ میں — پایہ بلند ہے نگہِ شرمسار کا
یہ رنگ ہائے مختلف اُس ایک گُل کے ہیں — آئینہ دیکھنے کو چمن ہے ہزار کا"

"حیراں ہیں ہم مشاہدۂ نورِ ذات میں   آنکھوں میں کیا سمائے گا رنگ اعتبار کا"

اسی طرح دو ایک شعر اوپر گذر چکے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کی تعداد مقابلتاً بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ چند شعر نعت کے دیکھیے کس قدر بلیغ واقع ہوئے ہیں ؎

"نبی کے نور سے ادراک و علم و حس نہیں خالی   یہ جلوہ سینہ و دل سے نظر تک جا بجا دیکھا
قبائے گُل میں بوئے جاں فزائے جسمِ اطہر   ہیولائے چمن سیر نگی بادِ صبا دیکھا
وہ اعلیٰ مقصدِ مفہومِ کن یہ ذاتِ اقدس تھی   کہ جس کے واسطے چشمِ جہاں نے ماسوا دیکھا"

ہمارا خیال ہے کہ کلام ذکی کے متعلق ہم نے ہر پہلو سے بحث کر لی اور بظاہر خاص بات قابل تذکرہ باقی نہیں رہی۔ اب ہم آخر میں اُن کے متفرق اشعار ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جن کی جداگانہ خوبیوں کے اظہار کی جگہ ہم ان کا اندازہ خود ناظرین پر چھوڑتے ہیں ؎

"دیکھی ہیں اختلاط کی ہم نے بُرائیاں   اچھا ہے غیر پر وہ اگر مہرباں ہے اب
ظاہر شکستگی میں بھی ہے زینتِ قدیم   دل وہ خرابہ ہے کہ بتوں کا مکان ہے اب"

"میسر جو نہ ہو صہبا پئیں گے خونِ دل اپنا   یہ ہم نے تاک رکھی ہے مئے انگور سینے میں"

"وہی سبزہ وہی وحشت ہے وہی ویرانی   اور کیا دشت میں ہوگا جو مرے گھر میں نہیں"

"میں کہوں کیونکر خموشی میں مزا ہوتا نہیں   ہے یہ شیرینی کہ لب سے لب جدا ہوتا نہیں"

"نزعِ جاں اور شوقِ یار ہنوز   جانبِ در ہے چشمِ زار ہنوز
کتنے رہرو مٹے کہ راہ میں ہے   کارواں کا رواں غبار ہنوز
دلِ پرشور جل کے خاک ہوا   داغ باقی ہے یادگار ہنوز"

"مایوس ہوں اثر سے تو فریاد کیا کروں   وہ سُنتے ہی نہیں دلِ ناشاد کیا کروں
غم کا ہے یہ ہجوم کہ ہے تلخ زندگی   شیریں کا رنج ماتمِ فرہاد کیا کروں"

"بدگمانی یار کے حق میں ہو دل میں حیف   وہ خدا ناکردہ کیوں اغیار کی محفل میں ہو"

"میں وہ ہوں جلوہ بھی نظارے سے محروم رہوں   اس قدر بیخودیِ شوق نہ کر گم مجھ کو
کھل گیا راز کہیں بزم میں حیرت کیوں ہے   نقشِ دیوار نظر آتے ہیں مردم مجھ کو
روسیاہی کا ہے اس خاک سے پردہ مقصود   نہیں بے وجہ ذکیؔ فکرِ تیمم مجھ کو"

"کیا اس سے فزوں خوبیِ جنت کا گماں ہو   یا باغ ہو یا میکدہ یا کوئے بتاں ہو"

"جو زود آمیز ہوتے یہ تو ہوتا کل جہاں بندہ   تجاہل پیشگی واللہ بتوں کی عین حکمت ہے"

"نفس نفس ہے نسیم وفا محرکِ شوق   یہ وہ مزا ہے جسے ذوقِ جاوداں کہئے
نہ چونکے خواب سے غنچے دمِ سحر آیا   نسیم صبح کا جاتا ہے کارواں کہئے"

"دل مل گیا جو خاک میں افسوس کیا کریں   ہم اور ڈھونڈھ لیں گے تری جلوہ گاہ سے
محشر میں جاؤں کیا کہ بتایا نہ جائے گا   قاتل کا نام پوچھتے ہیں دادخواہ سے
از روئے فطرت ایک ہیں انسان و درد و غم   دل داغ سے الگ نہ جدا دم ہے آہ سے"

"اللہ اللہ نعرۂ وحشت کا ہول   دانت میں شیروں نے بھی تنکے لئے"

"بُت وہ کافر ہیں کہ ان کا جلوہ ہے   نورِ ایماں قلبِ مومن کے لئے"

"او چشمِ بے نیاز ذرا دیکھ تو سہی   کیا حال ہو گیا ترے امیدوار کا
خورشید سرفراز سعادت نہیں سہی   ذرّوں میں کیوں شمار نہیں خاکسار کا"

مندرجہ ذیل دو منتخب غزلیں اُن کے کلام غیر مطبوعہ سے ہیں ؎

"دل ہی نہیں تو حوصلۂ گفتگو کہاں   صد رنگ جلوۂ نفسِ آرزو کہاں
اربابِ ذوق و شوق سے ہنگامہ گرم ہے   محفل میں یار کی دلِ افسردہ تو کہاں
اُس سے اُمیدِ قدرِ وفا سر بسر غلط   جس آبرو کو روتے ہیں وہ آبرو کہاں
محرومِ انبساط ہوں رنجورِ بیکسی   پیتا ہوں خونِ دل قدحِ مشکبو کہاں
اُس مونسِ یگانہ کو دل میں کرو تلاش   پھرتے ہو جستجو میں ذکیؔ کو بہ کو کہاں"

"دکھاؤں سورشِ وحشت کی کیفیت زمانے کو   چمن سے دشت کو جاؤں جلا کر آشیانے کو
کہاں سے آئے دل اس نازِ بیجا کے اُٹھانے کو   کہ وہ بے وجہ روٹھیں جمع ہوں دشمن منانے کو
جگر سے نکلے طفلِ اشک سے دل تک کیا خالی   ملایا خاک میں اک بے سروپا نے گھرانے کو
یہ اربابِ طلب کیا بے خبر ہیں فوقِ وحدت سے   معاذ اللہ بیگانہ سمجھتے ہیں یگانے کو"

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے بتایا ہے کہ سید ذکی کیسے شاعر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ داغؔ و مجروحؔ کی طرح وہ بھی بزمِ دہلی کی ایک شمع تھے۔ افسوس ہے کہ اب ایسے چراغ جو اپنے ساتھ اپنے بزرگوں کا نام بھی روشن کریں باقی نہیں رہے۔ داغؔ، مجروحؔ، ذکیؔ شبستانِ اردو کی آخری شمعیں تھیں جنھوں نے آپ کو جلا کر ملک کا نام قائم کیا۔ خدا اُن کی ارواح کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

فاروق شاہپوری

خالاؤں کا مارا۔آغا

(گذشتہ سے پیوستہ)

[اس مضمون کی جیسی حیرت انگیز عالمگیر پسندیدگی ہوئی ہے اس سے
نقادان فن کی نکتہ سنجی اور زندہ دلان اردو کی شگفتگی طبع و مذاق سلیم
کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اور ہمیں بخوبی اس کا اندازہ ہو گیا کہ اردو
کی دنیا کیریکٹر (عادات و خصایل) نگاری کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہے
اس بنا پر ہمارا یہ کہنا فضول نہ ہوگا کہ اس طرز انشا پردازی میں
بھی ہماری زبان یورپ کی اور زبانوں سے پیچھے رہنا نہیں چاہتی۔
اور کیوں نہ ہو۔ جب آغا کا سا شاعر جس کے ہم وطنوں کی "دنیا ہنوز
بر پشت گاو ماہی" ہو، باوجود ناآشنائی زبان بے دھڑک ایران سے پاری او
پاری سے لندن چلا جائے اور پھر وارد ہندوستان ہو تو ہماری
بھاشا جو ہمالیہ پار تبت و تاتار کیا ولایتی سواحل پر پھریرے
اڑا رہی ہے کیا معنی کہ اتحاد ثلاثہ سے منحرف ہو۔ خیر، صاحب! آغا
کی وہ سکرات نما شب ہجر تو بھلے برے کٹ گئی۔ امید افزا صبح ہوئی اور
دل ہی دل آپ نے "شب بخیر" والی متکلمہ کو یوں جگایا کہ
"ستو کا ملکہ ستو کا ملکہ! اُٹو (مٹھو کی ملکہ مٹھو کی ملکہ اٹھو!) یک نیزہ
آفتاب بر آمد" اس کے بعد آغا ہنسی خوشی لندن جاتے ہیں۔ ہم
ڈرتے تھے کہ وہاں بھی ناکامی کے ہاتھوں آغا یہ نہ کہیں کہ سے
"چہ جوت جوت دروغے کہ ناک میں دم ہے + مثل جوتم سے ملاقسمت
اس کا پوت گئی + جو اُس پری کو میں دیکھا یہی کہا انشا + کہ فوج
غزلیہ آئی مغل کو لوت گئی" اور غیر ملک کے لوگوں سے گھبرا کر کہیں
چلا نہ اٹھیں کہ سے "لندن کے مردمان مرا میکنند اسیر + ہم بابا باگ
جاویں گے بس این مقام چیر" لیکن یہ بھی منو سے کم ہی نہ تھے۔
جس طرح ہوٹل میں وہ ان کی میز پر آدھمکا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ملکہ
ایتی کے ہاں ڈٹے رہے۔ بہرحال پسندیدگی کے جتنے حوصلہ افزا
پیغامات قدردانان ادیب نے بھیجے تھے نہایت شکریہ کے ساتھ نواب
خیال صاحب عظیم آبادی کے پاس بھیجدیئے گئے۔ اور واقعی ممدوح
ہر طرح مستحق داد ہیں۔ اڈیٹر]

اس رات کی صبح

" خدا خدا کر کے آفتاب نکلا وقت نہار (کھانا) رسید! ہم نے
آغا جلد جلد خط بنایا غسل کیا و تبرک پوشاک (سوٹ) نظام الملک
میں سے یک لباس قیمتی زیب تن کر کے کھانے کے کمرے کی راہ
لی۔ آغا! مصبح صبح باغ فردوس ست۔ شام محنت انجام و شب بلدای
و شب فراق گذشت۔ حالا صبح وصال رونمود! آغا چہ می بینم؟ آغا
چرا گوشہا و دماغ (ناک) من گرم شدہ و دستہا و پائم یخ؟ آغا قلب من
چرا این قدر می تپد و چشمہائے من چرا بہ یک مرکز متوجہ گشت و نظر من
چرا بہ یک نقطہ دوختہ شد (چپک کر رہ گئی)؟ آغا ملاحظہ بفرما۔ اللہ اکبر!
از دور یک گل تازہ شگفتہ در نظرم می آید و من ہمہ تن متوجہ اُن گل
نو رسم (ام)! واللہ یک ستارۂ سحری بر زمن (زمین) جلوہ گر ست!
ای آفتاب تو اصبح مگر زرد شدہ۔ ای زمن (زمین) تو امروز از فرط
انبساط مگر لالہ زار گشتہ! بسم اللہ بپذیرائی کن مہمان عزیز خود را! بین
(بیں) میروم نزد اُن مہ تاباں! آقا۔ اُس وقت پیر ہمارے یک
یک من کے (من من بھر کے) ہو رہے تھے۔ مگر خیر خود کو کسی طرح اُس
تک پہنچایا۔ جان من سر نہار نشستہ با پیر مردے مشغول صحبت
ست۔ بدل گفتم۔ وقت خدا حافظ گذشتہ حالا وقت زیارت ست
نہ وقت ملاقات! نظرے بفرما (کہ) شب بخیر گذشت و صبح..... از پردہ

بیرُن (بیروں) آمد یا نہ؟ خیر - آغا بہ دلِ مضطرب و حواس رفتہ ہم اسی طرف نگاہ کرتے ہوئے قدرے (ذرا) جلد رفتم (آگے بڑھے) کہ یکایک بختم یاوری کرد طالعم روشن شد۔ ہئی می وید۔ واللہ نگاہ می کرد۔ چنانکہ کہ رفتہ برنمی گردد (کہ جس جگہ بیٹھ جائے پھر نہ اٹھے) سرا قدرے خم کردم اشارہ سلام - نہ سجدہ - واللہ می شناخت! (میں فدا لغزشِ رفتار اپنی اے شاد + دُور سے دیکھ کے اس نے مجھے پہچان لیا) و جواب (ہم) داد - از ابروے آبرو بخش تبسم میکرد از لبِ جن (جان) بخش و اشارۂ طلب میفرمود از گوشۂ چشمِ حیا پرور۔ من آغا بے خود بودم از فرطِ جوش و غلبۂ شوق - حاضر شدم - دوبارہ سرِ نیاز خم کردم - ہماری طرف سے ذرا کج ہو کر آغا اُس پیرمرد کی طرف مخاطب ہوئی و با تبسمِ زیرِ لب گفت "پاپا یہ وہی ہیں جنھوں نے (کل رات) میرا 'متھو' لاکر ہم کو دیا - یہ نہ ہوتے تو کاہے کو بچتی میری جان!"

"(اس پر) پیرمرد (بڈھا) تبسم کرد و دستِ تعارف سے (ہم کو) آبرو بخشی - فرمود 'بنشین' (بیٹھیں) .... !" ("یا اللہ[۵۱] - آغا شب بخیر.... یک رویائے صادقہ بود کہ صبح زود تعبیرش یافتم! صحبت طول کشید و در اثنائے گفتگو مترشح شد کہ حضرتِ پیرمرد ما یکے از نجباؤ اُمرائے انگلیستان ست - حالا سفرِ شن (شاں) تمام شد و فردا تشریف می برد بہ وطنِ مالوفِ خود!"

"ایمی! حالا وہ زدہ - برخیز - کیوں مسٹر (مسٹر) ہم لوگ ذرا سیر کو چلیں؟ پدر فرمود - صحبت برخاست ہوئی اور ہم لوگ نکلے ..... ایمی نام است یا یک برقِ جہندہ کہ اثرش در رگ و پے طاہر سرایت کردہ و دم بدم سیلانِ خون را تیز و تند می کند! پاپا - 'ایمی' نام دادہ است - منکہ پاپا نیستم - چہ طور 'ایمی ایمی' بگویم - منکہ بے تہذیب نیستم - انکہ ملکہ است - واللہ! و طاہر یک چاکر و غلام اوست - لاکن غلام وفادار - مثلِ سگِ نیو فونڈلینڈ[۵۲] ..... ! بہتر - من او را 'ملکۂ ایمی' میگویم حالا درست شد! آغا - قریب دو ساعت گردش گردیم - بندہ در خیالِ خود بودم - وصل را فراموش کردہ حالا نظرم بر فراق ست! غمِ فردا ہلاک کر رہا تھا آغا - کل وہ جائے گی - فردا 'ایمی' - نہ استغفر اللہ - توبہ - 'ملکہ ایمی' رخصت می شود - خیر - فردا من ہم رخصت - واللہ نخواہم ماند! اس تصور میں آغا حالتِ ما متغیر شد! لاکن آغا آخر ماشاعر ہستیم - یک مضمون نو تراشیدم - ملاحظہ بفرما - عرض می کنم بہ پاپا - 'آج پاریس میں آپ لوگوں کی اخیر شب ہے - یک طائفۂ چینیہا کل یہاں آیا ہے - خیلے خوب تماشہ می کند - میگویند پروغرام (پروگرام) خوب و مرغوب خیلے مفصل و دلکش دارند - دید نیست - اگر اجازت بدہید 'لِژ' (بکس) بگیرم در تیاتر (تھیٹر)، امشب و می دیدیم تماشائے حکمتِ چین را' - آغا - قبل از پیرمرد 'ملکہ' بے ساختہ فرمود 'ہاں پاپا من ہم اشتیاق دارم' - آغا قریب بود کہ میں فرطِ خوشی وقتی میں غش کر جاؤں بمشکل خود را قابو کردم'!

"ہم لوگ ہوتل آئے - ہم نے آغا تلفون (ٹیلیفون) دیا فی الفور 'لِژ' گرفتم - لِژے لائق فرزندِ نظام الملک - نہ - لِژے وجائے لائقِ 'ملکہ' ما! ..... امشب جُونِ (جان) ما - روحِ ما - خداوندِ ما - مہمون (مہمان) ماست! خیلے خوش بختم - آغا واللہ ہوسِ بہشت نداشتم و چرا دیگر ہوسہا یہ کنم - سے امشب اِنخانہ بہشت ست کہ جانُن (جاناں) اینجا سہ من - آں مہ من - آں مہ تابُن (تاباں) انجاست + بلبلُن (بلبلاں) عفتہ مخور بہر گلستونِ (گلستان) ارم + بلبل انجا و گل انجا و گلستُن (گلستاں) انجاست' - ان غلام و ایازِ 'ملکہ ایمی' امشب سرفراز شدہ است - چہ طور آغا؟ للہ تصور بفرما - طاہر بیچ میں ہے - اُس کے دستِ راست پر خداوندِ مہربانِ او جلوہ گر و طرفِ چپ پاپا ..... ! ما ہا مشغولِ صحبت

۵۱ جب کوئی آتا اور بیٹھنے کا قصد کرتا ہے تو ایرانی اس وقت یا اللہ کہکر اُسے تعظیم دیتے ہیں۔

۵۲ سگہائے نیو فونڈلینڈ، غالباً محتاجِ تعارف نیستند!

ہستیم۔ تماشہ را ہم میدیدیم و تعریف میکردیم۔ "ملکہ آپنی" می فرماید۔ پاپا
میسیو طاہر آدم خوش پسند ست۔ واقعی۔ تماشہ کہ بد نیست' ! آغا۔
طاہر از خود گذشتست۔ الفاظ را فراموش کردست (کردہ است) برائے
شکریہ و جواب !"

"آغا۔ ما خیال کردہ بودم کہ یہ تماشہ ضرور مرغوب خاطر ہوگا۔ و
ضرور وو (وہ) دو ایک روز اور اُس کے بہ اطمینان ملاحظہ کرنے کی
عوض سے پاریس میں قیام فرمائے گی۔ لاکن آغا۔ تماشہ ختم شد
و تا حال نہ شنیدم حرفے در بارہ حرکت و قیام فردا۔ دلِ من تہ و بالا
ہے آغا۔ خیر۔ آمدیم بیرون و رسیدیم بہ منزل۔ حالا نصف شب
گذشتہ۔ پاپا رخصت می شود۔ ملکہ در عقب اُو ساکت ایستادست
من ہم ایستادہ و در نظرم ہمہ چیز در چرخ ست! یکایک پاپا می فرماید
"میسیو۔ خیر۔ خدا حافظ۔ فردا صبح انشاء اللہ میرویم بہ لندن۔ قدرے
خاموش شدہ و باز می فرماید۔ میسیو طاہر فردا تم بھی ہمراہ لندن چلو
وہاں چند روز ہمارے مہمان رہو' !! اُف۔ ہمارا تمام جسم آغا فرط خوشی
و جوش میں رعشہ دار (کانپ رہا) ہے۔ می خواہم چیزے عرض کنم لب
آغا تھرا کرہ گئے۔ واللہ۔ عوض جواب سر نیاز و ادب خم کردم و بس
(اسپر) "ملکہ آپنی' یک مرتبہ بہ تبسم زیر لب و بانگاہے جُن (جان) پرور
مارا دید۔ ما ہم نگاہ کردیم۔ و آغا ایک نظر نے دوسری نظر کو رخصت
کیا! خدا حافظ گفتیم۔ چہ طور؟ ہمن (ہماں) طور آغا۔ شب بخیر۔
صبح ملیں گے!! آغا۔ ملاحظہ فرمودید کرامت شاعری طاہر
مضمون آفرین (آفریں) را ؟!

آغا صاحب لندن میں!

"چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شاد ہو کر　　زمینِ کوے جاناں رنج دے گی آسماں ہو کر"

"ما مقیمانِ کوے دلداریم! رُخ بہ دُنیا و دیں نمی آریم) شاعرے
میگوید۔ لاکن واللہ عجب قانع و صابر ست۔ در کوچہ بی سال و
بی یار اُفتادہ و بر آن فخر ہم میکند۔ عجیب! معلوم وہ (اگر) مثلِ طاہر
ہوتا تو کیا کرتا و چہ می گفت؟ آغا۔ بندہ شاعر ہے۔ لاکن شاعر با غیرت
بی غیرت نہیں۔ واللہ۔ کہ کسی کوچہ میں اُفتادہ رہوں مثلِ یک
سگِ خارشتی و بیمار۔ یا منتِ کشئ دربان کو اپنا فخر سمجھوں۔ لاحول!
آغا۔ ملاحظہ بفرمائید۔ بندہ حالا مہمان۔ نہ۔ مہمان عزیز دلدارم از
در کوچہ کہ ملجا و ماوی بلکہ صدر المنتہائے شعرائے غریب و عشاقِ
بی چارہ ست خدا نکردہ افتادہ ام۔ نہ۔ بلکہ طاہر در پالیس (پیلس) بکانِ محبوب
خود مثلِ صاحب خانہ و مالک کُل زندگی می کند! ہاں۔ مصرعۂ دوم
کہ "رُخ بہ دُنیا و دیں نمی آریم"۔ البتہ خوب گفتہ و بر من صادق ست۔
و میں کہہ سکتا ہوں آغا کہ اُن شاعران مصرعہ واقعی برائے ما گفتہ
بود۔ الحمد للہ۔ حالا از دین و دُنیا فارغ ام۔ و چرا او چہ طور رُخ بکنم
بہ چیزے دیگر غیر از رُخِ "ملکہ ما"؟!

"آغا۔ خانۂ "ملکہ" صرف ہمارے (ہی) واسطے فردوس بر زمین
(زمین) نہ بود۔ بلکہ لندن کا ہر کہ و مہ وہاں آنا اپنا فخر و نجات سمجھتا
تھا۔ آغا۔ ہم (بھی) اُس فامیل (فیملی۔ خاندان) کے اب ایک رُکن
ہیں۔ ہر وارد و صادر (آئے گئے) سے خود "ملکہ" میر التعارف (شناسائی)
کراتی ہے۔ کُل خاندان بلکہ کُل دوست و احباب و بزرگان و آشنایان
ہماری قدر و منزلت و عزت و توقیر کرتے ہیں۔ آغا من شاعر ہستم
و ہر روز یک مضمون نو تراشیدہ و موزن (موزوں) کردہ جملہ ارباب
را بہ جانب خود متوجہ می سازم! و گو از زبان انگلیسی (انگریزی) چنداں
(چنداں) آشنا نیستم لاکن از نقادیٔ طبیعت و فکر بلیغ شاعرانہ
کارِ خود را الحمد للہ بہ سلیقہ و بہ طرزِ احسن انجام می دہم! غرض آغا
وہاں کوئی ایسا نہیں جو ہم پر مہربان نہ ہو۔ الحمد للہ۔ ہمہ بہ نظر لطف
و محبت با ما پیش می آیند۔ نہ۔ ہمہ۔ غلط گفتم! البتہ یک کافر ست
بی ایمان۔ بظاہر دوست۔ لاکن در پردہ دشمن۔ آغا وو (وہ) ہر وقت

اُس خانہ میں آتا و 'ملکہ آیتی' سے صحبت رکھتا ہے (باتیں کرتا ہے)! از ماہم سلام علیک و مزاج پُرسی می کند۔ صحبتش آغا مرا خوش نمی آید۔ نام اُن سیاہ کار 'سراج' ست۔ واللہ اُن غول بیابُن (بیابان) ست نہ 'سراج'۔ برعکس نہند نامِ زنگی کافور! در سفارتخانۂ ایرُان (ایران) می ماند۔ وخود را از امرائے فارس مشہور کردست۔ من اصلا از اصل و نسل وے خبر ندارم۔ 'سراج'۔ آغا البتہ مرد جوان ست مگر نہ خوشکل و خوبصورت مثلِ ما۔ 'سراج'۔ روشنی طبع ہم ندارد۔ شاعر نیست! واللہ عجیب بدبخت و بدمذاق ست! کمبخت در ان عمرِ بست و پنج سالگی در دار العلومِ لندن درس می خواند! من اکثر در حضورِ 'ملکہ' سوالات از شعر و شاعری میکنم۔ مثل یک عنتر وحشی (بن مانس) مُنہ کھول کے آغا وُو (وہ) رہ جاتا ہے۔ مردود کو پیشِ 'ملکہ' ہم شرم و حیا نمی آید۔ (ہونٹھ بچکا کے)!"

"آغا۔ مگر من خوب می شناسم 'سراج' را مثل او تنبل (ڈھونگل) نیستم! اُن مردک میخواہد بر 'ملکہ' دست یابد (قبضہ کرے)! لاکن غافل نیستم۔ ہوشیارستم۔ وہ جب چلا جاتا ہے تو میں اپنے دشمن و رقیبِ سیاہ رو کا جملہ سحر و افسُن (افسوں) باطل کر دیتا ہوں۔ آقا وہ شپرہ (چمگادڑ) ہے و میں آفتاب! اُس کا جادو جادوئی ساحرانِ فرعون و ہمارے پاس عصائے موسیٰ ہے! کیونکر آغا وو (وہ) مقابلہ کر سکتا ہے؟ کیونکہ۔ جاءَ الحق۔ زہق الباطل!!........"

"آقا در اُن زماں در لندن ہر خانۂ ممتاز میں یک دو آلۂ صوت (فونوگراف) ہمیشہ رہتا تھا و بعد از صرفِ شام (ڈنر) ہر شب فونوغراف بجایا جاتا تھا۔ 'ملکہ آیتی'، اژُن (ازاں) خیلے شغف میداشت۔ وخود اور اکوک دادہ بہ صوتہائش مثل مار (ناگنی) مست می شد۔ ماہم قریبِ 'ملکہ' خود نشستہ از بےخودی و نگاہِ مست او لذت می بُردیم!......

"یک شب آقا 'سراج غول' آمد و 'ملکہ' را چند تا ریکارڈ پیشکش کردہ خیلے تعریف و توصیف تحفۂ خود کرد۔ 'ملکہ' مشتاق شد و آنہا را پیشِ ماہا نواختند۔ گو من گاہے تعریف نہ کردم لاکن واقعی خیلے خوب بودند۔"

"اب آغا۔ طاہر کا خاتمہ ہوتا ہے! پردہ تیاتر (تھیئٹر) می اُفتد و تماشائے چند روزہ کہ مرا بی ہوش ساختہ و از خود بُردہ بود ختم می شود! چند الفاظِ بی معنی مثلِ کلماتِ جادوگرے خرمن مارا مثالِ برق یک مرتبہ خاک و سیاہ میکند! اُن کلمات میں واللہ آقا کسی قسم کی شاعری نہیں تھی خشک بودند مثل چوب۔ و بر دلِ نازک شاعرے اُن چو بہا کارِ شمشیر و خنجر میکرد۔ ملاحظہ بفرمائید۔ دُرن (درآں) ریکارد یک نوائیست۔ 'سراج' بدمذاق در تعریف و تمجیدش خیلے مبالغہ میکند۔ 'ملکہ' مشتاق می شود۔ اُن گیدی (زنخا) از جائے خود برمی خیزد و یک ریکارد در فونوغراف گذاشتہ می نوازد۔ 'ملکہ' و ہمہ حاضرینِ مجلس گوش بر آوازند۔ من ہم متوجہ ام۔ فونوغراف چہ می سرآید؟ آغا۔ اُف۔ بشنوید! صدا می آید۔ 'گُربہ گم گشتہ امشب بازمی آید سراج'!!!

"لاحول ولا قوۃ لفظ اول را کہ شنیدم واللہ می خواستم فونوغراف را پارہ پارہ بکنم و سراج مکار را بکشم! ہمہ قہقہہ می زنند و من از غم و غصہ بی حالم۔ 'ملکہ' می فرماید۔ میسیو طاہر می شنوی چہ قدر آواز خوش ست؟ عرض میکنم۔ امشب دردِ سر میدارم۔ اجازت بدہید بروم برائے خواب! جلدتر رخصت شدم۔ نمعلوم آقا وُو (وہ) منحوس و بدذائقہ گانا کس وقت تک رہا 'سراج' بی تمیز کب دفع ہوا!"

آقا۔ باللہ العظیم درہمِن (ہمیں) مصرعۂ ناموزُن (ناموزوں) بدبختی ما پوشیدہ پنہانست! عرض میکنم۔ شما کہ ہمدرد ما ہستید۔ میگویم آقا۔ افسوس ہم نے خیال نہیں کیا کہ یہ الفاظ ہمارے واسطے شگونِ بد ہیں۔ حالا وست بتاسف می مالم چرا اُن وقت غور نہ کردم۔

ہوشیار نہ شدم کہ آخر روز بد و روز قیامت را دیدم۔
افسوس"!!

"اس واقعہ جُن (جان) فرساکے دوسرے روز وقتِ عصر آقا ما ہا نشستہ چائے میخوردیم۔ "ملکۂ آئینی" مقابل ما بود۔ دازاب۔ وا تنہا ہم مشغولِ صحبت و گفتگو بودیم۔ کہ یکایک مثل یک مہوا(؟) (مہمان) ناخواندہ "سراج" بی حیا پیدا شد! مارا ہم سلام کرد۔ ملعون نشست۔ واقعہ شب یاد کردم و خواستم برخیزم۔ "سراج" کہ آمد فی الفور "ملکۂ" را مخاطب کرد و عرض میکند۔ آئینی۔ برائے شما یک خبرِ خوش آوردہ ام۔ "ملکۂ" متوجہ شد۔ بدل گفتم آقا کہ طاہر ان وقت فرار نیست۔ وقت مقابلہ ست۔ صبر کن۔ بہ بِن (بہ بیں) اِن مردک دیگر چہ "گُربہ می رقصاند" (اب کیا گل کھلاتا ہے)؟"

"سراج"۔ بہ "ملکۂ" عرض میکند۔ البتہ یاد دارید مس جوزف را؟ با شما در یک ہوتل پاریس بود۔ دیروز آمدہ ست بہ لندن۔ خیلے متواضع و سادہ مزاج ست۔ شب با او بودم۔ تا دیر صحبت کردم و حالاتِ ملک خود برائے ما بیان کرد۔ لاکن متعجب بودم چرا تا حال محبوبش "پیدا نہ شد! آخر پرسیدم۔ گُربہ شما کجاست"؟ بہ بی بیلی (سرد مہری) جواب داد۔ باید کہ در اطاق باشد۔ یافتم (سمجھے) کہ مس جوزف حالا آن درجہ شغف و محبت با گُربہ محبوب خود ندارد۔ فی الفور خواستم "گُربہ" را۔ و بعوض صد لیرا (پونڈ) خرید کردم برائے شما "آئینی"!"

"ملکۂ" بعد بیقراری از جائے خود برخاست۔ و در فرطِ طرب و شادمانی و بیخودی بر دوشِ آن مکار دست نہادہ و گفت "سراج"۔ ہم تا عمر تمہارے احسان مند رہیں گے۔ واللہ کارے کردید۔ سراج۔ شما بہتر می دانید کہ پاریس میں ہم نے ہزار لیرا تک اُس کی قیمت دینا چاہی مگر مس جوزف ہرگز راضی نشد۔ و اُس کے حق بہ جانب (بھی) تھا۔ کیونکہ وہ (وہ) اُس کو دم ہوش پیار کرتی تھی۔ و واقعی "منتو" ہی بی (ہے بھی) اسی درجہ خوش صورت و خوش سیرت!!

"آقا۔ وُو (وہ) نام تھا ہمارے واسطے یا یک شمشیر برہنہ (ننگی تلوار) کہ دل مرا چاک چاک کرد و بی اختیار نعرہ۔ یا اللہ یا اللہ۔ یا حفیظ یا حفیظ۔ بلند کردم۔ صدائے طرب "ملکۂ" للہ الحمد چندان (چنداں) بلند بود کہ کسے نالہ و فریاد مارا نہ شنید! آقا۔ فی الفور قفس آن جانورِ منحوس و مکروہ و رو سیاہ پیدا شد۔ "ملکۂ" او را از قفس بیرن (بیرون) آوردہ بہ آغوش خود جا داد۔ آقا۔ تصور بفرما حالِ طاہر بدبخت را۔ واللہ عمر ہرگز نہ شد کہ بی سر خر زندگی کنم! آغوش طاہر و نازک و پُرصفائے "ملکۂ آئینی" وجائے آن جانورِ نجس و زین (؟) و ذلیل و مکروہ۔ لاحول ولا قوۃ۔ دیگر جرأت دیدن آن تماشائے مکروہ نکردم۔ "ملکۂ" با او مشغول بود من فوراً برخاستہ بہ اُطاقِ خود آمدم"!

"آقا۔ از چند روز خیلے متفکر و متردد و بی چین و پریشن (پریشان) خاطرم۔ چرا بفراغت از "ملکۂ" گفتگو نکردہ ام۔ و کس طرح اُس کے پاس جاؤں۔ گفتگو کروں (ہنسوں بولوں) در اُنحالیکہ ہمہ وقت آن بچۂ خرش اُس پر سوار رہتا ہے! ہم نے آغا بیماری کا بہانہ کیا ہے نہیں آغا ہم واقعی بیمار ہیں بلکہ بدتر از بیمار۔ بیمار جن (جان) بلب۔ زندگی بدتر از موت۔ ایکاش می مردم و از اِن بدبختیہا نجات می یافتم۔ ہم اپنے اُطاق سے آج کل بغیر ضرورتِ شدید نہیں نکلتے ہیں۔ واللہ من گویا در قفسے مثل طائرِ پر شکستہ زندگی میکنم"!

"لاکن آغا آخر من شاعر ہستم۔ قدرے فکر کردم در معاملاتِ خود۔ ہم کو مراقبہ میں آغا دو دقیقہ (بھی) نہیں گذرا تھا کہ حل کردم مسئلہ نجات خود را۔ ان وقت خیلے مسرورم۔ واللہ بسیار بشاش۔ درد سر کہ نیست۔ اختلاج قلب ہم دور ست۔ الحمد للہ امیدوم

۵؂ سراج نہیں "منتو"!

برائے نجاتِ خودم - ملاحظہ بفرمائید آغا - اُن 'ٹُکوٹہ' (مٹھو پیارے) دلربائے 'ملکہ آپنی' اُم درقفسِ خود بہ آرام نشستہ ست - واُن جانورِ منحوس (مٹّو!) در تالار بر یک نیم تخت دراز کشیدہ در حالت نوم ست - دُور بفرما آغا صُغریٰ و کبریٰ را - حالا نتیجۂ تخیّل کرامت نظیر طاہر را ملاحظہ بفرمائید - سیروم نزدیک اُن 'طوطہ' و رہا می کنم اُن را از قفس - لاکن آغا جس وقت ہم 'طوطہ' کے قریب گئے - واللہ مرا شبِ اوّل یاد آمد و 'واسطہ' خود را بہ حسرت دیدم و قدرے اشک ہم بر رخسار ما ریخت"!!

"خیر آغا - ہمّت کردہ 'طوطہ' را رہا کردم و برگشتم زود - لبادۂ سنگن (اور کوٹ سنگین) پوشیدم و سر و سینہ و روے خود را بہ یک شالِ محفوظ کردہ وندا (ڈنڈا) گرفتم - و رفتم تا تالار - و خدا کا نام لی (لے) کر - قلب کو مضبوط کر کے اُن جانورِ نجس کو اُس چُستی و چالاکی و ہوشیاری سے ہم نے اپنے دندے سے خائف کیا کہ آخروہ (وہ) اپنی جا سے کودا و جس طرف 'طوطہ' تھا اُس جانب رہسپار ہوا - و ہمن (ہمیں) قدر آرزوئے ما بود و بس"!

"الحمد للہ اب یہ جانور جاتا ہے 'طُوطہ' رہا ہے - ضرور وُو (وہ) اُس پر حملہ کرے گا و 'طوطہ' کشتہ ہوگا - 'ملکہ آپنی' خبر پائے گی - اُن جانورِ منحوس سے لامحالہ اُس کو نفرت و عداوت ہوگی - واُن پد نامرد خانہ سے دُور کیا جائے گا - و ہم و 'ملکہ' باز سرخوش نظر آئیں گے صحبت گرم رہیگی - دن عید ہوگا و رات شبِ برات"!........

"آغا - اُن جانورِ نجس سے تالار کو پاک کر کے ہم نے اپنے اطاق میں خود کو جلد تر نہاں کیا و منتظرِ نتیجہ کارِ عظیمِ خودم (ام)"!!........

....

میں :- ماشاء اللہ تدبیر تو آپ نے اچھی نکالی - 'مٹھو' اُس وقت خوب ہی ہاتھ لگ گیا - واقعی 'زلزلہ بر عضوِ ضعیف می ریزد' - آپ کا وہ 'واسطہ' اس طرح فدیہ نہ ہوتا تو خدانہ کردہ آپ کے دشمنوں کی جان ہی پر بن جاتی - لیکن 'خبر کسے گرفتن[1] و تدبیرِ کسے کردن، کارِ ہر گاہ نیست'! **آغا** - (بغور میرا منہ دیکھ کر) بولے **آغا** - مگر بجز ان تدبیر چارہ نہ بود - آپ للّٰہ اس پر غور نہ فرمائے کہ طاہر یک حرکت وحشیانہ کا مرتکب ہوا - واللہ دل نازک دارم - ما 'شعرا' قسی القلب نمی شویم - ہم لوگ جانورُن (جانوران) کو بھی مثلِ اِنسن (انسان) پیار کرتے ہیں"-

میں :- نہیں 'مرتا کیا نہ کرتا' - آپ کو تو اپنی نجات کے لئے آخر کچھ کرنا ہی تھا - لیکن مجھے رہ رہ کر اس کا خیال آرہا ہے کہ آپ کی 'ملکہ آپنی' اپنے 'مٹھو' کی عاشق تھی اس واقعہ کے بعد اُس کے دلِ نازک پر کیا گذری ہوگی! **آغا** (کسی قدر گھبرا کر) "البتہ آغا درست فرمودید - ویں نے اس کو فراموش نہیں کیا تھا - عرض کردہ ام کہ خیلے متاثر بودم - لاکن آغا اس پر غور فرمائے کہ برائے درست کردن (پکانا - بنانا) خاگینہ[2] آخر تخمِ مرغ را می شکنیم - حالانکہ (حالانکہ) خوب میدانیم کہ از نگاہ داشتنِ تخم (انڈا) امید جُوجہ (چوزہ) ست و بزرگی (برتری) جُوجہ بر خاگینہ ظاہر! وعلاوہ بر اِن (ایں) در موقعۂ جنگ و عشق آغا ہمہ فعل جائز است - واُن وقت بلاے 'ہر دُو' بر سر واللہ آغا آخر ما بشر بودیم - یا نہ؟ شما کہ آقاے من ہستید - مہربان و ہمدرد ہستید آخر بہ فرمائید چہ می کردم؟ فتویٰ می دہید کہ طاہر خود را می کشت اُن وقت"؟ **میں** :- نہیں - یہ نہیں - میں جانتا ہوں کہ جب دھوبے سے 'بندریا' کے جوتڑ جلتے ہیں تو وہ آخر اپنے گود کے بچّے کو نیچے رکھ کر اُس پر بیٹھ جاتی ہے اور اُس کی 'قیں قیں - قیں قیں' کی بھی اُس وقت مطلق پروا نہیں کرتی - حالانکہ کسی اور وقت اگر اُسی بچّہ کی طرف کسی اور نظر سے دیکھئے تو بندریا 'کھوکھیا' کے فوراً لپکے اور بس ہو تو آپ کی بوٹی 'اُتار لے'! **آغا** اپنے کلمہ کی اُنگلی

---

[1] اس کا حاصل خود کسی لغت میں ملاحظہ کر لیجئے - [2] 'خاگینہ' انڈوں کو خوب سا پھیٹ کر تلتے اور کھاتے ہیں!

اُٹھاکر) :۔" واللہ انصاف کردید۔ زندہ باشید۔ زندہ باشید۔ بس آغا تو اُس وقت میں بھی گویا یک "شادی" (میموں۔ بندر!) تھا!"

میَں :۔ معقول! لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو "بِرآج" سے بدلا لیتا۔ خس کم جہان پاک! آغا (جلدی سے):۔ "واللہ خوب فرمودید۔ اُن سیہ کار البتہ واجب القتل بود۔ وما ہم در فکر او بودیم۔ لاکن آغا وُو (وہ) یک مردِ لی کاروبی شغل تھا۔ وبہ ایں سبب اُن خبیثِ حرام خور مثلِ یک "گاوِ پروارِی" شدہ بود۔ واللہ۔ وما کہ اُن طرف در آتشِ عشق، کباب شدہ بودیم وان طرف کثرتِ محنت و دماغ سوزی سوختہ جُن (جان)۔ آقا شعر گفتن کہ شوخی نیست۔ واللہ۔ کارِی (کارے) ست کہ فیلِ جنگی را مور می نماید! آقا۔ مقام انصاف ست چطور "سرآج" پلید (بھتنا) را زیر می کردم"؟ میں :۔ میرا مقصود اس سے یہ نہ تھا کہ آپ اپنے رقیب سے کشتی لڑتے۔ نہیں۔ بلکہ تدابیر سے کام لے کر اُس کو ایسی شکست دیتے کہ "منّو" کو ملکہ تک پہنچا دینے کی کافی سزا مل جاتی اور وہ اُس کو ہمیشہ یاد رکھتا! اگر یہ تدبیر بھی بن نہ آتی تو خیر! اُس اپنے دوسرے دشمن "منّو" ہی سے آپ انتقام لیتے لیکن غریب "مٹھو پیارے" کا کیا قصور تھا۔ فرمائیے تو اُس کا خونِ ناحق کس کی گردن پر رہا؟

آغا (ذرا سنبھل کر) :۔" خدا بہ بخشد مرا۔ لاریب ہم "منّو" کو ضرور کُشتہ کر سکتے تھے۔ حالا بہ اُن درجہ از اُن خالف ہم نہ بودم۔ آقا۔ یاد دارید معرکۂ ہوتل؟ چہ طور اُن پدرِ نامرد را شکست دادم! واِس موقعہ پر بھی ہم وہی شجاعت دکھا سکتے تھے۔ لیکن آقا از شما پوشیدہ نیست کہ بندہ شاعر ہے! و دلِ شاعر تا وقتیکہ در ہیجان نمی آید وو (وہ) کوئی فعل کر نہیں سکتا۔ در ہوتل دلِ من دفعتہً مثلِ یک کوہِ آتش فشن (فشاں) ترکید (پھٹا) و کارِی (کارے) کردم کہ شما بہتر می دانید۔ لاکن اس موقعہ پر آغا دلِ من متوجہ بہ "بازیگری" بود۔ و اُنچہ فرمود و ہدایت کرد بجا آوردم۔ کیونکہ آغا دلِ شاعر "آخر کتابِ غیب" کا حکم رکھتا ہے"! میں :۔ ایکاش پھر دل جوش مارتا اور آپ کو امرِ صحیح کی طرف لے جاتا جس سے غریب "مٹھو پیارے" کی جان تو بچ جاتی اور اب تو۔ "مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلّہ خود باید زد"!!

(باقی دارد)

جمالِ اختر

[ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید ✤ ز جام دہر مئے کل من علیہا فان۔

جس طرح مرنا برحق ہے اُسی طرح مرنے والے کا غم کرنا تقاضائے بشریت ہے۔ ان دونوں کے ساتھ صبر بھی ایک حالت ہے جو انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اور دُنیا کی روش یہی ہے کہ ؎ کل جو اُٹھتے تھے بٹھانے کے لئے ✤ آج بیٹھے ہیں اُٹھانے کے لئے۔ مرنے والی کی قبر پر لوگ پھولوں کی چادر چڑھا کر اپنی محبت اور عالم کی بے ثباتی کا ثبوت

؎ گاوِ پرواری۔ فارس میں دستور تھا کہ بعض خاص قسم کی گایوں کو پرورش کر کے ایسا تیار کر دیتے تھے کہ وہ سانڈ کا مقابلہ کرتی تھیں۔

تصحیح۔ "فروری کے ادیب میں صفحہ ۶۹ پر "آغا" کا جو بیان چھپا ہے اُس کے ایک فقرے کی نسبت وہ فرماتے ہیں کہ ان کا حلقی اظہار یوں تھا، مگر نہ اُن جیور۔ لاحول۔ کہ چند ہوا خواہانِ یک نائب کونسل دسیفیر ما ما را (بجائے خود) ملقب بہ یک لقب بکنند و شہرت می دہند کہ ان خطاب دولتِ ما بخشیدہ۔ لاحول ولا! ہم آغا صاحب سے دو ایک لفظ کی زیادتی کی معذرت کرتے ہیں۔ یہ سو نمالبًا اُن کے "مِس ولایتی لہجہ" کی بدولت ہوا جس سے ہم ہندی کم عادی ہیں!



منشي پتمبر پرشاد' اختر

ولادت سنه ۱۸۷۵ع وفات سنه ۱۹۱۲ع

انڈین پریس الہ آباد

دیتے ہیں۔ لیکن وہ باکمال جو بقائے دوام کے سامان فراہم کر گیا ہے اس کا مزار ایسی چادر گل کا محتاج نہیں جو تیز ہوا کی تاب نہ لا سکے۔ اس کے مزار پر خیالات اور ذکرِ خیر کے الفاظ کا ایسا تروتازہ گلدستہ چڑھایا جاتا ہے کہ ہر موسم میں ادھر جذبات کی ہلکی سی ہوا لگی اور اُدھر وہ شگفتہ ہو گیا۔ ایسے ہی پھولوں کی ردا ہمارے دوست پرست مکرم جناب سید محمد اسد علی صاحب ام۔ آر۔ اے۔ اس۔ حضرتِ اختر کی پُرحسرت تربت پر چڑھا کر حق دوستی ادا کرتے ہیں۔ مرحوم اختر کی قبل از وقت موت پر اہل سخن جس قدر ماتم کریں بجا ہے اور منشی دیبی پرشاد صاحب بشاش اپنے اکلوتے بیٹے کے غم میں اگر یوں چلائیں جب بھی کم ہے کہ ؏ درفراق تو چہا اے پسر اسلوب کنم؟ صبر ایوب کنم دیدۂ یعقوب کنم۔ لیکن دلی ہمدردی کے ساتھ ہم یہی کہیں گے کہ صبر کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے۔ تعجب ہے کہ خمخانۂ جاوید میں اختر مرحوم جیسے خوش فکر شاعر کا تذکرہ نہیں۔ بہرحال ہم کوشش کریں گے کہ قدردانان ادیب کلام اختر سے محروم نہ رہیں۔ سرورق مرحوم کی تصویر شائع کی جاتی ہے۔ [اڈیٹر]

بنی آدم کو مہد سے لیکر آخر وقت تک حوادث دنیا سے اگر کہیں پناہ ہے، تو کنج لحد میں؛ اور مسافرِ ہستی کی منزل راحت اگر ہے، تو آغوش گور، خدا جانے اس تودۂ خاک میں کیا دھرا ہے کہ جو گیا وہیں کا ہو رہا۔

تغیرات عالم کے دیکھنے کے لئے چشم بینا اور دل دانا درکار ہیں۔ جب تک انسان غور و خوض، فکر و تعمق، اور نظر غایر سے کام نہ لے، تب تک اصل بات کا انکشاف ناممکن ہے۔

ایام طفلی، آغاز شباب، صبح پیری، یہ زندگی کے مقامات ہیں۔ اس میں مقام آرزو، اور حصولِ کمال دو منزل مقصود ہیں، جن کے لئے انسان سب کچھ کر گذرتا ہے۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ انسان جب کسی ملک یا شہر کی سیر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے ٹائم ٹیبل کی ضرورت ہوتی ہے، کہ کس وقت یہاں سے ریل چلتی ہے، اور کب اسٹیشن پر پہنچے گی۔ اس کے ساتھ ایک گائڈ بک بھی چاہیئے، کہ کون کون سے مشہور مقامات راہ میں آتے ہیں اور دیکھنے کے لایق ہیں۔ سفر ہستی کے لئے بھی ریلوے ٹائم ٹیبل کی طرح مختلف اوقات سے واقفکاری ضرور ہے کہ لڑکپن کا وقت اور ہے، جوانی کا اور، اور صبح پیری کا اور، یعنی بے فکری کا زمانہ اور ہے، اور کھانے کمانے کا زمانہ اور۔ اسی مقام سے گذر جانے پر کفِ افسوس ملا جاتا ہے ورنہ عمر پاکر تو سب ہی یکے بعد دیگرے جاتے ہیں اور جائیں گے ؎

حسرت پر اس مسافر بیکس کی روئیے
جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

دُنیا، دُنیا! یہی دُنیا، جس میں ہم تم رہتے سہتے، چلتے پھرتے، اور اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ اسی کی نسبت بزرگان دین فرماتے ہیں:-

حضرت علیؓ:- "اس گھر کی حالت کیا بتاؤں جس کا شروع ذلت ہے اور خاتمہ فنا۔ جو اس میں غنی ہوا، فتنہ میں مبتلا رہا۔ اور جو محتاج ہوا، غمزدہ رہا۔"

حضرت ابوبکرؓ:- "اس کا جو حصہ گذر گیا خواب تھا، اور جو باقی ہے وہ محض ہوس۔"

حضرت عمرؓ:- "جس نے دُنیا سے دل لگایا اور اُس کی چیزوں کو عزیز سمجھا اُسی کو سب سے بڑا صدمہ ہوا۔"

اسی بے ثباتی عالم کی تصویر ان اشعار میں کھینچی گئی ہے:-

"حقیقت میں جگہ دنیا نہیں ہے دل لگانے کی وفا کرتی نہیں یہ بے وفا سارے زمانے کی
نہیں ٹلتی مقرر ہے جو ساعت موت آنے کی جگہ اس میں نہیں ہیں دم مارنے کی لب ہلانے کی
نہیں معلوم اس کب تک بہار زندگانی ہیں؟ کہاں تک شمع ہستی کی جلے گی بزم فانی میں

غلط ہے دعوئ الفت، سراسر عاشقی جھوٹی　　ثبوت یک دلی جھوٹا، دلیل دوستی جھوٹی

عزیزوں کی ہے تقریر خلوص باطنی جھوٹی　　غرض جھوٹی ہے دُنیا، اور جھوٹی بھی کچی جھوٹی

بھروسا اپنے دم ہی کا نہیں ہے غیر کا کیا　　بچا جاتا ہے گو لی وقت پر کیسا ہی اپنا ہو"

دُنیا کا ہر فلسفی، ہر حکیم، اور ہر منطقی آخر اسی نتیجہ پر پہنچا ہے۔ کہاں تک ان کے اقوال دہرائے جائیں۔ سبھی جانتے ہیں کہ ایک دن اس عالم سے گذرنا ہے۔ لیکن جب کسی کا کوئی دوست گذر جاتا ہے تو اُس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ اس کلیہ کو تسلیم کرے۔ مرنے والا تو مر جاتا ہے مگر اپنی یاد چھوڑ جاتا ہے کہ احباب اس پر ماتم کریں۔ اور واقعی یہ اس کا آخری تعلق اُس سوسائٹی سے ہوتا ہے جس کو چھوڑ کر وہ چل بستا ہے۔ سچ پوچھو تو ماتم میں دھرا ہی کیا ہے سوائے اس کے کہ مرنے والے کا ذکر خیر کیا جائے۔

یہی آخری حق قدر دانان اُردو پر حضرت اختر کا ہے۔ وہی اختر جس نے مرنے سے صرف اٹھارہ مہینے پیشتر ذیل کا قطعہ حالیہ لکھ کر اپنی شاعری کے ساتھ اپنی زندگی کے دن بھی پورے کر لیا اور حق تو یہ ہے کہ حضرت اختر کا جس قدر ذکر خیر کیا جائے بر جا ہے۔ قطعہ حالیہ :۔

"پڑا جب ہاتھ گلچیں کا گل تر پر تو بلبل نے　　کہا رو رو کے اے سفاک یہ کیا ظلم کرتا ہے

ابھی تو رونق گلزار ہے اس کا رُخ روشن　　ابھی تو بوئے خوش آتی ہے رنگِ رُخ نکھرتا ہے

ابھی تو اس کے جلوے کا ہے اک عالم تماشائی　　ابھی تو اک زمانہ اس کی رعنائی پہ مرتا ہے

ابھی تو ہر عنادل جان و دل سے ہے فدا اس پر　　ہر اک مرغ خوش الحان عشق کا دم اس کے بھرتا ہے

ابھی دیکھی ہے کیا اس نے فضائے گلشن ہستی　　ابھی کیوں توڑتا ہے کچھ خدا سے بھی تو ڈرتا ہے

کہا گلچیں نے یہ سب سچ مگر وقت قضا ہرگز　　نہیں ٹلتا نہیں ٹلتا جو سر پر آ گذرتا ہے"

یہی روز ازل سے ہے جہاں میں شغل اختر کا　　بتوں کے ظلم سہتا ہے خدا کو یاد کرتا ہے

ایک پُرگو اور مشاق شاعر ہونے کی حیثیت سے حضرت اختر کا نام ایسا نہیں ہے جس سے ناظرین آشنا نہ ہوں۔ تین پشت سے مرحوم کے یہاں شاعری چلی آتی ہے۔ چنانچہ آں جہانی مہاراجہ سردار سنگھ صاحب کی مدح سرائی کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

بہجت و بشاش و اختر ہر سہ پشت　　مدح خوان تست از راہ وفاق

کم کسے را ایں چنیں مدحت گراں　　بود و ہر تست حسن اتفاق

منشی تمبر پرشاد اختر قوم کے کایستھ تھے اور ان کے بزرگ بھوپال کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا منشی تھن لال ولد لالہ کشن چند ۱۸۲۰ء میں بمقام سرونج (مالوہ) پیدا ہوئے۔ ٹونک میں تعلیم پائی۔ نہایت خوش فکر شاعر تھے، بہجت تخلص کرتے تھے۔ نواب عبد الکریم خان بہادر کی سرکار میں ملازمت کی، نواب کا انتقال ہو گیا تو ان کو پنشن مل گئی اور خواجہ اجمیری کے آستانہ کے متولی کے دفتر میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۰۲ء میں بمقام جودھپور انتقال کئے۔ بڑے نیک مزاج۔ غیر متعصب، کارداں اور دیانت دار بزرگ تھے۔ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ خداداد ذہانت اور کہنہ مشقی کی بدولت اُردو و فارسی کے صاحب دیوان ہو گئے۔ ان کی تالیف و تصانیف کی ایک اچھی فہرست ہو سکتی ہے۔ بھگت[1] مال کو فارسی نظم کا جامہ پہلے پہلے انھیں نے پہنایا۔

اختر مرحوم کے والد بزرگوار منشی دیبی پرشا صاحب بھی ایک باکمال بزرگ ہیں۔ تقریباً ۶۴، ۶۵ سال کی عمر ہو گی۔ بشاش تخلص کرتے ہیں۔ خاندانی مراسم کے باعث ابتدا میں نوابان ٹونک کی سرکار میں برسرکار رہے۔ پھر ریاست جودھپور میں ملازم ہوئے اور منصفی کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ آپ کا کلام پاکیزہ اور تصوف کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ منشی صاحب کی تصانیف نظم و نثر کتب درسیہ اور تواریخ کی تعداد ممدوح کی عمر سے بھی سوا ہے۔ لطائف ہندی، افسانہ خرد افروز، گلدستۂ ادب، وقایع راجپوتانہ،

---

[1] بعض سنگیت مال لکھتے ہیں۔ اڈیٹر

احکام نوشیروانی، تاریخ تزک ہند، تذکرہ شعرائے ہنود وغیرہ۔ آپ کے
کلام کو مقبولیت بھی بڑی ہوئی۔ اور حق پوچھو تو یہ ایک نعمتِ
عظمیٰ ہے جسے چاہتا ہے خدا دیتا ہے۔ آپ کی کتابوں کے صلے
میں بارہا گورنمنٹ بورڈز سے بڑی بڑی رقوم بطور انعام عطا ہوتی
رہیں۔ ممدوح کی بہتیری کتابیں سررشتہ تعلیم کی طرف سے داخل
نصاب ہو گئی ہیں۔ تواریخ راجستان و مارواڑ سے متعلق آپ کی
تحقیقی معلومات کو لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے حد درجہ
مستند قرار دیا ہے۔ اُسی سوسائٹی کے آپ ممبر بھی ہیں۔ منشی
صاحب ایک بلند پایہ مصنف ہیں اور راجپوتانہ کے علاوہ ہندوستان
سے ولایت تک اپنے وسیع تجربے اور تاریخی معلومات کے باعث
مشہور و معروف ہیں۔ آپ کے تاریخی مضامین رسالہ سرسوتی میں اکثر
شایع ہوتے رہتے ہیں۔ مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت اختر منشی صاحب کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش
۱۸۷۵ء میں ہوئی۔ ہونہار بیٹے نے لائق باپ کے قدم بقدم
چلنے کی ایسی کوشش کی کہ خاندان کے لئے مایۂ ناز ہو گیا۔ اور
تھوڑے ہی زمانہ میں اوصاف حمیدہ سے مالامال ہو گیا۔ اور
کیوں نہ ہو۔ قدرت سے ساری خاندانی خصوصیات بدرجہ احسن
ملی تھیں۔ ذہانت و متانت سب میں برابر کا حصہ عطا ہوا تھا۔
علوم مروجہ میں اچھی مہارت حاصل کی۔ نجوم۔ جفر اور موسیقی میں
دستگاہ کامل رکھتے تھے۔

قاعدہ ہے کہ اثر پذیر طبیعتیں بہت جلد رنگ پکڑ لیتی ہیں۔
علمی مذاق خاندانی مشغلہ، شعر و شاعری کا چرچا، اور تالیف و تصنیف
کا شوق۔ ایسی صحبتوں سے فیضیاب ہو کر رفتہ رفتہ اختر کے
مذاق سلیم نے بھی رنگ دکھانا شروع کیا۔ ادھر یکسوئی ہوئی
اُدھر آمد نے آورد پر غلبہ پایا۔ شاعری کا رنگ جما۔ قادر الکلامی
کا یہ عالم ہوا کہ اُردو، فارسی اور ہندی زبانوں سے تو خیر طبیعت
کو ایک گونہ مناسبت تھی ہی۔ انگریزی میں بھی طبع آزمائی کرنے
لگے اور اچھے اچھے اشعار نکالے۔

حضرت اختر ریاست جودھپور میں انسپکٹری کے عہدہ پر
ممتاز تھے۔ اس سن و سال میں صاحب تصانیف ہونا کچھ آسان
نہیں ہے۔ ایک دیوان۔ اور چند مثنویاں لکھیں۔ جن کے نام یہ
ہیں:۔ مخزن الفصاحت، منظوم دل آرام، اور مخزن تدابیر اور ایک
مکمل تضمین بے بہا۔ اختر بھی یادگار ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ ان کی عمر اگر وفا کرتی تو اُردو کے لئے کافی سرمایہ چھوڑ جاتے۔
لیکن دیکھا گیا ہے کہ ایسے باکمال کم عمر پاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ
جودھپور میں اس پایہ کے دوسرے شاعر کم یاب ہیں چنانچہ اُن کے
کلام سے خود ظاہر ہوگا۔

مخزن تدابیر کا دیباچہ منشی دیبی پرشاد صاحب نے خود لکھا تھا
ہونہار بیٹے کی نسبت آپ فرماتے ہیں: "الحمد للہ آج زمانہ بکام
ہوا۔ شاہد مدعا آغوش میں آیا۔ مراد پوری ہوئی۔ ناکامی کا کھٹکا
مٹا۔ دل کی گرہ کھلی، جی کا ارمان نکلا، امید نے مبارکباد دی
تمنا نے خوشخبری سنائی کہ اختر نے کمال کیا سحر حلال کیا، ہلال کو
بدر بنایا، ناقص کو کامل کر دکھایا عہ آفریں باد بریں ہمت مردانۂ او
اختر کون؟ میرا نورِ نظر میرے گھر کا اُجالا، میری آنکھوں کا تارا
...... میراث پدر کا وارث، علم آبا کا عامل، ادھورے کاموں کا
پورا کرنے والا، اپنے بزرگوں کا جانشین مکان رشد کا مکین[1]"
باکمال باپ کے یہ برجستہ اور نپے تلے ہوئے فقرات صاف

[1] جس وقت راقم نے یہ دیباچہ دیکھا تھا اسی وقت کھٹکا ہوا تھا کہ خدا خیر کرے اکثر ایسا ہوا ہے کہ جو چیز زیادہ پسند ہوتی ہے وہ پسند ہی مہلک ثابت ہو جاتی ہے منشی صاحب کی یہ رائے نہ تھی بلکہ فال بد اور مثل ہے ع "مزن فال بد کارد فال بد"

بتا رہے ہیں کہ باپ کے دل میں بیٹے کی قابلیت کی کیسی وقعت تھی۔
یہ قاعدہ ہے کہ علمی دُنیا میں نقادانِ فن یگانگت و رشتہ داری
کے باعث اپنے عزیزوں کی نسبت ہمیشہ ایسی رائے قایم کرتے ہیں
جس سے اُس عزیز کے مراتب کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ صرف
اس خیال سے کہ پاسداری کا بدنما دھبّا ان کے دامن نقادی
پر نہ لگ جائے۔ اس بنا پر منشی صاحب کی مذکورہ بالا رائے سے
اگر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضرت اختر کی لیاقت اس سے سوا مستحق
داد تھی تو اس میں تو کلام ہی نہیں کہ منشی صاحب کی رائے
حق بجانب اور بے لوث ہے۔

حضرت اختر کی فارسی اور اُردو نظم و نثر کی بابت حضرت داغ
دہلوی کے مایۂ ناز تلمیذ مولینا مولوی عبدالحیٔ صاحب تجود بدایونی
مجسٹریٹ جودھپور کی تقریظ کے چند الفاظ کافی ہوں گے۔
جو ممدوح نے اختر کے مخزنِ تدابیر پر ریویو کرتے وقت لکھے تھے۔

"اس سے قطع نظر یہ بات کیا کم قابل ستایش ہے کہ اختر فرخندہ گوہر
نے اپنی طبیعت کی جودت سے جو مشق سخن کے واسطے بہت موزوں
واقع ہوئی ہے، شعر گوئی میں ملکہ پیدا کرکے، پہلے ایک قومی مسدس
مسمی بہ مخزن الفصاحت مرتب کیا۔ اور پھر افسانۂ خرد افزا کو
خلعت نظم پہنا کر جلوۂ ترتیب دیا۔ جس کا تاریخی نام مثنوی منظوم آرام
ہے۔ پھر ہزاروں شعر وہ بھی بلاقید ترجمہ نظم فرمائے۔ اور ترجمہ بھی کس کا؟
چیل، کوؤں، طوطی، مینا کی کہانیوں کا۔ کہانیاں بھی کیسی پند آمیز و عبرت خیز
اور پھر بھی صفائی کلام، چُستیٔ بندش، برجستگیٔ محاورات، خوبیٔ مصطلحات،
فصاحت زبان، سلاست بیان سے تمام مثنوی مخزن تدابیر
مالا مال ہے اور یہی شاعر کا کمال ہے، کہیں تعقید کا نام ہے، نہ غلاق
کا نشان، بے تکلف ترکیبیں ہیں، اور بے تصنع بیان۔"

راقم نے بھی مرحوم کی مثنوی پر اپنی منظوم رائے ظاہر کی تھی جس کے چند
اشعار یہاں پر اس لئے نقل کئے جاتے ہیں کہ کلام اختر کی خصوصیات
کی اجمالی کیفیت کا اندازہ ہو جائے:۔

"وہ ہر شعر بے ساختہ، بے تکلف　　مسلسل بیان، مثل گیسوے دلبر
وہ ہر قافیہ چُست، بندش نرالی　　وہ ترکیب نادر، وہ ترتیب خوشتر
وہ لطف زباں، اصطلاحوں کی خوبی　　وہ تشبیہ، وہ استعارات بہتر
زباں شستہ ہے، صاف ہے روزمرہ　　سخن میں ہے رنگینی رشک گلِ تر
نہیں نام کو نام آورد اس میں　　کلام ست ممدوح آمد سراسر
کہیں بزم میں رنگ دلکش دکھائے　　کہیں رزم میں تیغ خامہ کے جوہر
کہیں انقلاب زماں کا ہے فوٹو　　کہیں کوئی نیرنگ قدرت کا پیکر
دکھائے کہیں سین رنج و خوشی کے　　بتائے کہیں عشق و وحشت کے منظر

حضرت اختر کی آخری تصنیف تضمین ہے یہ ایک نایاب
کتاب ہے طباع شاعر نے مشق فن کے ایسے اچھے نمونے دکھائے
ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

اس لطف نا و نوش کے کچھ کھو گئے نم زدے　　یہ نشۂ و سرور وہاں رنگ لائیں گے
ہوں گے غضب مصیبت و آفت کے سامنے　　میں نے کہا کہ یہ تو ہیں ہم خوب جانتے
پر کیا کریں کہ ہے ابھی عالم شباب کا

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

غرض کیا کیا نہ دفع درد کی تدبیر کی اختر　　دعا مانگی، دوا کی، اور رکھا پرہیز بھی اکثر
دئے تعویذ عامل نے کئے سیانوں نے چھو منتر　　مگر یہ دل نہ بدلا، اس کی مت بدلی رہی مضطر
وہ کیا بدلے کہ جس نے یار سے شرط وفا بدلی

تضمین میں بعض اشعار ایسے اچھے نکالے ہیں کہ شاید و باید۔
ان کا دیوان جس میں جملہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے عنقریب
چھپکر شایع ہونے والا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ جودت طبع
کے باعث معنی آفرینی پر قادر ہو گئے تھے۔ بعض بعض مضامین
تو ایسے پُرمعنی ہیں کہ ان کی دقت نظر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

معنی آفرینی، نازک خیالی اور صفائی بیان کے حد درجہ پابند تھے۔
زیادہ تر ان کا کلام ایسا نکھرا ہوا ہے کہ آمد کا صاف صاف پتہ چلتا ہے۔ رنگینی بیان کے نمونے بھی اکثر پائے جاتے ہیں۔ اخلاقی مضامین سے ان کو طبعی انس تھا۔ زورِ طبیعت کے سبب سے کبھی الفاظ اس طرح بھی ترکیب دے جاتے ہیں کہ بول چال میں اس طرح نہیں بولتے۔ لیکن جو شعر دیوان میں صاف صاف نکل گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جواب نہیں رکھتے۔ ظریف بھی تھے۔ اثنائے گفتگو میں کبھی ایسے فقرے بھی برجستہ نکل جایا کرتے تھے کہ خواہ مخواہ لوگ ہنس پڑیں۔

بے تعصبی میں بھی اپنے بزرگوں سے حصہ پایا تھا۔ ان کا کلام اس اخلاقی لغزش سے بالکل پاک و صاف ہے۔ تصوف کے بعض نکات بھی بڑی خوش اسلوبی سے حل کئے ہیں۔ کہتے ہیں۔ رباعیات :-

ہر شئے میں خدایا ہے تجلی تیرا ہر چیز میں موجود تسلسل تیرا
گلشن میں گل اور گلوں میں نگہت تو ہی ہے جزو کل کا جزو کل تیرا

سودا ہے میرے دل میں سمایا تیرا آنکھوں میں بھی ہے نور خدایا تیرا
کعبہ میں، خرابات میں، بت خانہ میں ہر جا مجھے جلوہ نظر آیا تیرا

غایت بے تعصبی ملاحظہ ہو :-

کس منہ سے کروں مدح محمد اختر کیا صل علیٰ نام یہ آیا لب پر
وہ ظل الٰہی ہے وہ نورِ اسلام کام اُس کا شفاعت ہے بروز محشر

بعض انگریزی نظموں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ترجمہ میں بھی اپنی جدت اور صفائی بیان کو جانے نہیں دیا ہے۔ ایک نظم کا انگریزی سے ترجمہ کیا ہے جس کا عنوان ہے "پتنگ" ۱۸ شعر کی مسلسل نظم ہے۔ آخر میں نتیجہ بہت اچھا نکالا ہے ؎

یوں ہی سب کی ڈور ہے اختر خدا کے ہاتھ میں حکم بن پتا بھی ہل جائے ذرا مقدور کیا

ان کی اخلاقی نظمیں اور بھی ہیں جو موقع موقع سے ہدیۂ ناظرین کی جائیں گی۔ فارسی کے چند قطعات ملاحظہ ہوں :-

بریں بے ثباتی عالم نظر کن خیال شب و روز شام و سحر کن
نگاہے بدوران شمس و قمر کن برنج و خوشی ہر چہ آید بسر کن

بریں بے ثباتی عالم نظر کن ز دنیا و از اہل دنیا حذر کن
اجل در کمیں غفلت از سر بدر کن خدا را ز دل یاد شام و سحر کن

بس اے اختر اکنوں سخن مختصر کن تو بر گفتۂ خود عمل بیشتر کن
ز کردار بیہودہ اکنوں حذر کن ز حسن عمل زاد راہِ سفر کن

غزلوں کے متفرق اشعار دیکھئے :-

پوچھا لے داور محشر جو کچھ گذری مرے دل پر کہ مجھ سے دوست کا فیروں میں شکوہ ہو نہیں سکتا
امید مہر ناحق ہے بت بے مہر سے اختر تم اُس کے ہو رہے ہو وہ تمہارا ہو نہیں سکتا

آنکھ کو حسرت دیدار ہے کس کی ؟ تیری دل مرا شیفتۂ ناز ہے کس کا ؟ تیرا

اس غزل میں اسی طرح سوال و جواب مسلسل ہیں۔

مانگتے ہیں غمزہ و ناز و ادا کس کر کو دوں میرے پہلو میں فقط اے دے کے اک دل رہ گیا

رک گیا یوں دل میں آ کر ناوک مژگان یار راہرو جس طرح تھم جاتا ہے منزل دیکھ کر

تقاضا ہے یہ ان پر ان کے شوق خود نمائی کا کوئی اب جا ہنے والا ترے قربان پیدا کر

حضرت اختر چلے دور شراب خاک ڈالو گردش ایام پر

اوپر کے شعر کا آخر مصرعہ حافظ کے اس مصرعہ کا

سلیس ترجمہ ہے کہ ع "خاک بر سر کن غم ایام را"

جور بے جا کون سہتا ہے مگر ہم کو الفت ہے تمہاری کیا کریں

غضب کی بدظنی صیاد ہے تمکو اسیروں سے قفس میں بند کرکے بھی ہمارے پر کترتا ہے

ہماری داستان درد سن کر یوں کہا اُس نے یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کسی پر کون مرتا ہے

دل مشتاق سا دکھلا نہ کوئی سادہ دل ہمنے جو اس کو بھول جاتا ہے اُسی کو یاد کرتا ہے

غرضکہ ایسا باکمال عمر کے صرف ۲۳ مرحلے طے کرکے ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو یاس وحسرت کے ساتھ اس دار فانی کو خیرباد کہہ گیا اور اپنے قدردانوں کو اس نوحہ خوانی کے لئے چھوڑ گیا کہ ع

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بے کھلے مرجھا گئے

اکلوتے لایق جوان بیٹے کی قبل از وقت موت پر باپ جس قدر ماتم کرے بجا ہے۔ اگر خون کے آنسو بہائے جب بھی کم ہے۔ منشی دیبی پرشاد صاحب بشاش کو اس عالم ضعیفی میں کئی روحانی صدمے ایسے ناقابل برداشت ہوئے جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور دل ودماغ کو بہت بڑا صدمہ پہنچا۔ مزید براں ع دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ + سب سے بُرا یہ ہوتا ہے لخت جگر کا داغ۔ لیکن جس قدر یہ صدمہ جانکاہ ہے اسی قدر آپ کا ضبط واستقلال بھی حیرت انگیز اور غیر معمولی ہے۔ خدا ان کو صبر عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت۔

مرحوم اختر کے تعلقات راقم کے ساتھ جیسے گہرے تھے اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک جان اور دو قالب تھے۔ اُن مراسم یگانگت کا اعادہ گویا رنج وغم کا اعادہ کرنا ہے۔ مرحوم کے اخلاص ومحبت۔ نیک جہتی ویک دلی۔ دوست نوازی ودوست پروری، حلم وبردباری اور سرتاپا مرنجان ومرنج ہونے کو جوں جوں یاد کرتے ہیں دل بھر آتا ہے اور بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ

وعدہ خلاف یار سے کہیو پیام بر آنکھوں کو روگ دے گئے ہو انتظار کا

مرثیہ گوئی کے لئے تو عمر بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ پھر اس سے حاصل؟ مرحوم کے راقم پر جتنے حقوق ہیں وہ کسی طرح اگر ایک حد تک ادا ہوسکتے ہیں تو یوں کہ اُن کے سچے حالات نذر ناظرین کردیں تاکہ قدردانان زبان بھی اپنا اپنا حق اس طرح ادا کریں کہ ع

گویند ذکر خیرش درخیل عشق بازاں + ہرجا کہ نام حافظ درانجمن برآید۔ سطور بالا کے پڑھنے سے ناظرین پر بخوبی ظاہر ہوجائے گا کہ راقم نے اصلی حالات پیش کردئے ہیں۔ اور مبالغہ یا بے جا ستایش سے کام نہیں لیا ہے۔ ع

خدا لگتی کہیں گے ہم بھی اک دن مرنے والے ہیں

سید محمد اسد علی

شیکسپیر ہند نظیر اکبرآبادی

گذشتہ نمبر میں "بسنت رُت" پر بحث کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ "ہندوستان کے شیکسپیر شیخ ولی محمد نظیر اکبرآبادی نے اُردو میں سب سے پہلے بسنت پر نظمیں لکھیں" اس پر ایک روشن خیال قدردان سخن نے تحریر فرمایا ہے کہ "میں حضرت نظیر کے کلام کی جو چاہ رکھتا ہوں اور ان کے کلام سے جو حظ مجھے نصیب ہوتا ہے شاید ہی کوئی حاصل کرتا ہو۔ مگر اس بات کے لئے میں ضرور کہوں گا کہ وہ ہندوستان کے شیکسپیر نہیں تھے اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں جب اُنھوں نے

ایک حد د ڈراما[51] بھی تحریر نہیں فرمایا ہے۔ شیکسپیر تو ہمیشہ سے ڈراما نویس مشہور رہے وہ کبھی بطور شاعر کے مشہور ہی نہیں ہوا۔ پھر بھلا اُس کو ایک شاعر کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اُستاد نظیر ضرور اپنے وقت کے پوئٹ لاریٹ[52] تھے اور اس میں کلام بھی نہیں، پس اگر آپ کے خاطر پر بار نہ گذرے تو اس پر ذرا روشنی ڈالیں۔ اور اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے درست کر دیں"

بار خاطر کیسا۔ ہمیں تو اس کی مسرت ہے کہ ہماری زبان کے خوش خیال حامی ایسی بحثوں کی اہمیت کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ بہر حال اس نکتہ کے جواب کی اجمالی صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ ہم وہ سندات گنوا دیں جن کی بنا پر نظیر کو شیکسپیر ہند مانا جا چکا ہے۔ اور تفصیلی صورت یہ ہو گی کہ آپ کی ایک ایک بات کا ہم جواب دیں۔ دونوں صورتیں اپنی اپنی حیثیت سے ناگزیر ہیں اور خوف طوالت مزید براں۔ چونکہ آپ کے سوال میں ایک خاص اہمیت ہے اس لئے آخر الذکر طریقہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ اور وقت بھی غالباً آگیا ہے کہ نظیر کے شیکسپیر ہند ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا جائے۔ موقع موقع سے اس موضوع پر ہم اُس وقت تک کچھ نہ کچھ ضرور لکھتے رہیں گے جب تک کہ آپ کو پورا اطمینان نہ ہو جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ نظیر ہندوستان کے شیکسپیر نہیں تھے"۔ قاعدہ کلیہ کے اعتبار سے نظیر کی زندگی میں اُن کی ہرگز قدر نہ ہوئی جس کے جی میں آیا ایک نئی رائے قایم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ مُرتی گو تک کا خطاب دینے سے لوگ باز نہ آئے۔ اور ایسے باکمالوں نے یہ خطاب گڑھا جو سخن فہم اور ہمہ داں کہے جاتے ہیں۔ لیکن جوں جوں تعصب دُور ہوتا گیا رنگ بدلنے لگا۔ جہاں نظیر کے اشعار بارگاہ شاعری سے مردود کر دئے گئے تھے۔ وہاں اتنا تو ضرور ہوا کہ وہ فیصلہ مسترد کیا گیا اور نظر ثانی کی بدولت آخر نظیر ایسے اُستاد وقت بھی مانے گئے کہ ڈاکٹر نذیر احمد نے ان کے کلام کو ترجمہ قرآن میں جگہ دی۔ کسی نے لغات میں اُن کے اشعار بطور سند بھی لائے۔ نصاب اُردو میں بھی ان کے کلام باریاب ہوئے جب ایشیائی شاعری کو یورپ کی شاعری سے متحد کرنے کا دور آیا تو وسعت معلومات اور تحقیقات کے ذریعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سب سے پیشتر میاں نظیر اُردو شاعری کو یورپ کے راستہ پر لے آئے ہیں۔ ہوتے ہوتے ایک زمانہ[53] ایسا بھی آیا جبکہ یورپینوں نے اس بحث کو چھیڑا کہ "اُردو کے شاعروں میں شیکسپیر کا ہم پلہ بھی کوئی ہے؟"۔ جواب ملا کہ "ہماری زبان میں ڈراما کا رواج نہ تھا اس واسطے واقع میں تو کوئی بھی شیکسپیر کے مقابلہ میں کھڑا نہیں کیا جاسکتا" لیکن باعتبار قوت کسی نے سودا[54] کو نامزد کیا اور کسی نے میر کو۔ مگر سودا میں صرف کمیڈی[55] (ڈراما جس کا خاتمہ مسرت انگیز ہو) کا مادہ پایا گیا اور میر صاحب سراسر ٹریجیڈی[56] (ڈراما جس کا نتیجہ پُر حسرت ہو) نگار قرار دئے گئے۔ ان دونوں خوبیوں کا مجموعہ کسی نے انشا کو بتایا اور شکسپیر کی ہمسری کے لئے کھڑا کر دیا۔ واقعی انشا میں اخذ زبان کا مادہ قدرت نے بہت کچھ ودیعت رکھا تھا۔ لیکن اس سے مستفید ہو کر اوروں کو فیض یاب کرنے کی جگہ سارا زور اُنھوں نے نواب سعادت علی خاں کے لئے دل خوش کُن لطایف وظرایف ترتیب دینے میں صرف کر دیا۔ جسکی تفصیل کے لئے آب حیات کافی ہے

---

[51] Drama ناٹک [52] Poet Laureate ملک الشعرا

[53] اب سے تقریباً بیس سال پیشتر کا یہ واقعہ ہے۔ [54] شمس العلما نواب حکیم سید امداد امام خان بہادر اثر نے ان کو نامزد کیا تھا۔

[55] Comedy طرب انگیز ناٹک [56] Tragedy حسرت خیز ناٹک

یہ سچ ہے کہ ڈراما نویسی میں اخذ زبان کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اور نظیر نے اپنی ایک نظم میں سات زبانوں کے نمونے دکھادئے ہیں۔ لیکن ڈراما میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ انسان کے اخلاق واطوار ٹھیک ٹھیک دکھادئے جائیں۔ اور جس کو مختلف طبایع انسانی کا زیادہ علم ہوگا وہی اُن اشخاص کی بہترین تصویریں بھی کھینچ سکتا ہے۔ نظیر کو اپنی زبان کے جیسے نکات معلوم تھے اور جیسی موزونیت سے اُس نے ان کو استعمال کیا ہے شیکسپیر نے بھی اپنی زبان میں شاید اس سے سوا نہ کیا ہوگا۔ آزادوں کے لہجے اس سے سُن لو، جوگیوں کے اصطلاحات یہ بتاتا ہے، اپنے ملک کی دوسری اقوام کے جذبات وخیالات اور عادات واخلاق کی جیسی تصویر اس نے کھینچی ہے اب تک تو کسی نے اس تصرف سے کام نہ لیا۔ گنواریوں کے روز مرے کی صفائی دکھانے کی بدولت غریب پر گنوار کا الزام لگایا گیا۔" نظیر کے خیالات اور تجربوں کا ذخیرہ کسی طرح شیکسپیر سے کم نہ تھا۔ ظرافت اور شوخ طبعی بھی اُس میں اُسی قرینے میں تھی۔ ذہانت کا حصہ بھی اُسی قدر ملا تھا۔ دل میں ہمدردی کا بھی ویسا ہی جوش تھا۔ ہر چند اُس نے ڈراما نہیں لکھا تو کیا۔ اس کی اکثر نظمیں ڈرامے کا کام دیتی ہیں۔ جس نظم کو دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ ڈرامے کا کوئی خاص سین ہے"

ہاں قسام ازل نے یہ قصور ضرور کیا تھا کہ نظیر کو اُس سرزمین میں پیدا نہ کیا جہاں شیکسپیر کی پیدایش سے بیشتر بھی ڈراما کا چرچا تھا۔ اور اس کے معاصرین میں کِڈ، لاج، مارلو، ناشی، اور پیل جیسے مجتہد العصر ڈراما نویس البتہ نہ تھے کہ شیکسپیر کی طرح نظیر میں بھی معرکہ آرائی اور مقابلہ کا جوش پیدا ہوتا۔ انگلستان کی طرح ہندوستان میں بھی اگر بکثرت تھیٹر ہوتے اور شیکسپیر کی طرح نظیر بھی اُن میں ایکٹر ہوتا تو یقینی نظیر کے ڈرامے بھی آج وہ ہوتے کہ گیٹی کی جگہ نظیر ہی خاتم ڈراما نویساں مانا جاتا۔ علاوہ اس کے ہمارے دعوے سے یہ کیونکر سمجھا گیا کہ نظیر انگلستان کا شیکسپیر تھا۔ میر انیس نے تو کوئی شاہنامہ نہیں لکھا اور نہ فردوسی نے اُن کے سے مرثیے لکھے تھے۔ پھر میر انیس کو فردوسی ہند کیوں کہا جاتا ہے۔ اسی پر نظیر کی تشبیہ کو بھی قیاس کر لینا چاہئے۔

کون کہتا ہے کہ شیکسپیر نے ڈراموں کے سوا اور نظمیں نہیں لکھی ہیں۔ ہرن کی چوری کی علت میں سر ٹامس لوسی نے جو شیکسپیر کو سزا دی تھی۔ اُس رنج میں ہجو گوئی کس نے کی تھی؟ سونٹ[له] کس نے لکھے ہیں؟ کلیات شیکسپیر میں ابتدائی زمانہ کی نظمیں جو ڈراما نہیں ہیں وہ کس کی ہیں؟ بہت سے متعصب اہل الرائے یہ کہکر نظیر کو بدنام کرتے ہیں کہ اس نے (چند) غیر مہذب نظمیں لکھیں ہیں تو شیکسپیر کی معصومیت کی شہادت کے لئے "ریپ آف لیوکریشیا" کافی ہے جس کے نام سے ہر مہذب کو نفرت ہوتی ہے۔ ڈراما کی تعریف یہ کہاں ہے کہ جو کچھ شیکسپیر یا اس کے مقلدین نے لکھا ہے وہی ڈراما ہے؟ قدیم یونانیوں کے ہاں تو شیکسپیر کا ڈراما قبل ولادت مسیح نہ تھا ڈراما کے لغوی معنی یہی ہیں کہ "وہ نظم یا نثر جو عمل میں لائے اور انسانی زندگی کی تصویر دکھانے کی غرض سے لکھی گئی ہو یا جس کا مطلب اُن مسلسل سنجیدہ یا دل خوش کن کاموں کا بیان کرنا ہو جس کے فوائد معمول سے سوا ہوں اور جس سے دل نشین کرنے والے نتائج پیدا ہوں"۔ ہاں بالعموم ڈرامے چند ایکٹروں کی زبانی یا ان کی قایم مقامیت سے اسٹیج پر ادا کئے جاتے ہیں۔ ملٹن تو حضرت سلیمان کے گیتوں کو بھی ایک قسم کا ڈراما بتاتا ہے۔ اس تعریف کے بعد کون کہے گا کہ نظیر کی نظمیں ڈراما نہیں ہو سکتیں۔

امریکا کے مشہور اخبار نیویارک ہیرلڈ نے ۱۸۸۸ء میں ایک

له Sonnets چودہ مصرعوں کی ایک چھوٹی نظم

مضمون شایع کیا تھا - جس میں دکھایا تھا کہ رزمیہ نظموں اور ڈراموں میں فرق کیا ہے - لکھا تھا کہ "رزمیہ نظموں میں متکلم شاعر بذات خاص ہوتا ہے - واقعہ گذشتہ زمانہ کا ہوتا ہے اور مناظر جو بیان کئے جاتے ہیں، دکھائے نہیں جاتے - جن لوگوں کا تذکرہ ہوتا ہے وہ غائب ہوتے ہیں اس میں صرف دو شخص ہوتے ہیں - شاعر متکلم اور پڑھنے والا مخاطب - اور ڈراما میں سرگذشت بزمانہ حال اور مناظر پیش نظر ہوتے ہیں - لوگ جو متعلق ہوتے ہیں وہی خود گفتگو کرتے ہیں - خیالات اور جذبات اصلی ہوتے ہیں"۔ جن لوگوں نے دونوں اصناف پر بخوبی غور کیا ہے وہ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ڈراما میں بھی زمانہ ماضی کی سرگذشت کی زمانہ حال میں صرف نقل کی جاتی ہے - مناظر جو چند پردوں کے ذریعہ سے پیش نظر کئے جاتے ہیں وہ ڈراما نویس کے خیالات و تصورات کے نتیجے ہوتے ہیں نہ کہ وہ جو اس سرگذشت کے وقت ہوں گے - ڈراما کرنے والے دوسروں (یعنی اصلی اشخاص) بلکہ ڈراما نویس کی ساختہ و پرداختہ گفتگو کو صرف اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں ورنہ وہی لوگ بولنے نہیں آتے جن سے وہ واقعہ متعلق ہے - خیالات و جذبات، حرکات و سکنات سب کے سب یا تو خود گفتگو کرنے والے کے ہوتے ہیں یا عاریتاً لئے ہوئے یا ڈراما نویس سے اخذ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ سرگذشت انسانی کو جو شعرا رزمیہ خواہ بزمیہ نظموں میں باندھتے ہیں وہ بھی ڈراما نویس ہی کی طرح اوروں کے واقعات کو اپنے اپنے خیال کے مطابق ادا کرتے ہیں - بس لازمی ہے کہ ع - فکر ہر کس بقدر ہمت اوست - واقعہ یہ ہے کہ مسلسل رزمیہ یا بزمیہ نظمیں بھی ذراسی تبدیلی سے ڈراما کی صورت اختیار کرسکتی ہیں - جس کی مثال کسی اور موقع پر کبھی ہم دکھائیں گے -

سچ پوچھو تو ڈراما کی بنیاد کیرکٹر (عادات و خصائل) نویسی پر ہے اور غرض کیرکٹر کا مطالعہ یا مشاہدہ کرانا - اس کلیہ کو مدنظر رکھکر کون کہیگا کہ نظیر کی نظمیں ڈراما نہیں پیدا کرسکتیں - ہم طرفداری نہیں کرتے - حقیقت یہ ہے کہ نظیر کیا نظیر کے سے جتنے شعرا ہو گذرے ہیں ایک حیثیت سے ان کے کلام ڈراموں سے زیادہ اعلیٰ و افضل ہیں - مطالعہ کرنے والے طلب راسخ اور دل اثر پذیر رکھتے ہوں تو اس کا بخوبی اندازہ ہو سکے - جوان ہیملٹ کو شیکسپیر جو اس کے باپ کی روح سے ہمکلام کراتا ہے کیا ویسا ہی اثر کسی صاحب نظر کے دل پر نظیر کی اس نظم سے پیدا نہیں ہوتا جس کا نام ہے "کاسۂ سر کی زبانی اور انجام انسان"؟ اگر شیکسپیر نے میکبتھ میں چڑیلوں یا ڈائنوں کو اسٹیج پر بلاکر، ٹمپسٹ میں جادو کا کھیل اور پریوں کا ناچ دکھاکر اور مڈسمر نائٹس ڈریم میں جنوں اور پریوں پر انسانوں کے ساتھ عشق و عاشقی کا الزام لگاکر غیر معمولی قوتوں اور خلاف قیاس باتوں کا ثبوت دیا ہے اور اس سے نتیجہ مفید نکالا ہے تو میاں نظیر نے بھی ایک پکے دنیادار کی عبرت و تنبیہ کے لئے چوہوں کے اچار تیار کئے ہیں - اور اس کے مصالح کے لئے دنیا کے سارے لغویات کوٹ کوٹ کر بھر دئے ہیں - ایسی ہی بہت سی نظمیں ہیں جن کے ذریعہ سے انسانی زندگی کے لاینحل معمے حل کئے ہیں - ان کے علاوہ نظیر کی دو نظمیں بالخصوص قابل ذکر ہیں - ایک تو وہ جس میں خیال کے اسٹیج پر میاں قلندر اپنا ریچھ کا بچہ لیکر تشریف لاتے ہیں - وہی سوامن کا سونٹا جیچ لوہے کی کڑی کھڑکتی ہوئی، وہی کاندھے پر جھولنا[1]، وہی ہاتھ میں پیالہ، وہی ڈھپلی[2]، وہی لڑکوں کا ہجوم، وہی کشتی کے داؤ پیچ، وہی کھروا ناچ - وغیرہ وغیرہ" دوسری نظم وہ ہے جس میں مہادیوجی کے بیاہ کا لطف دکھایا ہے - ان کی یہ نظم تکلفات سے مالامال

---

[1] فقیروں کی تھیلی - [2] ڈفلی

اور رنگ سرتاپا ہندوانہ ہے۔ زبان کی لطافت اور باریکی دونوں قابل داد ہیں۔ اس ڈراما کے ہیرو مہادیو جی اور ہیروین راجکماری ہاچل اور اشخاص میں راجہ ہماچل، ان کی رانی، ان کے پردھان، پروہت وغیرہ ہیں محاورات بھی خاص خاص لائے گئے ہیں۔ کمال یہ کیا ہے کہ کمیڈی کو پُرلطف کرنے کے لئے کہیں کہیں تفریح کے مضامین بھی داخل کردیئے ہیں کہ پڑھنے والا گھبرا نہ جائے۔ اور سب پر بالا ہے نظم کی خاص بحر جس سے شادی کی دھوم دھام صاف صاف ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہر سین کی بندش نئی ہے۔ ان دونوں نظموں سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ فطرتاً اس کی طبیعت ڈراما کے لئے کیسی مناسب واقع ہوئی تھی۔ اور اگر یورپ کے طریقہ پر وہ ڈراما لکھتا تو کمیڈی اور ٹریجیڈی دونوں میں کمال کر دکھاتا۔ پس بقول پروفیسر شہباز مرحوم "پورے شیکسپیر ہونے کی صلاحیت اگر کسی میں تھی تو وہ میاں نظیر علیہ الرحمۃ تھے۔"

وہ کیا کہیں گے۔ ایک زمانہ نظیر کو یہی کہہ رہا ہے۔ اُردو کے جانسن یعنی مولف فرہنگ آصفیہ مولانا سید احمد دہلوی نظیر کو ہندوستان کا شیکسپیر مانتے ہیں۔ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی نے نظیر کو ریلسٹک پوئٹ[1] لکھا ہے۔ اس بارہ میں فرانسیسی اہل الرائے بھی ان کے ہم آہنگ ہیں۔ اور ڈاکٹر فیلن تو سب سے بڑھ گئے کہ اپنی اُردو لغت میں کلام نظیر کو جا بجا سند میں لانے کے علاوہ دیباچہ کے چند صفحات اس کی تعریف میں سیاہ کر ڈالے ہیں اس پر بھی نہ رہا گیا تو لکھ دیا کہ "نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر سکہ بٹھا دیا اس نے اس خصوص میں وہ کام کیا ہے جو صرف سلاطین اقلیم سخن مثلاً چوسر و شیکسپیر کر سکے ہیں اس نے ہندی الفاظ کو تمام اُن خوشنما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہے جن میں وہ ظاہر ہو سکتے ہیں۔"

آپ فرماتے ہیں کہ "اُستاد نظیر ضرور اپنے وقت کے پوئٹ لارئٹ تھے اور اس میں کلام بھی نہیں"۔ ہم لوگ اپنے حسن ظن سے اس کو تسلیم کرلے سکتے ہیں لیکن ہمیں ڈر ہے کہ اُن مستحق شعرا کی مقدس ارواح سے ہمیں شرمندہ نہ ہونا پڑے جن کو اسی کے برابر خطابات دربار شاہی سے مل چکے تھے۔ اور یہ خطاب تو انگریزی یونیورسٹیوں کے اُن معزز سند یافتوں کا ہوا کرتا تھا جو قواعد۔ شاعری اور انشا میں مستند تصور کئے جاتے تھے۔ اور گلے میں لاریل[2] کے پتوں کے ہار ڈالے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ عہد اڈورڈ چہارم میں اس عزت سے وہ درباری شعرا ممتاز کئے جانے لگے جن کو ہمارے یہاں ملک الشعرا کہا کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے اہل الرائے ان دونوں سندات میں سے ایک بھی میاں نظیر کو دینا نہیں چاہتے اس لئے ہماری رائے میں اُس مغفور کو شیکسپیر ہند ہی ماننا چاہیئے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ وضاحت کافی ہوگی۔ بحالت دیگر پھر کبھی دیکھا جائے گا۔

اڈیٹر

---

[1] Realistic poet وہ شاعر جو حقیقت حال کی تصویر دکھاتا ہو۔

[2] Laurel ایک قسم کا درخت جو ہمیشہ شاداب رہتا ہے۔

نوید بہار

(نتیجۂ فکر جناب منشی عبد الخالق صاحب **خلیق** دہلوی)

پھر بنا رو کشِ گلزارِ جناں روے بہار   پھر ہوا عطر فشاں موجۂ گیسوے بہار

پھر حسینوں کے دماغوں میں بسی کو بہار   پھر کھچا جاتا ہے ہر ایک کا دل سوے بہار

پھر دلِ عاشق شیدا ہے چمن کی صورت   پھر ہے صد غیرت گل داغ کسن کی صورت

مرحبا! عاشق و معشوق ہوئے ہم پہلو   چل گیا بلبل ناشاد کا گل پر قابو

دیدۂ نرگسِ شہلا میں بھرا ہے جادو   چوکڑی بھول گئے ملک ختن کے آہو

مژدۂ موسمِ گل باد صبا لائی ہے   ناز کرتی ہے اُڑی پھرتی ہے اترائی ہے

جھومتی اُٹھی ہے کعبہ سے گھٹا متوالی   سبز و شاداب ہوئی باغ کی ڈالی ڈالی

کوئلیں بولتی ہیں آم پہ کالی کالی   آج پھولا نہیں جامے میں سماتا مالی

زر کی خیرات ہے بے پوچھ زمانے کے لئے   مٹھیاں کھول دیں غنچوں نے لٹانے کے لئے

کھولنے کو ہیں ابھی غنچے دہن شاخوں پر   روپ سا روپ ہے یہ جوبن سی ہے پھبن شاخوں پر

زمزمہ سنج ہیں مرغانِ چمن شاخوں پر   ایک سے ایک دکھاتے ہیں یہ فن شاخوں پر

مے گلگوں سے ہیں لبریز گلوں کے پیالے   جب ہی متوالے پھرے پھرتے ہیں گلشن والے

برس!

(نتیجۂ فکر جناب منشی جمیت رائے صاحب **صادق** بی-اے)

برس زمانے پہ اے ابرِ فیض بار برس   ہیں کر رہے تری مدت سے انتظار برس

برس - ہوئے تجھے دس بیس سو ہزار برس   کسر نکال برسنے کی ایک بار برس

برس - برسنا ترا فیض ہے عنایت ہے   تو خاص فضل و عطائے خدا کی آیت ہے

گل شگفتہ نے مُنہ عندلیب سے پھیرا   خزاں نے ڈالا ہے فصل بہار میں ڈیرا

ہوا نسیم کے بدلے سموم کا پھیرا   ہزار شوئے طالع نے باغ کو گھیرا

جو کیفیت ہے چمن کی نہیں کہی جاتی   زبان خشک ہے سوسن کی یاں ہی جاتی

ترستے مرغ گلستاں ہیں سبز دانے کو   گلوں میں خاک ہے جی چاہے خاک گانے کو!

ہوئی ہے سوسن اب آمادہ زہر کھانے کو   ہے چشم نرگسِ شہلا میں دھند چھانے کو

دعا ہے قمری کی یا طوق تنگ ہو جائے   گلِ شکستہ گرے سر پہ سنگ ہو جائے

بنوں کی خشک متاعی پہ لوگ کیا رو ئیں   نہیں نم اشک بہانے کو اپنی آنکھوں میں

کلیجہ خشک - جگر خشک - خشک ہیں آنکھیں   نم اسقدر نہیں دل میں کہ کھینچیں سرد آہیں

چمن کے حال پہ اے ابر تو ذرا رو دے   اُٹھا کلیجہ سے پتھر کدورتیں دھو دے

برس تو بحر میں اور اس میں سچے موتی لا   برس تو کھیت میں واں دانۂ امید بکا

گلی کی شہر کی کوچوں کی گرد خاک بہا   کہیں نہ رکھ رنج عالم پہ ذرہ بھر کوڑا

برس! برس!! چمنِ خشک میں تری ہو جائے   جو دل میں کھیتی ہے اُمید کی ہری ہو جائے

تو عندلیب کے صدقے میں گل کو وا کر دے   ہے سوکھا نخل محبت اسے ہرا کر دے

سہی صنوبر و شمشاد پھر بپا کر دے   ہے باغ قیدِ خزاں میں اسے رہا کر دے

کرم کا سلسلا اپنے دکھا گلستاں کو   تو اپنے طوقِ عطا میں پھنسا گلستاں کو

ترے برسنے سے بکرِ صدف دُر افزا ہو   ترے برسنے سے دوشیزہ خاک ارم زا ہو

ترے برسنے سے ہر نخل پیر دُولہا ہو   جو چوب خشک ہے وہ ہونہار برِوا ہو

ہر ایک ڈال کے اے ابر کر دے چکنے پات   حصول کام کی کنجی ہے آج تیرے ہات

ترے ہی فیض کا جویا ہے رند مے خور بھی   ہے اسکے واسطے رمضان عید رمضان کی

اُتار شیشے میں اے ابر! اس کی لعل پری   چوا دے خوشۂ انگور میں ذرا پانی

تری نظر سے ہر اس کا نخل مینا ہو   ہزار چاند نی اک دختِ رز کا جلوہ ہو

نوروز بسنت ہولی

رباعیات

(نتیجۂ فکر جناب مولوی سید فضل ستار صاحب لاابالی - ایچ - پی)

قدرت نے بچھا دیا بساطِ نوروز   کیوں دل نہ لبھائے انبساطِ نوروز

غم کا جو نہیں نام و نشاں تک باقی   کیا غم بھی ہے اب وقف نشاطِ نوروز

دُنیا میں ہوا نشاط افزا نوروز   مینائے مے فرح ہوا دیدہ فروز

ساماں ہیں خوشی کے لاابالی ہر سمت   گر شب ہے شبرات تو بس عید ہے روز

نوروز بہار کا مقدم کہئے　　ہیجان سرور کا ہے موسم کہئے
پریوں کی جو عشرت کا مرقع لکھئے　　حوران طرب کا اسکو البم کہئے

نوروز یہ کر رہا ہے سامان بہار　　زر خیز بسنت سے ہے بستان بہار
مضموں کا شگفتہ لا اُبالی ہے چمن　　گل ریز و گہر بیز ہے نیسان بہار

نوروز کا پیش خیمہ لائی ہے بسنت　　کس آن سے کس شان سے آئی ہے بسنت
اندھے کی آنکھوں میں ہے سرسوں پھولی　　عالم پہ یہ کس طرح سے چھائی ہے بسنت

گلشن میں نہال گلعذار آتا ہے　　گل سے نافہ مشکیں تتار آتا ہے
کانوں میں یہ نغمۂ ہزار آتا ہے　　کس رنگ سے برگ و ساز بہار آتا ہے

کیفیت چشم نیم باز ہستی　　انداز نگار دلنواز ہستی
گلریزی نغمہ ہائے ساز ہستی　　ہیں صفحۂ گیتی پہ طراز ہستی

آرایش گلزار جہاں بھی ہولی　　تکمیل بہار گلستاں بھی ہولی
نیرنگ نوبہار کا ہر سمت ہے رنگ　　ہولی ہے یہاں بھی اور وہاں بھی ہولی

رنگینی لالہ زار ندرت ہولی　　شاطگی نگار صنعت ہولی
گلبانگی مے گسار عشرت ہولی　　کیا دہر میں نوبہار قدرت ہولی

نوروز

(نتیجۂ فکر جناب منشی الٰہی بخش صاحب اثر)

فیض نوروز سے اسکے وہ بہار آئی ہے　　آنکھ اٹھتی ہے جدھر انجمن آرائی ہے
جوش مستی میں صبا خوب ہی اترائی ہے　　ہر طرف عیش و مسرت کی گھٹا چھائی ہے
شادمانی میں کہیں نغمہ سرا ہے بلبل　　کہیں غنچوں کا تبسم ہے کہیں خندۂ گل
آج بدلا نظر آتا ہے چمن کا نقشہ　　آج ہر تختۂ گلشن ہے جناں کا ٹکڑا
ابر نوروز نے گلزار میں چھڑکاؤ کیا　　فرش سبزہ نے بچھایا ہے ہر مخمل کا
شاہ گل تخت چمن پر جو ہوا جلوہ فگن　　چہچہے کرنے لگے شاخوں پہ مرغان چمن
آج گلزار کی پوشاک ہے رنگین نئی　　آج ہر پھول نے گنبد سے ہے بدلی ٹوپی
آج سکان چمن پہنے ہیں ملبوس زری　　آنکھ میں نرگس شہلا کے ہے سرسوں پھولی
باغ میں آج بڑے دھوم سے ہولی ہوگی　　بلبل و گل میں مزیدار ٹھٹھولی ہوگی
ساقی غنچہ دہن پھول پلائے مجھکو　　تیرا دیوانہ ہوں ہشیار بنا دے مجھکو
بادۂ عیش سے اسوقت چھکا دے مجھکو　　جام جمشید ذرا مانگ کے لا دے مجھکو
ماہی و حال کا ساغر میں تماشا دیکھوں　　جشن جمشید کا نوروز میں جلوا دیکھوں
ساقیا آج نیا دور نئی صہبا ہو　　نئی بھٹی ہو نیا خم ہو نیا شیشا ہو
نئی صحبت ہو نئی بزم نیا جلسا ہو　　نئی باتیں ہوں نیا ذکر نیا چرچا ہو
کیونکہ نوروز کی عالم میں سواری آئی　　گلشن دہر میں پھر باد بہاری آئی
آج وہ روز ہے نوروز جسے کہتے ہیں　　آج وہ دن ہے دل افروز جسے کہتے ہیں
آج وہ یوم ہے غم سوز جسے کہتے ہیں　　آج وہ وقت ہے فیروز جسے کہتے ہیں
کلفت و رنج و الم دہر سے روپوش ہوئے　　عیش و عشرت سے سبھی ہم آغوش ہوئے
روز اول ہے یہی دن سر فروردیں کا　　آفتاب آج کے دن برج حمل میں آیا
روز نو نام اسی روز کا مشہور ہوا　　شاہ جمشید نے اس رسم کی ڈالی ہے بنا
یادگار شہ جمشید اسے کہتے ہیں　　پارسی مطلع خورشید اسے کہتے ہیں
ملک ایران سے جاری ہوا گو اسکا چلن　　سعد پر اسکو سمجھنے لگے شاہان زمن
جب ہوئے ہند میں شاہان مغل جلوہ فگن　　ہمرکاب اُن کے یہاں آئی ہے یہ رسم کہن
ہند میں بھی نظر آنے لگا جلوہ اسکا　　ہر گھرانے میں ہوا شوق سے چرچا اسکا
شاہ بابر نے اسے اور بھی رونق بخشی　　عید سے بڑھ کے کیا کرتا تھا اس روز خوشی
آج آزاد ہوا کرتے تھے صدہا قیدی　　پیش کرتے تھے وزیر و اُمرا نوروزی

جشن نوروز کیا کرتے تھے سب بادلِ شاد
آج رہتے تھے غم و رنج سے بالکل آزاد

ہاں اثر آؤ خوشی آج منائیں ہم بھی
عیش و راحت کے مزے خوب اڑائیں ہم بھی

دورِ ماضی کے بکھیڑوں کو بھلائیں ہم بھی
نظمِ نوروز محبوں کو سنائیں ہم بھی

آج احباب میں چرچا ہو نیا بات نئی
سال آیا ہے نیا، روز نیا، رات نئی



ترانۂ نوروز

(نتیجۂ فکر جناب مولوی موسیٰ حسین صاحب اختر جلال آبادی)

نوروز پھر جہان میں مستانہ وار آیا
پھر پشتِ گاؤ پر وہ ہوکر سوار آیا

زہرہ کی شکل میں پھر بنکر نگار آیا
پھر معتدل بنانے لیل و نہار آیا

طنبور ہاتھ میں ہے تلوار ہے کمر میں
نغمہ طراز پھر ہے وہ آج بحر و بر میں

پھر مہر روز نو تا نصف النہار آیا
نوروز پھر چمن میں بنکر بہار آیا

بزمِ منجماں میں کر کے سنگار آیا
چشمِ ستارہ بیں میں لیکر ستار آیا

باساز و برگ نکلی نوروز کی سواری
تانیں بہار کی ہیں نغمے ہیں نوبہاری

آئی ہے پھر چمن میں نوروز کی سواری
ہر اک شجر نے پہنا پھر حلۂ بہاری

ہر شاخ نے دکھائی اپنی شگوفہ کاری
ابرِ مطیر نے کی پھر آ کے عطر باری

شمشاد سروِ قد ہے نرگس ایاغ بر کف
برسا رہی ہے کنچن صحنِ چمن میں اشرف

گلشن میں جو روش ہے وہ کشتِ زعفراں ہے
تختہ ہے جو چمن میں وہ روضۂ جناں ہے

جو باغ میں شجر ہے وہ نخلِ گلفشاں ہے
جو پھول شاخ میں ہے وہ شاہِ بوستاں ہے

نوروز نے جہاں سے نامِ خزاں مٹایا
اجڑے ہوئے چمن کو باغِ ارم بنایا

آئے بہار کے دن اب رخصتِ خزاں ہے
گلزار پھول میں ہے ہر پھول لعل فشاں ہے

ہر شاخ فصلِ دَے پر کھینچے ہوئے کماں ہے
قدرت کی نقشکاری ہر برگ سے عیاں ہے

پھر جانفزا ہوائیں جنت سے آرہی ہیں
نوروز کی گھٹائیں پھولوں پر چھا رہی ہیں

خورشید خاوری پھر برجِ حمل میں آیا
پھر مہرِ روزِ نو نے عالم کو جگمگایا

اقوامِ مشرقی نے نوروز پھر منایا
پھر آرین نے ملکر خوشی کا گیت گایا

دورِ کہن گیا پھر آیا نیا زمانہ
پھر سال نو نے آکر چھیڑا نیا فسانہ

پھر ابرِ آذری نے کی آکے درفشانی
پھر فصلِ گل نے پھیرا فصلِ خزاں پہ پانی

شبنم نے پھر پلائی نرگس کو آسمانی
سبزی کنار جو پھر سبزہ نے اٹھکے چھانی

ہر نخل ہے رنگیلا ہر شاخ ہے شرابی
جوشِ بہار سے ہے ہر پھول آفتابی

پھر فصلِ گلفشاں نے رکھا قدم جہاں میں
پھوٹے نئے شگوفے ہر نخلِ بوستاں میں

نوروز کے ہیں چرچے پھر بزمِ دوستاں میں
جلسے نشاط کے ہیں یارانِ نکتہ داں میں

ساغر چھلک رہے ہیں شیشوں کے منہ کھلے ہیں
دن ہے برس برس کا شادی کے غلغلے ہیں

دورِ کہن گیا پھر دورِ جدید آیا
رخصت ہوئی نحوست دورِ سعید آیا

پیغامِ عیش لیکر دورِ حمید آیا
نوروز کا جہاں میں پھر روزِ عید آیا

پھر دور ہے امنگیں جھلکا دکھا رہی ہیں
دلمیں نئی ترنگیں پھر جوش کھا رہی ہیں

نوروز کا ہے مقدم مستوں کی انجمن میں
سب پھول پی رہے ہیں بیٹھے ہوئے چمن میں

زہاد بھی چھپے ہیں رندوں کے پیرہن میں
کیا کیا نئے مزے ہیں اُس بن ٹھن میں

دیکھو نئے چمن میں وہ آج ہیں شرابی
بر دعجوز کی بھی آنکھیں ہیں کچھ گلابی

نیساں نے شاہِ گل کو پھر تخت پر بٹھایا
تاجِ خروس طرہ لیکر چمن میں آیا

کلغی گیاہ قیصر، در تاج تاج لایا
اعلان بادشاہی طاؤس نے سنایا

موسم نے پھر دیا ہے غنچوں کو شادیانہ
پھر بلبلوں نے گایا گلزار میں شہانہ

نوروز کا ترانہ بلبل اڑا رہی ہے
کوئل مزے میں آکر جیتی سنا رہی ہے

شاما کی کچھ نہ پوچھو وہ پھاگ گا رہی ہے
قمری الگ چمن میں ہولی منا رہی ہے

عشرت کے ہیں ترانے مرغانِ خوش نوا میں
جادو بھرا ہوا ہے ہر مرغ کی صدا میں

نوروز تو دکھاتا ہے جشنِ کیقبادی
نوروز تو مٹاتا ہے نقشِ نامرادی

نوروز لیکے آتا ہے تو پیامِ شادی
ہر سال تو سناتا ہے عیش کی منادی

خورشید کو شرف ہے جشنِ نو روز تو ہے
روشن ہے نام تیرا عالم فروز تو ہے

تو جشن ہے پرانا، تو یادگارِ جم ہے
تو ہے قدیم لیکن ہر سال نوقدم ہے

صحرا و بوستاں پر یکساں ترا کرم ہے
تو گلشنِ جہاں میں بیشک مسیح دم ہے

نوروز تو نے آکر پھولوں میں جان ڈالی
ہر شاخ ہر شجر میں کونپل نئی نکالی

نوروز آہ تو تھا فارس میں جشن شاہی ۔ سایہ فگن تھا تجھ پر الطاف کبریا ہی
تجھکو مٹا گئی اُف ایران کی تباہی ۔ کچھ دن میں دیکھ لینا ہوگی تری تباہی
مغرب سے آرہا ہی تیری جگہ نیا دان ۔ **امپیریل** خوشی کا حقدار ہے پُرا دان
نوروز سے سبق لو ہندوستان والو! ۔ غفلت میں کیوں پڑے ہو ہندوستان والو!
کچھ کھو کے بھی تو سیکھو ہندوستان والو! ۔ دن چڑھ گیا ہے اُٹھو ہندوستان والو!
تمکو بسنت کی بھی کچھ ہی خبر جوانو! ۔ ہنستا ہے آہ تم پر مرغ سحر جوانو!
ارزاں تمہیں کئے ہے خوابِ گراں تمہارا! ۔ سب قافلوں سے پیچھے ہے کارواں تمہارا!
غفلت کی نیند میں ہے ہر نوجواں تمہارا! ۔ اس حال میں ہو کیونکر دل شادماں تمہارا!
سبزے سے سیکھ کر تو بیدار ہو جوانو! ۔ نرگس کو دیکھ کر تو ہشیار ہو جوانو!

بسنت رت

(نتیجۂ فکر جناب مولوی حفظ الکریم صاحب حفیظ)

بسنت آگیا باغوں میں کوک اُٹھی کوئل ۔ اُمنگ پر ہیں شجر پھوٹنے لگی کونپل
یہ سبز سبز درختوں میں برگ سبز نہیں ۔ لٹک رہا ہے کسی سبزہ رنگ کا آنچل
نکالا عارضِ گل نے وہ آج رنگ روش ۔ کہ جسپہ جاتے ہی پائے نگاہ جائے پھسل
وہ جوش گل ہے کہ باغوں میں اُڑ چلی بلبل ۔ بہار دیکھ کے چلتے ہیں مور پنجوں کے بل
تمام باغ میں چھایا ہوا ہے رنگِ عیش ۔ بنا ہے آشیاں بلبل کا آج رنگ محل
وہ سازِ برگ طرب ہے کہ ناچتے ہیں مور ۔ بہار آتے ہی جنگل میں ہوگیا منگل
نکل رہے ہیں نئے سر سے پھر نئے پتے ۔ نکھار پر ہیں شجر اسطرح کہ صل وجل
وہ جوش گل ہے کہ پھولی بہار آنکھوں میں ۔ اُٹھایا سر کو دل اسطرح اُٹھی کونپل
ہر اک نہال کو بخشا ہے آ کے حلۂ سبز ۔ جہاں میں شاہ بہاری کا چار سو ہی عمل
نظر فریب ہے کھیتوں میں چاندنی کا سمیت ۔ رواں ہے نہروں میں پانی بھی صاف اور نرمل
غبار دل کا اڑا لیگئی نسیم بہار ۔ ہوئے ہوا موسم گل سے کھلا ہے دل کا کنول
چمن میں پھولوں کی خوشبو سے سرگراں ہوکر ۔ لگایا سر میں عروس بہار نے صندل
ہوا کے زور سے ہلتے نہیں ہیں آم کے مور ۔ یہ سر پہ شاہ بہاری کے چلتے ہیں مورچھل
بہار آئی چلا میکشوں میں پھول کا دور ۔ چمن میں بیٹھے ہیں لیکر گلاس اور بوتل
نکلکے شیشے سے یہ منہ لگی رنگیلوں کے ۔ بسنت رُت میں چھٹا دختِ رز کا شیش محل
دیا ہے بھر کے وہ ساقی نے آج رطلِ گراں ۔ کہ ایک جام میں میخوار ہوگئے ہیں اٹل
نشے میں گرتا ہے جب لڑکھڑا کے کوئی مست ۔ تو ہاتھ دیکے سُبو کہتا ہے کہ "سنبھل"
بہار دیکھ کے سب کر رہے ہیں رنگ رلیاں ۔ شرابخوار جمے بیٹھے ہیں پہ ہوکے اٹل

چمن میں آج ہو جی بھر کے ساقیا رنگ رس ۔ کہ چار دن میں خزاں آکے رنگ دیگی بدل
ہنڈ دل گا کے گلے کی چلت پھرت دکھلا ۔ ستار چھیڑ وہ مطرب ہو جسکا ٹھاٹ اچل
بہار آئی ہے مطرب بہار کی ہے بہار ۔ سنا دے ہمکو اسی دھن میں اک رنگیلی غزل
جمائیں ساقی و مطرب وہ رنگ چنگ کا رنگ ۔ کہ **دنگ ہے** یہ زبان سے ہمارے جائے نکل

بسنت آتی ہے جاڑے کا رنگ گلابی ہے ۔ کبھی ترشح ہے کم کم، کبھی فقط بادل
کبھی جہاں میں گھر بار ابر نیساں ہے ۔ بنا یہ مٹیا محل جسکے دم سے موتی محل
چمک دمک میں کبھی اسطرح ہے بجلی بسنت ۔ کہ جیسے ہو کوئی معشوق شوخ اور چنچل

کبھی فلک پہ گھٹائیں ہیں ابر بہمن کی

کبھی شعاعیں نظر آئیں مہر روشن کی

اُبھارتا ہے دلوں کو ہرا بھرا جنگل ۔ چرند کرتے ہیں صحرا میں خوب کود اچھل
پرند شاخ نیہ ہیں محوِ زمزمہ خوانی ۔ نوائے خوش سے ہر اک سمت گونج اٹھا جنگل
یہ صحن باغ میں کب چہچہاتی ہیں چڑیاں ۔ بہار دیکھ کے آپس میں کر رہی ہیں چہل
بسنتیوں میں کوئی سبزہ رنگ بیٹھا ہے ۔ یہ زرد پھولوں میں کب ہیں ہرے ہرے ہریل

بسنت پنچمی کی رنگ بھری ہے تیاری ۔ بڑے جلوس سے نکلے تمام اہل دول
ہر ایک شہر میں ہیں راگ رنگ کے جلسے ۔ بنا بسنت سے ہندوستان رنگ محل
ہر ایک سمت ابیر و گلال کا ہے رنگ ۔ اور آج کھیلتا ہے رنگ برج کا منڈل
سلام کرنے کو سب منگلا مکھی آئے ۔ بہار آتی ہی بھارت میں ہوگیا منگل

ادا فروش ہیں سب گلرخان رنگیں مزاج   لئے ہیں نذر کو کچھ پھول اور نئی کونپل
اڑائے لیتا ہے دل ہر حسین بسنتی پوش   کہ رنگ دکھاتی ہے رنگیں ادا نئی چھل بل
گھروں گھروں میں ہوئی دیوتاؤں کی پوجا   چڑھائے ہندوؤں نے پشپ اور گنگا جل
چڑھائے جاتے ہیں سرسوں کے پھول قبروں پر   بہار آئی ہوئے پھر بسنت کے دنگل
بسنتیوں سے بھرے ہیں بسنت کے میلے   کوئی تو آیا سواری میں اور کوئی پیدل
سب اپنے دھن میں بسنتی بسنت گاتے ہیں   خبر کسے ہے کہ ٹیپ ہے سُر کہ ہے کومل
یہ زرد پھولوں سے کب ہیں شجر بسنتی پوش   بسنتیوں کا مگر ہے ہجوم یا دنگل
مدن کے زور سے المست ہو گئے ذی روح   ہر ایک جسم میں ہے کام دیوتا کا عمل
بہار آئی زمانہ وصال کا آیا   تپا بہت دنوں سے تھا بھونرا فراق میں بیکل
نہیں ہے آپ میں پھولوں کے کنج میں آکر ۲ خمارِ عشق سے مدہوش ہے یہ مستِ ازل
لپٹ لپٹ کے لیا ہے کلی کلی کا رس ۳ اور آج بلبل و گل ہو رہے ہیں دست و بغل

بسنت پھولی تو آنکھوں میں کھل گئی سرسوں   ہے زرد زرد فرح بخش آجکل جنگل
بہار آتی ہی آئی بہار آموں کی   ہے کل کی بات کہ گولر کا پھول تھا یہ پھل
خبر بسنت کی کسکو تھی اسکی رت کے قبل   ہے مور آم کا گویا بہار کا سگنل
بہار دیتے ہیں سرسوں کے پھول کھیتوں میں   ہوا ہے فرش زمیں زرد رنگ کا مخمل
تمام دشت میں پھولا ہے لالۂ خودرنگ   کسم کے پیڑوں میں بھی سرخ پھول آئے نکل
ربیع نے ہمکو دکھائے ہیں رنگ برنگ کے پھول   سرور دل میں ہوا رنگ دیکھکر نیچرل
وہاں جو ڈھاک تو اسمیں بسنت پھولی ہے   تمام رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں دشت و جبل

ہر اک درخت کے دامن سے چو رہا ہے رنگ
کہ سرخ ٹیسو کے پھولوں کا جھمجھا ہے رنگ

جوہر شرافت

(نتیجۂ فکر جناب مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب **ذہین**)

بھلائی کئے جا شرافت یہی ہے   اطاعت یہی اور طاعت یہی ہے
نکوئی میں کر نام شہرت یہی ہے   بھلائی کے کر کام راحت یہی ہے
وہ کوشش ہی کیا ہے جو اپنے لئے ہو   تو غیروں کے کام آ کہ ہمت یہی ہے
کسی سے نہ مکر و دغا کر جہاں میں   یہی آبرو پاس عزت یہی ہے
نہ کر دشمنی دوستی کی ہے جس سے   یہی ہے مروت، محبت یہی ہے
کئے جا سلوک اپنے سے جس قدر ہو   یہی رشتہ داری قرابت یہی ہے
وہ بات آئے کرنے سے جسکی خجالت   نہ آئے زباں پر بھی غیرت یہی ہے
جو اعلیٰ ہو اپنے کو سمجھے وہ ادنیٰ   یہی خاکساری شرافت یہی ہے
خدایا عطا کر ذہین حزیں کو   قناعت کی نعمت کہ نعمت یہی ہے

گور غریباں

(نتیجۂ فکر جناب مولوی سید دلدار حسین صاحب **اختر**)

زمانے میں عجب گور غریباں کی بھی حالت ہے   جدھر دیکھو نظر آتی برستی یاس و حسرت ہے
یہاں آکر جسے دیکھو وہ میٹھی نیند سوتا ہے   نہ پروا رنج و راحت کی نہ فکرِ عیش و عشرت ہے
زمانے سے جدا ہو کر نئی بستی بسائی ہے   انوکھی بانکی محفل ہے نرالی بانکی صحبت ہے
وہ عالم بیکسی کا اور وہ وحشت خیز سناٹا   سناتا گویا اپنی داستانِ رنج و حسرت ہے
کسی تربت پہ ہے سبزہ کسی پر ہے جمی کائی   کسی مرقد کی مرجھائے ہوئے پھولوں سے زینت ہے
کہیں بے سنگِ لحد ٹوٹے پڑے ہیں قبر اجڑی ہے   کسی جا مٹتی جاتی صفحۂ ہستی سے تربت ہے
ترستا ایک مدت سے کوئی مدفن ہے پھولوں کو   نسیمِ موسم گل کی فقط اس پر عنایت ہے
شبِ تاریک میں ہوتی ہے جب ہر سمت خاموشی   بہاتی شمع بھی اس بیکسی پر اشکِ حسرت ہے
کبھی شبنم مزارِ بیکساں پر در لٹاتی ہے   اندھیری رات میں جگنو کسی جا شمعِ تربت ہے
لحد کے سونے والوں کا نہیں ہے کوئی بھی مونس   اگر ہمدرد کوئی ہے تو بس وہ انکی غربت ہے
گدا و شاہ کی اس سرزمیں میں ایک حالت ہے   نہ فخرِ تاج سلطانی نہ حرصِ مال و دولت ہے
لحد کے رہنے والوں کی عجب خاموش محفل ہے   نہ مطرب کا ترانہ ہے نہ سازِ عیش و عشرت ہے
کہاں فغفور و دارا ہیں کہاں تیمور و کسریٰ ہیں   کدھر انکی وہ دولت ہے کہاں انکی وہ حشمت ہے

اسی گورِ غریباں میں کسی جا وہ بھی سوتے ہیں　　کفن کے چاک میں لپٹے ہوئے ہیں کیسی غربت ہے!
ردائے گل گراں تھی دوش پر جن نازنینوں کے　　دبے ہیں آہ زیرِ خاک مسکن کنجِ عزلت ہے
لبِ گورِ غریباں سے یہ آتی ہے صدا ہر دم　　نہیں رہتی زمانے میں کسی کی ایک حالت ہے
جہاں کی بے ثباتی کا بھی وحشتناک نقشا ہے　　جو دیکھو غور سے گورِ غریباں جا عبرت ہے

چھوٹے تارے

ماخوذ از انگریزی

(نتیجۂ فکر جناب مولوی حافظ محمد یعقوب صاحب اَوج)

اے چمکیلے چھوٹے تارو!　　چرخ بریں کے اے سیارو!
دلکش منظر ہے وہ تمہارا　　کیسا سین ہے پیارا پیارا
چم چم چم چم کرتے ہو شب بھر　　نیلے سطحِ چرخ بریں پر
جلوۂ قدرت تم سے عیاں ہے　　تم سے روشن باغ جہاں ہے
چرخ پہ تم رہتے ہو ہویدا　　جیسے ہو آکاش پہ ہیرا
دیکھ کے روشن تمکو یہ شب بھر　　جگنو سمجھا بچوں نے اکثر

ہوتا ہے خورشید نہاں جب　　ظلمت شب ہوتی ہے عیاں جب
تاریکی میں قافلے والے　　روشنی پاتے رہتے ہیں تم سے
چرخ بریں پر تم جو نہ ہوتے　　راہرؤوں کو ملتے نہ رستے
یوں ہی بھٹکتے چلتے شب بھر　　مارے پھرتے یوں ہی در در

کیا دلکش ہے تمہارا منظر　　روح فزا ہے پیارا منظر
میں بھی تمہارے حسن کا جلوا　　دیکھتا رہتا ہوں بیٹھا بیٹھا
چرخ بریں پر مہر درخشاں　　ہوتا نہیں جب تک ہی نمایاں
رہتے ہو روشن بامِ فلک پر　　شام سے لے تا صبح برابر
والہ و شیدا اَوج تمہارا　　تم کو یدِ قدرت نے سنوارا

ساقی نامہ

(نتیجۂ فکر جناب شہیر صاحب فتحپوری)

مے وحدت سے ہی دل متوالا　　دے ساقی! لبریز پیالہ
آج سبوے شراب اٹھا لا　　رندوں کی ہمت سے سوا لا
جامِ مے توحید پلا دے　　فیض کا اپنے رنگ جما دے
میخواروں پہ نگاہ کرم ہو　　دورِ شرابِ ناب نہ کم ہو
بزم میں داخل جس کا قدم ہو　　تیرے کرم سے رو کشِ جم ہو
میخانہ آباد ہو تیرا　　ہاں ساقی! دل شاد ہو تیرا
مے سے بھری غنچوں کی پیالی　　بادِ صبا کی چال نرالی
نرگسِ شہلا ہے متوالی　　چڑھی نشے کی گلاب پہ لالی
غرقِ مسرت آج چمن ہے　　صحنِ گلستاں رشکِ ختن ہے
دیکھو جدھر احباب ہیں شاداں　　پیشِ نظر ہیں لطف کے ساماں
مستِ مئے عشرت ہے دلِ جاں　　رخ سے نمایاں جذبۂ پنہاں
عیش کا اک دریا سا رواں ہے　　دل کا سرور نظر سے عیاں ہے
فیضِ نسیم عنایت رب سے　　کھلنے لگے امید کے غنچے
جس کی تمنا تھی مدت سے　　جس کے نہاں تھے آنکھ سے جلوے
آج نظر میں وہ جلوہ فگن ہے　　مست خوشی سے ہوا تن من ہے
لیتے ہوئے ہیں **ادیب** کے آگر　　حضرتِ میر حسیر اڈیٹر
اہلِ نظر ۔ اور صاحب جوہر　　خلق میں اعلیٰ ۔ علم میں بہتر
روحِ نجابت ۔ جانِ مروت　　بحرِ شرافت ۔ کانِ مروت
آج **ادیب** کی شان ہے اونچی　　معدنِ شوخی ۔ مخزنِ خوبی
پیدا اُس سے نقاب سے دیکھی　　شاہدِ علم ادب کی تجلی

آج زباں کا یہ مہر بیں ہے | جس کا جواب زمیں پہ نہیں ہے
علم ادب کے او متوالو! | بادۂ شوق کے پینے والو!
ایک نظر اس سمت بھی ڈالو! | جام طہور کا لطف اُٹھا لو!
میخانے کی "شان" بڑھادو! | ساقی کا "ارمان" بڑھادو!

ننھا منشی[1]

(از جناب مولوی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی)

اے ذراسی جان! اے پانی کے ننھے جانور | اے سکوں سے بھاگنے والے! اے رہینِ اضطراب
کیا لکھا کرتا ہے تو۔ لہروں کی ہر اک سطر پر؟ | کس لئے حرکت کیا کرتا ہے تو بالائے آب؟

باوجودیکہ نہ ٹانگیں ہیں نہ بازو ہیں ترے | کسقدر تیزی سے لیکن دوڑتا رہتا ہے تو
چشم بینا گو نہیں قدرت نے بخشی ہے تجھے | پھر بھی اپنے راستوں کو جانتا ہے جا بجا

مجھکو! لیکن یہ تو بتلادے کہ ہے کیا چیز تو؟ | پہلے کیا تھا؟ کس جگہ تھا؟ اور کیا تحریر کی؟
سیکھ کر آیا ہے کس سے اسقدر تمیز تو؟ | اے درخشاں "ننھی ہستی" محو لکھنے میں ہے پر

برق رفتاری یہ تیری چشمۂ شفاف پر | اپنی سرعت سے نہیں دیتی ہے جنبش آب کو
اور اگر ہوتی ہے کچھ جنبش بھی سطح صاف پر | تو چلی گویا صبا گلزار میں آداب کو

اے ذرا سے جانور ہاں تو اکیلا تو نہیں | بیسیوں ہیں ننھی ننھی ہستیاں تعداد میں
کچھ شمار اپنا بتاؤ تم نے لکھا تو نہیں | کسقدر تم آئے ہو اس عالمِ ایجاد میں؟

کیا لکھا کرتے ہو تم! ظاہر وہ ہوتا ہی نہیں | تم نے لکھا اور موجوں نے دیا اُس کو مٹا
یہ نوشتہ آجتک نظروں سے دیکھا ہی نہیں | کوئی عیسائی نہ ہندو اور نہ مسلم پڑھ سکا

مچھلیوں کا، کیکڑوں کا یا سمندر کا بیاں | یا پھلوں پھولوں کی بابت کچھ لکھا کرتے ہو تم
اس جہاں کی یا زمین و آسماں کی داستاں | لکھ کے بتلاتے ہو۔ ہو جائیگا یہی یونہی گم

کچھ تو بتلادے مجھے۔ اے چلبلے ہوشیار | ہیں تری تحریر کے الفاظ کیا؟ مضمون ہے کیا!
ایک لمحہ کا توقف کر ذرا اے وقف کار | ایسا معروفِ قلم کاری گوناگوں ہے کیا

اچھا مت بتلا۔ سمجھتا میں بھی ہوں اے بیزباں | تو نے استادِ ازل سے پائی اک تعلیم ہے
منکشف مجھ پر بھی اب یہ ہوگیا راز نہاں | خود مرے بھی لوح دل پر تو یہی ترقیم ہے

مرحبا اے ننھے کیڑے مرحبا صد آفریں | تو ہمیشہ لکھتا رہتا ہے خدا کا نام پاک
منہمک دنیا میں ہو کر میں ہوں اے ارشد حزیں | اور ہے اس مخلوق کو خالق سے اپنے لیپاک

سلام

(نتیجۂ فکر خان بہادر نواب زادہ جناب سید اشرف الدین احمد صاحب اشرف
متولی امام باڑہ ہوگلی)

دیکھا دو یا علیؑ جلوہ نصیری کے خدا تم ہو | خدا ممکن نہیں لیکن خدا سے کب جدا تم ہو
انیسِ انبیا ہو تم کفیلِ اولیا تم ہو | لوائے حمد کے نیچے جہاں کے رہنما تم ہو
عجب عزت تمہاری ہے بحکم خالق یکتا | کہیں پر ابتدا تم ہو کہیں پر انتہا تم ہو
اگر مانو۔ مانو بعد احمدؐ ساری دنیا میں | تشفیع مذنبیں تم ہو امام دوسرا تم ہو
تمہاری وجہ سے ابتک ہے روشن چراغ عالم | جہاز امت احمدؐ کے بیشک ناخدا تم ہو
کہاں موسیٰ نے پائی تھی یہ قدرت دین و دنیا میں | جو تم نے پائی حق سے لئے عقدہ کشا تم ہو

[1] ننھا منشی سے مراد وہ چھوٹا سا کیڑا ہے جو سطح آب پر تیزی سے ہر وقت تیرتا رہتا ہے۔ اسکی دایرہ نما حرکتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ لکھ رہا ہے۔ فلاندری زبان کی ایک نظم کا یہ ترجمہ ہے۔

اگر مرحب کو مارا جنگ خیبر میں تو کیا ملا — شجاعان عرب کے سامنے زورِ خدا تم ہو

خلائق کے لئے ہر دم شریعت میں طریقت میں — خدا کے لطف سے بعد نبی حاجت روا تم ہو

یہی کہتے تھے جبریل امیں صحرائے عرفاں میں — سراجِ لافتیٰ تم ہو ضیارِ انّما تم ہو

سخا تم ہو عطا تم ہو صفا تم ہو وفا تم ہو — خلاصہ مجمع اوصافِ شاہ انبیاء تم ہو

ترے در پر کھڑا ہے اشرفِ خستہ جگر شاہا — کرو آساں اسکی مشکلیں مشکل کشا تم ہو

غزلیات

(نتیجۂ فکر جناب نواب سید سلطان حسین صاحب وقار)

ممکن ہے داد دل کی ملے مدعا ملے — دنیا میں ایک ہی کوئی درد آشنا ملے

دل صاف کر جو دولتِ عرفاں کی فکر ہے — حاجت نہ تلاش کی گھر میں خدا ملے

غش میں ہوائے دامن شمشیر چاہئے — تا حشر آنکھ بند رہے وہ مزا ملے

عالم کے بل نکالئے پھر حکم دیجئے — میری ادا سے اب نہ کسی کی ادا ملے

تجویز آپ کیجئے تعزیرِ عشق کی — دل خود کہے کہ ٹھیک ہو ایسی سزا ملے

سرمہ لگا کے آپ تو خاموش ہو گئے — اچھا ہوا کہ خاک میں اہلِ وفا ملے

سمجھے یہ ڈر کے کوچۂ سفاک آگیا — ٹکڑے دل و جگر کے جہاں جا بجا ملے

بڑھ جائے سب سے آپکے قدموں پہ لوٹ کر — پھر زلف ہو رسا جو یہ بختِ رسا ملے

اتنی تو شوخ و شنگ ہو تصویر یار کی — جو کچھ کہوں جواب مجھے بر ملا ملے

ڈھونڈو نہ دل کو زلف میں بیٹھے رہو وقارؔ — ایسی اندھیری رات میں کیونکر پتا ملے

(نتیجۂ فکر جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی)

تو بتوں کی حق سے ناحق یہ کریہہ دُھائی — ترے دل میں بت کی صورت کب آ رہے کے آسمائی

جو ہوا تھا بت کا شیدا تو یہ ہوتا حال تیرا — تری آنکھ جسپہ پڑتی وہی دیتا بت دکھائی

نہ کیوں ہو گیا تو پتھر نہ کیوں ہو گیا تو ششدر — ترے دل میں عشق بت نے اگر اپنی لو لگائی

جو خدا کا عشق ہوتا تو نہ کفر و دیں میں پڑتا — کہ خدا کی شکل تجھکو نظر آتی کل خدائی

جو تھا خواہشوں کا بندہ تجھے کہتے پاک شیدا — نہ تو اسطرح سے بنتا کبھی زاہدِ ریائی

جو تو ہوتا دھن کا پکا تو جو چاہتا سو کرتا — تھی جہاں کی تجھکو یکساں یہ برائی او بھلائی

جو لگن خودی کی ہوتی تو نہ بو دوئی کی ہوتی — ترے دل میں غیریت کی نہ یہ ہوتی دھن سمائی

جو کسی حسیں کا اترا ترے دل میں ہوتا نقشا — تو نہ شوق وصل ہوتا نہ یہ کاوشِ جدائی

نہ گلہ ستم کا ہوتا نہ شکایتِ تغافل — کہ غریق شکر ہونا ہے طریقِ آشنائی

تو الٹ کے جا سماتا دل و دیدۂ صنم میں — ترے دل کو قبضہ کرتی اگر اسکی خوش ادائی

ترا کام سب ادھورا نہیں کوئی رنگ پورا — تو پھر اس جہاں میں تو نے یہ دھوم کیوں مچائی

نہ رے عشق کی تو کیفیؔ نہ فریب دے جہاں کو — تجھے عشق کی ہوا تک نہ ابھی لگی ہے بھائی

غزل فارسی

(نتیجۂ فکر جناب مولوی محمد مسلم صاحب مسلم)

پرتو فگند حسنش پنہاں بہ نقاب اندر — چوں نور مہر کامل تابد بہ سحاب اندر

از نور رخِ جاناں آئینہ دل روشن — چوں شمع بفانوسے یا ماہ بہ آب اندر

عشقش بہ رگِ جانم ساری چو شرر در سنگ — یا بو بہ گلاب اندر، مستی بہ شراب اندر

خوش پیرِ مغاں گفتا دارند یکے نسبت — "نشہ بہ شراب اندر، مستی بہ شباب اندر"

ساقی مَے صافی دہ کایں جرعۂ آخر ہست — بنہادہ شتابِ ما پا را بہ رکاب اندر

کردم چو عبورِ ایں بحر انگاشتم آخرہا — دنیا نبود الا موجے بہ سراب اندر

از سحرِ نگاہِ او شد بزم چناں درہم — شیشہ بہ شراب اندر، آتش بہ کباب اندر

از بام بقا دیدم، زیرِ فلک ایں عالم — بس بیش ازیں نبود قطرہ بہ حباب اندر

اے بندۂ ایں دنیا یک دربسِ پردہ ہیں — کاینست عروسِ تو زاے بحجاب اندر

آں نیم کشادہ چشم از دست دلم بردہ — بیدار از و فتنہ، خود او ست بخواب اندر

دنیاست عجب جائے ہم زحمت ہم رحمت — چوں نیش و عسل بینی یکساں بہ ذباب اندر

آں گل غزلِ مسلم می خواند چنیں بشگفت — ایں نالۂ بلبل یا نغمہ بہ رباب اندر!

مذمت شراب

(نتیجۂ فکر جناب میر عبد الرؤف صاحب شوق جعفری)

اگر ہے توبہ شکن کیفِ پُر بہار شراب تو جاں شکن بھی ہے خمیازۂ خمار شراب
نہ ہو فریفتۂ گلرنگ جام صہبا پر کہیں نہ حلق میں چبھ جائیں دیکھ خار شراب
وہ بعد مرگ ہے یہ جیتے جی ہوئے میخوار فشار قبر سے بھی ہے سوا فشار شراب
یہ زندہ مجرمِ شرعی کا ایک مدفن ہے نہیں ہے یہ خمِ صہبا یہ ہے مزار شراب
عجب یہ جنس ہے یاں نقد جاں کو دیکر بھی کوئی ہوا نہ کسی طرح کامگار شراب
اگر بشر ہے تو بے شر تو آب شر کو نہ پی نہ بھولکر بھی ہو ساقی سے خواستگار شراب
بس اب نہ پال اسے آستین عادت میں ڈسیگا ایک نہ اکدن سیاہ مار شراب
کہیں دکھائے نہ یہ سبز باغ نافرماں نظر کے سامنے پھولا ہے لالہ زار شراب
یہ رز کی بیٹی ہے اسواسطے رزالی ہے کبھی شریفوں میں ہوتا نہیں وقار شراب
کسی کو پھل نہ ملا نیک شاخ مینا سے ثمر سے دور رہا سرو جوئے بار شراب
نجف کی حد میں جو پہونچی تو ننگی سر کر گیا امیر کے دربار میں وقار شراب
نشاں مٹا دئے جسکے گلے کا ہار ہوئی خزاں کا رنگ لئے ہیں گل بہار شراب
جہان میں ہے یہ مشہور آتشِ سیّال جلائیں خانۂ عزت نہ کیوں شرار شراب
یہ زرد رو ہے سدا شاخ زعفراں کیطرح کبھی ہرا نہیں ہوتا ہے کشت زار شراب
بنا دیا ہے زمانہ کو میکدہ اسنے تمام خلق میں پھیلا ہے کاروبار شراب
سدا ذلیل ہے میخوار شک نہیں اے شوق وہی عزیز ہے یاں جو ہو رستگار شراب

آب و تاب کے پھول

(نتیجۂ فکر جناب ابو المنیر شیخ ضمیر الدین احمد صاحب اشک)

ہماری آنکھ سے گرتے رہے تھے آب کے پھول ملا جو خون جگر بن گئے گلاب کے پھول
نہیں ہے نوحہ گری ماتم جوانی ہیں یہ ہو رہے ہیں عزیزو! یہاں شباب کے پھول
کسی نے سینچ دیا ہو نہ آب بادہ سے چنار سے کہیں گرتے نہ ہوں شراب کے پھول
یہ سچ ہے ماہ لقا سب ہیں چاند کے ٹکڑے یہ ماہتاب کی صورت ہیں ماہتاب کے پھول
وفا کا ذکر کہاں بے وفا حسینوں میں کہ ہیں شمیم سے خالی جو ہیں سراب کے پھول
نہ جاؤ محفلِ اغیار میں خدا کے لئے زمین شور میں کھلتے نہیں گلاب کے پھول
ہوا یہ خوب جو کام آگیا دلِ بریاں بنا کے قاب میں رکھے گئے کباب کے پھول
تری طرف یوں ہی رہتی ہے عاشقوں کی نگاہ کہ جیسے مہر کو تکتے ہیں آفتاب کے پھول
تمہارے ہونٹ ہیں یا ہیں گلاب کی کلیاں عذار ہیں یہ تمہارے کہ ہیں گلاب کے پھول
نرالی ضد ہے کہ لاؤ وہی جو دیکھے ہیں" کہاں سے لاؤں الٰہی میں اُنکے خواب کے پھول
یہ آفتاب نہیں، تو ہے غیرتِ خورشید دکھائیں کیا تجھے چہرہ یہ آفتاب کے پھول
لگی جو آگ جگر میں تو کیوں نہ خوں تھوکیں جلے تو سُرخ نکلتے ہیں ماہتاب کے پھول
تجھے ہے ماہ وشاں جہاں میں یوں تقدیم گلوں میں فرد ہیں جس طرح سے گلاب کے پھول
رہے ہمیں تو جناں میں بھی خار ہی واعظ گئے وہ کون سے کونے میں آنجناب کے پھول
لڑائیں آنکھ سبو سے جو بادہ کش تیرے پڑے قدح میں بال ٹپکنے لگیں شراب کے پھول
کبھی خزاں ہے کبھی ہے بہار عالم میں زمانہ روز دکھاتا ہے انقلاب کے پھول
غرض ہے یہ کہ نظر اُن کی چار سو نہ بٹے کئے ہیں جمع یہاں ہم نے انتخاب کے پھول
لگی ہے آگ ریاضِ سخن میں حضرت اشک نکالے آپ نے کیسے یہ آب و تاب کے پھول

رباعیات

(از مولانا حسن مرتضیٰ صاحب شفق عمادپوری)

کوئی ثمرہ نہ عمر فانی سے ملا پیری کا داغ نوجوانی سے ملا
دو پھول بھی ہم شفق نہ چننے پائے پھل ہمکو یہ زندگانی سے ملا

طفلی گذری شفق جوانی گذری راحت ہوئی ختم شادمانی گذری
لو آگیا موسمِ خزانِ پیری لو فصل بہار زندگانی گذری

بالوں کی سپیدی لائی رحلت کا پیام آخر شفق آفتاب آیا لب بام
قد خم جو ہوا اکسر نفسی آئی پیری نے جوانی کو کیا جھک کے سلام

ادارۂ ادیب

نامہ نگاروں سے گذارش ہے کہ:-

(۱) مضامین واضح خط میں ورق کے ایک طرف لکھا کریں۔

(۲) ہر مضمون بجائے خود مکمل ہو۔ ناتمام مضامین شائع نہ کئے جائینگے۔

(۳) ہر مضمون کے نیچے نامہ نگار کا پورا نام ہو اور وہ فرضی نام بھی جو شائع کرانا چاہتے ہوں۔

(۴) مضامین جو کسی دوسرے اخبار یا رسالہ میں شائع ہو چکے ہیں وہ ادیب میں دوبارہ شائع نہ کئے جائینگے اگر ادیب کے علاوہ کسی دوسرے رسالہ میں کوئی مضمون بھیجا گیا ہو تو براہ کرم اطلاع دیدیجائے۔ ایسا نہ ہو کہ بیک وقت دونوں رسالوں میں ایک ہی مضمون شائع ہو جائے۔

(۵) مضامین کم از کم اشاعت سے ایک مہینہ پہلے دفتر ادیب میں پہنچ جائیں۔ اور وقتی مضامین تو اس سے بھی پیشتر۔

(۶) مضامین جن میں سیاسی امور پر بحث ہوگی، ذاتیات پر حملے ہونگے، مذہبی تعصب، تو تو میں میں اور لڑائی جھگڑے ہونگے جو مخرب اخلاق ہوا کرتے ہیں، ہرگز ہرگز نہ قبول کئے جائینگے۔

(۷) مضامین جو کسی وجہ سے شائع نہ کئے جائینگے وہ داخل دفتر کردیئے جائینگے۔ جن نامہ نگاروں کو ناپسندیدہ مضامین کی واپسی منظور ہو وہ اپنے مضمون کے ساتھ محصول ڈاک بھی روانہ کردیا کریں۔

(۸) مضامین یا ادارہ سے متعلق جملہ مراسلات ذیل کے پتہ سے بھیجے جائیں۔

اڈیٹر ادیب
انڈین پریس الہ آباد

اڈیٹوریل

تصاویر

اس نمبر میں ایک رنگین اور چار عکسی تصویریں ہیں تفصیل یہ ہے:-

(۱) رنگین تصویر ایک راجکماری کی ہے جسکو آمد بہار سے نظر آ بڑی مسرت ہوتی ہے اور مناظر قدرت کا مطالعہ کرتے کرتے اس قدر متاثر ہو جاتی ہے کہ بے ساختہ اُسکا ذہن موجد بہار کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور دل ہی دل ان اشعار کے مفہوم کو ادا کرتی ہے کہ "صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن بر گلزار + کہ نہ وقتیست کہ در خانہ نشینی بیکار + بلبلان وقت گل آمد کہ بنالند از شوق + نہ کم از بلبل مستی تو بنال اے ہشیار" پھر اداے شکریہ کی غرض سے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور اچھے اچھے پھول ڈالی میں بھر کر ایک ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ دوسرے ہاتھ میں لوازمات عبادت ہیں۔ اس شان سے غایت متانت و سنجیدگی سے عقیدت مندی کے جوش میں معبد کی طرف جاتی ہے اور کہتی ہے کہ عید قدرت کے شاہد ہیں شگفتہ پھول ڈالی میں۔ یہ دلکش موسمی تصویر زبان حال سے غافلوں کو بتا رہی ہے کہ "برگ درختان سبز در نظر ہشیار + ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار"۔ یہ تصویر بھی انڈین پریس کے ایک نوجوان مصور کی دستکاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

(۲) "مسز سروجنی نائیڈو" کی تصویر کی توضیح کے لئے انکے نام کے عنوان کا مضمون کافی ہے جسکے ساتھ یہ تصویر بھی مولوی سید خورشید علی صاحب نے عنایت کی ہے۔

(۳) "تصویر نواب سید محمد زکریا خاں رضوی ذکی دہلوی" کی تصریح اُس مضمون سے ہو جائیگی جس میں نواب مرحوم کے مفصل حالات بیان کئے جا چکے ہیں۔

(۴) "تصویر منشی بشمبر پرشاد اختر" کی وضاحت مولوی سید محمد اسد علی صاحب کے مضمون "جمال اختر" سے ہو جائیگی انہی کی عنایتوں سے یہ تصویر حاصل ہوئی ہے۔

(۵) "تصویر جواد الدولہ عارف جنگ نواب سر سید احمد خان ال ال ڈی" کی صراحت کے لئے وہ اڈیٹوریل نوٹ ملاحظہ ہو جو مرحوم کی برسی پر لکھا گیا ہے۔



جوادالدولہ' عارف جنگ' نواب سر سید احمد خاں' ال‌ال' ڈي

ایفائے عہد نوروز

یاد ہوگا جنوری کے ادیب صفحہ ۵۹ پر لکھا گیا تھا کہ 'نوروز' پر مفصل لکھنا تو اس وقت زیادہ مفید ہوگا جبکہ اصلی نوروز موسم بہار سے ملتا جلتا ہوا آئیگا۔ شکر ہے کہ وہ زمانہ بخیر و خوبی ۲۱ مارچ سے آگیا۔ اور ۲۱ جون تک 'آفتاب' برج حمل' ثور' اور جوزا میں ہوگا۔ اہل ایران اسی موسم کو بہار نوروز کہتے ہیں۔ ہمارے نازک خیال شعرا نے اپنی اپنی دلکش نظموں میں اس کا خیر مقدم بھی کر دیا ہے۔ مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہ رہی۔

حامی اُردو زبان کی ایک برسی ہے

دن جاتے اور زمانہ گذرتے دیر نہیں لگتی۔ سولہ سال ہو گئے کہ اُردو کے سرگرم حامی جواد الدولہ عارف جنگ نواب سرسید احمد خاں ۸۱ سال کی عمر پاکر ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ہمیشہ کے لئے ہم سے الگ ہو گئے ان کی وفات کی تاریخ غفر لہٗ یعنی ۱۳۱۵ھ ہے۔ درحقیقت اس مجتہد العصر کا شمار دنیا کے اُن باکمال مشاہیر میں ہے جو اپنی کوششوں اور جد و جہد سے خود ہی بنتے اور خود ہی بگڑتے ہیں انکے کارناموں سے حیات جاوید جیسی مبسوط کتاب بھری پڑی ہے ۱۸۱۷ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ ان کے بزرگ شاہان مغلیہ کے وزیر رہ چکے تھے۔ وہ مکان اب تک باقی ہے جہاں بیٹھکر سرسید اکتساب علم کرتے تھے ۱۸۳۷ء میں سرکار ہند کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ ان کی پہلی تالیف آثار الصنادید ہے جو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی ۱۸۵۷ء کے غدر میں بڑی جان نثاری سے گورنمنٹ کی حمایت کی۔ ان کی تالیفات' ان کے خیالات اور کوششوں سے ملک' قوم' اور زبان کو جو فائدے پہنچے اور پہنچ رہے ہیں اس کا نمونہ موجودہ ترقی پیش نظر ہے زمانہ بدل جائے اور ہندوستان کی موجودہ تہذیب و تمدن کے چار چاند لگ جائیں پھر بھی سرسید کا نام عظمت کے ساتھ لیا جائے گا۔ سرکار سے خان بہادر اور کے' سی' اس' آئی کے خطابات عطا ہوئے۔ اسی اُردو کی حمایت کی بدولت ولایت کی یونیورسٹی سے ال ال' ڈی کا خطاب ملا۔ وہاں کے اہل الرائے ان کی خداداد ذہانت و قابلیت کے اس درجہ قائل ہوئے کہ یہ رائل سوسائٹی کے ایک رکن قرار دیئے گئے اور ان کو اف' آر' اس' کا دوہرا خطاب ملا جو ان سے پیشتر کسی ہندوستانی کیا معنی ایشیا کے سربرآوردوں میں سے کسی نے نہیں پایا۔ یہ قطعہ تاریخ سید مرحوم کے حسب حال ہے کہ:۔

بذلہ سنج طوطئ شکر شکن   تاج بخش تاجداران سخن
جاں نثار حضرت شاہ زمن   خیر خواہ قوم شیدائے وطن

اُردو کی رفتار

گذشتہ سے پیوستہ سہ ماہی کی رپورٹ شاہد ہے کہ اُردو کی رفتار ایک حد تک تشفی بخش معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو اس کی خاطر خواہ ترقی کی امید بندھتی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ انجمن ترقی اُردو اپنے محدود دائرے کو وسیع کرکے سرگرمی سے کام لے نہیں تو نام لینے کے لئے ملک میں بہتیری ایسی انجمنیں ہیں جو سال بھر دم توڑتی رہتی ہیں اور جب اڈرس پیش کرنا ہوتا ہے تو چونک اٹھتی ہیں۔ حامیان اُردو کو ادیب کے کسی پچھلے نمبر میں ہم اس طرف متوجہ کر چکے ہیں۔ خود اُردو زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ "خواہی تو مرا بہ سوز خواہی بنواز" انجمنیں جب تک نبض شناس نہ ہونگی ترقی نہیں کر سکتیں۔ اُردو میں خود بخود ترقی کرنے کا جو کچھ مادہ ہے اس سے وہ کام لے رہی ہے۔ اس کی قوت کو بڑھانا مدعیوں اور حامیوں کا فرض ہے۔ ذیل کی تفصیل سے اس کی رفتار کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

ممالک متحدہ :۔ اکتوبر سے دسمبر ۱۹۱۲ء تک کل ۴۰۴ کتابیں اور رسالے شائع ہوئے یعنی ہندی میں ۱۲۰' مختلف زبانوں میں ۹۲' اُردو میں ۸۵' انگریزی میں ۸۳' سنسکرت میں ۱۲' فارسی میں ۷' عربی میں ۳' نیپالی میں ۲' پربتی میں ۱' اور بنگلہ میں ۱۔ اخبار اور رسالوں کی تعداد صرف ۱۵ ہے:۔ ماہوار ۱۲' ہفتہ وار ۲' اور پندرہ روزہ ایک۔ ان میں سے انگریزی میں ۱' ہندی میں ۵' اُردو میں ۲' سنسکرت اور مختلف زبانوں میں ایک ایک۔ اگرچہ باعتبار تعداد ہندی کے مقابلہ میں اُردو نصف سے بھی کم ہے۔ لیکن اُردو کے

ہندوستان میں عام زبان ہو جانے کی نہایت قوی وجہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ مدعیان ہندی بھی اُردو ہی کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ۸۰ اُردو کتابوں میں سے تقریباً ۴۰ فی صدی ایسی ہیں جن کے مصنف یا مولف حامیان ہندی ہیں۔

صوبہ پنجاب:- ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۲ء تک کل ۱۵۶۵ کتابیں اور رسالے شائع ہوئے۔ یعنی ۴۸ فی صدی اُردو میں، ۳۵ فی صدی پنجابی میں۔ انگریزی میں صرف ۷۰ اور ہندی میں کل ۶۸ کتابیں شائع ہوئیں۔ یوں کہنا چاہئے کہ ۴۷ فیصدی اُردو استعمال کرنے والی آبادی کے لئے ۴۸ فی صدی کتابیں لکھی گئیں، ۳۶ فی صدی پنجابی زبان استعمال کرنے والی آبادی کے لئے ۳۵ فی صدی کتابیں لکھی گئیں اور ۱۷ فی صدی ہندی داں آبادی کے لئے صرف ۴ فی صدی کتابیں کافی سمجھی گئیں۔ اُردو کا ایک فی صدی بڑھ جانا اور ہندی کا ۱۳ فی صدی گھٹ جانا اس امر کے لئے کافی ثبوت ہے کہ اُردو میں عام زبان ہو جانے کا مادہ موجود ہے۔ ۱۹۱۱ء میں یہاں کل ۲۴۵ اخبار اور رسالے شائع ہوتے تھے، جن میں سے اُردو کے ۱۷۱، انگریزی کے ۳۹، گورمکھی کے ۲۲، اور ہندی کے ۱۳ تھے ان تمام اخبارات ورسائل کی مجموعی اشاعت کی تعداد ۱۹۱۱ء میں ۲۰۲۹۰۵ تھی جو ۱۹۱۱ء میں ۱۴۱۶۷۲۸ ہو گئی۔ اس سال صرف ۱۳ بڑے بڑے اخبارات کی تعداد اشاعت ۵۰۷۴۴ ہے جن میں سے ۹ اُردو کے اخبارات کی تعداد اشاعت ۶۰۷۷۵ ہے۔

صوبہ بہار:- بہار کی رپورٹ اب تک مرتب نہیں ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل آیندہ لکھی جائے گی۔

ہمارے مطالعہ کی میز

رسول کی عیدی | مرتبہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

۳۲ صفحات کا ایک چھوٹا سا خوش نما رسالہ ہے جسکو عید میلاد کی خوشی میں خواجہ صاحب نے امت کے بچوں کے لئے مرتب کیا ہے۔ اس کا ہر باب بچوں کے لئے نہایت مفید اور بکار آمد اور قابل دید ہے۔ منزلگاہ حلقہ سے یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے اور قیمت دو آنے رکھی گئی ہے۔

مرشد کے قدموں کی برکت | مؤلفہ الکیونی، ۵۲ صفحات کا

ایک مختصر رسالہ ہے جس میں خرد سال مولف نے صرف وہ ارشادات درج کئے ہیں جنکو ان کے مرشد نے اسوقت ان کے ذہن نشین کرایا تھا جب کہ خاص روحانی مدارج کے حصول کے لئے ان کو تربیت دے رہے تھے۔ اعلیٰ اخلاق جو انسانیت کی اصلی غایت ہے یہ رسالہ اسکی تعلیم کا پہلا زینہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اہل دل اسے پڑھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور نوجوان مولف کی محنت قابل داد ہے۔ اس کا مقدمہ مسز اینی بسنٹ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں مولف کی ایک تصویر بھی ہے۔ یہ رسالہ تھیوسوفیکل سوسائٹی بنارس سے شائع ہوا ہے۔

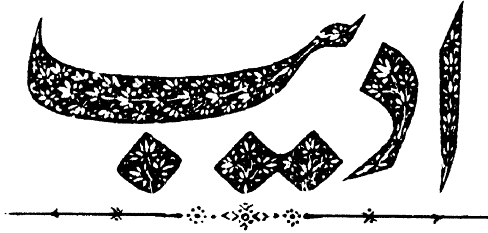
کافوری جنتری | مرتبہ "ڈاکٹر اس، کے" برمن صاحب جس میں مکہ معظمہ،

مدینہ منورہ، قیصر معظم و ملکہ میری، اور مرتب صاحب کی تصویریں بھی لگی ہیں۔ بارہ صفحات پر سال بھر کی جنتری ہے اور بقیہ میں دواؤں کے اشتہارات چھاپی نہایت عمدہ اور جنتری بکار آمد ہے ضروری دواؤں کے اشتہارات سے بھی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ جنتری بلاقیمت تقسیم کرتے ہیں۔



مطربهٔ فلک هند

انڈین پریس الهٰ آباد



ارتقاء انسانی

[مغرب میں ارتقاء انسانی ایک مشہور موضوع ہے جس پر حکمائے یورپ بہت کچھ طبیعت آزمائی کر چکے ہیں۔ اور ہمارے ملک کے ایک آدھ روشن خیال نے بھی اس طرف توجہ کی ہے شمس العلما مولانا شبلی نعمانی صاحب کو بھی ایک زمانہ میں خیال ہوا تھا لیکن بعض نکتہ سنجوں نے ایسی تردید کی کہ ممدوح نے پھر توجہ نہ کی۔ البشیر اور دارالسلطنت کے کالموں میں وہ مضامین اب تک ملیں گے۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ ڈارون اپنی تحقیقات سے خود بھی مطمئن نہ تھا۔ اور اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ یورپ مادیات سے گذر کر روحانیات کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔ اہل مغرب کا یہ دعویٰ کہ اہل مشرق اس مسئلہ سے نا آشنا تھے، قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس بارہ میں فلسفیوں کی دو جماعت ہے۔ ایک وہ جس کا قول یہ ہے کہ ہر شے بذات خاص ترقی پذیر ہے، اپنی حد کے اندر وہ کسی قدر ترقی کیوں نہ کر جائے یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک چیز غیر قسم کی صورت اختیار کرلے۔ اور دوسری جماعت مدعی ہے کہ ایک شے ترقی کرتے کرتے دوسری صورت اختیار کر سکتی ہے۔ لطف یہ کہ دونوں فریق ثبوت کافی رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ سے متعلق ڈارون کی تحقیقات کا اختصار تو ایک حد تک حکیم رشید احمد ولی الدین صاحب چشتی نے ذیل کے مضمون میں درج کر دیا ہے۔ لیکن ہمیں ایک قصہ یاد آگیا۔ کسی مغربی نے ایک مشرقی سے کہا کہ ہمارے فلسفیوں کی موجودہ تحقیقات یہ ہے کہ انسان پہلے بندر تھا، پھر ترقی کرتے کرتے انسان ہو گیا۔ مشرقی نے کہا کہ مدت ہوئی ہمارے فلسفی اس مسئلہ کو حل کر چکے اور تمہیں اب خبر ہوئی ہے۔ اسی لحاظ سے انسان کو ہماری زبان میں "مردم" یعنی مرد دم کہتے ہیں۔ - اڈیٹر]

مسئلہ ارتقا کے بموجب عالم موالید کی ہر ایک چیز کسی دوسری چیز سے پیدا ہوئی ہے، اور نباتات و حیوانات میں جس قدر انواع و اقسام اس وقت موجود ہیں وہ کسی سابقہ نوع کی تبدیل شدہ صورت ہیں۔ یہاں تک کہ انتہا و ابتدا میں ایک ہی ایسی نوع رہ جاتی ہے جس سے دوسرے انواع پیدا ہوئے ہیں، اور اس سلسلہ میں کسی کڑی کی کمی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ زمین بھی سیاروں اور ستاروں کے خاندان کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ اور مادّہ کا ہر ایک حصہ خواہ اس وقت وہ کسی صورت میں موجود ہو، اصل مادّہ کا جس سے تمام چیزیں قوانین قدرت کے

بموجب بنی ہیں، ایک ٹکڑا ہے۔ جو لوگ مسئلہ ارتقا کے مؤید اور اُس کو صحیح تسلیم کرنے والے ہیں ان کا بیان ہے کہ دُنیا کے بڑے بڑے صاحبِ کمال مثلاً ابن خلدون، امام غزالی، سعدی، خسرو، سید احمد خاں، وغیرہ جیسے لوگوں کو دیکھو، اور حیوانات کی محدود عقل و دانش کے ساتھ ان کی ذکاوت و فراست کا مقابلہ کرو تو بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان تمام حیوانی مخلوقات سے علیحدہ ایک ایسے مرتفع مقام پر کھڑا ہے کہ اس کو حیوانات سے کسی قسم کا تعلق نہیں لیکن کائنات کی خلقت کے قوانین دریافت کرو اور ہر ایک حیوان کی ابتدائی پیدایش کا پتہ چلاؤ تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ جس نوع نے ترقی کرتے کرتے اپنے تئیں ایسے درجۂ کمال پر پہنچایا ہے وہ ایک ادنیٰ حیوانی حالت سے اس پایہ پر پہنچی ہے اس راز کے دریافت کرنے کے لئے ہم کو صرف اُس کمال اور عروج ہی کو نہیں دیکھنا چاہیئے جو اس زمانہ میں انسان کی ترقی کا معراج ہے بلکہ اس کے ابتدائی مراحل اور مراتب سے شروع کرنا اور درجہ بدرجہ ترقی کا سلسلہ بیان کرنا ضرور ہے۔

انسان کی غلط فہمی کے اسباب یہ ہیں کہ اس نے ابھی تک اپنی قدیمی حالت کو دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ صرف اپنی موجودہ ترقی یافتہ کیفیت کو دیکھکر غلطی میں پڑا ہوا تھا۔ اس غلطی کے کئی وجوہات تھے۔ دوسرے حیوانات کے حالات سے اس کو واقفیت نہ تھی۔ اس کے دل میں یہ غرور تھا کہ وہ دیوتاؤں کی اولاد ہے۔ انسان کی طبعی خصوصیات میں سے ایک غرور و فخر بھی ہے جس کا یہ اثر ہے کہ انسان اپنی شان دوسروں سے ارفع اور اعلیٰ جانتا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ اُس میں بعض ایسے اوصاف ہوں جو دوسروں میں نہ ہوں تا کہ وہ اپنے کو دوسروں سے ممتاز ثابت کر سکے، اور یہ خواہش اُس پر ایسی غالب آجاتی ہے کہ اگر اصلی جوہر موجود نہ ہوں تو وہ خواہ مخواہ اپنی ذات میں فرضی خصوصیات تصور کر کے فخر و مباہات کرنے لگتا ہے۔ اور دلیل و حجت اُس کو قائل نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ بعض کم ظرف دوسروں پر تفوق ظاہر کرنے کے لئے خدائی تک کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں لیکن تمام نسل کا یہ خیال ہے کہ اُن کی اور دیگر حیوانات کی خلقت میں جن سے وہ خدمت لیتے یا جن کا شکار کرتے ہیں، کوئی شے مشترک نہیں ہے۔ وہ اس بات پر قانع نہیں ہیں کہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف و بادشاہ ہے بلکہ وہ حیوانات کی قرابت یا جنسیت سے بھی عار کرتے ہیں چونکہ انسان کو علم الحیات[1] سے آگہی نہ ہونے کی وجہ سے حوالیات کے تاثیرات و تاثر کا علم نہ تھا، اور اپنی اور دیگر حیوانات کی اندرونی و جسمانی کیفیت کا، جو جلد کے نیچے پوشیدہ ہے، مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، اور نہ قبل پیدایش ہر ایک شخص، حیوان یا انسان کے تدریجی نمو کی کیفیت معلوم تھی اس سبب سے جس زینہ سے وہ اس بام ترقی پر پہنچا تھا اُس کی بہت سی سیڑھیاں اُس کو معلوم نہ تھیں قدیمی اجساد، جو اب حجر کی صورت میں زمین کے اندر مدفون ملتے ہیں، اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے! اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر وہ یہ خیال کرتا تھا کہ انسان ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح تمام عالم سے علیحدہ کھڑا ہے، اور اُس کو دیگر مخلوقات عالم سے کوئی تعلق یا رشتہ نہیں ہے۔ ڈارون[2] نے ایک مبسوط کتاب "ڈی سینٹ آف مین"

---

[1] ذی حیات اجسام کا علم۔ وہ علم جو حیوانات و نباتات کی اصل خلقت۔ ساخت نمو وظایف طبعی انواع و اقسام وغیرہ کا حال بیان کرتا ہے۔ [2] چارلس ڈارون ۱۸۰۹ء میں انگلینڈ کے قصبہ سراس بری میں پیدا ہوا۔ یہ شخص زمانہ حال کا اعلیٰ درجہ کا ماہر علم موجودات تسلیم کیا جاتا ہے علم حیوانات اور طبقات الارض کے مسائل میں اسکی تحقیقات نے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں مثلاً ارتقا کو بھی اس نے ترقی دی اور ثابت کیا ہے کہ دُنیا میں انواع اقسام حیوانات کا وجود ارتقاء کے مسئلہ کے بموجب ہوا اور ابتدا میں تمام اجسام کی اصل ایک ہی شے ہے۔ اس کی تصانیف "اوریجن آف سپیشیز" Origin of Species اور "ڈی سینٹ آف مین" Descent of man. معرکۃ الآرا کتابیں ہیں۔

لکھی ہے جس میں اس نے بشرح وبسط بیان کیا ہے کہ انسان کی خلقت کسی ادنیٰ درجہ کے حیوان سے ہوئی ہے۔ اپنے اس دعوے کی شہادت میں اُس نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

۱- پہلے انسان کی جسمانی ساخت کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ انسان بھی اُسی وضع اور طرح کا بنایا گیا ہے جیسے اور حیوانات مرضعہ ہیں وہ اسی طرح پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح زندہ رہتا اور اسی طرح مرتا ہے۔ انسان میں جس قدر استخوان ہیں اُسی قدر استخوان اور اُنہی مقامات پر بندر، بلی اور گاؤ بکری میں ہیں۔ یہی حال تمام اعضاء کا ہے انسان کے جسم کے تمام عضلات دوسرے حیوانات کے عضلات سے مطابق ہیں، اور انسان کے پانچ سو عضلات میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو خاص اس کے لئے مخصوص ہو۔ اور حیوانات میں بھی یہ عضلات اُن ہی استخواں یا استخواں کے اُنہی حصّوں سے جُڑے ہوئے ہیں اور اُنہی سمتوں میں دوڑے ہوئے یا وہی فرایض انجام دیتے ہیں جو انسان کے جسم میں۔ غرض تمام اعصاب شرائین اور ورودے انسان اور حیوانات میں یکساں ہوتے ہیں۔

۲- دماغ بھی ایک ہی طرح کے قوانین کا مطیع ہے، اور دماغ کا ہر ایک پیچ اور رنگ کسی دماغ کے پیچوں سے مشابہ اور ہمشکل ہے، لیکن فرق اتنا ہے کہ انسان کے دماغ کے نمونہ میں یکسانیت کی امید نہیں، ورنہ دونوں کے قواءعقلی یکساں تیز ہوتے، اور اسی تفریق نے انسان کو انسان اور بندر کو بندر بنا رکھا ہے۔ اگر انسان کا دماغ بالکل بندر کے دماغ جیسا ہوتا تو ارتقا بندر پر ختم ہوجاتا۔

۳- اب بیماریوں کو لو۔ انسان میں بعض بیماریاں حیوانات سے منتقل ہوجاتی ہیں، اور بعض بیماریاں انسان سے حیوانات میں مثلاً رعاف، چیچک، ہیضہ، داد، صرع وغیرہ۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور ان حیوانات کی نسلیں اور خون کی ساخت و ترکیب یکساں ہے۔ بندروں کو بھی اکثر وہی بیماریاں ہوتی ہیں جو انسان کو ہوتی ہیں۔ اور بہت سی دوائیاں حیوانات پر بھی وہی اثر کرتی ہیں جو انسان پر۔ اکثر بندر عرقیات تمباکو اور چاء کے شایق معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور بندر کے اعصاب ذایقہ یکساں ہیں، اور اس لئے ضرور ہے کہ اُن کا تمام نظام عصبی یکساں و مشابہ ہو۔ انسان کے زخم بھی اُسی طرح اور اسی طریقے سے اچھے ہوتے ہیں جس طریقہ سے بعض دوسرے جانوروں کے۔

تشابہ جنین کو لو۔ انسان بھی ایک نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، جس کا قطر ایک انچ کا $\frac{1}{125}$ حصہ ہوتا ہے، اور جو تبدیلیاں رحم مادر میں واقع ہوتی ہیں وہ حیوانات فقری کی تبدیلیوں سے بالکل مشابہ ہوتی ہیں۔ جب جنین بڑا ہوجاتا ہے، اور اُس کا موحد کمال کو پہنچنے لگتا ہے اس وقت اس میں بہ نسبت دوسرے حیوانات فقری کے جنین سے فرق و امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔

۴- حیوانات میں نر بہ نسبت مادہ کے قدوقامت، طاقت جسمانی، اور قواءطبعی میں مختلف ہوتا ہے یہی حال مرد اور عورت کا ہے۔

۵- انسان کے جسم میں بعض ایسے عضلات اور پٹھے ہیں جو کوئی کام انجام نہیں دیتے، یا بالکل خفیف خدمات انجام دیتے ہیں معطل حالت میں اُن کا کامل نشوونما حاصل کرنا ناممکن ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ انسان ان سے کام لیتا تھا اور اب تبدیل حالت و عادت کی وجہ سے وہ بیکار ہوگئے۔ گھوڑا یا اُس کی طرح کے اور جانور اپنی کھال تان لیتے ہیں یا اُس میں شکن ڈال سکتے ہیں انسان کی کھال میں جابجا یہ قوت ہے خصوصاً پیشانی میں بعض لوگ اب تک اپنے کان ہلا سکتے ہیں۔

۶- بظاہر حیوانات میں قوت شامہ انسان سے بہت زیادہ تیز معلوم ہوتی ہے۔ حیوانات صرف بُو سے شکار کی نوعیت اور

سمت معلوم کرلیتے ہیں۔ بُو سے خطرے کی حالت کو تاڑ جاتے ہیں
لیکن انسان تمدن میں جس قدر زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے اُس کی
قوت شامہ گھٹتی جاتی ہے۔ حبشیوں میں قوت شامہ بھی بہ نسبت یورپین
لوگوں کے زیادہ ہوتی ہے۔ جنوبی امریکہ کے اصلی باشندے اندھیرے
میں صرف بُو سے دوسرے آدمیوں کو پہچان لیتے تھے۔

۷۔ حیوانات کے بچوں کے جسم پر بوقت پیدائش پشم ہوتی ہے۔
لیکن انسان کا بچہ ننگا پیدا ہوتا ہے۔ تاہم انسان کے جسم پر بھی
اب تک بال پیدا ہوتے ہیں بعض آدمیوں کے سینہ اور رانوں
وغیرہ مقامات پر کثرت سے بال ہوتے ہیں۔ اور یہ اس امر کی علامت
ہے کہ ایک زمانہ میں انسان کو قدرت کی طرف سے پشمینہ کا خلعت
عام طور پر عطا ہوتا تھا۔

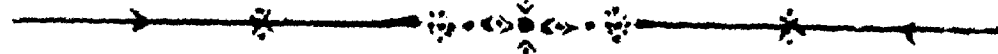
ڈارون نے اور بھی کئی اعضا میں مشابہت جتائی ہے اور آخر
میں لکھا ہے کہ اگر حیوانات کے تمام انواع کا بہ نظر غائر مشاہدہ
کرکے تمام نتائج جمع کئے جائیں، اور اُن کے باہمی رشتوں اور
تقسیم مدارج پر غور کریں اور یہ بھی دیکھا جائے کہ روے زمین پر وہ کہاں
کہاں پائے جاتے ہیں، یا کن کن طبقات ارض میں اُن کے
نشانات ملتے ہیں، تو ہماری سمجھ میں اچھی طرح آجائے کہ انسان اور
تمام حیوانات فقری ایک ہی قالب پر ڈھلے ہوئے ہیں۔ اور اب
ہمکو کشادہ دلی سے یہ مان لینا چاہیئے کہ وہ ایک ہی نسل کی مختلف
شاخیں ہیں۔ صرف تعصب اور غرور اس بات کے تسلیم کرنے سے
باز رکھتا ہے، اور وہ دن دور نہیں ہے جبکہ لوگ اس امر پر تعجب
کریں گے کہ کوئی شخص علم موجودات کا ماہر بھی تھا، یا یہ کہ حیوانات
و انسان بہ لحاظ تخلیق جدا جدا ہیں۔

قانون تغیر: اس بیان سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور حیوان
کی جسمانی ساخت میں مشابہت ہے۔ نیز اُن کے مزاجوں میں
تشابہ اور مطابقت پائی جاتی ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے
کہ نوع انسان کسی ایسی نوع سے پیدا ہوئی ہو جو کسی زمانہ میں انسان
نہ تھی؟ انواع کی اس تبدیلی کے متعلق ان محققین کا بیان ہے کہ
علم طبقات الارض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قدیم زمانہ میں جس کو
لاکھوں برس گزر گئے ہیں، زمین پر ایسے حیوانات آباد تھے، جو ان
حیوانات سے جو اس وقت طبقۂ زمین پر پائے جاتے ہیں، مختلف
تھے لیکن اُن میں اور ان جانوروں میں ایسی مشابہت ہے کہ
یہ قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ ان جانوروں کا اُن سے ضرور کوئی
نہ کوئی رشتہ تھا۔ اسٹریلیا کے قرن طبقۂ ثالث میں بہت سے
حیوانات کیسہ پائے گئے جو جانوروں کی قسم کے نہیں تھے۔ بلکہ
ان سے بہت بڑے تھے اس زمانہ کا بڑے سے بڑا کنگرو اُس زمانہ
کا بہت چھوٹا جانور ہے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں اس کی کھوپری تین
فٹ لمبی ہوتی تھی۔ زمین کے طبقۂ ثالث کے درجہ وسطی میں
ہاتھیوں کے ایسے فاسل (آثار متحجرہ) ملے ہیں جو اس زمانہ کے
افریقہ یا ہندوستان کے ہاتھیوں سے بالکل مختلف تھے تمام
علماء طبقات الارض کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ازمنۂ قدیمہ سے
لیکر آج تک وقتاً فوقتاً روے زمین پر جانوروں کی ایسی انواع
پیدا ہوتی رہی ہیں جو اپنے ماسبق جانوروں سے ایسی مختلف تھیں کہ اگر
دونوں کا مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پرانے
کینڈے بدل کر نئی حالت کے مناسب بن گئے ہیں۔ اور قدیمی
صورتیں رفتہ رفتہ معدوم ہوگئیں اور نئی صورتیں نئے انواع
بن گئیں۔ اصول تولید کے مطابق جب کسی زمانہ میں حیوانات
کی کئی جنسیں جسمانی ترکیب میں باہم مشابہت رکھتی ہوں تو یہ
نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ان سب کو یہ مشابہت کسی ایسی جنس سے
جو ان کی مورث اعلیٰ ہو وراثتاً ملی ہوگی۔ دودھ پلانے والے

جانوروں میں جو جانور انسان سے بہت مشابہ ہیں وہ بندر ہیں اور ان میں بھی وہ بندر جو افریقہ اور مجمع الجزائر شرقی کے جنگلوں میں رہتے ہیں۔ ان کے ڈھچر کو باہم مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور جسمانی ساخت میں انسان کے قریب ہیں۔

جانوروں کے ڈھچر کے جو دفینہ زمین کے اندر سے نکلے ہیں اور جو لاکھوں کروڑوں برس کے معلوم ہوتے ہیں' اُن کے مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت میں ایک قانون تغیر جاری ہے جس کی رو سے حیوانات کے ہیولیٰ امزجہ اور قویٰ میں نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ لیکن بتدریج تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ یہ تبدیلی روے زمین کی کیفیت کے بدلنے، آب و ہوا کے تغیر اور بعض دیگر اسباب سے پیدا ہوتی ہے' اور کسی خاص فرد میں اتفاقاً اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور اُس کی اولاد میں کچھ تو اس اثر سے اور کچھ اُن اسباب سے جو فرد سابق میں باعث تبدیلی ہوئے تھے یہ تبدیلی زیادہ ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ لاکھوں برس میں یہ اختلاف بہ تدریج اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ پہلی نوع سے بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے۔ اور پہلی نوع اگر زمانہ موافق نہ ہو تو بتدریج کم ہوتے ہوتے فنا ہو جاتی ہے' اور یہ نئی نوع موافقت زمانہ کی وجہ سے خوب پھولتی پھلتی ہے اور اسی کا نام ارتقا ہے۔ اس طرح انسان نے کسی نوع حیوانی سے بدل کر انسانی صورت اختیار کی اور اس مرتبہ پر پہنچا جو اب اس کو حاصل ہے۔

ولی الدین چشتی



مسٹر حیدری، بی، اے

(ہوم سکریٹری دولت آصفیہ، حیدرآباد دکن)

[مطالعۂ سیرت کا بہترین باب کسی زندہ مثال کا مطالعہ ہے۔ جس کی صداقت کا ذہن نشین ہونا اسی طرح لازمی اور آسان ہے جیسے ایک بچہ کو صرف یہ کہ دیا جائے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں، اور پھر مشق کرکے اسے دکھا بھی دیں کہ ایک میں ایک ملا دینے سے دو، اور دو میں دو جوڑ دینے سے چار ہو جاتے ہیں۔ اگلے مشاہیر کے کارنامے ہمیں کتابوں میں ملتے ہیں لیکن ہمارے دل پر اس کا اثر عارضی طور پر ہوتا ہے اور زندہ مشاہیر کے حالات چشم دید واقعات ہوتے ہیں، جن کو ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ کیا دیکھا نہیں ہے کہ عالم نزع کی کیفیت جس نے نہیں دیکھی وہ سکرات کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جس نے کسی کو جان دیتے دیکھا ہے وہ برجستہ کہے گا کہ جان دینے سے تو انکار نہیں ہے لیکن مرنے سے پہلے جو اعضا شکنی ہوتی ہے یہ سچ ہے کہ انسان جب تک خود گرفتار مصیبت نہیں ہوتا دوسروں کی تکلیف کو نہیں سمجھ سکتا لیکن انسان ہی میں یہ مادہ بھی ودیعت رکھا گیا ہے کہ دوسروں کی مثال سے وہ سبق حاصل کرتا ہے بالطبع انسان برا نہیں ہوتا۔ تقلید اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جیسی صحبت ہوگی ویسا اثر ہوگا۔ بہرحال مسٹر حیدری کی کار دانی اور اس پر انکسار، مزید براں بنی نوع کے ساتھ ان کی سچی ہمدردی یہ سارے انسانیت کے اعلیٰ خصایل ہیں۔ ممدوح کو ہم جانتے ہیں۔ ان کے اخلاق حمیدہ، ان کے پاکیزہ عادات، ان کا عزم راسخ، ان کا استقلال، ان کی جفاکشی اور ان کا ظاہر و باطن میں یکساں ہونا اس قدر دل آویز و نتیجہ خیز ہے کہ ممکن نہیں کوئی شخص دو گھڑی ان کے پاس بیٹھ جائے اور ان کے طرز عمل یا گفتگو سے فائدہ اُٹھائے بغیر اُٹھ جائے۔ موصوف کے مختصر دلچسپ حالات جو ہماری فرمایش سے مسٹر حافظی نے قلمبند فرمائے ہیں درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ اڈیٹر]

مشاہیر عالم کے حالات میں سب سے دلچسپ اور مفید امر اُن اسباب و اثرات کا دریافت کرنا ہے، جن کی بدولت مخصوص افراد تماشہ گاہ عالم کے اسٹیج پر آکر ممتاز و نامور بنتے ہیں۔ تقدیر کے قائل تو تدبیر و اسباب کو بھی نتیجۂ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں، مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دُنیا عالم اسباب ہے، اس میں اتفاق کوئی چیز نہیں۔ یہ کل کائنات ادنیٰ سے اعلیٰ تک سلسلۂ علل و معلول میں مربوط ہے۔ دُنیا میں جن افراد یا اقوام نے ترقی کی ہے وہ محض اتفاقی نہیں بلکہ درحقیقت اُس سخت جد و جہد و باقاعدہ سعی و کوشش کا نتیجہ ہے جو وہ باقتضاء زمانہ و بہ مصالح ماحول یعنے حالات گرد و پیش عمل میں لائے۔ جس طرح اس دُنیا میں قیام ہستی کا انحصار سخت کشمکش اور اپنے کو حالات گرد و پیش کے مطابق و موافق بنانے پر ہے اُسی طرح انفرادی یا قومی ترقی بھی اُن شرائط کی تعمیل پر موقوف ہے جو ہر زمانہ میں بلحاظ ماحول بدلتے رہتے ہیں۔

اہل ہند گو اس وقت یورپ کی ایک بہترین قوم کے تابع ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے اب زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کے وسائل و شرائط محدود اور بہت سخت ہو گئے ہیں۔ زمانۂ حال میں ہندوستان میں کسی قسم کی ترقی کرنا آسان کام نہیں ہے



مسٹر حیدری' بی' اے' ہوم سکرٹری دولت آصفیہ

انڈین پریس الہ آباد

بااین ہمہ مشکل حالات و مزاحمات و سخت شرائط کے ہندوستان کے جن افراد نے بہ امتیاز حالات جدید و شرائط ترقی سرکاری ملازمت یا تجارت یا علوم و فنون میں کچھ ترقی و نام آوری حاصل کی ہے وہ نہایت ہی عزت اور قدر کے لائق ہیں ایسے اشخاص کے حالات و کیرکٹر و راز ترقی کا مطالعہ کرنا اور اُن سے سبق لینا نوجوانان ملک کے لئے از حد مفید ہے۔

عظمت و شہرت کا معیار بمقتضاء زمانہ و اختلاف ماحول مختلف ہوا کرتا ہے۔ وحشی اقوام میں عظمت و شہرت کا معیار پہلے تن قوی الجثہ و فولادی اعصاب، رکھنے پر ہے۔ سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں سب سے بڑا وہ شخص سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ قوی الجثہ ہو۔ متمدن اقوام میں دولت معیارِ عظمت و شہرت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ دولت جماعت متمدنہ میں بہت بڑی قوت شمار کی جاتی ہے۔ جو شہری جس قدر دولت کا مالک ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی وقعت و عظمت و شہرت زیادہ ہوتی ہے۔ تمدن کے اعلیٰ و انتہائی مدارج میں علم کا شرف سب سے بڑا معیار فضیلت خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ افراد یا قوم کی سچی عظمت و شہرت کا صحیح معیار خدمت بنی نوع ہے۔ جو افراد جس قدر زیادہ بنی نوع انسان کی خدمت کرتے ہیں اور اُن کی بہبودی کا باعث ہوتے ہیں اُسی قدر وہ ممتاز و قابل عظمت و پرستش ہوتے ہیں۔ یہ افراد عالیہ سب سے پہلے اپنے زمانے و حالات گرد و پیش کا بغور و فکر مطالعہ کرتے ہیں۔ مقتضیات زمانہ و شرائط زندگی و ترقی کو دریافت کرتے ہیں۔ بہترین ذرائع ترقی مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بتدریج اپنے خاندان و قوم و ملک کو صحیح راستہ ترقی پر لے آتے ہیں اور آخر کار اپنے زبردست اثر سے اپنے خاندان و قوم کو درجۂ عظمت پر پہنچانے کا باعث ہوتے ہیں۔ صحابۂ اسلام۔ و جاپان کے موجودہ مشاہیر اسی معنی میں بزرگ سمجھے جاتے ہیں کہ اُنھوں نے بمقتضاء زمانہ و بہ مصالح ماحول یعنی حالات گرد و پیش صحیح اسباب ترقی کو معلوم کر کے اپنی قوم کو شاہراہ ترقی پر لگایا۔

ہر زمانہ و ہر ملک کا اقتضاء و حالات مختلف ہوتے ہیں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان کی ملکی و اقتصادی و تمدنی و انتظامی حالتیں بدل گئیں۔ نئے و سخت شرائط ہستی و و ذرائع ترقی ہمارے سامنے پیش کئے گئے۔ آزادی و حکومت کے عوض ہمیں تابعداری و ماتحتی قبول کرنا پڑی۔ ملازمت سرکاری کے لئے بجائے اپنی مادری زبان کے حاکم وقت کی زبان کی تحصیل و تکمیل مشروط ہو گئی۔ صنعت و حرفت کا خاتمہ ہو گیا اور تجارت صرف مبادلۂ اشیاء خام با مصنوعاتِ یورپ کا نام رہ گیا۔ کشمکش حیات کی روزانہ سختیوں اور اغراض و فوائد کے اختلافات سے ملک میں نزاع و فساد بڑھنے لگا۔ ہندوستان چونکہ زمانہ ہائے دراز سے بادشاہ پرستی کا عادی رہا ہے یہاں کوئی قومی یا ملکی ترقی بلا تائیدِ حکومت مشکل ہے۔ یہاں سرکاری ملازمت قوم و ملک کی نظروں میں بڑے رسوخ و اثر کا ذریعہ ہے۔ اور چونکہ ہندوستان تمدن کے اعلیٰ مدارج سے تنزل کر کے اب تمدن کے اُس متوسط درجہ میں آگیا ہے جس میں سے اس وقت یورپ گذر رہا ہے اس لئے دولت بہت بڑا ذریعۂ امتیاز و عظمت و شہرت سمجھی جاتی ہے۔ پس اگر موجودہ زمانہ میں ہمارے مشاہیر ہند نے باستثناء معدودے چند باقتضاء زمانہ و مصالح حالات گرد و پیش ماحول جدید سے مطابقت کر کے ملازمت سرکاری یا تجارت کے ذریعہ سے شہرت و عظمت حاصل کی ہے تو یہ اُن کی عین دانشمندی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں لائق اور اہل کمال یوسفوں کے نصیبے عموماً اُسی وقت جاگے ہیں جب اُن کا تعلق کسی دولت یا حکومت کی ڈیوڑھی سے ہوا ہے

بے شمار نظائر اس کی تائید میں قدیم و جدید تاریخ سے مل سکتے ہیں۔

دُنیا میں کامیابی و امتیاز و عظمت حاصل کرنے کے لئے چند باتیں ضروریات سے ہیں اوّل فطری مادہ اور ذہن و ذکا کا بالقوہ موجود ہونا۔ دوم اقتضاء زمانہ و حالات گرد و پیش کا صحیح اندازہ کرکے اپنی کوششوں کو اُن کے مطابق و موافق بنانا۔ سوم علم و دولت۔ چہارم مفید خلائق بننا۔ فطری مادہ کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے۔ مگر سب سے زیادہ دانائی وہ و دانشمندی اپنے زمانہ کو پہچاننے اور ماحول یعنی گرد و پیش کے حالات کا صحیح اندازہ کرنے میں درکار ہے۔ انبیا و مصلحین کا درجہ اسی لئے بہت اعلیٰ و ارفع مانا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی نبض اچھی طرح پہچان کر مناسب علاج و رہنمائی تجویز کرتے ہیں۔ اور بیمار قوم کو تندرست و قوی بنا دیتے ہیں۔ ہندوستان کے جن افراد یا اقوام نے سب سے پہلے زمانہ شناسی و اقتضاء حالات گرد و پیش کا لحاظ کرکے اپنی کوششوں کو اُن حالات و شرائط کے موافق و مطابق بنایا آج وہ افراد و اقوام بہتر حالت میں ہیں اور ترقی کر رہی ہیں باقی جنھوں نے اپنی حالت کو ان تبدیل شدہ حالات کے مطابق نہ بنایا وہ قانون زوال کے تحت میں آکر فنا ہوتی جا رہی ہیں۔ یہی اصول ہے جس پر ترقی پذیر افراد و اقوام یورپ و ایشیا کا عملدرآمد ہے۔ اور یہی اصول ہے جس پر یہ جبر و اکراہ انگریز حکمرانان ہند عمل کر رہے ہیں شمال ہند میں سب سے پہلے بنگالی قوم و ہندو افراد نے ترقی کے اس راز کو پہچانا۔ مسلمانوں میں سر سید احمد خاں نے بجز اس کے کچھ چارہ نہ دیکھا کہ جدید حالات گرد و پیش کے لحاظ سے جدید شرائط زندگی و بقا کی تعمیل کی جائے۔ غربی ہند یعنی بمبئی کے مسلمانوں میں سب سے پہلا شخص جس نے اس زمانہ شناسی سے کام لیا وہ بزرگ طیب جی صاحب مرحوم و مغفور والد ماجد مشہور بدرالدین طیب جی مرحوم تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنے بیٹے قمرالدین طیب جی کو اُس وقت یورپ روانہ کیا جبکہ نہر سوئز کا وجود بھی نہ تھا۔ مسلمانوں میں قمرالدین طیب جی غالباً پہلے شخص تھے جنھوں نے انگلینڈ سے بارسٹری کی سند حاصل کی۔ اور اپنے خاندان کو جدید دُنیا اور زمانہ حال کے راز ترقی سے آگاہ کیا۔ تجارت کے ذریعہ سے ۵۰ یا ۶۰ لاکھ روپیہ پیدا کیا اور اس قدر ترقی کی کہ ڈیوک یعنی ملک التجار میں اُن کا شمار ہونے لگا۔ انھوں نے بمبئی میں انجمن حمایتِ اسلام کی بنیاد ڈالی۔ مسلمانان بمبئی کو علوم جدیدہ حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ اُن کے اُفقِ نظر کو وسیع کیا اور ۴۰ یا ۵۰ سال قبل ہی اُنھوں نے مسلمانوں کو یہ سب سے اعلیٰ اور مفید سبق دیا کہ مسلمانان ہند بلحاظ قومیت اپنے کو برادران وطن ہنود سے جُدا نہ کریں۔ مذہبی امتیاز ضرور قائم رکھیں مگر ملکی ترقی و فوائد عامہ و مشترکہ کی کوششوں میں ہندو بھائیوں کا ساتھ دیں اور اُن کو اپنا شریک بنائیں۔ کاش کہ ۳۰ یا ۴۰ سال قبل ہی اگر اس اصول پر عمل ہوتا تو آج غالباً ہندو مسلمانوں میں جُدائی کا غار اتنا عمیق نہ ہوتا اور ہندوستان کی حالت آج بہت بہتر ہوتی۔

عالیجناب مسٹر حیدری جن کی تصویر سے اس ماہ کا ادیب مزین ہے۔ بدرالدین طیب جی مرحوم کی جماعت و خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ غربی ہند کے مسلمان ۴ فرقوں پر منقسم ہیں اول میمن دوم خوجے سوم بوہرے چہارم دکھنی مسلمان۔ ان میں سے پہلے ۳ فرقوں کی خصوصیت بخلاف شمال ہند کے جنگی و حکمراں نسل مسلمانوں کے یہ ہے کہ یہ صدہا سال سے نہایت پُرامن

تجارت پیشہ چلے آتے ہیں۔ مسٹر حیدری سلیمانی بوہرہ فرقے سے ہیں۔ بوہرہ جماعت کی تاریخ اور ان کے خصائص پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فی الواقع عربی وایرانی الاصل ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ غربی ہند کے ساحلی مسلمانوں میں بخلاف شمالی ہند کے آرین خلط کے عربی وایرانی اثرات زیادہ ہیں۔ مذہباً ان کا سلسلہ پُراسرار مشہور اسماعیلی شعیہ فرقے سے ہے۔

مسٹر حیدری کے والد نذر علی صاحب کھمبایت وبمبئی کے ممتاز تاجروں میں سے تھے۔ آپ کی تجارتی کوٹھیاں ملک چین و یورپ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے آپ کو اکثر سفر میں رہنا پڑتا تھا۔ مسٹر حیدری ۱۸۶۹ء میں بمقام بمبئی پیدا ہوئے اور آپ کا نام محمد اکبر نذر علی حیدری رکھا گیا۔ چونکہ والد ماجد بیشتر سفر میں رہتے تھے اس لئے آپ کی ابتدائی تربیت زیادہ تر آپ کی والدہ ماجدہ کے آغوش مادری میں ہوئی جو بدر الدین طیب جی مرحوم کی حقیقی بھانجی تھیں۔ آج جو مسٹر حیدری کے خیالات و عادات میں باوجود یورپی تعلیم و تہذیب کے اسلامی سادگی، اتقاء، نرمی، تحمل، کنبہ پروری کے اوصاف کی جھلک نظر آتی ہے اُس کا بڑا باعث وہ ورثہ واثر ہے جو آپ کو اپنی مہربان والدہ ماجدہ سے حاصل ہوا ہے۔ بوہرہ جماعت کو جہاں تجارتی خصوصیات کا ورثہ ملا ہے اُسی کے ساتھ ان میں اتقا بھی بدرجہ اعلیٰ ہے طہارت و نماز کی پابندی بشدت ہے۔ ڈاڑھی منڈانا و تمباکو پینا سخت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں کی حرمت و ناموس کا بڑا خیال ہے مگر ان میں بخلاف شمال ہند کے عام مسلمانوں کے صرف شرعی پردہ پر اکتفا کی جاتی ہے اور عورتوں کو تازہ ہوا اور روشنی و تعلیم و تربیت سے محروم نہیں کیا جاتا۔

مسٹر حیدری نے ۷ سال کی عمر میں اپنی والدہ صاحبہ کے ذریعہ سے معمولی دینی فرائض سے بخوبی واقفیت حاصل کرلی تھی چونکہ مسٹر حیدری بدر الدین طیب جی ایسے روشن خیال مصلح و بااخلاق خاندان کے زیر اثر تھے اور اس دور میں زمانہ شناس خاندان نے زمانہ حال کی کشمکش میں بقاء ذات و قوم کے شرائط و اسباب کو بخوبی معلوم کرلیا تھا اس لئے یہ خاندان اُن تعصبات و اوہام سے آزاد ہو چکا تھا جو اُس وقت انگریزی زبان و علوم و فنون کی تحصیل کے متعلق عموماً کل ہند کے مسلمانوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ چنانچہ مسٹر حیدری ۷ سال ہی کی عمر میں انگریزی مدرسہ میں داخل کئے گئے۔ ذہانت واحساس فرض کی بدولت بارھویں سال میں آپ نے میٹرکیولیشن[1] کا امتحان پاس کرلیا اس کے بعد الفنسٹن کالج میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخل ہوئے اور سترھویں سال میں سینٹ زیویر کالج بمبئی سے آپ نے بی، اے کی ڈگری آنرز کے ساتھ حاصل کی اور اُسی سال ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ ایام طالبعلمی میں آپ کو بجز انہماک علمی سلامت روی و پابندی صوم و صلوٰۃ اور کوئی شوق نہ تھا۔ اہل بمبئی عموماً رقیق القلبی و انسانی ہمدردی، خیرات وصدقات میں ہندوستان کی سب اقوام سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مسٹر حیدری کی زمانہ طالبعلمی میں بھی یہ بڑی خصوصیت تھی کہ آپ بنی نوع کی تکلیف و درد کو دیکھکر بہت جلد متاثر ہو جاتے تھے ممدوح و ممدوح کی ہمدرد و نیکدل و خلق مجسم بیگم صاحبہ کی ان خصوصیات کا علم و تجربہ اہل حیدرآباد کو بہ زمانہ طغیانی رود موسی پورے طور پر ہو چکا ہے کہ کس طرح ان دونوں افراد عالیہ نے ہزاروں بھوکے پیاسے بے خانماں بندگان خدا کی دستگیری کی ہے۔

مسٹر حیدری کا سترھویں سال میں بی، اے کا امتحان آنرز

---

[1] Matriculation.

۲

کے ساتھ پاس کرنا نہ صرف آپ کے خاندان بلکہ کل مسلمانان بمبئی کے لئے اس وقت ایک قابل فخر بات تھی چنانچہ ۱۸۸۸ء میں بعہد لارڈ ڈفرن وئیسرائے و گورنر جنرل ہند گورنمنٹ آف انڈیا نے آپ کو صیغۂ حساب میں ایک خدمت عطا فرمائی اور آپ ناگپور میں متعین کئے گئے۔ احساس فرض - جفاکشی - و دیانت داری کی بدولت عہدہ داران بالادست بہت جلد آپ کی قدر کرنے لگے۔ چونکہ اسلام کی محبت جدید حالات کا احساس - قومی درد اور اصلاح تمدن و معاشرت کا ورثہ آپ کو بچپن ہی سے ملا تھا آپ نے ناگپور کے مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی، اور ایک مدرسہ زیر حمایت انجمن اسلام ناگپور میں قائم کیا جس کے آپ لائف پریزیڈنٹ ہیں اور یہ مدرسہ آج تک قائم ہے اور خوب ترقی کر رہا ہے۔

۱۸۸۹ء میں آپ کا تبادلہ ناگپور سے لاہور کو ہو گیا اور وہاں بھی آپ ہمیشہ قومی کاموں و سوشل رفارم میں عملی دلچسپی لیتے رہے۔

۱۸۹۰ء میں آپ کا تبادلہ بہ ترقی کلکتہ کو ہوا اور آپ وہاں ۳ سال تک رہے اور وہاں سے بحیثیت ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل الٰہ آباد کو تبدیل ہوئے۔

۱۸۹۳ء میں آپ کی شادی بدرالدین طیب جی صاحب مرحوم کی بھتیجی سے ہوئی - مسز حیدری نجم الدین طیب جی کی صاحبزادی ہیں جو نہایت عالم و علم دوست شخص تھے - ۱۴ سال تک عربستان میں رہے اور ایک نہایت معزز عرب شیخ کی لڑکی سے شادی کی مسٹر حیدری کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کو بیگم صاحبہ بھی ایسی ملیں جو بلحاظ حسن صورت و سیرت، عربی خون و خاندانی شرافت - تعلیم و تربیت فخر نما تونان مسلمانان بمبئی ہیں - بمبئی و حیدر آباد کی صدہا بیکس بیوائیں و حاجتمند اس خلق مجسم - ہمدرد - نیکدل خاتون کے لئے دست بدعا ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس شادی سے مسٹر حیدری کو ایک ایسا مونس زندگی - ہمدم و شریک رنج و غم و مددگار مل گیا جس کا شمار نادر گیتی کے منتخب و بیش بہا موتیوں میں ہو سکتا ہے۔

۱۸۹۷ء میں آپ الٰہ آباد سے بمبئی کو بدل گئے اور ۱۹۰۱ء تک آپ کا قیام بمبئی میں رہا - آپ کو تعلیمی و سوشل رفارم سے ہمیشہ بے حد دلچسپی رہی اور بمبئی کی تمام سوشل رفارم یعنی اصلاح تمدن و معاشرت تحریکوں کے آپ زبردست حامی رہے - ہندو مسلمانوں کے اتحاد میں آپ نے تحریر و تقریر و عمل سے ہمیشہ کوشش کی - آپ کا ایک زبردست اسٹے (مدلل و فصیح مضمون) انگریزی میں چھپا جو بمبئی کے مشہور سوشل رفارم لیڈروں کے مضامین کے ساتھ ایک کتاب کی صورت میں چھاپا گیا ہے - چند دن آپ مدراس میں بھی بحیثیت ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل تعینات رہے - جب آپ کو کل صوبجات ہند کے صیغہ محاسبی کے تجربہ سے ہندوستان کے مالی معاملات کے متعلق مہارت تامہ حاصل ہو گئی تو ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے آپ کو کل انڈیا کے سرکاری پریسوں یعنی مطابع کی جانچ و پڑتال و اخراجات کے متعلق رپورٹ کرنے کے لئے مامور کیا چنانچہ آپ نے کل صوبجات ہند و برہما میں دورہ کیا اور کئی لاکھ کی بچت سرکار کے لئے نکالی - یہ پہلا موقع تھا کہ ایک دیسی کل ہندوستان کے صیغہ فنانس کی ایک شاخ پر رپورٹ لکھنے کے لئے متعین کیا گیا - آپ نے اس کام کو اس خوبی سے انجام دیا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اظہار خوشنودی کیا۔

ان اہم فرائض و خدمات کے ساتھ ساتھ آپ اسلامی و قومی معاملات میں ہمیشہ عملی دلچسپی لیتے رہے چنانچہ ۱۹۰۰ء میں آپ کا انتخاب علیگڈھ کالج کے ٹرسٹی شپ کے لئے ہوا۔

حیدر آباد دکن کی ہنر پروری و قدردانی اہل کمال کا سکہ

زمانہائے دراز سے نام زد ہے - جہاں کہیں ہندوستان میں کوئی دیسی لایق وہونہار نظر آیا - اور ذرا بھی امتیاز پیدا کیا حیدر آباد نے اُس کو اپنا پیارا فرزند ہندوستان سمجھکر اپنے سر و آنکھوں پر لیا۔ یوسفانِ اہل کمال کا مصر حیدر آباد ہی رہا ہے - ہند کے گمنام شاہیر یہیں آکر اقلیم شہرت کے تاجدار ہوئے ہیں - اپنے ذاتی وکسبی جوہر کے اظہار کا موقع انھیں یہیں حاصل ہوا ہے - چنانچہ جب حیدر آباد میں اصلاح فنانس کا مسئلہ درپیش ہوا اور ایک دیسی شخص کی ضرورت ہوئی تو نظر انتخاب مسٹر حیدری پر پڑی اور آپ کی خدمات اولاً بحیثیت صدر محاسب سرکار عالی مستعار لی گئیں - اس کے تھوڑے عرصہ بعد آپ گورنمنٹ نظام کے فنانشل سکریٹری مقرر ہوئے - چونکہ ممدوح کو مختلف صوبجات ہند کے صیغۂ حساب و فنانس کا قریباً سترہ یا اٹھارہ سال کا تجربہ ہوچکا تھا اسلئے ممدوح سے صیغۂ فنانس حیدر آباد کو بڑی مدد ملی - صاحب ممدوح نے اپنے حد اقتدار کے موافق جو اصلاحات کیں اور موسیٰ ندی کی ہولناک طغیانی پر جو ایثار و انسانی ہمدردی خود آپ کی و نیز آپ کی مخیر بیگم صاحبہ عالیہ کی ذات سے ظہور میں آئی اُن کی داستان وہ ہزاروں بندگانِ خدا آج حیدر آباد میں بشکر و دعا سناتے ہیں جن کو آپ کی ذات سے مدد پہنچی - گورنمنٹ آف انڈیا نے اس صلہ خوشنودی میں بیگم صاحبہ مسٹر حیدری کو سنہری تمغہ قیصر ہند عطا فرمایا۔

وہ عظیم الشان تالاب عثمان ساگر جس کا سنگ بنیاد حال ہی میں سلطان ابن السلطان میر عثمان علی خاں شاہ دکن نے اپنے دست مبارک سے رکھا ہے - اور جس سے چند سالوں میں بلدہ و اطراف بلدہ بلحاظ آب و ہوا و باغات وجنگلات وانہار رشک فردوس ہو جانے والا ہے - اس خیال کے ابتدائی محرک مسٹر حیدری ہیں اور آپ ہی کی تحریک پر ریاست میسور کے مشہور دیسی انجینئر مسٹر وشیشیرآیا رجواب ریاست میسور کی دیوانی پر ممتاز ہیں حیدر آباد تشریف لائے اور عثمان ساگر اسکیم کی سفارش کی۔

مسٹر حیدری تعلیم نسواں - وسوشل رفارم کے ہمیشہ زبردست حامی رہے ہیں چنانچہ حیدر آباد میں بھی صیغۂ تعلیم نسواں کے آپ و آپ کی بیگم صاحبہ بڑے موئد ہیں اور آپ محبوبیہ گرلز اسکول کے سکریٹری بھی ہیں - ہندوستان میں صرف چند ہی خاندان مسلمانوں کے ایسے ہیں جنھوں نے اپنے خاندان کی عورتوں کو زیور تعلیم و تربیت سے بہرہ مند کیا ہے - ایک تو مشہور بلگرامی سرتاج خاندانانِ ہند ہے اور دوسرے بدرالدین طیب جی کا خاندان ہے - ان دونوں خاندانوں کی خاتونیں تعلیم و تربیت و فنون لطیفہ مثل موسیقی و مصوری وغیرہ میں اچھی مہارت رکھتی ہیں اور گھر کی زیب و زینت ہیں -

جب معتمدی فنانس کا صیغہ معین المہامی فنانس میں ضم ہوگیا تو مسٹر حیدری گورنمنٹ نظام کے ہوم سکریٹری کی خدمت پر مامور ہوئے - فی الحال برٹش گورنمنٹ میں آپ کا عہدہ اکونٹنٹ جنرل یعنی صدر محاسب کا ہے جس کی تنخواہ ڈھائی ہزار سکہ قیصری ہے - سرکار نظام میں آپ کو ۳ ہزار سکۂ شاہی سے کچھ اوپر ملتا ہے محکمہ ہوم سکریٹری کے ماتحت حسب ذیل محکمے ہیں اول محکمہ عدالت جس میں ہائی کورٹ بھی شامل ہے - دوسرے کل پولس و جیل - تیسرے محکمہ تعلیمات - چوتھے پوسٹل ڈپارٹمنٹ یعنی محکمہ ڈاکخانجات سرکار عالی - پانچویں محکمہ طبابت یعنی شفاخانجات انگریزی - چھٹے محکمہ طبابت یعنی دواخانجات یونانی - ساتویں محکمہ امور مذہبی - آٹھویں امور متفرقات - اتنے مختلف و وسیع محکمہ جات کی نگرانی و انتظامات کے لئے نہایت اعلیٰ و مختلف قابلیتوں و زبردست کیرکٹر کی ضرورت ہے - اور آپ نہایت لیاقت و ذہانت

و دیانت داری سے ان مختلف ذمہ داریوں کو انجام دیتے ہیں۔
پولس و جیل کا انسپکٹر جنرل ایک نہایت باا ثر و زبردست انگریز
ہے۔ اس کے ماتحت اور بھی انگریز ہیں۔ پوسٹل ڈپارٹمنٹ و میڈیکل
ڈپارٹمنٹ کے انسپکٹر جنرل بھی انگریز صاحبان ہیں۔ محکمہ تعلیمات
میں نظام کالج کے پرنسپل و وائس پرنسپل اور چند ہائی اسکولوں کے
ہیڈ ماسٹر صاحبان بھی انگریز صاحبان ہیں۔ اور یہ کل ہوم سکرٹری
کے ماتحت ہیں۔ جن لوگوں کو علیگڈھ کالج کے یورپی اسٹاف
و سکرٹری کے تعلقات کا تجربہ ہے وہ خیال کر سکتے ہیں کہ
اس زمانہ میں لایق و تجربہ کار انگریز ماتحتوں کو اُن کے
حدود معینہ سے متجاوز نہ ہونے دینا اور اُن سے ٹھیک طور پر کام
لینا کیسا مشکل و نازک امر ہے۔ پھر ان کی کارروائیوں کی اس طور پر
تنقیح و تنقید و ترمیم کرنا کہ ایک طرف تو نظام سرکار کی قدیم دیرینہ
پالسی و روایات و اصول کے خلاف کوئی بات نہ ہونے پائے
اور دوسری طرف یورپی ماتحت افسران صیغہ پر نگرانی رکھی جائے
معمولی کام نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حیدرآباد کے ہوم سکرٹری
کی خدمت بہ نسبت سرکار انگریزی کے ہوم سکرٹری کے بدرجہا
زیادہ نازک و مشکل ہے۔ یہاں علاوہ انتظامی قابلیت کے
ریاست کے قدیم دستورات و روایات کا علم و ان کی حفاظت
کرنا بھی ضروریات سے ہے۔ دیسی و اسلامی اخلاق و تواضع
بھی علی قدر مراتب ہر شخص سے برتنا پڑتی ہے۔ یہاں بہ نسبت
ذہنی قابلیت و لیاقت کے عملی قوت اور موقع محل کے لحاظ سے
اکثر کام نکالنا پڑتا ہے۔ اور مسٹر حیدری اس امر میں مبارکباد کے
مستحق ہیں کہ وہ ان نازک خدمات و معاملات کو جن کے مختلف
پہلو ہوتے ہیں خوب سنبھالے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انگریز
بھی تجارت پیشہ قوم ہیں اور مسٹر حیدری بھی اسلیئے آپ انگریزوں
کی خصوصیات کو خوب پہچانتے ہیں۔ چونکہ آپ کی انگریزی و انتظامی
لیاقت خود سرکار انگریزی میں مسلم ہے اور آپ وہاں کے ایک اعلیٰ
و باوجاہت عہدہ دار ہیں اور آپ کی تنخواہ بھی یورپینوں کے
ہم پلہ ہے، اسلیئے آپ کے ماتحت یورپی افسران کو خواہ مخواہ
آپ کا ادب احترام کرنا پڑتا ہے۔ خوش نصیبی سے مسٹر حیدری
کے زمانہ میں مختلف محکمہ جات مثل عدالت و پولس و پوسٹ و طبابت
و تعلیمات وغیرہ کی اصلاحیں عمل میں آئی ہیں۔ ان اصلاحات
کے اصول پر غور کرنا پھر مالی حالات کے لحاظ سے ان کو مرتب
کرنا اور ماتحت محکمہ جات کی تجویزوں کی اس طرح پر ترمیم کرنا کہ اُن
کو چنداں ناگوار نہو آسان کام نہیں۔ پھر تقررات میں لیاقت و
سفارش کا بھی لحاظ ضرور کرنا پڑتا ہے۔ غرض یہ تمام مراحل آپنے
نہایت خوبی سے انجام دئے ہیں۔ اور آپ کے عہد میں صدہا
نوجوان نئی خدمات پر مامور ہوئے ہیں۔ صدہا نے بہ تدریج ترقیاں
پائی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بے وسیلہ بندگان چند ابھی
شامل ہیں جو برسوں سے بسبب بے وسیلہ ہونے کے گوشۂ
کس مپرسی میں پڑے تھے۔ آپ میں ایک بڑی خوبی عدل کی ہے
یہ تو ضرور ہے کہ آپ بذات خاص کام کی کل ہیں اور ماتحتوں کو
بھی ویسا دیکھنا چاہتے ہیں لیکن آپ لایق و محنتی ماتحتوں کے
بڑے قدر داں ہیں۔ اپنے دفتر میں ادنیٰ امیدوار سے لے کر
اعلیٰ مددگار تک کے کام پر آپ چپکے چپکے نظر رکھتے ہیں اور
جب وقت آتا ہے تو اُس کا صلہ و معاوضہ ترقیوں میں دیتے
ہیں۔ چونکہ آپ موروثی تجارت پیشہ و علم حساب کے ماہر فن ہیں
اور ساری عمر حساب و فنانس میں صرف کی ہے اس لئے آپ
ہر معاملہ کو سخت عملی پہلو و صحت سے جانچنے کے عادی ہیں جبتک
آپ کسی معاملہ کی پوری تفصیل تنقیح و تحلیل و تجربہ نہ کرلیں آپ فیصلہ نہیں کرتے۔

حیدر آباد کی ملازمت کے باغ عدن میں سب سے بڑی آزمائش کا شجر ممنوعہ شجر الذہب والفضہ ہے۔ حیدر آباد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف معدودے چند دیسی و یورپی افسر اس آزمائش میں پورے اُترے۔ اس معاملہ میں مسٹر حیدری کا دامن ہر طرح کی آلائش سے اب تک پاک رہا ہے ورنہ فنانس و ہوم سکرٹری کے محکمے جیسے کچھ با اقتدار ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اس کا بڑا سبب اول تو مسٹر حیدری کی خدا ترسی و دیانت داری ہے لیکن دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ آپ خود ماشاء اللہ ایک تاجر دولتمند جماعت وخاندان کے ممبر ہیں اور غالباً آپ کی تجارتی کوٹھیاں بھی ہیں۔

حیدر آباد کی دوسری آزمائش پارٹی پالٹکس ہے۔ ان پارٹیوں کی باہمی رقابت وکشمکش سے بعض اوقات بڑے آتش فشاں پولیٹکل زلزلے حیدر آباد میں ہوا کرتے ہیں۔ دکن کی تاریخ میں ہمیشہ ملکی وغیر ملکی پارٹیاں چلی آئی ہیں اور ہمیشہ نئے نئے اسباب و متغیر حالات و جدید انقلابات سے نئی نئی پارٹیاں بنتی و بگڑتی آئی ہیں۔ انسان کی فطرت میں ذاتی منفعت کی زبردست تحریک موجود ہے۔ اور حسد و رشک کے جذبات قوی ہوتے ہیں اور وہ کبھی ایک حالت پر قانع رہنا پسند نہیں کرتا۔ پس بدنصیب پارٹیاں ہمیشہ انقلاب ورد و بدل کے لئے کوشش کرتی ہیں۔ بے چینی بڑھتی ہے۔ گہری سازشوں کے جال چپکے چپکے بچھائے جاتے ہیں۔ خفیہ ایجنسیاں بھرتی کی جاتی ہیں۔ با اقتدار اشخاص کو مختلف پارٹیاں ترغیب و تحریص و تائید و تخویف غرض ہر ذرائع سے اپنی اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسی حالت میں ان پارٹیوں کے زبردست اثرات و سازشوں سے الگ تھلگ رہنا نہایت زبردست و مستقل کیرکٹر کا کام ہے۔ آہ! کتنے بدنصیب اس پارٹی کی کشمکش کا شکار ہوگئے حقیقت یہ ہے کہ یہ آزمائش پہلی آزمائش سے بھی زیادہ سخت ہے۔ حیدر آباد میں جو شخص ان پارٹی پالٹکس و شجر الذہب والفضہ کی آزمائشوں سے ہمیشہ الگ تھلگ اور بالکل صاف و پاک و بے باک رہا ہے وہ نواب عماد الملک بہادر ہے جس کو آج وہی گرینڈ اولڈ مین آف حیدر آباد کا معزز لقب حاصل ہے۔ ؎

مسٹر حیدری کا اصول بھی ہمیشہ باہمہ و بے ہمہ رہا ہے۔ آپ کا اصول یہ ہے کہ سب سے مقدم ریاست کی منفعت کا خیال ہے باقی رہیں یہ پارٹیاں سو بھائی اپنا اصول عمل یہ ہے کہ ؎ با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام۔

مسٹر حیدری حیدر آباد میں بے پارٹی شخص ہیں۔ آپ ملکی وغیر ملکی جھگڑے کو محض ایک لفظی جھگڑا سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سچے ملکی تو درحقیقت اس ملک کے گونڈ بھیل و لمباڑے و وڈے ما ہیں باقی فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی چار پشت کے ملکی ہیں کوئی دو پشت کے۔ یہ امر کیسا افسوسناک ہے کہ لوگ اس لفظی جھگڑے کی بدولت سلطنت کو ضعف پہنچاتے ہیں۔ اس سیاسی نکتہ کو فراموش کردیتے ہیں۔ تازہ خون ہمیشہ قوت و صحت کا باعث ہوتا ہے۔ باہر والے اگر حیدر آباد آکر کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ عین قانون قدرت کے موافق ہے اور اس میں سلطنت کا فائدہ بھی ہے۔ بات یہ ہے کہ پانی ہمیشہ نشیب کی طرف بہتا ہے۔ دکن کی اعلیٰ و حکمراں جماعت اور یہاں کے اُمرا کا سلسلہ بھی شمال ہند کی قوت دار آب و ہوا سے ہے۔ دکن کی آب و ہوا اپنی بے نظیر زرخیزی، نرمی و آرام پسندی کے باعث قواء انسانی کو جلد ضعیف کردیتی ہے۔ یہاں قیام ہستی کے لئے کشمکش کم ہونے سے مقابلہ و حوصلہ مندی کی قوت گھٹ جاتی ہے۔ انسان مستعدی و جفاکشی و ریاضت جسمانی و دماغی سے عموماً کچھ تو بسبب اثر مرز و بوم اور کچھ بسبب استغنا جی چرانے لگتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غالب و قوی خون کی ضرورت پڑتی

؎ The grand old man of Hyderabad.

ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے دکن میں حکمرانان سابق نے اپنی
سلطنت کی قوت و استحکام کے لئے عربوں و افغانوں و حبشیوں
و راجپوتوں و سکھ وغیرہ جنگجو اقوام کا خیر مقدم کیا ہے اور محمود گاواں
میر جملہ میر عالم وغیرہ مدبرین نے یہاں فروغ پایا ہے - چونکہ اب
زمانہ سیف کا نہیں بلکہ دماغ و قلم کا ہے اسلئے اب مختلف اطراف ہند
کے لایق و سربرآوردہ دیسی لوگ نظام سلطنت کی تائید کے لئے
بلائے جاتے ہیں - اگر ملک ہی ان ضروریات کو پورا کر سکتا تو آج
حیدرآباد میں ان جنگجو اقوام و میر جملہ و میر عالم و بلگرامی و عماد جنگی و
افسر جنگی و محسن الملکی و فریدوں جنگی و سرور جنگی وغیرہ ایسے مدبر و لایق
و روشن خیال خاندانوں کا وجود نہ ہوتا حقیقت یہ ہے کہ ان بیرونی
مختلف الخصائص اقوام و چیدہ لایق خاندانوں کے تازہ خون نے
صحبتوں کی بدولت دکن کی نسل و خون و دماغ پر عمدہ اثرات
مرتب ہو رہے ہیں - اور یہ ملک و سلطنت کے لئے باعث قوت
و زیب و زینت ہیں - ان کی بدولت عنقریب زمانہ میں حیدرآباد
بلحاظ نسل و خون و دل و دماغ ہندوستان میں ایک بہترین مقام
شمار کیا جائے گا اور خلاصۂ ہند سمجھا جائے گا - اور کیا عجب ہے کہ
یہیں سے ازروے اصول ارتقاء انسانی اس جدید ترین مکمل
ہندوستانی ٹائپ کا ظہور ہو جس کا وجود ہنوز تخیل میں ہے - اسلام
ملکی و غیر ملکی سیاہ و سپید کے امتیاز و تنگدلی سے مبرا ہے -
"مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" ایک غیر ولایت کے سیاح کو سب سے
زیادہ دلچسپ و عجیب و غریب منظر جو حیدرآباد کے شہر میں نظر آتا ہے
وہ یہ ہے کہ یہاں تلنگے و مرہٹے و تامل کے شانہ بشانہ عرب و افغان و
ایرانی و حبشی - سکھ و جاٹ و راجپوت وغیرہ اقوام کے مختلف الاشکال
و الالباس لوگ ملے جلے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہے کہ :-

کسے را با کسے کارے نباشد

حیدرآباد کے شہر میں وحشی اقوام سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ یوروپی تمدن
کے انسانی ٹائپ نظر آتے ہیں - اور یہ سب

زندہ باش عثمان علی خاں بادشاہ !

کا ترانہ دل و جان سے گاتے ہیں - اور حیدرآباد کا نام عرب و فارس
و حبش و سرحد و ہندوستان کے قریہ قریہ میں روشن کرتے ہیں - حق
یہ ہے کہ خلافت عباسیہ بغداد کے بعد اب اسلام کی اس اعلیٰ اخوت
و عالمگیری کا تھوڑا سا زندہ نمونہ حیدرآباد ہی میں نظر آتا ہے - یورپ کے
شاہزادے و وائسرایان ہند حیدرآباد میں آکر اس عجیب و غریب
عنا منا یعنی (مظاہر قدرت) کو دیکھکر محو حیرت ہو جاتے ہیں جمعہ کے
دن مکہ مسجد نمونۂ کعبہ نظر آتا ہے -

مسٹر حیدری ملکی و غیر ملکی کے تنگدل تعصبات سے بری ہیں
آپ کا نصب العین ہمیشہ نظم سلطنت و کام کی لیاقت ہے -

یہانتک تو ہم نے مسٹر حیدری کے کارناموں پر نظر ڈالی ہے مناسب
ہوگا کہ اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہم کسی قدر ان کے خیالات و
عادات و محاسن کا بھی ذکر کریں جن کے جاننے کا عوام الناس کو
بہت کم موقع ملتا ہے -

مسلمانوں کی موجودہ حالت اور مستقبل کے متعلق آپ کا خیال
یہ ہے کہ مسلمانوں کو بہت زیادہ عملی بننے کی ضرورت ہے - آپ اکثر
کہا کرتے ہیں کہ سلطنت حیدرآباد کے وسیع رقبے میں ملازمت کے
علاوہ مسلمانوں کے لئے زراعت و تجارت کا وسیع میدان
موجود ہے - اگر مسلمان جلد اس طرف نہ مائل ہوئے تو غیر لوگ جلد
اس پر قبضہ کرلیں گے - کاش حیدرآباد میں جہاں اور غیر ضروری محکمے
موجود ہیں وہاں ایک محکمہ ڈائرکٹر جنرل ترقی صنعت و تجارت کا
قایم کرکے معتمدی امور عامہ کے تحت کر دیا جاتا تو غالباً ہزاروں
بے روزگاروں کے لئے ذرائع معاش کا سامان پیدا کیا جاتا - حیدرآباد

ہیں بے روزگاروں کا روز بروز اضافہ ہوتا جانا ملک کے لئے ایک خوفناک بات ہے - اس کا تدارک بجز صنعت و تجارت کی ترغیب و ترقی کے اور کچھ نہیں -

مسٹر حیدری ہندو و مسلمان اتحاد کے زبردست حامی ہیں آپ کا وہ اعلیٰ مضمون جو ہندوستان کے مشہور سوشل رفارمروں کے مضامین کے ساتھ ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوا ہے قابل مطالعہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سب سے اہم معرکۃ الآرا مسئلہ ہندوستان کے لئے جس پر اُس کی نجات منحصر ہے، ہندو مسلمان کا اتحاد ہے - اور مبارک ہیں وہ افراد جو اس کے حامی و کوشاں ہیں -

تعلیم نسواں کے متعلق مسٹر حیدری کے خیالات بہت فیاضانہ ہیں - ان کی پوری قدر مسلمانان ہند ایک پشت کے بعد کریں گے - حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کی ترقی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مائیں قوی الجثہ و صحیح الدماغ و تربیت یافتہ نہ ہوں گی - دُنیا میں اس وقت جتنی ترقی یافتہ قومیں ہیں سب میں عورت کا درجہ بہتر حالت میں ہے - اور اُن کی قوت ارادی کو کچلا نہیں گیا ہے -

مسٹر حیدری کا مزاج چونکہ سخت عمل پسند واقع ہوا ہے اس لئے آپ حال پر بمقابلہ استقبال کے زیادہ توجہ کرتے ہیں آپ کا خیال ہے کہ بہ نسبت آئیڈیل (خیالی) کے پرکٹیکل (عملی ہونا) زیادہ مفید ہے - ہم کو اپنے پالیٹکس میں موجودہ حالات و شرائط کا لحاظ سب سے مقدم کرنا چاہیے " آج کا دکھ آج کے لئے بس ہے، کل کی مشکلات کل پر چھوڑ دو "

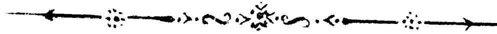
مسٹر حیدری بلحاظ عادات کے سخت جفاکش و پابند اوقات واقع ہوئے ہیں - صداقت پسند ہیں - دن رات میں مشکل آپ ۶ گھنٹہ آرام کرتے ہیں - دینداری و کنبہ پروری آپ کے بڑے اوصاف ہیں - کئی رشتہ دار بیواؤں و بہت سے عزیز یتیم و یسیر بچوں کا اور بہت سے غریب ذوالقربیٰ کا بار آپ پر ہے اور یتامیٰ و مساکین و بیکسوں کو بھی آپ فراموش نہیں کرتے - آپ میں کاظمین الغیظ والعافین عن الناس کی صفت بھی ہے - آپ کو اپنی صاحبۃ الجمال و خلق مجسم بیگم صاحبہ اور پیارے بچوں سے بدرجہ غایت محبت ہے -

اس وقت آپ کی عمر کا تینتالیسواں سال ہے - سرکار انگریزی میں آپ کا درجہ مستقل اکونٹنٹ جنرلی یعنی صدر محاسبی بمشاہرہ دو ہزار پانسو سکہ قیصری ہے - اور نظام سرکار میں آپ معتمد عدالت و پولیس و امور عامہ ہیں - یہاں آپ کی تنخواہ قریباً تین ہزار تین سو روپیہ ماہانہ سکہ شاہی پڑتی ہے اور حال میں نظام گورنمنٹ نے از راہ قدردانی آپ کی خدمات میں ۳ سال کی اور توسیع کی ہے اور پانسو ماہانہ کا اور اضافہ منظور فرمایا ہے - اس حساب سے اب آپ کو قریباً ۴ ہزار ماہانہ ملے گا جس کے آپ ہر صورت مستحق ہیں اور اب آپ کی تنخواہ اعلیٰ سے اعلیٰ یوروپی عہدہ داران سرکار نظام و سرکار انگریزی کے ہم پلہ ہے -

ایک صرف ۴۴ سالہ مسلمان شخص کے لئے ترقی کے ان مراتب و مدارج پر محض اپنی ذاتی کوشش و لیاقت کی بدولت پہنچنا کچھ کم کامیابی نہیں خصوصاً جبکہ اہل ہند کے لئے عموماً و مسلمانوں کے لئے خصوصاً ترقی کی راہیں تنگ و محدود ہیں اور شرائط بہت سخت فطرت نے ہر شخص کو مختلف قابلیتیں جداگانہ طور پر عطا کی ہیں - ہر شخص کی استعداد و قابلیت و کیرکٹر بلحاظ اثر مرز و بوم - وراثت - خاندانی خصوصیات - صحبت - تعلیم و ماحول - مختلف ہوتی ہے - مسٹر حیدری کے خاندان نے مثل پارسیوں کے تجارت و علم کے ذریعہ سے زینۂ سیاست و انتظام پر قدم رکھا ہے - اس وقت آپ کے

خاندان میں کئی انڈین سول سروس جج و انجنیر و ڈاکٹر و آنربل ہیں - ملک التجار ہیں - والیان ریاست مثل ہز ہائینس نواب صاحب جنجیرہ جی سی آئی ای کے ساتھ آپ کے خاندان کو ازدواجی تعلقات ہیں - مسٹر حیدری کے گذشتہ ۲۵ سالہ مختلف تجربات ملازمت کے لحاظ سے جس طرح آپ اس وقت سلطنت کے مالی نظم و نسق میں کافی مہارت حاصل کر چکے ہیں آیندہ چند سالوں میں جبکہ آپ ایچ آف کونسل یعنی عمر شورے پر پہنچیں گے تو آپ میں مشرقی درباداری و سیاسی داؤ پیچ کی وہ قابلیتیں پیدا ہو جائیں گی جو بعض افراد میں سالہا سال کی درباداریوں و سیاسی داؤ پیچوں کے اکھاڑ پچھاڑ سے پیدا ہو جاتی ہیں - مسٹر حیدری کو اپنے بلند حوصلوں کے پورا کرنے و سیاسی اکتساب کے لئے حیدرآباد ایک عمدہ تعلیم گاہ ہے - اور ہمیں یقین ہے کہ آیندہ چند سالوں میں صاحب موصوف حیدرآباد میں بلحاظ اپنی اعلیٰ خدمات سلطنت و فیض رسانی خلق وہ نام پیدا کریں گے جو مدتوں یادگار رہے - حیدرآباد میں انھیں کا نام عرصہ تک روشن رہتا ہے جو سمات سلطنت میں فیاضی و داد و دہش میں گوے سبقت لے جاتے ہیں - بااخلاق و متواضع ہوتے ہیں - اور ملکی و غیر ملکی تعصبات سے مبرا - یہی وہ اوصاف تھے جن کی بدولت میر محبوب علیخان بادشاہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں - اور ان اوصاف کے بعض سابق اعلیٰ عہدہ داروں کے نام آج بھی حیدرآباد کی مخلوق کی زبان پر ہیں -

حافظی



یونانیوں اور رومیوں کا قدیم طریقۂ تعلیم

[ذیل کے مضمون میں منشی تیرتھ رام صاحب نے یہ دکھایا ہے کہ قدمائے روما و یونان کا طریقۂ تعلیم کیا تھا۔ دنیا میں کوئی قوم یک بیک مہذب و متمدن نہیں ہوئی۔ ہر ترقی یافتہ قوم اپنے ابتدائی کارناموں پر نظر ڈالے تو اس کے عیب و ہنر اسے خود بخود نظر آنے لگیں گے۔ اس کلیہ سے اہل روما و یونان بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ اپنی اپنی جگہ علم و فن دونوں خوبیوں سے خالی نہیں لیکن ان کے یہاں ابتدائی زمانہ میں ہنر کو علم پر ترجیح دیتے تھے۔ جس قدر وہ جسمانی محنتوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اس قدر دماغی محنتوں کے وہ عادی نہ تھے۔ ہنر میں بھی سنگتراشی و موسیقی سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے بے گری کو لازمی سمجھتے تھے۔ ایک صناع کے مقابلہ میں ایک عالم کوئی وقعت نہ رکھتا تھا۔ اہل اسپارٹا کا چوری کو معیوب نہ سمجھنا بلکہ چوری کرتے ہوئے گرفتار ہو جانے کو نہایت بُرا تصور کرنا حیرت انگیز نہیں ہے۔ اب بھی بعض ایسی مہذب قومیں ہیں جن کے یہاں اس عیب کو ہنر سمجھتے ہیں کہ ظاہر و باطن میں بعد المشرقین ہو۔ اڈیٹر]

زمانہ قدیم کے دیگر مہذب ممالک چین۔ ہندوستان اور مصر کی طرح قدیم یونان اور روما میں بھی سرکاری اسکول نہ ہوا کرتے تھے جا بجا صرف پرائیویٹ مدارس قایم تھے جن میں وہی لوگ جوان کے مالک ہوتے لڑکوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ مختلف مدارس میں ان کی اہمیت کے اعتبار سے طلبا کی کمی بیشی ہوا کرتی تھی چنانچہ بعض میں صرف پانچ چھ لڑکے تعلیم پاتے تھے اور بعض میں اس کے مقابلہ میں ایک سو یا اس سے بھی زاید لڑکے پڑھا کرتے تھے۔ یونان کے ایک معلم موسیقی کے متعلق قصہ مشہور ہے کہ وہ اپنے ہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کی کمی کو ایک عجیب و غریب طریقہ پر چھپایا کرتا تھا چنانچہ اس نے درسگاہ میں اپولو[1] اور نو موسیقی سُروں کے بت کھڑے کر رکھے تھے اور جب کبھی کوئی اس سے پوچھتا کہ تمہارے ہاں کتنے لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہیں تو وہ جواب دیا کرتا "دیوتاؤں کی مدد سے بارہ"۔

پروفیسر ٹکر نے ایتھنز کی سوشل زندگی سے متعلق جو کتاب لکھی ہے اس سے یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ دارالصدر ایتھنز میں یونانیوں کے بہترین مدارس ہوا کرتے تھے اور یہ کہ ان کی ترقی کے زمانہ میں یونانیوں کے تعلیمی مدارس کی حالت کیسی تھی۔

سات آٹھ سال کی عمر تک لڑکا زنانہ میں رہا کرتا تھا جہاں اسے وقتاً فوقتاً شرارت کرنے پر خوب مار پڑتی تھی۔ اگر اس کا باپ خوشحال ہو تو اسے کھلونے بہت زیادہ تعداد میں مہیا کئے جاتے تھے اور وہ اپنا وقت مٹی کی تصویریں بنانے میں گذارا کرتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ قدیم یونانیوں کو سنگتراشی کا بے حد شوق ہوا کرتا تھا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بارہ میں جو کچھ بھی ہوتا وہ بالکل غیر منظم اور بے قاعدہ طریق پر ہوتا تھا کیونکہ کنڈر گارٹن[2] کا طریقہ اس سے بہت عرصہ بعد شروع ہوا ہے۔

---

[1] Apollo اہل روما اپولو کو شاعری، موسیقی اور پیشین گوئی کا دیوتا، اطبا، گڈریوں اور شہروں کے بانی کا سرپرست دھرم مانتے ہیں۔ ان کے خیالات میں ہارپ (بین یا چنگ) یا لایر (سرود) کا موجد وہی ہے۔ ہندوستان میں اپولو کی جگہ سرسوتی ہے اور ایران میں باربد۔ اڈیٹر۔

[2] Kindergarten. وہ طریقۂ تعلیم جس کے ذریعہ سے نتیجہ خیز سبق کھلونوں، اور کھیل تماشہ سے بچوں میں تعلیم کی دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔ اڈیٹر

جب لڑکے کی عمر اس قدر ہو جاتی کہ وہ اسکول بھیجا جانے کے لایق سمجھا جاتا تو اسے ایک سن رسیدہ اور اچھے خصائل کے ملازم کی نگرانی میں رکھا جاتا تھا جسے وہ لوگ پیڈاگوگس[1] کہا کرتے تھے۔ یہ شخص نہ صرف لڑکے کی نگرانی کرتا بلکہ اسے اخلاق کی تعلیم بھی دیا کرتا تھا مثلاً یہ کہ روٹی بائیں ہاتھ سے اور اور کھانے دائیں سے کھانے چاہئیں علیٰ ہذا القیاس۔ دن طلوع ہونے کے ساتھ ملازم لڑکے کو ہمراہ لے کر مدرسہ کو چل دیتا تھا اور اسے بڑے شایستہ طریقہ پر چلنے کی ہدایت کرتا تھا۔ بعض حالتوں میں لڑکے کو ۲ یا ۳ مختلف اسکولوں میں جانا پڑتا تھا جہاں وہ مختلف مضامین کی تعلیم حاصل کرتا۔ ہر حالت میں ملازم اس کے ہمراہ رہتا تھا اور جب وہ سبق پڑھ لیتا تو اسے دوپہر کے قریب واپس گھر پر لے آیا کرتا تھا۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلیم کا ذکر کیا جائے جو عام طور پر ایتھنز کے نوجوانوں کو دی جاتی تھی۔

سب سے پہلی تعلیم نوشت وخواند کی ہوتی تھی۔ اس قسم کی ابتدائی تعلیم کو ایک ایسا کام سمجھا جاتا تھا جس میں دماغی محنت کی ضرورت نہ پڑتی ہو یہی وجہ تھی کہ یہ کام ان لوگوں کے سپرد ہوتا تھا جو زندگی کے دوسرے مشاغل میں ناکام رہ چکے ہوں اور اسی سبب سے ان کو بنظر حقارت دیکھا جاتا تھا طریق تعلیم چنداں خوشگوار نہ ہوتا تھا اور کند ذہن لڑکوں کے لئے کوئی خاص سامان دلچسپی مہیا کرنے کے بجائے زیادہ تر "لکڑی اور تسمہ" سے کام لیا جاتا تھا۔

لکھنے کے لئے اس زمانہ کے یونانی نوجوانوں کے پاس لکڑی یا دھات کی تختیاں ہوا کرتی تھیں جن پر موم چڑھا ہوتا تھا اور لڑکا ایک قسم کے تیز نوکدار قلم سے ان پر لکھا کرتا تھا اس قسم کی لکھائی کو بوقت ضرورت مٹا دیا جا سکتا تھا۔ جب لڑکا زیادہ اچھی طرح لکھنے کے قابل ہو جاتا تو اسے قلم اور سرکنڈے کا بنا ہوا کاغذ دیا جاتا تھا۔

نوشت وخواند کے علاوہ موسیقی کی تعلیم بھی ہوا کرتی تھی جس میں گانا بجانا دونوں باتیں داخل تھیں۔ لڑکوں کو لائر[2] بجانا اور اسے بجاتے ہوئے گانا سکھایا جاتا تھا۔

طالب علم کی لٹریری تربیت کی طرف بہت کچھ توجہ مبذول کی جاتی تھی۔ اسے ہومر کی نظمیں پڑھائی جاتی تھیں اور اسکے لئے ضروری ہوتا تھا کہ ان کے طویل اقتباسات از بر کرکے استاد کو سنائے۔ ریاضی، نقشہ کشی کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن بلاغت اور اقلیدس کی تعلیم صرف زیادہ عمر کے طالب علموں کے لئے مخصوص تھی۔

ان سب باتوں کے ساتھ ہی جسمانی تربیت کی طرف سے بھی غفلت نہ برتی جاتی تھی۔ سہ پہر کو تیرنا۔ ناچنا۔ دوڑنا۔ کشتی لڑنا۔ وزن اٹھانا وغیرہ کام سکھائے جاتے تھے لیکن ان چیزوں کی تعلیم ایک جداگانہ اسکول میں ہوا کرتی تھی جسے پلیسٹرا[3] یعنے اکھاڑا کہا کرتے تھے۔

اسکول کی فیس ہر ماہ کے آخری دن کو ادا کی جاتی تھی تعطیلات دیوتاؤں سے مخصوص تہواروں کے موقع پر ایک یا زیادہ دنوں کی ہوا کرتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر کچھ قربانیاں بھی ہوتی تھیں جن کے لئے طالب علموں کو چندہ دینا پڑتا تھا۔

کمینہ خیالات کے لوگ ایسے موقعوں پر بچت کے خیال سے

[1] Pedagog ue معلم، استاد، اتالیق۔

[2] Lyre. ایک قسم کا ستار۔ (سرود یا چنگ)۔

[3] Plaestra وہ مدرسہ جہاں کشتی بازی اور کسرت کے لئے اکھاڑے ہوا کرتے تھے۔

اپنے لڑکوں کو ان قربانی کی تقاریب میں شریک نہ ہونے دیتے تھے اور اگر علالت وغیرہ کی وجہ سے کوئی لڑکا چند یوم کے لیے اسکول میں نہ جاتا تو ایسے لوگ اتنے دنوں کی فیس وضع کر لیا کرتے تھے۔

اس زمانہ کے ایک پھولدان پر اسکول کی زندگی کی چار مختلف تصاویر دیکھنے میں آئی ہیں ان میں سے ایک میں دکھایا گیا ہے کہ اُستاد بیٹھا ہوا بانسری بجا رہا ہے اور پاس ہی طالب علم چھاتی پھلائے کھڑا انتظار کر رہا ہے۔ دوسرے نظارہ میں اُستاد لڑکے کی تختی ہاتھ میں لئے اصلاح کر رہا ہے۔ لڑکا توجہ سے کھڑا دیکھ رہا ہے اور اس کے پیچھے ملازم جس کی لمبی سیاہ ڈاڑھی اور سر پر ٹوپی ہے، ایک اسٹول کے اوپر لکڑی ٹیکے بیٹھا ہے۔ تیسری تصویر میں اُستاد اور شاگرد دونوں اسٹولوں پر بیٹھے ہیں لیکن آخر الذکر ایک زیادہ نشیب اسٹول پر۔ دونوں کے ہاتھ میں لایر ہے اور موسیقی کا سبق سکھایا جا رہا ہے۔ چوتھی تصویر میں لڑکے کو پھر کھڑا دکھایا گیا ہے اُستاد مسودہ ہاتھ میں لئے دیکھ رہا ہے اور لڑکا ہومر کی نظمیں پڑھ کر سنا رہا ہے۔ اس تصویر میں بھی ملازم کو لڑکے کے عقب میں بیٹھا ہوا دکھایا گیا ہے۔

ایتھنز میں لڑکوں کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا منشا انھیں کسی قسم کی دستکاری سکھانے یا روزی کمانے کے قابل بنانے کا ہرگز نہ ہوتا تھا۔ وہ لوگ تو صرف یہ چاہتے تھے کہ ان کے بچے تہذیب و تربیت حاصل کر کے اچھے شہری بن سکیں۔

جب لڑکا ۱۶ سال سے زائد عمر کا ہو جاتا تو اسے ایفی بس[۵۵] کہا جاتا تھا اور اس کا زمانۂ تعلیم ختم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد دو سال تک اسے جو تربیت دی جاتی وہ بالکل مختلف قسم کی ہوتی تھی ۱۸ سال کی عمر میں اسے بالغ مرد سمجھا جاتا تھا اور اس کا نام شہریوں کی فہرست میں داخل کر لیتے تھے۔ اس کے بعد وہ مجلس شوریٰ میں شامل ہو کر تمام سرکاری کاروبار میں شریک ہو سکتا تھا اور قانونی عدالتوں میں ممبران جیوری میں داخل ہونے کے قابل سمجھا جاتا تھا۔

یونان کے بعد روما کے طریق تعلیم کا ذکر شروع کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس مخصوص تعلیم کا بھی کسی قدر حال بیان کر دیا جائے جو اسپارٹا والوں میں نوجوانوں کو دی جاتی تھی۔ اہل اسپارٹا میں جو تعلیم مروج تھی وہ مطلقاً علمی نہ ہوتی تھی بلکہ جمناسٹک اور فوجی کرتبوں کے متعلق ہوا کرتی تھی۔ جو لوگ اس قسم کی تعلیم حاصل کرتے وہ حد درجہ کے سخت فوجی ضبط و انتظام کے پابند ہوا کرتے تھے انھیں مقررہ قواعد کی رو سے نہایت مختصر اور ادنیٰ قسم کی غذا دی جاتی تھی لیکن انھیں اجازت ہوتی تھی کہ اگر بھوکے ہوں تو جس طرح بن پڑے خود اپنا پیٹ پالنے کی فکر کریں۔ چوری کرنا بجائے خود کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا مگر چوری کرتے پکڑا جانا بہت بڑا عیب متصور ہوتا تھا۔ اس میں حد درجہ کی بدنامی ہوتی تھی اور سزا بھی سخت دی جاتی تھی۔ ایک نوعمر اسپارٹن جوان کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے ایک لومڑی کا بچہ چرایا اور اسے اپنی قمیص کے اندر چھپا لیا اپنی چوری کو چھپانے کے لئے اس نے اس لومڑی کے بچے کو اپنی آنتیں کترنے دیں اور اُف تک نہ کی۔ آخر دم تک ثابت قدم رہ کر اسی حالت میں مر گیا۔

ان لوگوں میں جمناسٹک کی کسرت نہایت سخت قسم کی ہوتی تھی۔ فریقین میں سے جو کامیاب ہوتا اسے سادہ ہار بطور انعام ملا کرتے تھے اور جو مغلوب ہو جائے اسے خوب اچھی طرح پیٹا کرتے تھے۔

اس قسم کی تربیت کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ گو اسپارٹا کے سپاہی

[۵۵] Ephebos سولہ سے بیس سال کے نوجوانوں کو ایفی بس کہتے تھے۔

بڑے جرار، مضبوط اور مستقل مزاج ہوتے تھے تاہم ان میں اچھے
جرنیل بہت ہی کم دیکھے جاتے تھے۔

اب ہم روما کے طریق تعلیم کا ذکر کرتے ہیں۔ اس بارہ میں
یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ روما والوں نے اپنے تعلیمی طریقے
یونان ہی سے سیکھکر اہل یورپ کو سکھائے تھے۔ اس سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ زمانۂ موجودہ میں مغرب کے مہذب ممالک میں جو
طریق تعلیم مروج ہے وہ زیادہ تر انہی طریقوں کا نتیجہ ہے جو ایک
وقت میں یونان اور اس کے بعد روما میں رایج رہ چکے ہیں۔

روما میں بھی طلبہ کے پاس یونانی طلبہ کی طرح کا سامان ہوا کرتا
تھا یعنی ایک مومی تختی ایک تیز نوکدار قلم اور کتابوں کے بجاے
رومی شعرا کی نظموں کے مسودات۔ شہر روما میں طلبا کے ہمراہ
یونانی طریق پر ملازم بھی موجود رہا کرتے تھے اور انھیں پڈیسیکواس[لہ]
کہتے تھے لیکن مفصلات میں مثلاً وینوسیا یا اسی قسم کے دیگر علاقوں
کے اندر طالب علم اپنا سامان نوشت و خواند ایک بستہ میں
لپیٹ کر خود ہی اسکول تک لے جاتے تھے۔

بسا اوقات معلم کوئی "بھکاری یونانی" ہوا کرتا تھا جو یا تو
اس وقت غلامی کی حالت میں ہوتا یا اس سے پہلے رہ چکا ہوتا
تھا۔ قدرتی طور پر نوجوان رومیوں کو جو اپنے آپ کو شاہ ہفت اقلیم
سمجھتے تھے ایسے اُستادوں کی عزت کا بہت ہی کم خیال ہوا
کرتا تھا ایسی حالتوں میں جو کیفیت دیکھنے میں آیا کرتی اس کا
ایک نہایت افسوسناک نقشہ پلاٹس نے کھینچا ہے۔ اس ظریف شاعر
نے لکھا ہے:۔

"قدیم نیک ایام میں طالب علم اُستاد کی اطاعت اس وقت تک کیا
کرتے تھے جب تک کہ لوگوں کی رائے حاصل کرکے وہ کوئی عہدہ حاصل
نہ کرلیں۔ مگر اب ایک سات سال کے چھوکرے کی بھی یہ کیفیت ہے
کہ اگر اس کا اُستاد اس پر انگلی بھی رکھے تو وہ لکھنے کی تختی اٹھا کر اس
اس کا سر پھوڑنے کو آمادہ ہوتا ہے۔ اُستاد غریب شاگرد کے باپ کے
پاس شکایت لیکر پہنچے تو وہ اُلٹا اپنے لڑکے سے مخاطب ہوکر
یہ کہا کرتا ہے 'میرے اچھے لڑکے تم اس وقت تک میرے جگری فرزند
ہو جب تک تم اپنی محافظت بخوبی کر سکتے ہو' اس کے بعد اُستاد کی
طرف مخاطب ہوکر کہتا ہے 'بڈھے میاں میں نے تمہیں مفت
کے برابر قیمت میں حاصل کیا تھا۔ دیکھو میرے بچہ کو ہاتھ نہ لگانا' بھلا
خیال کی بات ہے کہ جو اُستاد خود مار کھائے وہ بچہ پر اپنی حکومت
کیسے قایم رکھ سکتا ہے؟ وہ تو اس چراغ کی طرح ہے جس کی بتی
ختم ہو چکی ہو۔"

اگر طنزیہ تحریر کے اُستاد جووینل کا قول درست مانا جائے
تو رومیوں میں مدرسہ کا وقت بہت ہی جلد علی الصبح شروع ہو جاتا
تھا یہاں تک کہ طلبہ کو ہاتھ میں چراغ لیکر آنا پڑتا تھا اور ان چراغوں
کے دھوئیں سے ان کے ہوریس یا ورجل کا مسودہ نظم سیاہ ہو جاتا
تھا۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان شاعروں کو
گذرے ایک سو سال بھی نہ گذرے تھے جب ان کی نظمیں اسکولوں
کے کورس میں داخل ہو گئیں۔

ایک اُستاد جو تعلیم کا کام بہت سویرے شروع کر دیا کرتا تھا اُسے
مخاطب کرکے ذیل کے الفاظ کہے گئے ہیں:۔

"اے شریر اُستاد تو مجھے کیا کہنا چاہتا ہے؟ اے بڈھے جوان
لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو تجھ سے نفرت ہے۔ مرغ نے ابھی مہر خاموشی
کو نہیں توڑا کہ تیری بلند آواز اور چابک لگنے کی آہٹ سنائی دینے
لگی ہے۔ تو اتنا غل مچاتا ہے جتنا شور کہ ایک قانون داں کا بت
برنجی گھوڑے پر گاڑنے کے عمل میں پیدا ہوتا ہے عظیم ایمفی تھیٹر

لہ Pedisequus

میں جب عام خلقت کسی مشہور اور ہر دلعزیز شمشیر زن کو مرحبا کہتی ہے
تو اس وقت بھی اتنا شور پیدا نہیں ہوتا جتنا تیرے بولنے سے
پیدا ہوتا ہے۔ ہم جو تیرے ہمسائے ہیں اس بات کے خواہشمند
نہیں کہ تو ہمیں رات بھر امن کے ساتھ آرام کرنے دے۔ تھوڑی تھوڑی
دیر کے بعد جاگنے پر مجبور ہونا ایک بے حقیقت بات ہے مگر رات
بھر جاگتے رہنے پر مجبور ہونا بے حقیقت بات نہیں۔ اے پکوہی
کیا اپنی خاموشی کے لئے اتنی فیس لینا منظور کرے گا جتنی تو اس
غل و شور کے لئے لیتا ہے؟

اس شاعر نے اپنے چند کاہل دوستوں کو بدیں الفاظ مخاطب
کیا ہے:-

"اے کاہلو اٹھو! دیکھو نانبائی لڑکوں کے ہاتھ صبح کی حاضری
فروخت کر رہا ہے اور ہر جگہ صبح خیز پرندے چہچہا رہے ہیں۔"

ان فقرات سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ طالب علموں کو
صبح کے وقت تھوڑے عرصہ کے لئے کھانا کھانے کی چھٹی ملا کرتی
تھی۔ اس وقت کا کھانا بالکل معمولی اور مختصر ہوا کرتا تھا اور اسے
وہ لوگ جنٹا کیولم[۵۱] کہا کرتے تھے۔

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسکول کا وقت اگر
ایسی جلدی شروع ہوتا تھا تو دوپہر سے پہلے پہلے ختم بھی ہو جایا
کرتا تھا۔ اس کے متعلق مختلف سندات پیش کی جا سکتی ہیں لیکن
یہاں صرف ایک ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اعمال حواری میں ایک
جگہ آیا ہے کہ پال نے ٹیرینس[۵۲] نامی ایک شخص کے اسکول کو ۵ بجے
سے ۱۰ بجے تک استعمال کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس عمارت
میں اسکول کا کام ۱۱ بجے سے پہلے پہلے ختم ہو جایا کرتا تھا۔
سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں تعلیم کے لئے یہ عجیب وغریب

[۵۱] Jentaculum
[۵۲] Tryrannus

اوقات کیوں مقرر تھے؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ رومی لوگ
تربیت جسمانی کو تربیت ذہنی پر برتر و افضل مانتے تھے۔ پس جس وقت
ان کے بڑے بوڑھے میدان کیمپس مارٹی[۵۳] میں دوڑتے،
کشتی لڑتے یا تیرا کرتے تھے تو وہ اپنے بیٹوں یا چھوٹے بھائیوں
کی جسمانی تربیت کی بھی بخوبی نگرانی کر سکتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ
کام اس قدر اہم تھا کہ اُسے بھکاری یونانیوں کے سپرد نہ کیا جا سکتا تھا
خاتمہ پر ہمیں صرف اس زمانہ کی سزاؤں، فیس اور تعطیلات کا
ذکر کرنا ہے۔

شہر ہرکولینیم میں جو کوہ ویسووی اس کے دامن میں آتش فشانی کی
وجہ سے دفن ہو گیا تھا ایک تصویر اس قسم کی دیکھی گئی ہے جس سے
رومی اسکولوں کی اندرونی حالت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔
ایک حصہ میں تین لڑکیاں ایک قطار میں بنچ پر بیٹھی سبق یاد کر رہی
ہیں اور اُستاد ان کی نگرانی میں ادھر اُدھر پھرتا دکھایا گیا ہے دوسرے
حصہ میں اُستاد بازو اوپر کی طرف اُٹھائے ہوئے ہے اس کے ہاتھ میں تیرہ
تسمہ کا چابک ہے اور یہ چابک ایک قریب قریب ننگے لڑکے پر
اُڑا چاہتا ہے جسے ایک اور لڑکے کی پیٹھ پر بٹھایا گیا ہے اول الذکر کے
ہاتھ ایک تیسرے لڑکے نے مضبوط پکڑ رکھے ہیں اور ایک اور لڑکا اس کی
ٹانگوں کو تھامے ہوئے ہے تاکہ وہ لڑکا جو اس کے نیچے ہے اسے
خوب اچھی طرح ٹھوکریں لگا سکے۔

عام طور پر اسکولوں میں ریاضی۔ اور مختصر نویسی کی تعلیم
دی جاتی تھی۔ ریاضی میں جمع کا طریقہ قدیم سنسکرت کے جمع
کے طریق سے ملتا جلتا تھا اور تفریق۔ ضرب تقسیم کنکروں[۵۴]
کی مدد سے سکھائی جاتی تھی۔ تعطیلیں زیادہ تر ماہ مارچ اور

[۵۳] Campus Martius وسیع میدان جو ورزش کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔
[۵۴] ان کنکروں کو Calculi کیلکولی کہا کرتے تھے۔

دسمبر میں خاص خاص مذہبی اور قومی تہواروں کے موقع پر ہوا کرتی تھیں۔

اسکول کی فیس وسط ماہ میں ادا کر دی جاتی تھی۔اوسط درجہ میں اس کی مقدار چھ آنہ ماہوار سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ خاص روما کے اندر نسبتاً فیس کی مقدار زیادہ ہوا کرتی تھی تاہم حقیقت یہ ہے کہ پلیمن[1] ایسے ادیب کو بھی نہایت ہی قلیل فیس مجبوراً منظور کرنی پڑتی تھی اور اس میں سے بھی ملازم جو لڑکوں کے ہمراہ آتا اپنا حصہ طلب کرتا تو دینا پڑتا تھا۔

اس زمانہ کے اُستادوں اور شاگردوں کے درمیان دوستی کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ پر بسی اُس ایسے بہت ہی کم نوجوان نظر آئیں گے جو حقیقت میں اپنے اُستادوں سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔

سطور بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم روما اور یونان کا طریق تعلیم بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا طریق تعلیم میں بھی اصلاحات عمل میں آتی گئیں حتیٰ کہ آجکل کے اور اُس زمانہ کے طریقوں میں زمین وآسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

تیرتھ رام

[1] Palæmon





نواب آصف‌الدولہ بہادر شاہ اودھ

انڈین پریس الہ آباد

اسلافِ شاہانِ اودھ

[جس طرح حسن ایک دولت عظمیٰ ہے اسی طرح شرافت ونجابت بھی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور یہ دونوں عطیات الٰہی ہیں۔ انسان اپنے کئے ان خصوصیات کو نہیں پا سکتا۔ مبصّر اور ماہر فن جانتے ہیں کہ سچے موتی کی غذا حسین کی خوبصورتی ہے۔ اُسی موتی کو کسی بدشکل کے گلے میں ڈال دو تو بے آب ہو جاتا ہے۔ کسی عالی نسب کے سارے ظاہری و عارضی لوازمات جاتے رہیں لیکن اس کی اصلیت نہیں بدل سکتی۔ کیا ابر چھا جانے سے آفتاب کی اصلیت جاتی رہتی ہے؟ یا خلاب میں پڑ جانے سے ہیرا ہیرا نہیں رہتا؟ ہم لوگوں میں ایک سخت عیب یہ ہے کہ بغیر تحقیق کسی کی نسبت قطعی رائے قایم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اس زمانۂ پُرآشوب میں بھی یہاں ایسے خاندان اب تک موجود ہیں جو عالی نسبی میں عدیم المثال ہیں شاہان اودھ کا کیا کہنا ہے وہ اپنی عالی نسبی پر جس قدر فخر کرتے بجا تھا۔ مستند تاریخیں شاہد ہیں ان کے اسلاف کی برگزیدگی مسلم الثبوت ہے۔ ان کے خاندان کے ساتھ زمانہ نے جو سلوک کیا وہ تقاضائے وقت تھا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مستند شہادتوں سے چشم پوشی کر کے ان کی عزت و شرافت نسبی خاک میں ملا دی جائے۔ مضمون ذیل میں نواب میرزا مرتضیٰ حسین خاں صاحب، ام، آر، اے، اس نے غایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ شاہانِ اودھ کی عالی نسبی کو بعنوان احسن دکھایا ہے۔ ہم نہایت مشکور ہیں کہ ممدوح نے بڑی کامیابی سے اصلی واقعات کو ظاہر کر دیا ہے جس کے لئے موصوف ہر طرح مستحق داد ہیں۔ اڈیٹر]

تواریخ عالم کی سیر کرنے سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ جب سے دُنیا خلق ہوئی، اور دُنیا میں انسان پیدا ہوئے، اور قدرت نے اُن کو اشرف المخلوقات کے خلعت سے سرفراز فرمایا، اُسی وقت سے ہر ملک وملت اور ہر قوم و قبیلہ میں شرافت خاندانی کو بھی وہ ممتاز درجہ عطا ہوا جس کا کوئی دوسرا ہمسر نظر نہیں آتا۔

جہاں تک دیکھا جاتا ہے عالی نسبی وہ دولت ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی بڑی سلطنتیں تباہ و برباد ہو گئیں ملک ویران ہو گئے، ہزاروں خزانے خالی نظر آنے لگے، لیکن شرافت خاندانی پر آنچ تک نہیں آنے پائی۔ اور کیوں نہ ہو ع

"عزت وہ خزانہ ہے جو خالی نہیں ہوتا"

اگر یہ واقعات و انقلابات زمانہ چشم بصیرت سے دیکھے جائیں تو بخوبی ظاہر ہو جائے گا کہ خلاق عالم نے جس قوم و قبیلہ کو جو عزت مرحمت فرمائی ہے بشر کی مجال نہیں کہ اُس کو چھین سکے۔ مگر ساتھ ہی اس کے جس طرح شرافت، حسب ونسب، دولت لازوال ہے اُسی طرح دُنیا میں اس کے دشمن بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو فطرتاً دوسروں کی عزت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے اور اس کے چھپانے اور مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

چنانچہ خاندان شاہان اودھ کی بدیہی مثال موجود ہے، جو ابھی نصف صدی پیشتر سر برآرائے سلطنت اودھ تھا، جس کی داد و دہش کی وجہ سے لکھنؤ کی ہر ہر گلی اور کوچہ میں گویا کنچن برستا تھا۔ دن عیدرات شب برات تھی۔ مگر آج جب ہم اس گذشتہ شان و شوکت کا خیال کرتے ہیں تو ہمیں سلطنت اودھ ایک خواب

معلوم ہوتا ہے جیسے پورے طور پر دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ آنکھ کھل گئی یا ایک خیال تھا جو دماغ میں آیا اور نکل گیا۔ گو اب بھی اکثر باقیات الصالحات ایسے موجود ہیں جو اپنی آنکھوں سے عروج و زوال سلطنت کا تماشہ دیکھ چکے ہیں اور جب ان سے ذکر آجاتا ہے تو وہ ایک آہ سرد بھر کر گذشتہ شان و عظمت سلطنت کا مرثیہ پڑھکر خود بھی رو دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی رولا دیتے ہیں۔

افسوس ۱۸۵۶ء خاندان اودھ کے واسطے کیا منحوس سال تھا جس نے تاج و تخت سب کو اس طرح خاک میں ملایا کہ اُس نصف صدی کے اندر ہی اندر اس کا نام و نشان مٹتا جاتا ہے اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد زمانہ یہ بھی نہ جانے گا کہ اودھ کا تاجدار کس قوم و قبیلہ سے تھا اور آیا اب بھی کوئی اس خاندان کا نام لیوا باقی ہے یا نہیں چنانچہ انقلاب زمانہ نے مورخین کے رُخ کو بھی ایسا پلٹا کہ اب وہ بلا تحقیق و تنقید یہ تحریر فرمانے لگے کہ خاندان اودھ کا مورث اعلیٰ شہر نیشاپور کا ایک معمولی تاجر تھا جس کو جو کچھ عزت حاصل ہوئی وہ دربار دہلی کی بدولت تھی۔ تعجب خیز تو یہ امر ہے کہ مؤلف لکھنؤ ڈسٹرکٹ گزیٹیر[1] جنھوں نے سرکاری حیثیت سے کتاب کو ترتیب دیا ہے وہ بھی اسی غلطی میں مبتلا ہوئے ہیں۔ لہذا میں اس مختصر مضمون میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ مورث اعلیٰ جس نے عنان سلطنت اودھ اپنے ہاتھ میں لی وہ نیشاپور کا تاجر نہ تھا بلکہ وہ اُس شاہی خاندان سے تھا جس کے مورث مملکت تبریز میں بحیثیت بادشاہ امیر تیمور و بادشاہان صفوی کے ہمعصر تھے چنانچہ تیرھویں صدی عیسوی کے آخر حصہ میں خاندان اودھ کا نیر اقبال مملکت تبریز و آذربائجان وغیرہ سے طلوع ہو کر ۴۷۰ برس کے عرصہ میں اپنے منازل و بروج کو طے کرتا ہوا اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں سرزمین اودھ پر غروب ہوا۔

قبل اس کے کہ اس خاندان کے حسب و نسب سے بحث کی جاوے یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ سلاطین اودھ قوم کے مغل نہ تھے بلکہ ان کی قوم تُرک قبیلہ قراقونیلو یا قراقویون لی تھی۔ قوم مغل اور قوم تُرک میں فرق کیا ہے اس کے سمجھنے کے واسطے یہ واقعات کہ تقسیم اقوام کہاں سے شروع ہوئی قابل لحاظ ہیں۔

ملک تاتار جس کو زمانہ قدیم میں سفدیا (سدیا) کہتے تھے جو بحر الکاہل سے بحیرۂ خزر (جھیل کیسپین) تک چین، ہندوستان اور ایران کے شمال میں پھیلا ہوا ہے اس میں بہت سی خانہ بدوش قومیں آباد تھیں اور وہ قومیں ان چار بڑے طبقوں پر منقسم ہوئیں جن سے یہ جُدا جُدا قومی سلسلے قایم ہوئے۔

(۱) ٹنگس یا مانچو وہ ہیں جو مشرقی حصہ یعنی مانچوریہ میں آباد تھے اور جنھوں نے چین فتح کر کے دوبارہ سترھویں صدی عیسوی سے اپنی سلطنت قایم کی۔

(۲) تنگت یا تبتی وہ قوم ہے جو ہندوستان کے شمال کی جانب تبت میں رہتی تھی اور جس نے ساتویں صدی عیسوی میں مذہب بودھ اختیار کیا۔

(۳) مغل وہ ہیں جو مانچوریا سے مغرب کی طرف مغلستان (منگولیا) میں رہتے تھے جو بڑے جنگجو تھے۔

(۴) ترک وہ لوگ ہیں جو منگولیا کی مغرب سے بحیرہ خزر اور کوہ یورال تک آباد تھے جنھوں نے خراسان ماوراالنہر، شام و روم و مصر وغیرہ پر حکومت کی۔ چنانچہ سلجوق۔ اتابک۔ قراقونیلو۔ خوارزم شاہی بادشاہ اور اُن کی تمام شاخیں اور ہندوستان کے وہ تمام مسلمان خاندان جو محمدؐ غوری سے ابراہیم لودھی تک

[1] لکھنؤ ڈسٹرکٹ گزیٹیر جلد ۳۷، ۱۹۰۴ء

ہند پر حکمراں رہے اور وہ خاندان جس نے اودھ میں سلطنت کی ترکوں ہی کی فہرست میں داخل ہیں

کتبِ تواریخ شاہد ہیں کہ سلاطین اودھ نے صرف اودھ ہی میں سلطنت نہیں کی بلکہ ان کے آبا و اجداد نے آذربائجان و تبریز میں مدتہائے مدید تک کوس لمن الملکی بجایا اور ایسی بادشاہت کی جس کا نام آج تک تاریخ کے صفحوں پر نہایت جلی حرفوں میں لکھا ہوا نظر آرہا ہے۔

یہ خاندان ابتدا ہی سے دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے بادشاہت کا پہلو لئے ہوئے رہا۔ دینی بادشاہت تو اس ذریعہ سے حاصل ہوئی کہ ننھیال اس کا خاندان رسالت ہے اور دنیوی سلطنت اس سلسلہ سے حاصل ہوئی کہ ددھیال شاہانِ تبریز سے ہے۔

چونکہ اس خاندان کی ننھیالی اور ددھیالی دونوں شاخیں قابلِ ذکر ہیں بدیں وجہ میں اس مضمون کو دو حصوں پر منقسم کرکے حصہ اول میں ننھیال اور حصہ دوم میں ددھیال کا ذکر کروں گا۔

حصہ اوّل

سید شمس الدین محمد شہید حضرت امام ہفتم موسیٰ کاظم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت زید کی اولاد سے بہت بڑے عالم جلیل القدر تھے اور نجف اشرف ان کا اصل مسکن تھا۔

پندرھویں صدی عیسوی میں شاہ اسمٰعیل صفوی بادشاہ ایران نے ان کے علم و فضل کا شہرہ سنکر نجف اشرف سے ان کو طلب کرکے شہر نیشاپور کا، جو اس زمانہ میں ممتاز شہروں میں سے تھا قاضی القضات مقرر کیا۔ اور بہت سے املاک اور جاگیر عطا کی۔

سید شمس الدین کے کئی بیٹے تھے منجملہ اُن کے بڑے بیٹے کا نام سید محمد جعفر تھا۔ سید محمد جعفر کو خدا نے دو فرزند عطا کئے تھے جن میں سے ایک کا نام سید محمد امین اور دوسرے کا نام سید محمد تھا۔ یہ دونوں بھی صاحب اولاد تھے چنانچہ سید محمد امین کے صاحبزادے کا نام سید محمد یوسف اور سید محمد کے فرزند کا نام سید محمد نصیر تھا۔ سولھویں صدی کے آخر حصہ میں یہ دونوں چچازاد بھائی شاہ عباس ثانی بادشاہ ایران کی ملازمت میں تھے۔

شاہان ایران کا قاعدہ تھا کہ اُن کے ہمراہ سفر اور شکار میں ارکان و امرائے دولت سواریِ شاہ کے آگے چلتے تھے اور سارا لشکر پیچھے رہتا تھا۔ مگر کوئی شخص جو ہم مرتبہ شاہ نہ ہو وہ سواریِ شاہ کے آگے چلنے کا مجاز نہ تھا اسی وجہ سے بوجہ شرافت خاندانی یہ شرف سادات کے واسطے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اتفاقاً ایک روز سواریِ شاہ جارہی تھی جس وقت ایک جنگل کی طرف سے گذر ہوا ایک شیر نے جنگل سے نکل کر بادشاہ پر حملہ کرکے گھوڑے پر سے گرا دیا۔

سید محمد یوسف نے جونہیں یہ واقعہ دیکھا گھوڑا دوڑا کر قریب شاہ پہنچے اور فوراً گھوڑے سے کود کر اُس شیر کو اپنی پیش قبض سے مار ڈالا۔ چونکہ بادشاہ زرہ آہنی پہنے تھا صدمہ سے محفوظ رہا۔ بادشاہ نے ایسے کارنمایاں کے صلہ میں چاہا کہ انھیں اپنا وزیر اعظم مقرر کریں مگر سید محمد یوسف نے عذر کیا اور عرض کیا کہ میں سید ہوں مجھ سے سیاست نہ ہو سکے گی اور بے اس کے انتظام مملکت غیر ممکن ہے میں معاف فرمایا جاؤں اور بجائے اس کے میر محمد نصیر میرا چچازاد بھائی جو ابھی ناکتخدا ہے اُس کی شادی رضا قلی بیگ وزیر اعظم کی بیٹی سے کر دی جائے[1] بادشاہ نے منظور کیا اور وزیر اعظم سے یوں خطاب فرمایا" میر محمد نصیر میرا بیٹا ہے

[1] اس زمانہ میں اعزا اور امرائے سلطنت کی شادی بلا منظوری و اجازت بادشاہ ممنوع تھی اور یہی اصول سلطنت دہلی اور سلطنت اودھ میں بھی جاری تھا۔

میں نے تیری بیٹی سے اُس کو کتخدا کیا تاکہ میرے اور تیرے سلسلۂ قرابت قائم ہو" وزیر نے جو قوم کا قزلباش تھا اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ اگر بیٹی ہو تو میری قوم کے ساتھ منسوب ہو اور یہ رسم ہمیشہ جاری رہے۔ بادشاہ نے اس شرط کو منظور فرمایا اور یہ شادی شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ ہوئی۔ بادشاہ نے سید محمد یوسف کو نیشاپور میں بہت بڑی جاگیر اور املاک عطا فرمائی۔

میر محمد نصیر کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں جن میں سے بڑے بیٹے کا نام میر محمد باقر اور چھوٹے کا نام میر محمد امین تھا جب یہ اولاد جوان ہوئی تو بی بی نے ایفاے وعدہ چاہا اور یہ فرمایش کی کہ محمد قلی خاں بیگ جو میری ماں کا بھتیجہ نسل بادشاہان ترک قراقوینلو سلطان قرا یوسف و شاہ بداغ بادشاہ تبریز کا پرپوتا ہے اُس کے بیٹے جعفر بیگ خاں کے ساتھ میری دختر کی شادی کی جاوے۔ میر محمد نصیر نے اس شرط پر قبول کیا کہ محمد قلی خاں بیگ اپنی بیٹی میرے بڑے بیٹے میر محمد باقر سے منسوب کرے چنانچہ باہم شرائط منظور ہونے کے بعد یہ دونوں شادیاں منعقد ہوئیں اور جعفر خاں بیگ کے صلب اور میر محمد نصیر کی بیٹی کے بطن سے میرزا محمد مقیم جن کو بعد کو خطاب صفدر جنگ نواب وزیر اودھ ہوا پیدا ہوئے اور انھیں سے سلسلۂ سیادت و ترکان قراقوینلو باہم ملکر گویا قران السعدین ہوا جنھوں نے اودھ میں سنگ بنیاد قراقوینلو نصب کیا۔

میر محمد نصیر کے جو ایک لڑکا اور ایک لڑکی ناکتخدا باقی رہی اس کی یہ صورت ہوئی کہ لڑکی کی شادی تو میر محمد یوسف کے بیٹے میر محمد شاہ میر کے ساتھ ہوئی اور میر محمد یوسف کی بیٹی سے اپنے چھوٹے بیٹے میر محمد امین کا بیاہ کیا چونکہ میر محمد یوسف بڑے متمول تھے اس وجہ سے اُنھوں نے میر محمد امین کو اپنی خانہ دامادی میں لیا۔ ایک دن میر محمد امین کی بی بی نے ان کو بیکاری اور خانہ نشینی کا طعنہ دیا از بسکہ صاحب غیرت تھے وطن کو خیرباد کہکر روانۂ ہندوستان ہوئے۔ یہاں وہ زمانہ فرخ سیر بادشاہ دہلی کا تھا داخل زمرۂ امراے سلطنت ہوئے اور بتدریج ترقی کرتے کرتے سنہ ۱۱۳۰ ہجری میں وزارت صوبۂ اودھ کی خلعت سے سرفراز ہوکر نواب سعادت خاں برہان الملک خطاب پایا۔

نواب سعادت خاں برہان الملک کی بڑی بہن جو شاہزادہ جعفر خاں بیگ کو منسوب تھیں ان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام میرزا محسن اور چھوٹے کا نام میرزا محمد مقیم تھا۔ جبکہ میرزا محسن کی عمر ۹ برس اور میرزا محمد مقیم کی عمر ۶ ماہ کی تھی ان کی ماں نے انتقال کیا۔ میرزا محمد مقیم کو انکی خالہ نے جو میر محمد شاہ میر سے منسوب تھیں اپنا دودھ پلاکر پالا اور یہ دونوں بھائی اپنی خالہ کے گھر میں پروان چڑھے۔

نواب سعادت خاں کی پانچ بیٹیاں ہندوستان میں ہوئیں منجملہ ان کے جب بڑی بیٹی صدر جہاں بیگم کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو نواب وزیر اودھ نے اپنی بہن اور بھانجے کو نیشاپور سے طلب کرکے میرزا محمد مقیم کی شادی اپنی بیٹی صدر جہاں بیگم کے ساتھ کردی جو نواب وزیر اودھ کی نیابت میں ملک کا کام کرنے لگے۔

سنہ ۱۱۵۱ ہجری میں جب نواب سعادت خاں نے انتقال کیا تو محمد شاہ بادشاہ دہلی نے مرحوم نواب وزیر اودھ کے بیٹے خورد سال کو عہدۂ جلیلۂ وزارت پر سرفراز فرمایا اور ولایت و نیابت اس صغیر السن بچہ کی میرزا محمد مقیم کے تفویض کی۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ صاحبزادہ بعارضۂ چیچک انتقال کرگیا۔ چونکہ نواب سعادت خاں کی کوئی اولاد نرینہ باقی نہ تھی اس وجہ سے محمد شاہ بادشاہ دہلی نے میرزا محمد مقیم کو جو نواب وزیر کے بھانجے اور داماد تھے سنہ ۱۱۵۱ ہجری

میں خلعت وزارت اودھ عطا فرما کر نواب صفدر جنگ بہادر کے خطاب سے ملقب کیا۔ اور اسی زمانہ سے قرا یوسف شاہ تبریزی کی اولاد کی حکومت صوبہ اودھ میں قایم ہوئی۔

خاندان سلاطین اودھ کے ننھیالی سلسلہ کو ختم کرنے کے بعد اب میں دادھیالی حسب و نسب کو بالاجمال حصۂ دویم میں بیان کرتا ہوں جو خالی از دلچسپی نہیں ہے۔

حصۂ دویم[1]

تیرھویں صدی کے آخری ربع حصہ میں ترکمانوں کی ایک قوم جھیل وان کے جنوب میں آباد ہوئی چونکہ ان کے جھنڈوں اور پھریروں پر سیاہ بھیڑ کی تصویریں ہوتی تھیں اس لئے یہ سیاہ بھیڑ والے ترکمانوں کے نام سے مشہور ہوئے اور باعتبار حکومت اس خاندان کے مورث اعلیٰ ہونے کا شرف خواجہ بیرم کو حاصل ہوا جس کی پوری وضاحت شجرۂ مندرجۂ ذیل سے ہوگی۔

۷۶۵ھ 1364ء میں سلطان اویس ایلکانی نے خواجہ بیرم کو موصل و سنجار کا حاکم مقرر کیا۔

۷۸۲ھ 1380ء میں قرا محمد بن خواجہ بیرم نے جھیل وان کے جنوب میں اپنی سلطنت قایم کی اور سلطان حسین جلائر سے دوستی پیدا کر کے آذربائجان اور آرمینیا پر قبضہ کیا اور دس برس تک بادشاہت کی۔ اسی زمانہ میں اس کی بیٹی سلطان احمد ایلکانی بن سلطان اویس بادشاہ ایران کو منسوب ہوئی۔ قرا محمد کے دو بیٹے تھے ایک کا نام امیر یار علی اور دوسرے کا نام قرا یوسف تھا۔

۷۹۱ھ 1388ء میں قرا یوسف شاہ اپنے والد ماجد قرا محمد شاہ کے جانشین ہو کر آذربائجان اور آرمینیا پر سلطنت کرنے لگے۔

خواجہ بیرم مورث اعلیٰ ۷۸۲ھ (حاکم موصل و سنجار)
│
قرا محمد شاہ ۷۹۱ھ (آذربائجان و آرمینیا)
├── قرا یوسف ۸۲۳ھ (تبریز و بغداد وغیرہ)
│   ├── پیر بداغ شاہ ۸۱۴ھ (عراق عجم)
│   ├── اسکندر شاہ ۸۴۱ھ (تبریز وغیرہ)
│   └── جہان شاہ ۸۷۲ھ (تبریز وغیرہ)
│   │
│   حسن علی شاہ ۸۷۳ھ (تبریز وغیرہ)
│   │
│   شاہ ناصر میرزا ۸۷۴ھ (تبریز وغیرہ)
│   │
│   شاہ منصور میرزا ۸۷۵ھ (تبریز)
│   │
│   شاہزادہ محمد قلی خاں بیگ (والی نیشاپور)
│   │
│   شاہزادہ جعفر بیگ خاں (والی نیشاپور)
│   │
│   شاہزادہ محمد بیگ قلی خاں (نیشاپور)
│   │
│   شاہزادہ جعفر بیگ خاں ثانی (والی نیشاپور)
│   │
│   میرزا محمد مقیم صفدر جنگ بہادر (نواب وزیر اودھ ۱۱۵۱ھ)
│   │
│   نواب شجاع الدولہ بہادر (نواب وزیر اودھ ۱۱۶۶ھ)
│   ├── آصف الدولہ بہادر ۱۱۸۸ھ (نواب وزیر اودھ)
│   └── سعادت علیخان بہادر ۱۲۱۲ھ (نواب وزیر اودھ)
│   ├── غازی الدین حیدر بہادر ۱۲۲۹ھ (اول بادشاہ اودھ)
│   │   │
│   │   نصیر الدین حیدر بہادر (دوم شاہ اودھ ۱۲۴۳ھ)
│   └── محمد علیشاہ ۱۲۵۳ھ (بادشاہ سویم اودھ)
│   │
│   امجد علیشاہ ۱۲۵۸ھ (چہارم شاہ اودھ)
│   │
│   واجد علیشاہ ۱۲۶۳ھ (آخر شاہ اودھ)
└── امیر یار علی ۸۲۱ھ (ہرات)

۸۰۲ھ 1400ء میں امیر تیمور نے حملہ آور ہو کر قرا یوسف شاہ سے سلطنت چھین لی مگر قرا یوسف نے اطاعت قبول نہ کی اور مصر چلے گئے۔

۸۰۷ھ 1405ء میں تیمور کی وفات کے بعد قرا یوسف نے اپنی سابقہ سلطنت پر حملہ کر کے پھر اسے واپس لے لیا۔ اور اسی سال عربی اور ترکی فوج کثیر جمع کر کے علاوہ قرب و جوار کے ممالک اور مصر کی سرحد سے دریائے فرات تک کے علاقہ کو فتح کر لیا۔ تیمور کے انتقال کے بعد مرزا ابوبکر بن میران شاہ اور ان کے بھائیوں میں باہم جنگ و جدل شروع ہوئی تو قرا یوسف اور سلطان احمد جلائر نے علاکر دستان میں بھی اپنی حکومت قایم کر لی

---

[1] انسائکلو پیڈیا بریٹانکا جلد ۲۶ (تاریخ ایران)۔ محمدن ڈائی نسٹیز مولفہ اسٹینلی لین پول مختصر تاریخ اسلام۔

اور قرا یوسف نے تبریز کو بھی اپنے زیر نگیں کر کے اُس کو دارالسلطنت قرار دیا ابوبکر اپنے ہمراہ اپنے والد میراں شاہ بن تیمور کو لے کر مقابلہ کے واسطے آیا مگر ۸۱۰ھ میں میراں شاہ مارا گیا اور ابوبکر سلطان اویس ایلکانی کے پاس بھاگ گیا مگر اویس نے اُسے قتل کر ڈالا۔

۸۱۰ھ میں قرا یوسف شاہ نے اپنے بیٹے پیر براغ کو عراق عجم میں تخت نشین کیا جن کی نسبت کل مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ بادشاہ نیک، خلیق، بامروت، علم دوست، اور شاعر بھی تھا چنانچہ یہ سجع خود بادشاہ کا نتیجۂ فکر ہے۔

نامم براغ و بندۂ باداغ حیدرم
ہرجا شہ ست در ہمہ عالم غلام ماست

۸۱۳ھ ۱۴۱۱ء میں سلطان احمد جلائر ایلکانی کو قرا یوسف کی ملک گیری پر حسد پیدا ہوا اور اس نے بغداد سے قرا یوسف پر حملہ کیا جس میں وہ شکست کھا کر مارا گیا جس نے خاندان جلائر ایلکانی کا خاتمہ کر دیا۔ قرا یوسف نے بغداد کو بھی فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۸۱۶ھ میں قرا یوسف نے اولاد تیمور سے شروان، گرجستان، قزوین، سلطانیہ، ساوا اور طارم بھی چھین لئے۔

۸۲۳ھ ۱۴۲۰ء میں شاہرخ بن تیمور، جو ہرات کے تخت پر بیٹھا تھا اس نے قرا یوسف پر چڑھائی کی اثنائے جنگ میں قرا یوسف نے بمرض قولنج انتقال کیا۔ اور بہ مقام اجیس، اپنے آبائی قبرستان میں، دفن ہوئے اور یہ شعر لوح قبر پر کندہ ہوا۔

وفاتِ میر یوسف شاہ تبریز
کتابت شد بتاریخ کتابت

جب قرا یوسف شاہ نے انتقال کیا تو اُن کی جگہ پر اسکندر شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے مگر شاہرخ بن تیمور نے انھیں شکست دیکر ان کی وسیع سلطنت پر قبضہ کر لیا اور تبریز کی حکومت اپنے بیٹے بائسنقر کو مرحمت کی۔

۸۳۱ھ میں امیر یار علی بن قرا محمد شاہ نے شہر ہرات کو فتح کر کے سلطنت شروع کی۔ مگر چونکہ یہ امر افسران فوج مرزا بابر تیموری کو نہایت شاق گذرا تھا انھوں نے موقع پا کر کابدار شاہی سے سازش کر کے طعام شاہی میں زہر ملوا دیا جس کے کھانے سے امیر یار علی ۸۵۲ھ میں شہید ہوئے۔

۸۳۴ھ میں قرا اسکندر شاہ نے شاہرخ بن تیمور پر پھر چڑھائی کی مگر شکست نصیب ہوئی مگر اسکندر شاہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور شاہرخ کے واپس جانے کے بعد تبریز اور آذربائجان پر پھر قبضہ کر لیا۔ آخر غرض شاہرخ نے دوبارہ حملہ کر کے اسکندر کو قتل کر ڈالا اور ۸۴۱ھ ۱۴۳۷ء میں جہان شاہ برادر اسکندر کو تبریز میں تخت نشین کر دیا۔ اُسی سال امیر جہانشاہ نے عراق پر چڑھائی کی بابر اُن کے مقابلہ کو گیا مگر چونکہ خراسان میں علاءالدولہ نے قید سے نکل کر فساد برپا کیا تھا بابر ترکوں کی مہم کو چھوڑ کر خراسان آیا علاءالدولہ بھاگ کر امیر جہاں شاہ کے پاس چلا گیا اور ترکوں نے کل عراق عجم و عراق عرب و فارس و کرمان تا کنار عمان و شام تک قبضہ کر لیا۔ لیکن ۸۷۲ھ میں امیر حسن بیگ والی دیار بکر پر جب چڑھائی کی تو اُس نے بہ دغا زہر دے کر شہید کیا۔

۸۷۲ھ ۱۴۶۷ء میں حسن علیشاہ اپنے باپ جہان شاہ کے جانشین تخت ہوئے جن کے عہد میں رعیت نہایت آسودہ حال رہی اور ملک کو بڑی ترقی ہوئی۔

۸۷۴ھ ۱۴۶۹ء میں اس خاندان کے رقیب گروہ سفید بھیڑ والے (آق قویون لی) کے سردار اُوزون حسن۔ حسن علیشاہ کو شکست دیکر

نصف حصۂ سلطنت پر قابض ہو گیا اور اُسی وقت
سے سلطنت قراقونیلو کے دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا اُن کے
قبضہ میں رہ گیا جو ابتدائے زوال سلطنت ہے۔ اسی سال
حسن علی شاہ نے انتقال بھی کیا۔

۸۷۴ھ (۱۴۶۹ء) میں شاہ ناصر میرزا اپنے تخت آبائی پر جلوہ افروز
ہوئے مگر صرف ایک سال سلطنت کی تھی کہ انتقال کیا۔

۸۷۵ھ (۱۴۷۰ء) میں شاہ منصور میرزا ابن شاہ ناصر میرزا تخت نشین ہوئے مگر انہیں
کے عہد میں خاندان صفویہ کا ایران میں دور دورہ شروع ہو چکا
تھا عنان حکومت شاہ اسمعیل صفوی کے ہاتھ میں تھی۔ خاندان
صفویہ کا اقبال کمال عروج پر تھا چنانچہ پندرھویں صدی عیسوی
کے شروع میں شاہ صفوی نے ترکوں کی قوت کا
استیصال کرنا چاہا اور شاہ منصور میرزا پر چڑھائی کر دی۔ شاہ منصور میرزا
دور اندیش بادشاہ تھا یہ سمجھ کر کہ میں تاب مقاومت نہ لا سکوں گا
مقابلہ کرنا مناسب وقت نہ سمجھا بلکہ جس وقت شاہ
اسمعیل داخل مملکت تبریز ہوئے شاہ منصور میرزا نے نہایت تپاک
کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور بلا عذر عنان سلطنت ان کے
ہاتھ میں دیکر خود سبکدوش ہو گئے۔

شاہ اسمعیل اس حسن برتاؤ سے نہایت متاثر ہوئے اور
شاہ منصور میرزا کو مع کل ممبران خاندان شاہی بکمال حشم و خدم
شہر نیشاپور میں لا کر جو اس زمانہ میں ممتاز شہروں میں سے تھا
نیشاپور کے سیاہ و سفید کا اختیار دیدیا۔ اسی زمانہ سے با اختیار
سلطنت ترک قراقونیلو کا خاتمہ ہوا اور شاہ منصور میرزا بحیثیت
ایک باجگزار والی نیشاپور کے بسر کرنے لگے۔ شاہ منصور میرزا
کے انتقال کے بعد پھر وہی قاعدہ جاری رہا کہ اولاد اکبر کو
نیشاپور کی ولایت ملتی تھی چنانچہ اسی اصول پر تمام ممبران خاندان
نے شاہزادہ محمد قلی خاں بیگ کو مسند نشین ریاست نیشاپور کیا۔
ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے شاہزادہ جعفر بیگ خاں
بعد ان کے شاہزادہ محمد بیگ قلی خاں بعدہٗ شاہزادہ جعفر بیگ خاں
ثانی یکے بعد دیگرے والی نیشاپور ہوتے رہے۔

شاہزادہ جعفر خاں بیگ ثانی کو میر محمد نصیر کی بیٹی یعنی میر
محمد امین سعادت خاں برہان الملک نواب وزیر اودھ کی ایک حقیقی
بہن منسوب ہوئیں جن کے بطن سے میرزا محمد مقیم پیدا ہوئے
جن کی شادی نواب سعادت خاں برہان الملک کی بیٹی کے ساتھ
ہوئی اور ۱۱۵۱ھ میں محمد شاہ بادشاہ دہلی کے دربار سے
خلعت وزارت مملکت اودھ اور نواب صفدر جنگ بہادر کے
خطاب سے سرفراز ہوئے جن سے صوبہ اودھ میں نسل قراقونیلو
شاہ تبریز کی حکومت کا سلسلہ قایم ہوا۔

نواب صفدر جنگ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند
شجاع الدولہ بہادر مسند وزارت صوبۂ اودھ پر متمکن ہوئے
ان کے بعد نواب آصف الدولہ بہادر بعد ان کے نواب
سعادت علی خاں بہادر بعدہٗ غازی الدین حیدر بہادر جن کو
گورنمنٹ برطانیہ نے اول شاہ اودھ کا خطاب عطا کیا تھا انکے بعد
شاہ نصیر الدین حیدر بہادر بعد اُن کے محمد علیشاہ بادشاہ پھر
اُن کے بعد امجد علیشاہ بادشاہ ان کے بعد سب سے آخر بادشاہ
واجد علی شاہ ہوئے جنھوں نے ۱۸۵۶ء میں حسب خواہش
گورنمنٹ برطانیہ سلطنت اودھ سے کنارہ کشی اختیار کرکے اپنے
جداعلیٰ شاہ منصور میرزا بادشاہ تبریز کے قدم بقدم چل کر اس امر
کو ثابت کر دیا کہ جس طرح شاہ منصور میرزا کو یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ شاہ
اسمعیل صفوی سے برسر مقابلہ ہو کر ہزاروں بندگان خدا
کے خون ناحق سے اپنا دامن رنگین کرتے اسی طرح یہ بھی

گورنمنٹ برطانیہ سے دو بدو لڑکر سرزمین اودھ پر خون کی ندیاں بہانے کا باعث ہوں۔

میرا یہ مضمون جو کتب انگریزی و فارسی و اُردو کا ماخذ ہے غالباً اُن حضرات کو تشفی بخش ہوگا جن کو یہ خیال تھا کہ خاندان اودھ کو دہلی کی بدولت عزت حاصل ہوئی ورنہ اس کا مورث اعلیٰ تاجر ہونے کی حیثیت سے اسی قدر قابل وقعت ہے جس قدر ایک معمولی تاجر ہوسکتا ہے یا وہ لوگ جو اس امر کے مدعی ہیں کہ اولاد نواب سعادت علی خان بہادر کا ممبر خاندان شاہی میں شمار نہیں ہوسکتا۔

ان واقعات تاریخی پر نظر کرنے کے بعد اگر اس تعلق وزارت کو جو نواب صفدر جنگ بہادر کو سلطنت دہلی سے تھا یا اس لقب بادشاہت کو جو تاج برطانیہ کی جانب سے شاہ غازی الدین حیدر بہادر کو عطا ہوا تھا قطع نظر کی جاوے، تب بھی خاندان اودھ کو جو شرف بسبب نسل شاہان تبریز حاصل ہوچکا ہے وہ بدرجہا زیادہ قابل فخر ہے جس کو زمانہ لاکھ مٹائے مگر صفحات تاریخ سے وہ محو نہیں ہوسکتا لہذا اگر اولاد شاہان صفوی یا شاہان تیموری خاندان شاہی کی طرف منسوب ہوسکتی ہے تو اولاد شاہ قرا یوسف بادشاہ تبریز خواہ اس کا سلسلہ نواب سعادت علیخاں بہادر پر ختم ہو یا واجد علیشاہ بادشاہ پر اولاد شاہی میں بدرجۂ اولیٰ داخل ہے۔ چونکہ یہ مضمون طویل ہوگیا ہے میں نے بنظر اختصار حکمرانان اودھ کے مفصل حالات لکھنے سے گریز کیا انشاء اللہ آیندہ مضامین میں سلسلہ وار ہدیۂ ناظرین کرونگا۔

مرتضیٰ حسین خاں



نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

[سُنا ہوگا کہ میاں جی کی ڈاڑھی واہ واہ میں گئی۔ کیوں؟ میاں جی نے بڑھاپے میں ایک اور شادی کرلی۔ بوڑھی بیوی کے ہاں جاتے تو کہتیں کہ میاں تمہارے سیاہ بال اچھے نہیں لگتے۔ لاؤ میں نکال دوں۔ جوان بیوی کے ہاں آتے تو کہتیں کہ میاں تمہارے سفید بال اچھے نہیں لگتے۔ لاؤ نکال دوں۔ غرضکہ بیویوں کی خوشنودی کے لئے سیاہ و سفید کے پیچھے میاں جی کی ڈاڑھی کا صفایا ہوگیا۔ حُسنِ اتفاق سے وزیر لنکران[1] بھی حد سے سوا عقلمند تھے۔ پیری میں ایک شعلہ خانم بیاہ لائے۔ خانم صاحبہ کی ایک چھوٹی بہن نساء خانم بھی پر کالہ تھیں۔ وزیر نے دیکھا کہ دولت حُسن تو مل چکی لنکران کی ولایت کیوں خالی رہ جائے۔ خان لنکران سے نساء خانم کو بیاہ دیں وہ تو خوش قسمتی تھی نساء خانم کی تیمور آقا رقیب بن بیٹھا اور نہیں تو ناؤ بھر کر وزیر صاحب نے ڈبویا ہی تھا۔ بھلا اس جلادی کی کوئی انتہا ہے۔ چھلنی تو فرش پر ڈال گیا کریم سائیس اور وزیر صاحب کے لگ گئی چوٹ۔ کا سا جلاد کسی کی سُنتے والا تھا۔ مگر طویلے کی بلا بندر کے سر پٹ گیا غریب ناظر۔ خیر۔ اس لطیف ڈراما کو مولوی محمد شفیع الدین خاں صاحب، ام، آر، اے، اس، نے دلچسپ پیرایہ میں ترجمہ کردیا ہے جسے پڑھ کر ناظرین خوش ہوجائیں گے۔ اڈیٹر]

پہلی فصل

لنکران دریائے خضر کے کنارے ایک آباد اور پُر رونق شہر ہے

کسی زمانہ میں یہاں ایک حاکم "خان" کے لقب سے حکمرانی کرتا تھا۔ اُس کا وزیر مرزا حبیب ایک بوالہوس اور بیوقوف سا آدمی تھا چنانچہ ذیل کی گفتگو سے معلوم ہوگا کہ وزیر صاحب موصوف کس دماغ و طبیعت کے آدمی تھے۔ یہ مکالمہ حاجی صالح تاجر اور وزیر صاحب کے درمیان ہو رہا ہے۔

وزیر۔ ہم نے سُنا ہے۔ تم رشت جانے کا ارادہ کر رہے ہو۔ کیا یہ خبر صحیح ہے؟

حاجی صالح۔ جی حضور خیال تو ہے۔

وزیر۔ ہم نے تمہیں خاص کام کے واسطے بلایا ہے۔ رشت سے ہمارے لئے ایک چیز لیتے آنا۔

حاجی صالح۔ ارشاد۔ غلام حضور کے کام کے واسطے بدل و جان حاضر ہے (دل میں بہت خوش ہوئے کہ کوئی نفع کا سودا ہے)

وزیر۔ تم رشت سے ہمارے لئے آبی زری کا ایک شلوکہ طیار کرا کر لیتے آنا جس میں ۲۴ بٹن طلائی مرغی کے انڈے سے چھوٹے اور کبوتر کے انڈے سے بڑے ٹکے ہوں۔ لو یہ پچاس اشرفیاں اگر ان سے زیادہ قیمت ہوگئی تو واپسی پر لے لینا۔ مگر خیال رہے کہ بےنظیر چیز ہو ورنہ دُگنے دام وصول کرلوں گا۔

حاجی صالح۔ بہت اچھا حضور۔ ایک مہینہ سے کم عرصہ میں لوٹ آؤں گا میں ریشم لینے جاتا ہوں اور اُس کی خریداری میں زیادہ مدت نہ لگے گی۔ لیکن حضور شلوکہ کا ناپ تو معلوم ہونا چاہئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ کم و بیش ہوجائے۔

وزیر۔ ناپ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس درزی سے سلواؤ اُس سے

---

[1] وزیر لنکران ایک فارسی ڈراما کا نام ہے جو نہایت مقبول ہوا ہے اور جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہوگیا ہے۔ بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ کی نصاب فارسی میں داخل ہے۔ اڈیٹر

کہدینا کہ ذرا بڑا رکھے۔ اگر وہ ٹھیک جسم پر آیا تو خیر ورنہ درست کرالیا جائے گا۔

حاجی صالح۔ عالی جاہا اس میں کیا ہرج ہے کہ یہاں سے پیمانہ لیجاؤں اور رشت سے اُسی کے موافق سلوا کر شلوکہ لیتا آؤں۔

وزیر۔ استغفر اللہ۔ تم عجیب فضول گو شخص ہو۔ اس میں ایک راز ہے اگر ہم تمہیں ناپ دیدیں یا یہاں شلوکہ سلوائیں تو بڑی قباحت پیدا ہو۔ لو سنو۔ عید نوروز قریب ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ اس تقریب میں شعلہ خانم کو کوئی عمدہ تحفہ نذر کریں۔ اگر شلوکہ یہاں سلوایا گیا یا ناپ تمہیں دیا گیا تو ناممکن ہے کہ اس خبر کو زیبا خانم نہ پاجائے اور پھر تم خود خیال کرلو کہ کیسی لڑائی ہوگی۔

(ایہا الناظرین حضرت وزیر صاحب قبلہ کی دو بیویاں تھیں جن کے نام نامی شعلہ خانم و زیبا خانم تھے۔ شعلہ خانم سے آپ نے حال میں شادی کی تھی۔ ان نیک بخت کی ہر طرح خاطرداری کرتے تھے۔ رہیں زیبا خانم وہ وزیر صاحب کی ہم سن اور معقول حد تک زبان دراز تھیں۔ اسی واسطے آپ کا قافیہ تنگ رہتا تھا)۔

حاجی صالح۔ خداوند نعمت جب سلا ہوا شلوکہ آپ چھوٹی بیگم صاحبہ کو دیجئے گا تو بڑی بیگم صاحبہ ویسا ہی نہ طلب کریں گی؟ اُس وقت کیا ہوگا۔

وزیر۔ لاحول ولا قوۃ۔ اللہ اکبر۔ حاجی صالح۔ تم میں ذرا عقل نہیں۔ تعجب ہے کہ کاروبار تجارت کیسے کرتے ہو۔ میاں شلوکہ دیتے وقت ہم کہدیں گے کہ ہماری بہن ہدایت خانم نے اصفہان سے بھیجا ہے۔ اس طرح لڑائی ٹل جائے گی۔

حاجی صالح۔ قربان جاؤں۔ کیا بات حضور نے سوچی ہے۔ بڑی چوکھی تدبیر ہے لیکن سرکار بڑی بیگم صاحبہ بھی تجربہ کار و ہوشیار ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دھوکا کھل جائے تو اُس وقت بڑی بھد ہوگی۔

وزیر۔ ڈاڑھی کی قسم۔ حاجی صالح۔ تیری بک بک سے دماغ پریشان ہوگیا۔ دُور ہو کم بخت۔ جیسا ہم نے کہا ہے ویسا ہی کر۔

(حاجی صالح سلام کرکے چلا جاتا ہے اور بی زیبا خانم صاحبہ نمودار ہوتی ہیں)

زیبا خانم۔ کیوں جناب پیر نابالغ صاحب۔ حاجی صالح سے آبی زری کا شلوکہ رشت سے منگایا جارہا ہے اور بہانہ یہ کیا جائیگا کہ ہدایت خانم نے بھیجا ہے۔ میں بھلا اس بات پر یقین بھی کرلیتی آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کا بخل مجھے خوب معلوم ہے پھر اُن سے کیسے ممکن تھا کہ پچاس ساٹھ اشرفی کا شلوکہ حضور کو بھیجدیتیں۔

وزیر۔ کم بخت۔ کیا بکتی ہے۔ کیسا شلوکہ؟ کون ہدایت خانم؟

زیبا خانم۔ تمہیں۔ بوڑھے ہو کر جھوٹ بولتے شرم بھی نہیں آتی۔ جس وقت تم نے حاجی صالح کو بُلایا تھا میں دروازہ کی آڑ میں کھڑی ہوئی تھی اور میں نے وہ سب باتیں سُنیں جو تم نے حاجی سے کہیں۔ خیر۔ مجھے اس سے کیا۔ آبی زری کا شلوکہ شعلہ خانم کو پہناؤ اور تیمور آقا کی آنکھیں روشن ہوں۔

وزیر۔ اے عورت۔ تو کیوں بے فائدہ غل مچاتی ہے۔ تجھے سوائے فضول بکنے کے اور کچھ نہیں آتا۔ میرے سامنے میری بیوی پر تہمت۔ نہایت افسوس ہے۔

زیبا خانم۔ پھر۔ جوان عورت کیوں کی تھی۔ اپنی عمر پر بھی تو غور کیا ہوتا۔ اگر شعلہ خانم اور تیمور آقا سے محبت ہے تو کیا بُرا ہے۔ "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز"۔ مجھے دیکھو کیسی عصمت شعار اور وفادار ہوں کہ آج تک تمہارے ساتھ نباہ دی۔ میں نے اور میری لونڈی نے بارہا تیمور آقا کو شعلہ خانم کے یہاں دیکھا ہے

وزیر (نہایت غصہ سے) دُور ہو یہاں سے۔ تیرا اور تیری لونڈی کا کیا اعتبار۔

زیبا خانم- تم چاہے اعتبار کرو یا نہ کرو- تمام لنگر آن جانتا ہے کہ شعلہ خانم کے یہاں تیمور آقا کی آمد و رفت ہے- اور لوگوں کا خیال ہے کہ تم دانستہ چشم پوشی کرتے ہو-

وزیر- استغفراللہ- لاحول ولا قوۃ الا باللہ- اتنا بڑا الزام میرے اوپر اور تیرے مُنہ سے- بھلا کمبخت یہ تو بتلا کہ تیمور آقا کو شعلہ خانم نے کہاں دیکھا اور کیسے رسم پیدا کی-

زیبا خانم- اس بارہ میں وہ بے قصور ہے- تم نے خود اُسے تیمور آقا کو دکھلایا- کیا بھول گئے عید نوروز کا واقعہ جب تم ہم سب کو تیمور آقا کی کُشتی کا تماشہ دکھلانے قلعہ میں لے گئے تھے اور آقا نے کُل پہلوانوں کو نیچا دکھلایا تھا- وہیں تو شعلہ خانم اور آقا کی آنکھیں چار ہونے کا ہے- تمہاری سزا یہی ہے- بڑھاپے میں جب کوئی شخص جوان بیوی کرتا ہے تو اُس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے-

وزیر (نہایت غضبناک ہو کر) خدا کے لئے- جاؤ- دفع ہو-

(زیبا خانم تشریف لے جاتی ہیں)

وزیر کو اس خبر کے سُننے سے نہایت ملال ہوا- اب اُس نے سوچا کہ شعلہ خانم سے کس طریقہ پر دریافت کیا جائے لیکن کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آئی- اسی اُدھیڑ بن میں بہت وقت گذر گیا اور وزیر صاحب خان کے دربار میں جانے کو طیار ہوئے- خیالات نے غلطاں پیچاں تو کر ہی رکھا تھا- سر و پا کی خبر نہ تھی- اتفاق وقت اور وزیر صاحب کی بدقسمتی کہ راستہ میں ایک چھلنی پڑی ہوئی تھی- ذات شریف کا پاؤں اُس پر پڑا اور گھیرا نکل کر نہایت زور سے گھٹنے میں لگا- وزیر بوڑھا تو آدمی اور اُس پر یہ چوٹ- ہائے کرکے بیٹھ گیا اور لگا چلانے "ہائے مر گیا- مر گیا- دوڑو- دوڑو" تمام نوکر اور بی زیبا خانم صاحبہ جمع ہو گئے- اور وزیر نے دریافت کرنا شروع کیا "کم بخت- یہ چھلنی کہاں سے آئی- جب میں اس منحوس گھر میں قدم رکھتا ہوں اپنے ہی جھگڑے پیش آتے ہیں- لاحول ولا قوۃ- ڈاڑھی کی قسم- ایک ایک کو پھانسی دیدوں گا- بتاؤ بدمعاشو- کس نے یہ چھلنی یہاں ڈالی"-

زیبا خانم- ہم کیا جانیں- کون ڈال گیا- تم جب کبھی یہاں آتے ہو ایسے ہی سوانگ کرتے ہو- کسی کو تم سے دشمنی تھی جو قصداً چھلنی ڈالدیتا- اور وہ چوٹ ہی ایسی کون سی ہے کہ مرے جاتے ہو-

وزیر- کمبخت- تو تو چاہتی ہے کہ میں مر جاؤں- تیری دانتا کل کل نے ہی مجھے پریشانی میں مبتلا کیا- ٹھہر تو جا کیسا مزا چکھاتا ہوں- حیدر فراش تم بتاؤ یہ چھلنی کہاں سے آئی-

حیدر- حضور- میرے ماں باپ قربان ہوں- صبح میں دالان میں جھاڑو دے رہا تھا کہ کریم سائیس یہ چھلنی لئے ہوئے آیا اور تھوڑی دیر باتیں کرکے چلا گیا- غالباً وہی چھوڑ گیا-

وزیر- بلاؤ- اُس کمبخت سائیس کو- اللہ اللہ- سائیس- اور میرے دالان میں- شکستہ چھلنی اور یہاں- یہ سب تقدیری باتیں ہیں- خدا محفوظ رکھے-

(فراش اور سائیس آتے ہیں)

وزیر- (نہایت غصہ سے) نالائق کریم- تو ہمارے دالان میں کیسے آیا اور کیوں یہ چھلنی چھوڑ گیا-

سائیس- میرے ماں باپ قربان ہوں- عالی جاہا میں صرف یہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ حضور آج سوار ہوں گے یا نہیں-

وزیر- ارے- ان باتوں سے کچھ مطلب نہیں- یہ بتا کہ چھلنی کیسے آئی-

سائیس- حضور- یہ چھلنی گھوڑوں کے جَو چھاننے کی ہے- جب میں آیا ہوں تو ہاتھ میں تھی اور اتفاق سے بھول کر چلا گیا- اُس وقت سے ابتک اسی کی تلاش میں پھر رہا ہوں-

وزیر۔ (حیدر فراش کی جانب مخاطب ہو کر) جاؤ اور آقا بشیر ناظر سے کہو کہ تھوڑی سی قمچیاں۔ ایک ٹکٹکی اور تین فراشوں کو لیکر حاضر ہو۔

(حیدر جاتا ہے)

سائیس۔ حضور۔ اس دفعہ بخش دیجئے۔ ماں باپ کی قسم۔ اب کبھی نہیں آوں گا۔ بڑی خطا ہوئی۔ للہ۔ رحم فرمائیے۔

(ناظر وغیرہ آتے ہیں)

وزیر۔ (فراشوں سے) ناظر کو پچھاڑ کر اس کے پاؤں باندھو۔

ناظر۔ بھلا حضور میری کیا خطا ہے۔ قربان جاؤں۔ پہلے قصور بتلا دیجئے۔ اُس کے بعد سزا دیجئے۔

وزیر۔ قصور یہ ہے کہ میرے دالان میں یہ چھلنی کیسے آئی۔

ناظر۔ حضور۔ مجھے کیا معلوم۔

وزیر۔ ہاں تجھے کیا معلوم۔ جب مار کھائے گا تو معلوم ہوگا۔ (فراشوں سے) مارو۔

ناظر بیچارے پر قمچیاں پڑنے لگیں اور ایک شور محشر برپا ہو گیا۔ جب وزیر نے دیکھا کہ وہ خوب ساپٹ گیا تو فراشوں کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا " دیکھ۔ آیندہ سے ہر شخص اپنی جگہ رہے۔ تو تمام نوکروں کا افسر ہے۔ کریم سائیس کی جگہ طویلہ ہے۔ وہ یہاں کبھی نہ آئے اور اگر آئے تو اُس کے ہاتھ میں چھلنی نہ ہو"۔

ناظر۔ (روتے ہوئے) بہت اچھا حضور۔ آج کی مار عمر بھر یاد رہے گی۔ کیا مجال کہ کوئی بھی دالان میں قدم رکھ سکے۔

کریم۔ (دل میں) رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

(سب جاتے ہیں)

دوسری فصل

(تیمور و نساء خانم ہمشیرہ شعلہ خانم باتیں کر رہی ہیں)

تیمور آقا۔ کس قدر افسوس ہے کہ خان میری جان کے درپے ہے۔ میرے باپ کی ولایت اور خانی کا ضبط کر لینا اور پھر میری زندگی کے پیچھے پڑنا کس قدر ظلم ہے۔ خیر ان باتوں کو میں بارہ برس سے ضبط کر رہا ہوں لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وزیر کے خیال کے موافق تجھے اپنی آنکھوں سے خان کے محل میں دیکھوں۔

نساء خانم۔ خان تمہیں سد راہ سمجھتا ہے اور اُس کا خیال ہے کہ شاید کسی وقت تم وراثت کا دعویٰ کرو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمہیں ضرر پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ مجھے وزیر خان کے ساتھ کردے۔ قیامت تک ناممکن ہے۔

تیمور آقا۔ بہن شعلہ خانم کہاں ہیں۔ چلو اُن کے دالان میں چلیں وہاں گفتگو کریں گے۔

(دونوں جاتے ہیں اور زیبا خانم نمودار ہوتی ہیں)

زیبا خانم۔ (خود) شعلہ خانم۔ خدا کرے تیرے سر پر آگ پڑے کمبخت۔ بدنصیب۔ تیری برائیاں نمک مرچ لگا کر میں نے وزیر سے بیان کیں مگر اُس بے حیا کو یقین نہیں آتا۔ (ادھر اُدھر دیکھکر) آج یہ پھر کہیں گئی ہے۔ بدکار۔ (مرد کی آواز سنکر) ہائے۔ ہائے۔ اب میں کیا کروں۔ وہ کمبخت مع اپنے آشنا کے آرہی ہے۔ کہاں جاؤں۔

(دوڑ کر پردہ کے پیچھے چھپ جاتی ہے اور تیمور آقا و شعلہ خانم آتے ہیں)

تیمور آقا۔ بہن۔ آج وزیر تو یہاں نہیں آئے گا۔

شعلہ خانم۔ خاطر جمع رکھو۔ وزیر صاحب کے آنے کی یہاں باری نہیں ہے۔

تیمور۔ کیوں۔

شعلہ خانم۔ آج وہ ذات شریف زیبا خانم کے مکان پر تشریف لے گئے ہوں گے اور وہاں سوائے بک بک کے اور کیا رکھا ہے۔

تیمور آقا - یہ موہوم بات ہے۔ احتیاط ہر حالت میں لازم ہے۔
ممکن ہے کہ دفعتاً آجائے۔

شعلہ - خیر - اس کی بھی میں نے پیش بندی کرلی ہے۔ نساء خانم سے
کہدیا ہے وہ دالان میں بیٹھی ہوئی دیکھ رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ
وزیر صاحب نے قدم رنجہ فرمایا تو خبر ہوجائے گی تم ڈرو مت۔

تیمور - بیشک - یہ احتیاط معقول ہے - بہن - مجھے چند تفکرات لاحق
ہیں اور اسی وجہ سے مشورہ کرنے آیا ہوں۔

تیمور آقا اسی قدر کہنے پایا تھا کہ نساء خانم گھبرائی ہوئی آئی
اور وزیر کے آمد کی خبر دی۔

شعلہ - (مضطربانہ) ہائے - بڑا غضب ہوا - وہ کمبخت - سیدھا اسی
طرف آئے گا - آقا - اب کیا کروگے۔

تیمور - واہ - ڈرتی کیوں ہو - جب تک میرے دم میں دم ہے -
وزیر کے فرشتے خاں بھی نہیں آسکتے - معلوم ہوتا ہے آج اُسکی
قضا آگئی ہے۔

شعلہ خانم - ان فضول باتوں کو رہنے دو - خدا کے واسطے اس پردہ کے
پیچھے چھپ جاؤ اور جب وہ موذی دفع ہوجائے تو چلے جانا۔

(تیمور آقا پردہ کے پیچھے چلا گیا اور وزیر صاحب لنگڑاتے ہوئے
تشریف لائے - اسی پردہ کے پیچھے بی بی زیبا خانم بھی دُبکی افروز بیٹھیں)

وزیر - خانم - تمہارا مزاج اچھا ہے۔

شعلہ - حضور کے جان مال کو دعا کرتی ہوں - مگر آج آپ کا چہرہ کیوں
اُداس ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ کسی سے لڑائی
جھگڑے کی نوبت پہنچی ہے۔

وزیر - لاحول ولاقوۃ - آج ایک عجیب مضحکہ خیز قصہ پیش آیا - کیا کہوں
فضول بات ہے - افسوس میری زندگی بالکل تباہ ہوگئی - آقا
مسعود ایک پیالہ چاء کا لاؤ۔

شعلہ - فرمائیے - حضور - کیوں آپ اس قدر پریشان اور حواس باختہ ہیں -

وزیر - بات یہ ہے کہ خان کے دربار میں تیمور آقا کی شہزوری کا ذکر
تھا - حاضرین کہنے لگے کہ آج اُس کے مثل لنگران میں کوئی
زور آور نہیں ہے - خان نے بھی سب کی تائید کی لیکن میں نے
انکار کیا - بس خان میرے سر ہوگیا اور ثبوت دینے کے لئے اصرار
کرنے لگا - میں نے جواب دیا کہ بھلا میری شان اس قابل ہے
کہ میں تیمور سے کشتی لڑوں اور ثبوت دوں - مگر تم جانو خان
ایک ضدی آدمی ہے - اُس نے حکم دیا کہ اسی وقت زور آزمائی
ہو مجبور ہوکر میں نے بھی ٹھان لیا کہ تیمور کو آج نیچا ہی دکھا دینا
چاہیئے تاکہ اُسے بھی پچاس برس کے بڈھے آدمی کی طاقت
کا حال معلوم ہوجائے - چنانچہ دو جھٹکوں میں آقا صاحب
بیہوش ہوگئے - مگر میری کمر میں بھی جھٹکا آگیا - اسی وجہ سے
تو ٹھیک چل نہیں سکتا۔

ناظرین - سُنا آپ نے وزیر صاحب کا قصہ - چوٹ تو چھلنی کی
اور الزام تیمور آقا پر - مگر اُستاد ذرا ٹھہرے رہیئے ابھی ساری شیخی کرکری
ہوئی جاتی ہے - تیمور آقا بھی یہیں موجود ہے۔

شعلہ خانم (ہنسکر) حضور کے کیا کہنے ہیں - اگر آپ میں اس قدر طاقت
نہ ہوتی تو لنگران کی وزارت کیسے ہوسکتی - لیکن حضور سنیئے تو اگر
آپ دو تین جھٹکے اور دیتے تو بیچارہ تیمور آقا مرجاتا۔

وزیر - کیا شک ہے - میں نے تو اُس پر رحم کیا اور شعلہ خانم سچ تو
یہ ہے کہ میں ایسے بچوں سے کیا کشتی لڑتا - صرف خان کی
تعمیل ارشاد تھی۔

شعلہ خانم - ہاں حضور - پھر اُس کے بعد کیا ہوا - تیمور آقا بیہوش پڑا رہا -

وزیر - نہیں تو - تھوڑی دیر کے بعد اُسے ہوش آگیا - اور لوگ پکڑکر
اُس کی ماں کے پاس پہنچا آئے۔

اس لغو گفتگو کو سُنکر تیمور آقا کی ہنسی ضبط نہ ہوسکی ہنسی کی آواز سُنکر وزیر صاحب بہت چکرائے اور پردہ اُٹھاکر کیا دیکھتے ہیں کہ زیبا خانم اور تیمور آقا دونوں ایک جگہ موجود ہیں - اس تماشہ کا تو خیال بھی نہ تھا - ناظرین کو یاد ہے کہ زیبا خانم نے پہلے باب میں تہمت لگائی تھی - اب معاملہ برعکس معلوم ہوتا تھا -

وزیر - (سراسیمہ ہوکر) ہائیں یہ کیا معاملہ ہے (تیمور آقا کو زور سے پکڑکر) آقا - آپ یہاں کہاں - ارے لوگو - میری عزت برباد ہوگئی - میرے گھر میں دن دہاڑے غیر لوگ گھسے ہوئے ہیں - جواب دیجئے آقا - یہ کیا سوانگ ہے -

تیمور آقا نے وزیر کو کوئی جواب نہیں دیا اور دالان کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ وزیر خوب زور سے چمٹ گیا - اب تیمور نے مجبور ہوکر وزیر کو اُٹھاکر دالان میں پٹک دیا اور باہر نکل گیا - وزیر صاحب ادھر سے نپٹے تو زیبا خانم کی طرف برس پڑے -

وزیر - کیوں بی عفت آرا - یہ کون سے تمہارے دوست تھے جن سے پردہ کے پیچھے راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں - کمبخت تو کہتی تھی کہ شعلہ خانم سے تیمور آقا کو محبت ہے - اب کس سے ثابت ہوتی ہے - افسوس - میری عزت و حرمت تونے سب خاک میں ملادی -

زیبا خانم - ذرا زبان سنبھال کر بولو - تم اگر دس سُنانا جانتے ہو تو پانچ میں بھی کہنا جانتی ہوں - آئے وہاں سے بڑے سوٹھیا صراف بن کے - ذرا اپنی چہیتی شعلہ خانم سے تو دریافت کرو کہ تیمور آقا یہاں کیا کرتا تھا - میں تو صرف اس واسطے آئی تھی کہ شعلہ خانم سے اپنی لونڈی کو گالیاں دینے کی وجہ دریافت کروں اتنے میں یہ نیک بخت تیمور آقا سے باتیں کرتی ہوئی آئیں - میں تفتیش حال کے واسطے پردہ کی آڑ میں کھڑی ہوگئی اس اثنا میں تم بھی آگئے اور تیمور آقا کو شعلہ خانم نے اسی پردہ کے پیچھے کھڑا کردیا - یہ کل قصہ ہے -

وزیر - اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو تونے اُسی وقت باہر آکر مجھ سے کیوں نہ کہدیا -

زیبا خانم - مجھے باہر آکر اپنی جان کھونی تھی - تیمور کہتا تھا کہ دستہ تک خنجر تیرے سینہ میں اوتار دوں گا اگر ذرا بھی آواز نکالی یا حرکت کی -

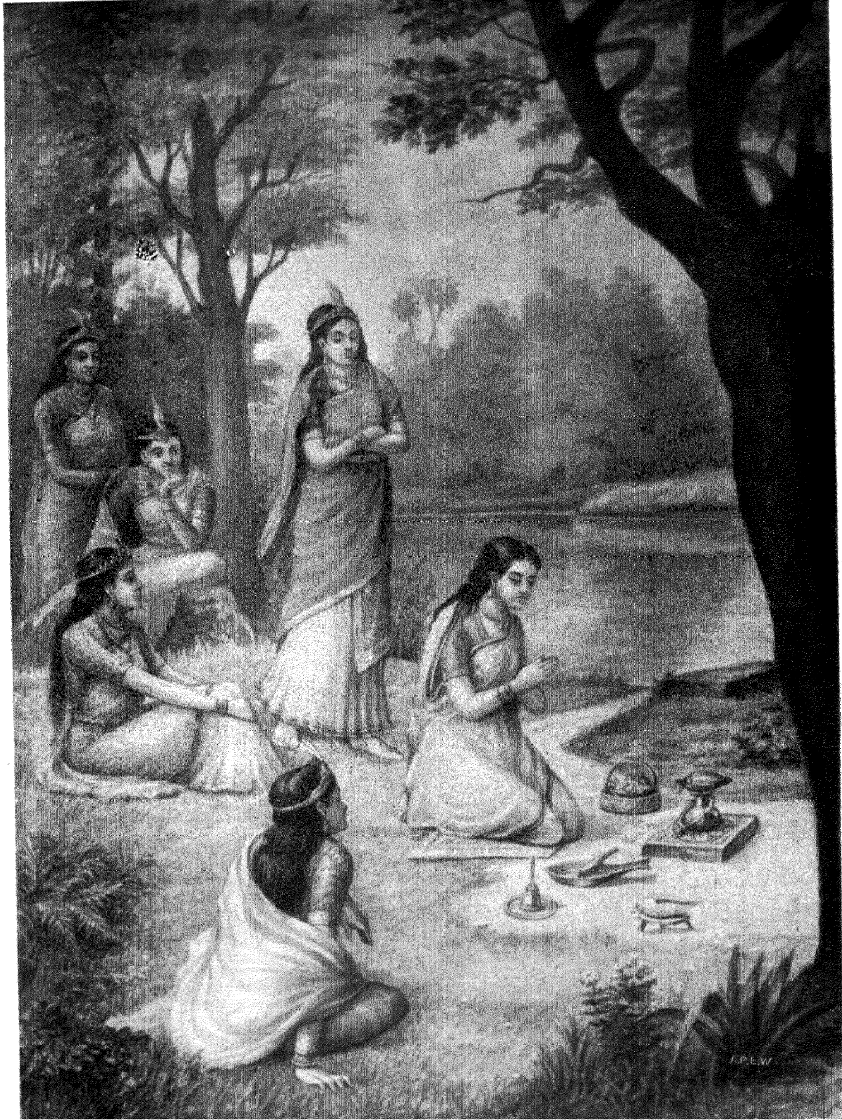
وزیر - (غور کرکے) شعلہ خانم - اب تم بتلاؤ - کیا بات ہے -

شعلہ خانم - حضور - خود نہیں سوچتے - یہ محض فریب ہے - بات صرف یہ ہے کہ زیبا خانم کو میرا حمام جانا معلوم تھا - اس لئے یہ مکان خالی سمجھ کر اپنے دوست کو بلا لائیں - اپنے مکان میں تو اس واسطے نہ لیجا سکیں کہ آپ کے تشریف لانے کا ڈر تھا - اور یہاں خوف کی کوئی بات نہ تھی - مگر اتفاق سے میں جلد واپس آگئی اور اُس کے تھوڑی دیر بعد آپ بھی تشریف لے آئے - اب یہ کیا کرتیں - پردہ کے پیچھے تیمور آقا کو لیکر کھڑی ہوگئیں تاکہ جب آپ اور میں چلے جائیں تو اُس کو نکال دیں - حضور - ذرا خیال تو فرمائیے کہ زیبا خانم کس خوبصورتی سے جھوٹ تراش رہی ہیں جیسے پڑھایا ہوا طوطا -

وزیر - (شعلہ خانم سے) تم اس شخص کو جانتی ہو -

شعلہ خانم - حضور - بھلا - میں کیا جانوں - آپ کی اور زیبا خانم کی زبان سے تیمور آقا کا نام نکل چکا ہے - مگر ابھی تو آپ فرماتے تھے کہ وہ بیہوش ہوگیا تھا اور لوگ اُسے اُٹھاکر لے گئے - اب یہ کون سا تیمور آقا آگیا - غالباً زیبا خانم کے مطلوب کا بھی تیمور آقا نام ہے -

زیبا خانم - اری زبان دراز - چپ - خدا تجھے سمجھے - سارا کیا دھرا تیرا اور نام میرا - خدا کے یہاں انصاف ہوگا (رو کر) ہائے ہائے میں خودکشی کرلوں گی -



ادائے شکرانہ

انڈین پریس الہ آباد

شعلہ خانم۔ دیکھا حضور۔ اس عورت کی مکاری کو۔ خود ہی قصور کرے اور خود ہی بے گناہ بنے۔ اب کیا ہوتا ہے۔ چاہے مر چاہے زندہ رہ۔ اب تو وزیر صاحب نے دیکھ لیا۔

وزیر۔ اچھا۔ جا۔ دفع ہو۔ دیکھ تو میں کیسی خبر لیتا ہوں۔ افسوس تیری ساری عمر بیہودہ گوئی اور جھوٹ میں صرف ہوئی۔ دُنیا میں اگر کوئی انسان بعافیت رہنا چاہے تو دو بیویاں نہ کرے۔ اگر بیویاں نیک بخت نہ ملیں تو اُس مرد کا گھر جہنم سے بدتر ہے۔ مگر میرا کیا علاج ہے۔

مسعود چاء لاکر وزیر کو دیتا ہے اور گھبراہٹ میں وزیر صاحب بجائے مُنہ سے پینے کے گریبان میں ڈال لیتے ہیں اور حاضرین کو ہنسی آتی ہے۔

وزیر۔ لاحول ولاقوۃ۔ آج صبح کس کمبخت کا مُنہ دیکھا تھا کہ مصیبت پہ مصیبت آ رہی ہے۔ اس بدحواسی کو تو دیکھو کہ چاء پینے کی چیز مُنہ سے اور ڈال لی گریبان میں۔ خدا میرے حال زار پر رحم کرے۔ آغا مسعود چلو۔

(وزیر صاحب لنگڑاتے ہوئے جاتے ہیں)

شعلہ خانم۔ (نساء خانم سے) خدا کا بڑا فضل ہوا۔ ساری بلا زیبا خانم کے سر پڑی۔

نساء خانم۔ آخر یہ کیا بات تھی۔ زیبا خانم پردہ کے پیچھے کیا کرتی تھی۔

شعلہ خانم۔ خدا جانے وہ کس وقت آئی اور کب کی چھپی کھڑی تھی مگر یہ بات تیمور آقا کے واسطے خوفناک ہے۔ خان اُسے مار ڈالے گا۔

نساء خانم۔ باجی۔ تم بھی کیا باتیں کرتی ہو۔ تیمور آقا کا مار ڈالنا کیا آسان بات ہے۔ تمام رعایا خان اور وزیر صاحب سے ناراض ہے اور موقع ڈھونڈھ رہی ہے کہ تیمور کو تخت پر بٹھا دے۔ چلو۔ اماں جان کے پاس چلیں۔ (باقی دارد)

شفیع الدین خاں



مرزا سرور مغفور

[اس میں کوئی شک نہیں کہ نثر اردو کے ساتھ مرزا رجب علی بیگ سرور کا نام ہمیشہ عظمت سے لیا جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ زمانہ بدل گیا اور مذاق میں بھی تبدیلی واقع ہوگئی۔ اردو نے اب وہ سادگی اختیار کی ہے کہ مسجع عبارت طبیعت کو ناگوار معلوم ہونے لگتی ہے لیکن جس طرح آج پروفیسر آزاد اور ڈاکٹر نذیر احمد کی سلیس اردو نے دلوں کو مسخر کرلیا ہے ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ سرور مغفور کا رنگ اردو کی دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ تو قاعدہ ہے کہ متقدمین کے ایجادات سے فائدہ اٹھا کر متاخرین اُن ایجادات کو اور چمکا دیتے ہیں۔ تغیرات تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ پرانے خیالات کی جگہ نئے خیالات دخل پاتے ہیں۔ اردو ترقی کرے گی اور بہت کچھ ترقی کرے گی۔ یہ سب ہوگا لیکن یہ نہ ہوگا کہ اردو نثر مسجع کا موجد سرور مغفور کو قرار نہ دیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جملہ اصناف سخن میں اس طرز خاص کو خوش اسلوبی کے ساتھ قایم رکھنا سرور ہی کی جدت پسند طبیعت کا کام تھا۔ ذیل کے مضمون میں سرور مغفور کے سوانح بڑی تحقیق سے قلمبند کئے گئے ہیں جس کے لئے ہمیں منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی کا بے حد مشکور ہونا چاہئے، موصوف اپنی انشاپردازی کا ثبوت صفحات ادیب میں دے چکے ہیں اور ممدوح کے اس پاس وضع کی داد دئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ ادیب کی جگہ اب تک اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ اڈیٹر]

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

علم ادب کی عالیشان بارگاہ میں فسانہ نگاری کی سامعہ نواز صنف ایک غیر معمولی منزلت رکھتی ہے اور دنیا کی ہر زبان میں اس کا پایہ ہمیشہ بلند رہا ہے خصوصاً ہندوستان قصص و حکایات کا مخزن ہے۔ حتیٰ کہ یہاں کی قدیم تاریخیں بھی قصوں ہی کے پیرایہ میں نظر آتی ہیں۔ لیکن اردو صدیوں تک اس دولت سے محروم رہی۔ اس کی ابتدا محض بازاری ضروریات سے ہوئی تھی اور کئی صدی بعد تفنن طبع کے طور پر اس میں شاعری کا رواج ہوا۔ حتیٰ کہ شاعری کے ترانے بھی صدیوں تک گونجتے رہے مگر نثر کو اُس کے دربار میں قدم رکھنے کی اجازت نہ ملی۔ رفتہ رفتہ جب شاعری اپنی تمام منزلیں طے کر چکی اور اُس میں قصوں کا رواج مثنویوں کی صورت میں ہونے لگا تو لوگوں کو نثر میں بھی قصے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

نثر اردو کی سب سے پہلی تصنیف "دہ مجلس" ہے جو ۱۱۴۵ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس کے ۷۷ برس بعد "نو طرز مرصع" تصنیف ہوئی جو خسرو کے قصۂ چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ اس کے بعد نثر اردو کو ترقی دینے کی ایک خاص کوشش ہوئی اور فورٹ ولیم کلکتہ سے جان گلکرسٹ صاحب کی سرپرستی میں اردو کی چند کتابیں اور شائع ہوئیں جن میں "باغ اردو۔ آرایش محفل۔ باغ و بہار۔ طوطا کہانی۔ پریم ساگر۔ اور بیتال پچیسی" زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سید انشا نے "دریائے لطافت" میں فارسی و اردو کی کھچڑی سے ظرافت پسند طبائع کی مہمانی کی۔ لیکن اس وقت تک اردو اپنی مقررہ حد سے بہت آگے بڑھ آئی تھی اور اب نظم کی طرح اُس کی نثر میں بھی رنگینی اور زور تحریر کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی حتیٰ کہ تقریباً چہارم صدی بعد "فسانۂ عجائب" تصنیف ہوا جو اپنے امثال و اقران میں

سب سے نرالا اور ایک خاص طرز تحریر پر مبنی تھا۔ اس کے مصنف
مرزا رجب علی بیگ سرور تھے جن کے حالات اس مضمون میں قلمبند
کئے گئے ہیں۔ بہر کیف یہ چند سیڑھیاں ہیں جنھیں طے کر کے آج
ہم اُردو انشا پردازی کے بام ترقی تک پہنچے ہیں اور فضائے ادب
کی موجودہ بلندی پر پہنچکے ہیں ان ابتدائی زینوں کو فراموش
نہ کرنا چاہیئے۔

فسانۂ عجائب سے پہلے جن کتابوں کا ذکر ہوا وہ سب قریب
قریب غیر زبانوں کا ترجمہ ہیں جن میں جدت کو مطلق دخل نہیں۔
مذکورۂ بالا کتب کے علاوہ "بستان حکمت، کلیلہ دمنہ، گل بکاولی، نثر
گلشن نوبہار، گل و صنوبر، اور انشائے چار چمن وغیرہ" بھی اُسی
عہد کی تصنیفات ہیں جو فورٹ ولیم سے باہر ہندوستان کے
دوسرے شہروں میں لکھی گئیں۔ ان میں زیادہ تر ایسی کتابیں
ہیں جو لکھنؤ میں تصنیف ہوئیں۔ اس وقت سارے ہندوستان
میں لکھنؤ ہی ایسا شہر تھا جو مرجع علم و ہنر ہو رہا تھا اور گرد و پیش
کے تمام اہل کمال یہیں سمٹ آئے تھے۔ اس صورت میں جدت پسند
طبیعتوں کی فراوانی ایک قدرتی بات تھی لیکن ایجاد کے ساتھ
اس میں کمال حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

مرزا سُرور نے بدو فطرت سے جدت پسند طبیعت پائی تھی اور
نثر اُردو کی جس صنف کو اُنھوں نے ایجاد کیا تھا وہ اُنھیں پر ختم
ہو گئی۔ فسانۂ عجائب اُن کی پہلی تصنیف ہے جس میں نہ صرف
اُردو طرز انشا میں رنگینی اور زور ہی پیدا کیا گیا ہے بلکہ فارسی نثر مسجع
کا پورا نمونہ دکھایا گیا ہے جو اُس وقت اُردو میں موجود نہ تھی۔ فسانۂ
کے علاوہ اُنکی اور بھی متعدد تصنیفات ہیں اور سب میں یہی التزام
قائم ہے۔ اس بحث کو آسانی کے ساتھ ذہن نشین کرنے کے لئے
ہم نثر مسجع کی مختصر تشریح ضروری سمجھتے ہیں۔ فارسی میں نثر مسجع کی
تین قسمیں ہیں۔ (۱) متوازی (۲) مطرف (۳) متوازن۔ اصطلاح
سجع میں متوازی اُس عبارت کو کہتے ہیں جس کے فقرے مقفی
ہوں اور ہر قافیہ وزن اور حرف روی کے اعتبار سے مساوی ہو
جیسے "گُل و مل۔ خنجر و نشتر۔ مخموری و مہجوری" وغیرہ۔ مطرف کے فقروں میں
بھی قافیوں کی قید ہے، لیکن قافیوں میں وزن کی قید نہیں ہے۔
حرف روی کی قید ضروری ہے۔ مثلاً "وقار و اطوار، دُور و رنجور،
مال و منال" وغیرہ۔ متوازن کے قافیوں میں وزن کے ساتھ
حروف کے شمار کی بھی قید ہے لیکن روی کی قید نہیں جس طرح "اعمال و افعال،
وجود و غفور" وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان قیود کے ساتھ نثر مسجع کس قدر مشکل
صنف ہے۔ لیکن اس مشکل پسندی کے ساتھ بھی، جو اہل لکھنؤ نے
ضرورۃً اختیار کی تھی، مرزا سرور کی انشا پردازی فصاحت و بلاغت
کا سرچشمہ ہے۔ اور یہی اُن کے کمال کی سب سے بڑی دلیل ہے۔
اُن کی تمام ضخیم تصنیفات میں فارسی کے غیر مانوس الفاظ و تراکیب
کا ذکر تک نہیں۔ عبارت میں ربط و روانی کے بھی وہی موجود ہیں
اور زور قلم بھی اُن میں معمول سے زیادہ تھا۔ ان خصوصیات کے ساتھ
اُن کی طبعی رنگینی نے فسانہ نگاری کے کالبد میں جان ڈال دی تھی۔

مرزا کی ولادت غالباً ۱۲۰۱ھ یا ۱۲۰۲ھ ہجری میں ہوئی تھی۔
اُن کی وفات سے تھوڑے دنوں پیشتر جن لوگوں نے اُنھیں دیکھا
تھا وہ اُس وقت اُن کی عمر اسّی سال سے متجاوز بتاتے ہیں۔ اور
اُن کا سال وفات ۱۲۸۴ھ ہجری ہے۔ اس لحاظ سے یہ زمانہ
قرین قیاس ہے۔ اُن کے والد کا نام مرزا اصغر علی بیگ تھا اور
شرفائے لکھنؤ میں شمار ہوتے تھے۔ فارسی و عربی کی تعلیم سے
فارغ ہو کر مرزا نے خوش نویسی کی مشق کی اور اپنے وقت کے
ایک نامور خطاط ہوئے، جیسا کہ اس فن کے تذکروں سے واضح ہے۔
علم موسیقی میں بھی خاص کمال رکھتے تھے۔ اور شاعری میں بھی اُنکی

خاص شہرت ہے لیکن اُن کا سب سے بڑا کمال فسانہ نگاری ہی
کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ خوشنویسی میں وہ مشہور خطاط حافظ
محمد ابراہیم کے شاگرد تھے جن کا ذکر فسانہ عجائب میں موجود ہے
شاعری میں اُنھیں آغا نوازش حسین خاں نوازش عرف مرزا خانی
سے تلمذ حاصل تھا جو اپنے عہد کے کامل الفن شاعر تھے۔ اب ان
مرحوم کا کلام نایاب ہے اور صرف چند اشعار مرزا سرور کی
سعادتمندانہ کوشش سے فسانہ عجائب میں محفوظ ہیں۔ سرور
نے فرط عقیدت سے ان اشعار کے پہلے لفظ اُستاد لکھدیا ہے
شاعری کے متعلق اُن کی خاص تحریروں سے، جن سے اس
مضمون میں مدد لی گئی ہے، کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اُنھوں نے
اپنا دیوان جمع کیا تھا۔ ورنہ اُن کی نثر تصانیف کی طرح وہ بھی
معرض طبع میں آجاتا اور لکھنؤ کی پیشانی سے تصنع اور آورد کا ایک
بڑا داغ مٹ جاتا۔ کیونکہ ان کا جس قدر کلام اُن کی نثر تصنیفات
میں منتشر ہے وہ سب کا سب آمد اور فطری جذبات سے لبریز
ہے۔ بلکہ شعرائے قدیم میں ہر بڑے سے بڑے شاعر کے کلام سے
ٹکر کھاتا ہے۔

مرزا سرور کی ابتدا اُس لکھنؤ میں ہوئی تھی جہاں مرزا سودا۔
میر تقی۔ میر سوز۔ خواجہ درد۔ میر حسن۔ سید انشا۔ میاں مصحفی۔
میاں جرأت، اپنی اپنی شاعری کے ترانے سُنا کے یکے بعد دیگرے
اُٹھتے گئے تھے۔ اور شیخ ناسخ۔ خواجہ آتش۔ میاں دلگیر۔
میر خلیق۔ میر ضمیر وغیرہ اپنی نغمہ سرائی کے ڈنکے بجا رہے تھے۔
اسی طرح رند۔ صبا۔ وزیر۔ قلق۔ انیس۔ دبیر وغیرہ سب کی ابتدا
وانتہا اُن کی نظر سے گزری تھی۔ مرزا غالب مرحوم نہ صرف اُن کے
ہمعصر تھے، بلکہ ہم عمر بھی۔ اور دونوں میں رشتۂ اتحاد بھی قایم تھا
جیسا کہ غالب کی اُس تقریظ سے جو "گلزار سرور" میں درج ہے
اور جس کی نقل حسب موقع کی گئی ہے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ درحقیقت
مرزا سرور کی قدر مرزا غالب سے زیادہ کسی نے نہیں پہچانی جو اس
عام مقولے کی مصداق ہے کہ اہل کمال کے قدرداں اہل کمال ہی
ہوتے ہیں، اور وہی ایک دوسرے کے کمالات کی باریکیوں تک
پہنچ سکتے ہیں۔ لطف یہ کہ مرزا غالب کو نثر معرا میں کمال حاصل تھا اور مرزا سرور
کو نثر مسجع میں۔ اس لئے دونوں میں کوئی معاصرانہ لاگ بھی نہ تھی۔

مرزا سرور کی زندگی کا پہلا واقعہ اُن کی لکھنؤ سے جدائی ہے
جو ۱۲۴۰ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ چنانچہ کانپور پہنچ کے لکھنؤ کے فراق
میں جو بیچینی اُن کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے وہ ایک گلزار
سے چھٹ کے کسی بلبل کو بھی محسوس نہ ہوئی ہوگی۔ کہا جاتا ہے
کہ وہ شاہ زمن مرزا غازی الدین حیدر کے حکم سے گنگا پار اُتار دئے گئے
تھے، لیکن سرور کی کسی تصنیف سے اس کا پتہ نہیں لگتا۔ البتہ
فسانہ عجائب میں اُنھوں نے کانپور کی ہجو جس عنوان سے کی
ہے اُس کا ہر فقرہ بتا رہا ہے کہ ایک جلاوطن کسی کالے پانی کی ہجو
کر رہا ہے۔ بہرکیف فسانہ عجائب یہیں تصنیف ہوا اور جب شاہ
موصوف کا انتقال ہوگیا تو مرزا سرور اُس کا مسودہ لیکر لکھنؤ
آئے۔ اس میں شاہ غازی الدین کی مدح اس امید پر کی گئی تھی
کہ اُنھیں لکھنؤ آنے کی اجازت مل جائے گی۔ لیکن ابھی فسانہ
تمام نہوا تھا کہ وہ انتقال کر گئے۔ لاجرم مرزا سرور نے نئے بادشاہ
"نصیر الدین حیدر" کی مدح بھی اُس میں داخل کی اور "لکھنؤ" کی
ردیف میں ایک پُرزور غزل بھی درج کی جس کے بعض اشعار
حب الوطنی کے سچے اور پُرجوش جذبات سے مملو ہیں۔

فسانہ عجائب کے بعد اُنھوں نے اپنی طولانی عمر میں (۲)
سرور سلطانی (۳) شرر عشق (۴) شگوفۂ محبت (۵) گلزار سرور
(۶) نثر نثرہ نثار (۷) شبستان سرور، اور (۸) انشاے سرور،

بالترتیب تصنیف کیں۔ آخر الذکر کتاب اُن کے خطوط و عرائض کا مجموعہ ہے جس میں فارسی و اُردو دونوں زبانوں میں مکتوبات درج ہیں لیکن میں نے اُسے تصانیف کے ذیل میں اس لئے شمار کیا ہے کہ اُن پرائیویٹ تحریروں میں بھی اُن کی اصلی انشا پردازی بدرجۂ کامل موجود ہے۔ اُن کی بعض عرضداشتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنھوں نے فسانۂ عجائب کو اکثر شاہان اودھ کی خدمت میں پیش کیا، لیکن نقارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا۔ حتیٰ کہ ۲۳ برس تک وہ لکھنؤ میں عسرت کی زندگی بسر کرتے رہے اور اس اثناء میں اُن کی شریک زندگی یعنی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا۔ مرزا کے لئے یہ بہت ہی صبر آزما زمانہ تھا۔ کیونکہ عیال داری کا بوجھ جو معمول سے زیادہ تھا اُنھیں سر اُٹھانے کی مہلت نہیں دیتا تھا۔ سرور نے ایک فارسی خط میں اس واقعہ کا دردناک الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

آخرکار اُن کی مصیبت کا زمانہ ختم ہوا اور تختِ لکھنؤ پر سلطانِ عالم محمد واجد علی شاہ جلوہ افروز ہوئے۔ اس موقع پر مرزا سرور نے ایک نہایت عمدہ قطعۂ تاریخ کہا جو خوش قسمتی سے قطب الدولہ مفتاح الملک محمد قطب علی خاں مستقیم جنگ مصاحب خاص سلطان عالم کی وساطت سے پیش ہوگیا۔

قطعۂ تاریخ

"بہار جوش پہ ہے اور نئی ہے کیفیت — سُرور سب کو ہے، کہتے ہیں متقی و رند
جو زیبِ تخت ہوا شب کو شاہ نیک اختر[51] — ہوا ہے سالِ جلوس اسلئے "چراغ ہند"
۱۲۶۳ھ

بادشاہ نے اس قطعۂ تاریخ کو بہت پسند کیا اور خلعت و انعام کے علاوہ مرزا کو ملازمینِ خاص کے زمرے میں داخل کرکے پچاس روپیہ ماہوار مقرر کر دئے۔ سُرور کی زندگی کا تابناک دَور یہیں سے شروع ہوتا ہے جو انتزاع سلطنت تک قائم رہا۔ لیکن واجد علی شاہی دور کی بساط ہی کیا۔ وہ ایک ہوا کا جھونکا یا بجلی کی چمک تھا جو آنکھ جھپکاتے ہی غائب ہوگیا۔ بہرکیف جلوس کے دوسرے ہی سال ۱۲۶۴ہجری میں بادشاہ نے فارسی کی مشہور کتاب "شمشیر خانی"[52] کے ترجمے کی فرمائش کی اور مرزا سرور نے اُسے اُردو میں ترجمہ کرکے "سرور سلطانی" نام رکھا۔ نام کی مناسبت حدِ تعریف سے باہر ہے۔ لطف یہ کہ وقائع نگاری کے میدان میں بھی اُن کی مخصوص طرز انشا اور رنگینیٔ عبارت نثر مسجع کی قید کے ساتھ موجود ہے۔

فسانۂ عجائب اور سرور سلطانی کی اشاعت سے مرزا سرور کی انشا پردازی کا شہرہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۲۶۷ھ میں نواب سکندر بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال نے بھی مرزا سے ایک واقعہ کو قصے کے طور لکھنے کی فرمائش کی۔ یعنی کسی جنگل میں سارس کا ایک جوڑا تھا جس کے نر کو کسی شکاری نے نشانۂ تفنگ بنادیا۔ سارس کے جوڑے کی محبت مشہور ہے۔ چنانچہ مادہ نے فرطِ رنج و قلق سے گھل گھل کے آخرکار جنگل کی لکڑیاں جمع کیں اور چتا بنا کے ستی کی طرح جل گئی۔ مرزا سرور اس فرمائش کے متعلق لکھتے ہیں:-

"القصہ بارہ سَے سڑسٹھ سن ہجری اور اٹھارہ سے اکاون عیسوی تھے کہ اُس صاحبِ فہم و فراست مالک ریاست نے اس دردِ دولت سے دُور محزون سرور سے بذریعۂ مرزا وزیر اس حکایت کی فرمائش کی کہ تحریر ہو۔ بخدائے عز و جل کہ عالم الغیب بلاریب ہے جس دم یہ صدا گوش زد ہوئی لکھنے کی محکو کد ہوئی۔ سردست (قلم برداشتہ) تحریر کی دم بھر نہ تاخیر کی۔ مجبوری یہ ہوئی کہ ملازمانِ سرکار کمر بستہ چلنے کو تیار تھے اگر پانچ چھ روز کی بھی مہلت پاتا، ساتھ کیفیت کے گھٹاتا بڑھاتا۔ رزم کا ڈھنگ، بزم کا رنگ، کسی پیرایہ میں دکھاتا۔"

درحقیقت قصہ بہت مختصر تھا اور مہلت بھی بہت کم ملی۔ تاہم

[51] "اختر" بادشاہ کا تخلص بھی تھا جس نے خاص لطف پیدا کیا ہے۔

[52] یہ کتاب فردوسی کے شاہنامہ کا خلاصہ ہے جو نثر میں کیا گیا ہے۔

سرور نے سارس کی مادہ کے سوز و گداز کو نہایت موثر الفاظ میں ادا کیا
ہے۔ اس قصے کا نام "شرار عشق" ہے جو مناسبت کے لحاظ سے کچھ
کم معنی خیز نہیں۔ اس کے بعد زمانہ آخر واجد علی شاہی میں مرزا نے
ایک اور قصہ "شگوفۂ محبت" امجد علی خاں رئیس ملیح آباد کی فرمایش سے
لکھا جو اُس وقت عمدۂ نظامت پر ممتاز تھے۔ اس کے دیباچے سے
واضح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے فسانہ عجائب اور سرور سلطانی کے
علاوہ کئی چھوٹے بڑے قصے اور بھی لکھے تھے جن میں شرار عشق
کے سوا اور کسی کا سراغ نہ لگ سکا۔ اسی دیباچے میں لکھتے ہیں :۔

"اگرچہ پڑھنے لکھنے والے کم نہ ہوں گے، تاسف اتنا ہے کہ ہم
نہ ہوں گے۔ نقصہ اگر پسند آئے گا تو مشہور ہوگا، ہمارا ذکر ضرور ہوگا۔
اُس وقت سہو اور غلطی معاف کرکے، طبیعت کدورت سے صاف
کرکے۔ جو صاحب او صاف کلام سرور سے مسرور ہو۔ وہ اتنا کلمہ
فرمائے کہ عاصی غلامانِ حسینؑ کے ہمراہ محشور ہو۔"

اس تحریر کے آخری فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا رجب علی
بیگ کا مذہب اثنا عشری تھا۔ قصہ بالکل پرانے مذاق سے بھرا
ہوا ہے جیسے مہر چند کھتری نے لکھا تھا اور مرزا سرور نے اُسے رطب
و یابس سے پاک کرکے اپنے طرز پر تحریر کیا ہے۔ اس کے آخر میں
واجد علی شاہ کے معزول ہونے اور کلکتہ کی طرف روانہ ہونے کی
مختصر کیفیت بھی درج ہے :۔

"ان دنوں کہ بارہ سے بہتر سن ہجری اور مہینا شعبان کا ہے،
مجمع پریشانیوں کے سامان کا ہے۔ یعنی سریرآرائے سلطنت
حالِ رنج سفر غربت بعزم لندن ہے، چھوٹا بڑا ابتلائے مصیبت،
تختۂ مشق اندوہ و محن ہے۔ اس گلزار ہمیشہ بہار میں بہمن و دے
کا سامان ہے، ایسا آباد ملک سراسر ویران ہے۔ دیکھنے والوں
کا جگر خون ہوتا ہے، وحشت برستی ہے، جنون ہوتا ہے......"

عہد شاہی تک سرور عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے رہے۔
لیکن وہ زمانہ ایک خوش آیند خواب کی طرح بہت جلد گذر گیا۔
اب وہ پھر اُسی اگلی فلاکت میں گرفتار ہو گئے۔ لکھنؤ میں مولوی
محمد یعقوب انصاری فرنگی محلی اُن کے پرانے دوست تھے جن کا
چھاپہ خانہ عہد شاہی سے قایم تھا۔ مرزا کی زیادہ تصنیفات اسی
مطبع میں چھپی تھیں۔ انھیں کی وساطت سے شروع انگریزی میں
مرزا کی رسائی کارنگی صاحب سٹی مجسٹریٹ کے سررشتہ دار میر قربان علی
تک ہو گئی اور وہ ان کے کفیل ہوے۔ اسی سلسلے میں منشی شیو نراین
صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جو ان کے غائبانہ مداح اور سچے
قدرداں تھے۔ منشی صاحب محکمۂ کمسریٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ سرور
نے ان دونوں حضرات کی بندہ پروری اور قدر دانی کی تعریف
کی ہے۔ خصوصاً منشی شیو نراین اُن کی بہت کچھ مالی امداد کرتے
رہے اور جب اُن کی تبدیلی بنارس کو ہو گئی تو مرزا کو اپنے ساتھ چلنے
پر مجبور کیا۔ لیکن اُس وقت وہ بوجوہ نہ جاسکے۔

تھوڑے دنوں بعد کارنگی صاحب بھی ولایت چلے گئے
اور اُن کے سررشتہ دار میر قربان علی بھی اپنے وطن کو روانہ ہو گئے
اب سرور پھر بے یار و مددگار ہو گئے۔ اس پر طرہ یہ کہ ۱۸۵۷ء کا
مشہور غدر برپا ہو گیا جس نے سارا شہر خاک سیاہ کر دیا۔ مرزا سرور
اس طوفان عظیم میں تنکے کی طرح اُڑتے پھرے اور جب انگریزی
تسلط پر اپنے وطن میں واپس آئے تو اُس جنت میں خاک
اُڑ رہی تھی جس کی سرسبزی و شادابی پر اُن کو ناز تھا۔ خوش قسمتی سے
میجر کارنگی پھر ولایت سے آ گئے اور بعد فتح پھر لکھنؤ میں اپنے
عہدے پر مامور ہوئے۔ ساتھ ہی میر قربان علی بھی آ گئے۔ مرزا سرور
کو اتنا سہارا غنیمت تھا۔ میجر کارنگی اور میر قربان علی تاریخی لوگ
ہیں جن کا ذکر تاریخ اودھ میں موجود ہے۔ ان دونوں نے لاکھوں

پر ہاتھ صاف کیا اور شہنشاہی کے مزے لوٹے۔ دولت و حشمت کے علاوہ "طاؤس بیگم" بھی میر صاحب کے ساتھ ہو گئیں۔ بالآخر دونوں پر مقدمات قائم ہوئے اور آخر الذکر کو دس برس کا جیلخانہ ہوا۔ بہرکیف یہ صحبت زیادہ عرصے تک نہ رہی اور مرزا پھر مفلسی کا شکار ہو گئے۔

لیکن اس مرتبہ انھیں زیادہ عرصے تک سختی نہیں جھیلنا پڑی اور ایک سال کے اندر ہی مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر کاشی نریس نے اپنا شقہ خاص بھیجکر انھیں بنارس بلایا۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ ہجری کو مرزا سرور بنارس روانہ ہوئے اور مہاراج نے انھیں نہایت اعزاز کے ساتھ قلعہ خاص میں فروکش کیا۔ سرور کی زندگی کے آخری آٹھ نو سال یہیں بسر ہوئے اور یہیں اُن کی مہتم بالشان تصنیفات "گلزار سرور" اور "شبستان سرور" معرض وجود میں آئیں اور بعض متفرق نثر و نظم بھی۔ اسی اثناء میں مہاراج شیو دین سنگھ بہادر والیِ الور نے بھی انھیں طلب کیا تھا اور منشی یوسف علی خاں مصاحب راجہ صاحب ممدوح نے میر حسن علی کی معرفت اُن کی طلبی کا خط بھیجا تھا۔ لیکن سرور چاہتے تھے کہ خود مہاراج کا شقہ آئے اور اسی وجہ سے الور جانا نہیں ہوا۔ لیکن جب مہاراجہ الور بنارس تشریف لے گئے تھے تو مرزا نے باریابی حاصل کی تھی اور اپنے بڑے صاحبزادے کو جو کانپور میں مقیم تھے تحریر کیا تھا کہ مہاراجہ صاحب اسی راستے سے الور جائیں گے، تم خط گلزار میں "گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی۔ الخ لکھ رکھنا اور ملاقات کرکے دیدینا۔ تمہارا ذکر آچکا ہے" غالباً اس وقت انھیں ضعف بصارت کی شکایت پیدا ہو چکی تھی؛ ورنہ ان خطوط کے وہ خود بہت بڑے اُستاد تھے۔ ایک مرتبہ مہاراجہ پٹیالہ نے بھی انھیں ازراہ قدردانی مرصع کڑے کی جوڑی عنایت کی تھی۔ مرزا سرور کی ایک تحریر سے اُن کا دہلی جانا بھی ثابت ہوتا ہے جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:-

"ایک ہفتہ میرٹھ میں قیام کرکے، صبح کو شام کرکے، مجبور کانپور روانہ ہوا۔ طپش دل کو بہانہ ہوا۔ راہ کی تنہائی غیر جنس کی صحبت، ہر دم عالم حیرت کہ کل کیا تھا آج کیا ہوا۔ یا شاہجہان آباد کی سیر وہ خانقاہ اور، دیر یا جنگل کا سنسناٹا ہے۔ اس اُدھیڑبن میں، گھر پہنچنے کی دھن میں، کانپور نظر آیا۔ اختلاف آب و ہوا کا پانی جابجا کا ناک میں دم لایا۔ چندے وہاں رہا، جی نہ لگا۔ آخر شہر جمادی الاول (سنہ ندارد) میں وہاں سے چل نکلا تین دن میں لکھنؤ پہنچا۔ ابھی گھر سے تا در قدم نہ آیا تھا کسی سے ملنے نہ پایا تھا دفعتاً اس شدت سے تپ آگئی کہ حکیم صاحب کی نبض ساقط ہوئی طبیعت گھبرا گئی۔ سہ دست مسہل کی صلاح ٹھہری۔ پانچواں منضج تھا کہ جناب قبلہ و کعبہ مرزا خانی نوازش بندے کے اُستاد اس خراب آباد سے تشریف لے گئے عجیب صدمہ جانکاہ دے گئے۔۔۔۔۔۔۔۔"

(باقی آئندہ)

نوبت رائے نظر

منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

(نتیجۂ فکر جناب مولوی سید فضل ستار صاحب لاآبالی)

یہ نسبت ہے گدائی کی اسد اللہ کے در سے میں لپٹا جاؤنگا محشر میں بھی دامان حیدر سے

کھڑا بہرام بھی ہے کانپتا اُس شیر کے ڈر سے لرزتا ہے پڑا شیر فلک بھی خوف صفدر سے

عیاں قدرت ہے جسکی زور دست جنگ خیبر سے عیاں ہیبت ہے جسکی بازگشت شاہ خاور سے

گدا جس در کے بڑھکر ہیں کہیں کسریٰ و سنجر سے غلامانِ کہیں بہتر کہیں سلمان و بوذر سے

نمایاں ہر کہیں ہے زور بازوئے یداللّٰہی ہویدا ہے بسالت نعرۂ "اللہ اکبر" سے

ہزبر بیشۂ صولت نہنگ قلزم نجدت ہوئی معراج جرأت بھی تو آنحضرت کے بستر سے

گئے جب رزم میں "اللہ اکبر" ایک حملے میں عدو کے چار ٹکڑے کردئے تیغ دو پیکر سے

شکستہ دوختہ اور پارہ پارہ کردئے دشمن سناں سے گرز سے شمشیر سے ناوک سے خنجر سے

کہیں تو "لافتیٰ" سے مظہر شانِ خدائی ہیں کہیں زیب نبوت اور نبی کے اہل چادر سے

کہیں "من کنت مولیٰ" سے عروج ذروۂ رفعت کہیں تشبیہ ہارونی میں توام ذات سرور سے

"علیٌ بابہا" سے شان اعلیٰ آپ کی ظاہر مبین مرتضائے حق کلام پاکِ داور سے

مواخاۃ نبی سے دوست اُن کا دوستدار انکا برادر کا عدو جو دشمنی رکھے برادر سے

نبی اور آپ ہی مسجد میں ہر حالت میں جاتے تھے طہارت سب نے پائی آپ ہی کے جسم اطہر سے

ہوئے کعبہ میں جو پیدا خدا کے شیر کہلائے بنے مشکلکشائے خلق بھی تو زور سے زر سے

بتائے تو کوئی نقشِ فضیلت یہ بھی کیا کم ہے کیا اللہ نے ہی عقد خود دختِ پیمبر سے

علمبردار جیش مسلمیں، پشت و پناہِ دیں وہ کرتے یکہ و تنہا نہ ہوتا تھا جو لشکر سے

فضائل آپکے اب بھی نہ جانے کوئی تو کافر شہادت حق نے تو دلواہی دی شبیر و شبر سے

ولایت شاہ مرداں کی سما و ارض پر والی ثنائے حیدر کرار سُن لو بحر سے بر سے

بنے خاکِ نجف گر توتیائے چشم جان و دل بناؤں پاؤں شوق آستاں بوسی کو میں سر سے

محبت آب و گل میں ہے! نہ نقشِ بوترابی ہو؟ زمیں پر جو گرے قطرہ مرے اس دیدۂ تر سے

ازل سے مست صہبائے ولائے پنجتن ہوں میں ملے گا جام کوثر کیوں نہ پھر ساقیِ کوثر سے

عدو ہو جائیگا سارا زمانہ بھی تو کیا ہوگا غلامانِ علی سے ہوں سگانِ کوئے حیدر سے

غلامِ کمتر شاہ نجف ہوں لاآبالی میں نہ کیوں فردوس میں لیجائینگے میدان محشر سے

مطربۂ فلک ہند

(نتیجۂ فکر جناب منشی اصلان صفی صاحب شہیر فتحپوری)

آہ اے مطربۂ چرخ - یہ جلوہ تیرا دل لئے لیتا ہے رنگ چمن آرا تیرا

کیوں نہ ہو پیر فلک محو تماشا تیرا آفتِ جانِ دو عالم ہے سراپا تیرا

بزم انجم نے ترے حسن سے زینت پائی جلوہ ریزی سے تری چرخ نے رفعت پائی

تیرے نغموں نے قیامت کا دکھایا ہے سماں عالم وجد ہے ہر کوکب دُرّی پہ عیاں

ہیں نوائے طرب انگیز پہ سب دست افشاں اور جگر میں پڑے پھرتے ہیں ہر سو حیراں

چرخ پر ہے طرب افزائی کا ساماں تجھسے سقف نیلی کا یہ منظر ہے گلستاں تجھسے

زہرہ تو آپ ہے؟ یا زہرہ جبیں نام ترا اپنے نغموں سے لبھانا ہے سدا کام ترا

جلوہ آتا ہے نظر جب کہ سر شام ترا دل اُڑا لیتا ہے یہ چہرۂ گلفام ترا

دلربائی کے ترے پاس ہیں انداز نئے طرب انگیزی کے سامان نئے - ساز نئے

تو کبھی صبح کو دکھلاتی ہے جلوہ اپنا کبھی کرتی ہے سر شام تماشا اپنا

تو بناتی ہے ہمیں دور سے شیدا اپنا آہ! تجھ پر کبھی ہوتا نہیں قبضہ اپنا

بزم گردوں سے ادھر رُخ کبھی کرتی ہی نہیں خاک کے فرش پہ آنے کو سنورتی ہی نہیں

ہاں ذرا دیکھنا - وہ زہرہ جبیں رشک پری آسماں سے اُتر آئی ہے بصد جلوہ گری

کس نزاکت سے، وہ پہنے ہوئے پوشاک ہری آگئی خاک پہ کرتی ہوئی جادو نظری

ہند کی خاک پہ کیوں آج ہے ساماں ایسا آسماں سے جو بلایا گیا مہماں ایسا

جس طرف دیکھئے ہے رنگ مسرت کی بہار بن گئے دشت و جبل غیرت صحن گلزار

جشن کے آج وہ سامان ہوئے ہیں تیار دیکھکر جن کی دل آویزی کو رضواں ہے نثار

لو سنو کیوں یہ نرالی ہے طبیعت کی خوشی لارڈ ہارڈنگ بہادر کی ہے صحت کی خوشی

حبذا صحت آقا کی خوشی کا ہے یہ رنگ پیرہن فرط مسرت سے ہوا جسم پہ تنگ

بزم احباب میں یہ مطربۂ خوش آہنگ آئی ہے نغمۂ دلکش کی دکھانے کو ترنگ

جام پی کر مئے گلرنگ کا سب چور ہیں آج　　ہند کے سارے مکاں نور سے معمور ہیں آج

ہندیوں کی ہے دعا تجھ سے خدائے علام!　　لارڈ ہارڈنج بہادر رہیں دلشاد مدام

دولت و صحت و اقبال رہیں ان کے غلام　　ان کا بدخواہ رہے خوار و ذلیل و بدنام

لیڈی ہارڈنج کا اس جشن سے دل شاد رہے　　اور کاشانہ تمناؤں کا آباد رہے

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت[۱]

(نتیجۂ فکر جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی)

ہر طرف چھایا ہوا ہے آج شادی کا سماں　　شکر فضل ایزدی کرتا ہے ہر پیر و جواں

نائب سلطان عالم کو خدا نے دی شفا　　ٹل گئی سر سے جو آئی تھی بلائے ناگہاں

حافظ برحق سدا ہے نیک بندوں کا حفیظ　　رحمت حق ان کی رہتی ہے ہمیشہ پاسباں

انکے تو بستر پہ رنجوری کے گزرے ہیں یہ دن　　اور کانٹوں پر رہا ہے لوٹتا ہندوستاں

جس قدر حضرت سے ہمدردی ہوئی اس ملک میں　　اگلے وقتوں میں نہیں ملتی نظیر اس کی ہمیں

منہ کو آتا ہے کلیجہ اُف بیاں کیسے کروں　　آ پڑا تھا دشمنوں پر جبکہ وہ وقت زبوں

ہل گئے دل خلق کے اور حوصلہ جاتا رہا　　دیکھتا تیرا کوئی اس وقت وہ ضبط و سکوں

خون کی دھاریں تن اقدس سے جاری تھیں مگر　　تھا مہاوت کو یہی ارشاد تو رکتا ہے کیوں

ہو جوانمردی تو ایسی ضبط ہو تو اس قدر　　تیرے استقلال کی میں کس زباں سے داد دوں

حوصلہ کی تیرے کیا توصیف کر سکتے ہیں ہم　　بے نظیر اس کی تو وہ خود لیڈیِ والا حشم

مرحبا صد مرحبا اے بانوے والا تبار　　حوصلہ پر تیرے دل ہوتے ہیں شیروں کے نثار

حادثہ نے جبکہ دل مردوں کے پانی کر دئے　　تو نے ہاتھوں سے نہ جانے دی زمام اختیار

جو مناسب تھا کیا۔ اور کر دکھایا وہ کمال　　جو رہے گا دل میں لوگوں کے ہمیشہ یادگار

قوم انگریزی کی عظمت اس سے دونی ہو گئی　　اور انگریزی خواتیں کا بڑھا اس سے وقار

کام وہ تو نے کیا اے بانوے محمل نشیں　　جو کوئی جرنیل منہ پر توپ کے کرتا کہیں

دل سے اب آنکھوں میں شکل و ستار آنے کو تھی　　گلشن امید میں تازہ بہار آنے کو تھی

نائب شہ کی قدمبوسی پہ کیا کیا ناز تھا　　شہر میں ذات حمید شہریار آنے کو تھی

قلعۂ دہلی کو دربار خلافت کا تھا فخر　　اس کے حصہ میں شان افتخار آنے کو تھی

ہو چکا تھا شہر میں داخل بعزّ کارواں　　سامنے شکل عزیز روزگار آنے کو تھی

راجسوئیگ میں اجودھیا کے پڑی جس طرح بھنگ　　یونہی اس دربار کا بھی بنکے بگڑا ہائے رنگ

روسیہ اعدائے امن ملک کا جادو چلا　　جوش شادی صدمۂ غم سے مبدل ہو گیا

قلعہ میں سمجھے سلامی سر ہوئی ہے یہ کہیں　　شہر میں سمجھے خوشی کا یہ کوئی گولا دغا

جانتے تھے کیا کہ زخمی ہے ہمارا ہارڈنگ　　سب کو حیرت تھی جلوس اکبارہ کیوں رک گیا

کیا خبر تھی ضرب آئی اپنے پیارے لاٹ کو　　کیا خبر تھی دشمنوں پر آپ کے لوٹی بلا

اس وقوعہ کا نہیں آیا کسی کو بھی یقیں　　جب یقیں آیا۔ تو دل پہلو میں پھر سنبھلا نہیں

قلعہ تک تھا وہ جلوس محترم گرچہ رواں　　اور شکوہ و شان تھی با رعب و شوکت بیگماں

سچ اگر پوچھو تو لوگوں کو نظر آتا تھا یوں　　جیسے ہو بے بلبل و گل پر بہار اک بوستاں

یا کوئی جیسے رچائے برج میں جشن رہس　　جبکہ رادھا کشن کا پیدا نہ ہو اس جا نشاں

بن دلہن جیسے منڈھا ہو اور دولہا بن برات　　اس طرح بے یوسف دوراں وہ پہنچا کارواں

جب کوائف ہو گئے اس حادثہ کے مشتہر　　تو مچا کہرام اک دار شہی میں گھر بہ گھر

کون ہے جوش عقیدت جس کے سینے میں نہیں　　نقش حب قیصری سے کون خالی ہے نگیں

ویسرئگل حکمت عملی نہیں کس کو پسند　　نائب شہ کے مکارم کا نہیں کس کو یقیں

کیا یہ دہلی ہند بھر میں کون ہے وہ ذی شعور　　جو نہیں اس سانحہ سے دل شکستہ اور حزیں

ملک کو اس واقعہ پر غم ہے اور غیرت بھی ہے　　ملک کیا اندوہگیں ہے بلکہ ہے وہ شرمگیں

ہے تسلی کا کوئی پہلو گر اس میں تو یہی　　بچ گئی مخدوم کی جاں خادموں پر ٹل گئی

ماننا پڑتا ہے صد افسوس ہم کو یہ سخن　　ملک میں باقی ہے اب بھی کچھ نہ کچھ دیوانہ پن

پولٹیکل شورش بیجا نہیں اب گرچہ عام　　پھر بھی یہ فاسد حرارت ہے کہیں سوزش زن

بیکراں ہے لطف شاہی اور رفاہ مملکت　　تھی یہ امید اب رہے گا قبر میں اس کا وطن

کیا خبر تھی کوئی ملعون ایسا اٹھے گا یہاں　　دم میں کر دے گا خوشی کے گھر کو جو بیت الحزن

لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس کا پتا چلتا نہیں　　میں یہ کہتا ہوں کہ زندہ کھا گئی اس کو زمیں

---

[۱] یعنی ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کے حادثہ کے بعد معلی القاب حضور ویسرائے بہادر کی صحت یابی پر اہل ملک کے خیالات کا اظہار۔

جو اذیت آپ کو اے سرورِ عالی ہوئی
پاس اہلِ ملک کے اس کا مداوا ہے یہی

ہے کہیں ناراضیٔ بیجا کا اگر باقی نشاں
تو کریں اپنے رسوخ اور سعی سے اسکی نفی

شورش بیجا کو ملک ملک سے خارج کریں
اور جڑ کاٹیں فساد اور شکوۂ بیہودہ کی

دُھل سکے گا ہند کے دامن سے یہ داغ اس طرح
ورنہ پھر سمجھو فضیحت اپنی عالم میں ہوئی

ہاں نہ پاؤ گے نظیر اسکی سلف میں تم کہیں
ہو کے یہ کچھ بھی کہیں جبر و تشدد کچھ نہیں

کیا ترے لطف و مروت کا ہو وصف اے ذی حشم
ہند میں ضرب المثل ہیں تیرے الطاف و کرم

صدمۂ اول جب اس غم کا مٹا تو اب بہت
سمجھے اب خمیازہ اس حرکت کا سب کھینچینگے ہم

دل میں تیرے لیکن اے سرور جو شفقت تھی بھری
کر دیا کونسل کے یہ ارشاد میں تو نے رقم

ہم نہ بدلیں گے رفاہ ملک کی وہ پالسی
ہند پر جو اعتبار اپنا تھا وہ ہوگا نہ کم

تو یہاں جب تک رہے تیری جگہ ہر دل میں ہے
یہ سمجھ لے شمع پروانوں کی تو محفل میں ہے

صدق دل سے یہ دعا کرتا ہے کل ہندوستاں
مدتوں زندہ رہے تو اور ہمیشہ شادماں

کام فیض عام کے تجھ سے سدا ہوتے رہیں
تر زباں تیری ثنا میں ہو ہر اک پیر و جواں

ہند پر ہو لطف تیرا ہند ہو تجھ پر نثار
اور رہے قیصر کی الفت کا یہاں سکہ رواں

شادماں دائم رہیں لارڈ اور لیڈی ہارڈنگ
اور رہے سرسبز امیدوں کا ان کی گلستاں

ہو رعیت ہند کی تجھ پر دل و جاں سے نثار
اور شہنشہ کا رہے الطاف تجھ پر بیشمار

آفتاب

(نتیجۂ فکر جناب مولوی میر عبدالرؤف صاحب شوقؔ جعفری)

نور و گرمی دے رہا ہے، روح پرور آفتاب
اہل دُنیا کے لئے ہے فیض گستر آفتاب

رات دن کھاتا ہے کیوں چکر پہ چکر آفتاب
ہاں کسی مہرو کا جویا ہے مقرر آفتاب

دفعتاً گھٹ جائے سب کا دم جہاں اندھیر ہو
روئے روشن پھیر نہ دکھلائے جو چھپکر آفتاب

خلق کی راحت رسانی میں ہے کتنا گرم جوش
موسم گرما میں بن جاتا ہے مجمر آفتاب

کیوں نہ سمجھیں اس کو پھر اپنا خدا آتش پرست
چرخ کے آتشکدہ کا ہے سمندر آفتاب

دن کو چڑھکر چرخ پر کرتا ہے یہ عالم کی سیر
رات کو رہتا ہے کس منزل میں چھپکر آفتاب

از برائے اخذِ فصدِ جملہ محروران دہر
لے کے کرنوں کے نکل آتا ہے نشتر آفتاب

عہد پیری میں نہیں لازم ہے یہ غفلت کی نیند
چونک اے غافل کہ اب آیا ہے سر پر آفتاب

دھوپ میں نکلو نہ گھر سے تاؤ کھا جائیگا رنگ
آگ برساتا ہے دیکھو بندہ پرور آفتاب

کہتے ہیں اس کو شہ سیارگاں اہل نجوم
ہر طرح ثابت ہوا ہے نیک اختر آفتاب

اُف رے محرور المزاجی الحذر غیظ و جلال
پھر رہا ہے چرخ نیلی پر کھلے سر آفتاب

رات کی گہری سیاہی ہو تی جاتی ہے سفید
پھونکتا رہتا ہے کیا ہر روز منتر آفتاب

کچھ غرض رکھتا نہیں ہے کوٹ اور پتلون سے
بے تصنع ہے برہنہ دیکھو یہ نیچر آفتاب

آسمان مدح پر اس کو چڑھایا آپ نے
حضرت شوقؔ آپ کا ہو گا ثناگر آفتاب

موسم گرما

(نتیجۂ فکر جناب منشی الٰہی بخش صاحب اثرؔ)

فصل گرما پھر جہاں میں آگئی
باغ عالم پر اُداسی چھا گئی

آہ کیا بگڑی ہوائے بوستاں
اُڑ گیا گلشن سے رنگ گلستاں

اب ہوا میں نام کو خُنکی نہیں
دھوپ کی شدت سے جل اُٹھی زمیں

جو کہ پہلے تھی نسیم خوشگوار
ہو گئی اب وہ ہوائے شعلہ بار

تھی ہوا خواہ چمن کل تک صبا
ہے مخالف آج یہ بگڑی ہوا

زرد ہیں گلزار کے سارے شجر
رہ گیا غنچوں کا مُنہ بھی سوکھ کر

سوکھ کر کانٹا ہوئی ہر اک کلی
لب پہ غنچوں کے نہیں مطلق ہنسی

آنکھ میں نرگس کے اب آئی ہے جاں
لُو کے مارے پھر گئیں ہیں پتلیاں

ہو گئی ہے خشک سوسن کی زباں
تفتہ جاں لالہ ہے گل آتش بجاں

نام سبزے کا نہیں ہے آس پاس
لو لپٹ سے جل اُٹھی صحرا کی گھاس

اب نہیں پھولوں میں باقی رنگ و بُو
سُرخرو جو پھول تھے ہیں زرد رُو

سر نکالے گھر سے ہے کس کی مجال
ہے زمیں پر پاؤں تک رکھنا محال

اب نہیں چلتا ہے شبنم کا پتا　　دھوپ دیکھی رنگ اُس کا اڑ گیا
لو کے جھونکے ہر طرف چلنے لگے　　دھوپ سے دشت و جبل جلنے لگے
دھوپ کی حد سے حرارت بڑھ گئی　　کس قدر اس کی شرارت بڑھ گئی
خوشنما منظر پہاڑوں کا کہاں　　آج ہر اک کوہ ہے آتش فشاں
شیر دریا کی ترائی میں پڑے　　ٹھنڈھ کے نیچے ہوئے آہو کھڑے
آشیانوں میں چھپے جا کر طیور　　دشت میں کوئی نہیں نزدیک و دور
کر دیا گرمی نے سب کو بیقرار　　العطش کی ہر طرف سے ہے پکار
لگ گئیں بنگلوں میں خس کی ٹٹیاں　　بادکش کی کھنچ رہی ہیں ڈوریاں
پھول کے گملے چنے ہیں آس پاس　　ارگجے میں سب بساتے ہیں لباس
محو آرایش ہوئے پھر گلبدن　　پھر ہوئے پھولوں کے گہنے زیب تن
جل اُٹھا بھاری لباسوں سے بدن　　ڈوریہ تن زیب ہے اب زیب تن
شدتِ گرما نے بیکل کر دیا　　چین ہی آتا نہیں اب تو ذرا
شعلۂ آتش ہے مہر نیمروز　　آج عالم سوز ہے گیتی فروز
اے اختر ہو جاؤ تہ خانہ نشیں　　دوپہر ہے لو نہ لگ جائے کہیں

دیکھو گرمی کی گرمیٔ بازار

(نتیجۂ فکر جناب مولوی موسیٰ حسین صاحب اختر جلال آبادی)

پھر سے ہے گرمی کی گرمیٔ بازار　　خاکداں ہو گیا ہے کرۂ نار
ہر محل برج آفتابی ہے　　گرم لوہے کی لاٹ ہے مینار
کوٹھیاں ہیں کہ قلعۂ آتش　　یا کھچے ہیں جلالیوں کے حصار
شہر کا ہر مکان گلخن ہے　　ہر حویلی ہے خانۂ خمار
آگ کا فرش آگ کی چھت ہے　　آگ کا در ہے آگ کی دیوار
آشیاں ہے کہ شعلۂ خس پوش　　ماند ہے یا تنور آتشکار
آگ برسا رہا ہے چشمۂ نور　　موج ہے ہر کرن کی آتشبار
ابکی گرمی ہے کس تڑاقے کی　　سخت بے چین ہیں صغار و کبار
آگ اُبلتی ہے چپہ چپہ سے　　ذرہ ذرہ ہے در پئے آزار
آگ پہ لوٹتے ہیں چہل ابدال　　بیچ آگہ تاپتا ہے یا سنسار
بیل بھینسوں نے ڈالدی گونیں　ق　دھوپ سے ہو رہے ہیں زار و نزار
ہل میں چلتے ہیں اب نہ گاڑی میں　　غم نہیں اُر پار گر ہو آر
دھوپ کھا کھا کے غش میں پیدل ہیں　　لو کے مارے گرے پڑے ہیں سوار
آجکل صورت سقر ہے سفر　　راہ چلنا ہے دھوپ میں دشوار
ہو رہے ہیں چراغ پا گھوڑے　　پاؤں رکھنا زمیں پہ ہے دشوار
جا کے بھینسے پڑے ہیں ڈابر میں　　پھر بھی بے چین ہیں نہیں ہے قرار
ہر پرندہ ہے مرغ بسم اللہ　　ہر چرندہ ہے نقش بر دیوار
مرغزاروں میں اب نہیں تنکا　　سیکھ راجہ سنو گئو کی گہار

خاکداں بستر سمندر ہے
قوم خاکی کا حال ابتر ہے

آہ ! سنسان ہو گیا گلزار　　خندۂ گل ہے اب نہ بانگ ہزار
آج گلشن میں کوئی پھول نہیں　　آہ کل تک تھا پھول میں گلزار
خاک اُڑاتی ہے صحن گلشن میں　　ہر طرف چھا رہا ہے گرد و غبار
چھاؤں ملتی نہیں ہے سائے کی　　جل گئے سب درخت سایہ دار
جل گیا رنگ لالہ زاروں کا　　سبزہ زاروں کی لٹ گئی ہے بہار
کوئلوں بلبلوں نے کوچ کیا　　رہ گیا گلستاں میں آتشخوار
زرد رو ہر درخت بستاں ہے　　سرخرو ہے اگر تو برگ چنار

دھول اُڑتی ہے صحن بستاں میں
خاک بھی اب نہیں گلستاں میں

دھوپ سے سرد ہو گیا بازار　　بند گرمی سے ہے بنج بیوپار
آجکل ہر دکان ہے ٹھنڈی　　اب نہیں ہے وہ گرمیٔ بازار
اب نہیں بھیڑ بھاڑ ہاٹوں میں　　سخت حیران ہیں سیٹھ ساہوکار

آبکاری پہ اب نہیں میلے　　ساقیوں کی سبیل پر ہے پکار

آتش تر نے اور پھونکدیا　　سبزیاں چھانتے ہیں بادہ خوار

آگ کے مول ہو گیا پانی　　آب شورہ کا چڑھ گیا بازار

بہشتیوں کی چمک گئی تقدیر　　آج پانی ہے شربتِ دینار

آج سنسار کے ہیں جل داتا　　موج کرتے ہیں ان دنوں میں کہار

ہر کنوئے پر ہے اس طرح جمگھٹ　　جس طرح اک انار صد بیمار

تشنہ کاموں سے بھر گئے پنسال　　العطش کی ہے چار سو سے پکار

آگ کا ہے کرۂ زمین نہیں

آ رہی ہے لبوں پہ جانِ حزیں

آسماں تھا جو مطلع انوار　　گرد سے ہو گیا ہے تیرہ و تار

آندھیاں اٹھ رہی ہیں طوفانی　　لو جلاتی ہے دامنِ کہسار

ہر بگولا ہے آگ کا پتلا　　تیز ہے آفتاب شعلہ بار

آبِ دریا ہے اس قدر کھولا　　جل گئی سوزشِ دروں سے سوار

ابخرے اٹھ رہے ہیں پانی سے　　شاہِ دریا کو یا چڑھا ہے بخار

پھر رہی ہے سموم گرمائی　　چل رہی ہے ہوائے آتشبار

کیا طلسمی ہوائے گرما ہے　　بن کا ہر پیڑ بن گیا ہے آر

ہو کا عالم ہے دشت و صحرا میں　　بے طرح ہولناک ہے کہسار

اب نہیں گونجتی صدائے جرس　　قافلے ہیں نہ قافلہ سالار

آتشیں جوش ہے ہر اک وادی　　ہر بیابان ہے مغیلاں زار

دشت ہے یا طبقۂ دوزخ　　ریگ صحرا ہے یا بچھے ہیں شرار

آج جوالا مکھی ہے ہر پربت　　آتش افشاں ہر ایک ہے کہسار

آگ کے پھول ہیں کھلے بن میں　　داغ دینے کو گلفشاں ہے مدار

اونٹ چرتے تھے جن مقاموں پر　　شتر پا ہے وہاں نہ اونٹ کٹار

لاپتہ ہے گیاہ مردم تک　　شکل آدم تو ہے بہت دشوار

دامِ لعبِ جن کا ذکر کون کرے　　شجرۃ الجن پہ اب نہ دیو نہ خار

غول کا بھی یہاں وجود نہیں　　آگیا بیتال ہے درخت چنار

خضر صورت ہے آگ کی بڑھیا　　رہنمائی کا ہے اسی پہ مدار

سوت ٹوٹے ہیں آبشاروں کے

لب ہوئے خشک رودباروں کے

وہ حسیں جو تھے آتشیں رخسار　　ہو چکی ان کی گرمیِ بازار

اڑ گیا رنگ گورے گالوں کا　　ہو گئی سرد آتشِ رخسار

کام کے بس میں اب نہیں کوئی　　بجھ گیا ذوق و شوق بوس و کنار

اب نہیں سینکتا کوئی آنکھیں　　اب نہیں کوئی تشنۂ دیدار

اب نہیں سوز و ساز کا سودا　　اب نہیں گرم حسن کا بازار

افشرہ چاہیئے اناروں کا　　بھاڑ میں جائے شربتِ دیدار

اڑ گیا رنگ مہ جبینوں کا

حال پتلا ہے نازنینوں کا

خود اٹھے شعلہ ہائے آتشکار　　جل رہا ہے چہار سو کہسار

بانس سے اگن نے کیا پرکاش　　یا کہ جوالا نے لے لیا اوتار

آگ کی دوڑ ہے قیامت کی　　ایک تو آگ پھر ہوا پہ سوار

باغ آتش لگا ہے جنگل میں　　چھٹ رہے ہیں چہار سمت انار

برق ہے یا کہ آگ کا لوکا　　شعلۂ نار ہے کہ موٹر کار

پر فشاں آگ کے پتنگے ہیں　　مرغِ یاقوت پر ہیں یا ہیں شرار

پڑ گئی ہے چہار سو بھاگڑ　　عرصۂ حشر بن گیا کہسار

شیر چیتے چھپے ترائی میں　　شہر کے گرد آ گئے ہیں سیار

آکھروں سے نکل گئے چیتل　　سامروں نے لیا اچھل کے گوار

بھاگ نکلے وحوش ماندوں سے　　آشیانوں سے اڑ گئے پردار

چار سو ہیں رواں دواں آہو　　ڈھونڈتے ہیں درخت سایہ دار

بھاگ نکلے ہیں اژدر و عقرب　　بل کسی نے لیا کسی نے غار

دردہ کو دیں چھپے طاؤس　　جا گزیں پر ہیں مور کے ہیں مار



"شوخي بهي هے آنکهوں میں متانت بهي' حیا بهي"

انڈین پریس الهآباد

کچھ پتنگے بچے جو اُڑ اُڑ کر
نیلکنٹھوں کا ہو رہے ہیں شکار

خاک کا ڈھیر ہوگیا دم میں
جل گئے ہیں ہزارہا جاندار

پھول بَن کے اُٹھائیگا اب کون
کون لیجائے گا انھیں ہر وعار

آئے بارش تو پائیں یہ گنگا
سیکھ راجہ لگائیں بیڑا پار

رہ گئے تھے بلوں میں جو کیڑے ق
آہ اُن کا بھی ہوگیا ہے فشار

رہ گئے جل کے وہ وہیں کے وہیں
گھر جو پہلے تھا اب وہی ہے مزار

ایسی گرمی پہ ہے خدا کی مار
بھاڑ میں جائیں ایسے بیل ونہار

خندۂ گل

(نتیجۂ فکر جناب پنڈت جواہر ناتھ کول صاحب ساقی دہلوی)

تبسم لبِ نوشیں جوابِ خندۂ گل
ہنسی میں اُڑ گئی دم بھر میں آب خندۂ گل

پیا ہے شوق سے جامِ شرابِ خندۂ گل
دلیلِ راہ بنا آفتابِ خندۂ گل

ہوئے ہیں سوختۂ التہابِ خندۂ گل
دل فگار ہوا ہے کبابِ خندۂ گل

کیا ہے ذوقِ تماشائے محوِ نظارہ
رہا نہ شوق میں کچھ بھی حجابِ خندۂ گل

نگاہِ شاہدِ سرمست محوِ گلبازی
سرورِ خندۂ گل ہے شرابِ خندۂ گل

ہوئی ہے بادِ صبا موجزن گلستاں میں
بنا ہے موجِ تماشا سحابِ خندۂ گل

عتابِ یار ہے گل خندۂ شرر کی روش
یہ گرمجوشیٔ دل ہے عتابِ خندۂ گل

تمہارے خندۂ زیرِ لبی کا مست ہوا
عیاں ہے چہرے سے حالِ خرابِ خندۂ گل

ہوا ہے اُس کا دلِ تنگ مثلِ گل خنداں
پڑھی ہے شوق سے جب سے کتابِ خندۂ گل

فروغِ رنگِ شفق ہے حنائے پائے نگار
فدائے نقشِ کفِ پا شبابِ خندۂ گل

کرشمۂ خندۂ دنداں نمائے شوخ ہوا
بنی ہے موجِ تحیر نقابِ خندۂ گل

ہوا ہے موجۂ رفتارِ یار کا پامال
عدم وجود ہے نقشِ بر آبِ خندۂ گل

کیا ہے شعشعِ نظر نے چمن چمن حیراں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا حسابِ خندۂ گل

بنی ہے موجِ رمِ شوق دامنِ صحرا
حبابِ بحرِ تحیر سرابِ خندۂ گل

شگفتہ دل نہ ہوئی آج بلبلِ نالاں
یہ دل پسند نہیں انتخابِ خندۂ گل

بہارِ جلوۂ گل دیکھ بلبلِ کشمیر
کرشمہ سنج ہے وہ آفتابِ خندۂ گل

کیا ہے جذبۂ دل نے ہمیں بھی مائلِ شوق
ہوئے ہیں سالکِ راہِ صوابِ خندۂ گل

بہارِ طبعِ رواں رنگِ شاہدِ رعنا
فروغِ نالۂ موزوں جوابِ خندۂ گل

ہوئے ہیں ساقیٔ سرشارِ رزم و خنداں
کیا ہے کیف نے مستِ شرابِ خندۂ گل

ایک نیچرل شاعر کا مرثیہ

(نتیجۂ فکر جناب مولوی محمد مسلم صاحب مسلم عظیم آبادی)

کریں کیا شکوۂ بیداد جب دل ہی نہ قابو میں؟
لگائیں اُس سے دل ہی کیوں نہو دل جسکے پہلو میں

شکایت اُن جفاؤں کی ہو کیا وہ خل ہو جو خو میں؟
کسی اُمید پر کیوں دامنِ اہلِ جہاں جو ہیں؟

اسی اُمید نے انساں کو ڈالا ہے مشکل میں
اُمیدیں کی کریں پھر پرورش کیوں خانۂ دل میں؟

مزے پوچھے کوئی شاعر سے اطمینانِ خاطر کے
جھکیں آنکھیں نہ جسکی عمر بھر شاہ و شہنشہ سے

نہ سر نیچا کیا جس کا کسی کے بارِ احساں نے
نہ ہرگز لے گیا حاجت کسی ذی روح کے آگے

نہ تھا عجز و دنائت کا گذر بھی طبعِ اعلیٰ میں
نہ تھا حرفِ خوشامد داخل اسکے روزمرہ میں

تمدن کا تھا دشمن۔ شہر و آبادی سے وحشت تھی
بنی آدم کی صورت سے ہمیشہ اُسکو نفرت تھی

اُسے صحرا سے دلچسپی، اُسے چڑیوں سے اُلفت تھی
نشست اُسکی لبِ دریا، پہاڑوں میں سکونت تھی

شرابِ بیخودی سے رات دن سرشار رہتا تھا
صدائے نے سے اُسکی وحشت بھی گلا دبا دیتا تھا

ہوائیں کان میں جب موسمِ گل کی خبر دیتیں
صفائے آسماں اور سبزیاں ذوقِ نظر دیتیں

صدائیں کوئلوں کی جوش سے جب دل کو بھر دیتیں
صبا کی شوخیاں بڑھ بڑھ کے جب بے چین کر دیتیں

تو وہ اوِنچے سروں میں جھوم کر تانیں لگاتا تھا
غضب کے لحن میں برجستہ کچھ اشعار گاتا تھا

نہ داں بھیجا اُڑاتا سر کا کوئی واہ وا کرکے
مگر ہاں دل بڑھاتے تالیاں پتے بجا بجا کرکے

اسے محظوظ کرتیں قمریاں پیڑوں پہ گا گا کرکے
ہلائیں تتلیاں لیتی تھیں سر پر منڈلا کرکے

کبھی تو کوک کر کوئل مبارکباد دیتی تھی
کبھی بلبل چہک کر شوخیٔ گل پر داد دیتی تھی

پپیہے کی کبھی آواز سُنکر دفعتاً سر اپنا
کبھی گاتا ترانہ سرو اور قمری کی الفت کا

عروسی کا گُل و بُلبُل کی گاتا تھا کبھی سہرا
صبا کی دیکھ کر غنچوں سے چھیڑیں خود بخود ہنستا

غرض آغوشِ قدرت میں ہمارا نیچرل شاعر
یوں ہی ہنس بول کر بیچارہ اک دن مر گیا آخر

پرندوں نے اُٹھایا شورِ ماتم سے فلک سر پہ
کیا رو رو کے اپنا حال شبنم نے بہت ابتر

سرِ میدان پڑی یوں ہی رہی وہ لاش بے چادر
کسی رہرو نے اک دن دفن کر ڈالا ترس کھا کر

گراں تھا بارِ احساں اُسکی گردن پر پسِ مردن
برابر ہو کے سطحِ خاک سے پھر مل گیا مدفن

خدا بخشے اُسے۔ وہ خانۂ صحرا کا تھا دولھا
دلھن اُسکی تھی قدرت حسن کا تھا جسکے دلدادہ

پری بنکر نظر آتا تھا اُس کی آنکھ میں سبزہ
کہ کوئی حور تھی پہنے ہوئے اک جنتی جوڑا

تماشا اُسکی مے تھی دیدۂ بینا تھا جام اس کا
وہ تھا اور رات دن نظارۂ تنہائی تھا کام اُس کا

ملی ہے شاہدِ قدرت کی مٹی میں جوانی اب
لٹا اُس کا سہاگ اور چل بسی سب شادمانی اب

وہ اگلی زینت و رونق ہوئی ساری کہانی اب
کرے گا کون اُسکے حسن کی یوں قدردانی اب

اسی سے داغ ہے لالہ کا دل غنچوں نے خوں تھوکا
امنڈتا دیدۂ بلبل سے اک دریا ہے آنسو کا

وہ ندی جس میں اپنے پاؤں دے کر بیٹھتا دن بھر
ابھی تک چومتی ہے اسکے تلوے پائنتی بہ کر

وہ طائر بیٹھ کر جن میں پڑھا کرتا تھا شعر اکثر
وہی اب لوریاں دیتے ہیں گا گا کر بچشمِ تر

نسیمِ صبح سی دایہ! وہ اُسکی چھیڑ وہ چلبل
ابھی تک جھلتی ہے پنکھا اُٹھا کر ماں نہیں آنچل

وہ سبزہ مرنے والے کا جو بنتا تھا کبھی بستر
اب اُسکی خاک پر اُگ کر بنا ہے سر بسر چادر

شبِ مہ کے مزے سونے نہ دیتے تھے اُسے شب بھر
مگر اب لوٹتی ہے چاندنی خود اُس کی تربت پر

یہی تھا مقصد آخر۔ یہی ملجا۔ یہی ماوےٰ
یہی اُس کی جزا تھی اور یہی دنیا بھی عقبےٰ

غزلیات

(نتیجۂ فکر جناب مولوی سید امین الحسن رضوی صاحب بسمل موہانی)

دل ملا ہوتا اگر آنے میں مجبوری نہ تھی
اسے سراپا ناز کچھ ایسی بہت دوری نہ تھی

کر گئی احساں تیری تصویر کس ناز سے
تو سلامت مجھکو فرقت میں بھی مہجوری نہ تھی

شوق سے تم مجھسے مل سکتے تھے بزمِ غیر میں
کون کیا کتنا محبت تھی کوئی چوری نہ تھی

تھا وفا میں بھی تیری صورت میں بھی ایک انقلاب
مجھکو حیرت سی رہی تھی تجھسے رنجوری نہ تھی

گو متانت حُسن کی تھی رنگ آمیز حیا
وہ نگاہ بے محابا تو مگر گوری نہ تھی

تھی ازل میں بھی تجلی اُس کی بسمل بے حجاب
چشمِ حیرت ہی کی کوتاہی تھی مستوری نہ تھی

دیگر

(مولانا سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی)

اُلٹ دی اُس نے ہستی آستینوں کو اگر اُٹھا
عدم کا اُٹھ گیا پردہ جو دامن تا کمر اُٹھا

نگاہِ ناز آئینہ میں رکھتی ہے اثر اُلٹا
ادھر دیکھو قیامت ہوگی یہ جادو اگر اُلٹا

لبِ دریا تماشا انقلابِ دہر کا دیکھو
کہ پانی دو پہر بہتا ہے سیدھا دو پہر اُلٹا

بہارِ باغ دونی ہوگئی مینہ کے برسنے سے
نظر آنے لگا ہر ایک نہالے میں شجر اُلٹا

وہ بل کھا کر اُٹھے ہیں قتل کرنے کو میں ڈرتا ہوں
مجھی پر پھر نہ کچھ الزام دھر دیگی کمر اُلٹا

جلے ہیں غیر کیا کیا جب مری خلوت سے وہ نکلے
پریشاں باندھ کر جوڑا دوپٹا اوڑھ کر اُلٹا

دیگر

(نتیجۂ فکر جناب مولوی سید شریف الحسن صاحب، اثیم و تمنا)

مطرب بھی ہے ساقی بھی ہے گل بھی ہے سبو بھی
تقوی کی طرح توڑیں گے اب شیخ وضو بھی

کچھ دل کی حقیقت نہیں حاضر ہے گلو بھی
ہم کو تو بناوٹ نہیں آتی سرِ مو بھی

ہر رنگ سے آتی ہے محبت میں مصیبت
پانی بھی ٹپکتا ہے ان آنکھوں سے لہو بھی

اللہ رے دل اُن پہ اثر کچھ نہیں ہوتا
سُن سُن کے مرے حال پہ روتا ہے عدو بھی

دو ایک پیالوں میں تو میں سیر نہ ہوں گا
ساقی تجھے دینا ہے تو دے کوئی سبو بھی

میں کیا ہوں جو فرقت میں یہی حال رہیگا
تلوار سے قاتل کے نہ پلٹے گا لہو بھی

مجھ کو تو اسی اپنے مقدر سے گلہ تھا
اے چرخ ستمگار ستانے لگا تو بھی

نازک ہیں وہ تلوار اُٹھائے نہیں اُٹھتی
ہم عاشقِ ناکام ہیں اور سخت گلو بھی

ان ہاتھوں کو کیا کیا ہنر آتے ہیں تمنا
یہ چاک بھی کر لیتے ہیں دامن کو رفو بھی

دیگر

(نتیجۂ فکر جناب مولوی سید علی حیدر زیدی صاحب حیدر سہارنپوری)

وہی جنوں کے خیالات سر میں پھرتے ہیں
کہ گھر میں بیٹھے ہوئے دشت و در میں پھرتے ہیں

وہ کرتے ہیں مجھے تعلیم چاک پیرہنی — اُٹھائے ناز سے دامن نظر میں پھرتے ہیں
فلک کے پار گئے بارہا مرے نالے — کہاں کہاں یہ تلاشِ اثر میں پھرتے ہیں
زبان دی ہے تو کیا؟ مجھ کو اعتبار نہیں — قرار کس کو؟ وہ لب لحظہ بھر میں پھرتے ہیں
پھریں وہ قوم سے آز کے واسطے تو بجا — خدا سے جو ہوسِ سیم و زر میں پھرتے ہیں
بتوں کے ناز و ادا پر نگاہِ شیخ نہیں — کہ حسنِ حور کے جلوے نظر میں پھرتے ہیں
گذر ہی جائینگے ایام غم بھی اے حیدر — خدا کے فضل سے دن لحظہ بھر میں پھرتے ہیں

دیگر

کیوں نگاہیں نہ محبت سے کریں ہم گُل پر — آپ کے عارضِ رنگیں کا ہے عالم گُل پر
حیف رخسار پر اُس کے مرا اشکِ غم مرگ — بن گیا بہرِ عدو قطرۂ شبنم گُل پر
باغ میں آکے ہوا تم نے پلٹ دی کیسی — لطفِ بلبل شیدا ہے بہت کم گُل پر
رفتۂ یار ہیں پروانہ و بلبل حیدر — شمع پر جان وہ گو دیتا ہے یہ دم گُل پر

دیگر

(نتیجۂ فکر جناب میر یعقوب علی صاحب اشہر حیدر آبادی)

بادۂ وحدت سے پُر جب دل کا پیمانہ رہے — جز خدا کے کچھ نہ سوجھے ایسا مستانہ رہے
مے رہے شیشہ میں شیشہ دل میں دل لذائیں — غیر سے پوشیدہ یہ وحدت کا میخانہ رہے
یاد حق کے ساتھ ہی عشق صنم بھی دل میں ہو — کعبے کا کعبہ یہ بت خانے کا بتخانہ رہے
باغباں پیر مغاں ساقی بنے فصل بہار — بادۂ نکہت سے پُر ہر گُل کا پیمانہ رہے
اے جنوں تیرا تجمل تو جب ہی معلوم ہو — پیچھے پیچھے فوج طفلاں آگے دیوانہ رہے
عشق میں ساقیِ کوثر جو مستانہ رہے — بزم میں شیشہ رہے اس کے نہ پیمانہ رہے
خیر خم یک جام مے ہم کو بھی ہو جائے عطا — حشر تک آباد ساقی تیرا میخانہ رہے
اک نہ اک دن یار کے دل میں اثر ہو جائیگا — آہ بو دلکش رہے نالہ بھی مستانہ رہے
جائیں گے سو بار زاہد حج کو ہم بھی بادہ خوار — فی سبیل اللہ اگر کعبہ میں میخانہ رہے
یا الٰہی دل میں سوز عشق جانانہ رہے — اس کا میرا حال مثل شمع و پروانہ رہے
ای صنم تیرا مکان گر آئینہ خانہ رہے — خود تو اپنی چاند سی صورت پہ دیوانہ رہے
ماسوا اللہ سے جو خالی دل کا کاشانہ رہے — آپ اپنی شکل پر تو یار دیوانہ رہے
اے بتو دیکھو تو تم یہ کیا خدا کی شان ہے — ہو وہ کعبہ جو ہزاروں سال بتخانہ رہے
واہ واہ کیا بات ہے اشہر تمہاری واہ واہ — صوفیوں میں صوفی اور رندوں میں رندانہ رہے
میں نشیلی آنکھ کا ساقی کی اشہر مست ہوں — ہاتھ میں شیشہ رہے میرے نہ پیمانہ رہے

کلامِ فارسی

(نتیجۂ فکر خان بہادر نوابزادہ جناب سید اشرف الدین احمد صاحب اشرف)

زذات سید دارین دو جہاں باقی است — بیک تجلی او نور نہ مکاں باقی است
خوشا لقائے دل آرائے مولد نبوی — ہوائے دیدن آں ہالہ زرواں باقی است
مثال بلبل جنت اگر شدیم بباغ — ہنوز در دل من جوی گلستاں باقی است
شدم بخاک ولیکن زتاب عشق رسولؐ — ہوائے سجدہ بر آں خاک آستاں باقی است
فریب رائے حریفان کجا خورم کہ مرا — کلام خواجۂ کونین بر زباں باقی است
اگرچہ پیر شدم از نفاد م افکار — ولے زنام نبیؐ ہمت جواں باقی است
زجور اہل حسد اشرفا چرا فریاد — بجاہ احمدؐ مرسل ترا تواں باقی است

قطعۂ تاریخ وفات واجد علیشاہ خاتم تاجداران اودھ

(از ملفوظات جناب مولوی محمد یوشع مرحوم عظیم آبادی)

آنچہ دیدم بود خوابے خوشگوار — از شکوہ و بخت و جاہ لکھنؤ
تیرہ شہرا از من بگوایں ماجرا — شد کجا فوج و سپاہ لکھنؤ
شد چساں پامال زیر پائے چرخ — مسند و تاج و کلاہِ لکھنؤ
از زمیں تا چرخ ہفتم می رسد — نالہ و فریاد و آہِ لکھنؤ
چاک زد از نشتر غم سینہ را — ہر گُل و برگ و گیاہ لکھنؤ
تیرہ و تاریک شد ملک اودھ — شد نہ خاک آہ ماہِ لکھنؤ
یا الٰہی باد گنج مرقدش — خوشتر از آرام گاہ لکھنؤ
چوں بجستم با ہزاراں درد و غم — سالِ مرگِ بادشاہِ لکھنؤ
رد رقم کلک از سرِ حزن و الم — آہ رحلت کرد شاہ لکھنؤ
۱۲۹۴ھ

ضرورت ہے

دو تجربہ کار پروف ریڈروں کی جو اردو فارسی میں دستگاہ رکھتے ہوں اور ہر قسم کے خطوط روانی کے ساتھ بآسانی پڑھ لیتے ہوں۔ تنخواہ حسب استعداد دی جائے گی۔ صرف ہندو امیدواران بنام مینیجر رسالہ ادیب جلد تر درخواست کریں۔

ضرورت ہے

ایک پختہ کار کاتب کی جو اعلیٰ درجہ کا خوشنویس ہو۔ ہر قسم کے نفیس خطِ نسخ کا ماہر ہو۔ درخواست کے ساتھ نمونہ خوشخطی علیحدہ کاغذ پر ہو۔ تنخواہ باعتبار کمال دیجائے گی۔ درخواستیں بنام مینیجر رسالہ ادیب جلد تر آنا چاہئیں۔

ضرورت ہے

ایک کارداں کاتب کی جو ہر قسم کے نسخ و نستعلیق خطوط بہ نفاست اور تیز لکھتا ہو۔ کسی چھاپہ خانہ میں کام کر چکا ہو۔ درخواست کے ساتھ نستعلیق و نسخ خطوط کے نمونے الگ کاغذ پر ہوں۔ جیسی واقفیت ہوگی ویسی تنخواہ دیجائے گی۔ درخواستیں بنام مینیجر رسالہ ادیب بہت جلد آئیں۔

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालनिबन्धमाला।

२३—यह 'बालसखा-पुस्तकमाला' की अठारहवीं पुस्तक है। इसमें कोई ३५ शिक्षादायक विषयों पर, बड़ी सुन्दर भाषा में, निबन्ध लिखे गये हैं। बालकों के लिए तो यह पुस्तक उत्तम गुरु का काम देगी। ज़रूर मँगाइए। मूल्य ।≈)

सीतावनवास।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी और सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके पवित्र चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्री-वाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने वंगभाषा में "सीतारवनवास" नामक पुस्तक में लिख कर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है उसी शिक्षा-प्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावनवास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीरामचन्द्रजी-कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणा-रस-भरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

प्रकृति।

यह पुस्तक पण्डित रामेन्द्रसुन्दर त्रिवेदी, एम० ए० की बँगला 'प्रकृति' का हिन्दी-अनुवाद है। बँगला में इस पुस्तक की बहुत प्रतिष्ठा है। विषय वैज्ञानिक है। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग की एकही है। इस पुस्तक को पढ़ कर हिन्दी जानने वालों को अनेक विज्ञान-सम्बन्धी बातों से परिचय हो जायगा। इसमें सौर जगत् की उत्पत्ति, आकाश-तरंग, पृथिवी की आयु, मृत्यु, आर्यजाति, परमाणु, प्रलय आदि १४ विषयों पर बड़ी उत्तमता से निबन्ध लिखे गये हैं। आशा है, हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को विशेष चाव के साथ मँगाकर पढ़ेंगे और अनेक लाभ उठावेंगे। मूल्य १)

गारफ़ील्ड।

इस पुस्तक में अमरीका के एक प्रसिद्ध प्रेसी-डेंट "जेम्स एबरम गारफ़ील्ड" का जीवनचरित लिखा गया है। गारफ़ील्ड ने एक साधारण किसान के घर जन्म लेकर, अपने उत्साह, साहस और संकल्प के कारण, अमरीका के प्रेसीडेंट का सर्वोच्च पद प्राप्त कर लिया था। भारतवर्ष के नव युवकों को इस पुस्तक से बहुत अच्छा उपदेश मिल सकता है। मूल्य ॥)

हिन्दीभाषा की उत्पत्ति।

यह पुस्तक हर एक हिन्दी जाननेवाले को पढ़ना चाहिए। इसके पढ़ने से मालूम होगा कि हिन्दी भाषा की उत्पत्ति कहाँ से है। पुस्तक बड़ी खोज के साथ लिखी गई है। हिन्दी में ऐसी पुस्तक, हमारी राय में, अभी तक कहीं नहीं छपी। एक हिन्दी ही नहीं इसमें और भी कितनी हीं हिन्दुस्तानी भाषाओं का विचार किया गया है। मूल्य।)

शकुन्तला नाटक।

कविशिरोमणि कालिदास के नाम को कौन नहीं जानता? शकुन्तला नाटक, उन्हीं कवि चूड़ामणि कालिदास का रचा हुआ है। इस नाटक पर यहीं वाले नहीं विदेशी विद्वान् भी लट्टू हैं। संस्कृत में जैसा बढ़िया यह नाटक हुआ है वैसा ही मनोहर यह हिन्दी में लिखा गया है। कारण यह कि इसे हिन्दी के सच्चे कालिदास राजा लक्ष्मणसिंह ने अनुवादित किया है। लीजिए, देखिए तो इसके पढ़ने में कैसा अनुपम आनन्द आता है। मूल्य १)

❋ ❋ ❋ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❋ ❋ ❋

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति श्रौर मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक श्रौर पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र श्रौर बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा श्रौर शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य श्रौर नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा श्रौर वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालआरब्योपन्यास (सचित्र) ।

चारों भाग

१०-१३—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि श्रौर विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस श्रौर हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य प्रत्येक भाग का ॥)

बालपंचतंत्र ।

१४—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक श्रौर विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१५—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है श्रौर शत्रुश्रों के पंजे में न फँसने श्रौर फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों श्रौर कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१६—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल श्रौर सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना श्रौर बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए श्रौर अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालभारत—पहला भाग।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य ।)

बालनीतिमाला।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

हिंदीकोविदरत्नमाला।

(बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित)

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र और महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकों और सहायकों के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढँग की अकेली ही है। स्कूलों में ऊँची कक्षाओं में पढ़नेवाले छात्रों को यह पुस्तक पारितोषिक में देने योग्य है। प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी को यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए। मूल्य ४० हाफ़टोन चित्रोंवाले पुस्तक का १॥) डेढ़ रुपया।

स्त्रीशिक्षा का एक सचित्र, नया और अनूठा ग्रन्थ

सीता-चरित।

अभी तक ऐसी पुस्तक की बड़ी आवश्यकता थी जिसमें आरम्भ से अन्त तक मुख्यतया सती सीताजी की अनुकरणीय जीवन-घटनाओं का विस्तारपूर्वक वर्णन हो, जिसमें सीताजी के जीवन की प्रत्येक घटना पर स्त्रियों के लिए लाभदायक उपदेश दिया गया हो। इसी अभाव को दूर करने के लिए हमने "सीताचरित" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इसमें सीताजी की जीवनी तो विस्तारपूर्वक लिखी ही गई है, किन्तु साथ ही उनकी जीवनघटनाओं का महत्त्व भी विस्तार के साथ दिखाया गया है। यह पुस्तक अपने ढंग की निराली है। भारतवर्ष की प्रत्येक नारी को यह पुस्तक अवश्य मँगा कर पढ़नी चाहिए। इस पुस्तक से स्त्रियाँ ही नहीं पुरुष भी अनेक शिक्षायें ग्रहण कर सकते हैं। क्योंकि इसमें कोरा सीताचरित ही नहीं है, पूरा रामचरित भी है। आशा है, स्त्रीशिक्षा के प्रेमी महाशय इस पुस्तक का प्रचार करके स्त्रियों को पातिव्रत धर्म की शिक्षा से अलङ्कृत करने में पूरा प्रयत्न करेंगे। पृष्ठ २३५। कागज़ मोटा। सुनहली जिल्द। पर, तो भी सर्वसाधारण के सुभीते के लिए मूल्य बहुत ही कम। केवल १।) सवा रुपया।

चरित्रगठन।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें; और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही, किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेष रूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें। २३२ पृष्ठ की ऐसी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ॥।) बारह आना है।

जापान-दर्पण।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टोन चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्य्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगोल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना और इतिहास आदि बातों का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया गया है। भारत की अधोगति पर आँसू बहानेवाले देश-भक्तों को तो इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए। ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥।) बारह आने कर दिया।

*** इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ***

रामचरितमानस ।

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

क्षेपकरहित असली रामायण

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छपकर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनी ही कविता लोगों ने पीछे से लिख कर मिला दी हैं। असली रामायण तो केवल इंडियन प्रेस की छपी 'रामचरितमानस' ही है। क्योंकि इसका पाठ गोसाईं जी के हाथ की लिखी पोथी से मिला कर शोधा गया है। और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला कर इनमें से कूड़ा-करकट अलग निकाल दिया गया है। यही विशुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है। इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७५ तसवीरें भी लगा दी हैं। मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब ४) ही कर दिया है। डाक-द्वारा मँगाने पर १=) ख़र्च लगेगा।

मानस—कोश ।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ ।

हमने काशी की नागरी-प्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दीप्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी। आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें तो यह कोश आपको तुरन्त बता देगा। इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है। इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है। मूल्य केवल १) रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है। जल्द मँगाइए।

सचित्र हिन्दी महाभारत

(मूल आख्यान)

५०० से अधिक पृष्ठ बड़ी साँची २२ चित्र

अनुवादक—हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित महावीरप्रसादजी द्विवेदी

संस्कृत-साहित्य में महाभारत ही एक ऐसा ग्रन्थ है जो सबसे बड़ा, सबसे उत्तम और सबसे अधिक उपयोगी है। महाभारतही आर्यों का प्रधान धर्म-ग्रन्थ है, यही आर्य्यां का सच्चा इतिहास है और यही सनातन धर्म का बीज है। इसी के अध्ययन से हिन्दुओं में धर्मभाव, सत्पुरुषार्थ और समयानुसार काम करने की शक्ति जाग्रत हो उठती है। यदि इस बूढ़े भारतवर्ष का ५ सहस्र वर्ष पहले का सच्चा इतिहास जानना हो, यदि भारतवर्ष में स्त्रियों को सुशिक्षित करके पातिव्रत धर्म का पुनरुद्धार करना अभीष्ट हो, यदि बालब्रह्मचारी भीष्म पितामह के पावन चरित्र को पढ़कर ब्रह्मचय-रक्षा का महत्त्व देखना हो, यदि भगवान कृष्णचन्द्र के उपदेशों से अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाना हो, तो इस "महाभारत" ग्रन्थ को मँगा कर अवश्य पढ़िए। इसकी भाषा बड़ी सरल, बड़ी ओजस्विनी और बड़ी मनोहारिणी है। प्रत्येक पढ़ी लिखी स्त्री अथवा कन्या को यह महाभारत मँगा कर अवश्य पढ़ना और उससे लाभ उठाना चाहिए।

सर्व साधारण के लिए मूल्य बहुत ही कम—कुल ३ रुपये।

पुस्तक मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग ।**

बालनिबन्धमाला ।

२३—यह 'बालसखा-पुस्तकमाला' की अठारहवीं पुस्तक है। इसमें कोई ३५ शिक्षादायक विषयों पर, बड़ी सुन्दर भाषा में, निबन्ध लिखे गये हैं। बालकों के लिए तो यह पुस्तक उत्तम गुरु का काम देगी। ज़रूर मँगाइए। मूल्य ।=)

सीतावनवास ।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी ग्रैार सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके पवित्र चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्रीवाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र ग्रैार सफल किया है; ग्रैार जिस पावन-चरित ग्रैार अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने बंगभाषा में "सीतारवनवास" नामक पुस्तक में लिख कर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है उसी शिक्षाप्रद ग्रैार मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावनवास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीरामचन्द्रजी-कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक ग्रैार करुणा-रस-भरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है ग्रैार पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

प्रकृति ।

यह पुस्तक पण्डित रामेन्द्रसुन्दर त्रिवेदी, एम० ए० की बँगला 'प्रकृति' का हिन्दी-अनुवाद है। बँगला में इस पुस्तक की बहुत प्रतिष्ठा है। विषय वैज्ञानिक है। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग की एकही है। इस पुस्तक को पढ़ कर हिन्दी जानने वालों को अनेक विज्ञान-सम्बन्धी बातों से परिचय हो जायगा। इसमें सैार जगत् की उत्पत्ति, आकाश-तरंग, पृथिवी की आयु, मृत्यु, आर्यजाति, परमाणु, प्रलय आदि १४ विषयों पर बड़ी उत्तमता से निबन्ध लिखे गये हैं। आशा है, हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को विशेष चाव के साथ मँगाकर पढ़ेंगे ग्रैार अनेक लाभ उठावेंगे। मूल्य १)

गारफ़ील्ड ।

इस पुस्तक में अमरीका के एक प्रसिद्ध प्रेसीडेंट "जेम्स एबरम गारफ़ील्ड" का जीवनचरित लिखा गया है। गारफ़ील्ड ने एक साधारण किसान के घर जन्म लेकर, अपने उत्साह, साहस ग्रैार संकल्प के कारण, अमरीका के प्रेसीडेंट का सर्वोच्च पद प्राप्त कर लिया था। भारतवर्ष के नव युवकों को इस पुस्तक से बहुत अच्छा उपदेश मिल सकता है। मूल्य ॥)

हिन्दीभाषा की उत्पत्ति ।

यह पुस्तक हर एक हिन्दी जाननेवाले को पढ़ना चाहिए। इसके पढ़ने से मालूम होगा कि हिन्दी भाषा की उत्पत्ति कहाँ से है। पुस्तक बड़ी खोज के साथ लिखी गई है। हिन्दी में ऐसी पुस्तक, हमारी राय में, अभी तक कहीं नहीं छपी। एक हिन्दी ही नहीं इसमें ग्रैार भी कितनी हीं हिन्दुस्तानी भाषाग्रें का विचार किया गया है। मूल्य ।)

शकुन्तला नाटक ।

कविशिरोमणि कालिदास के नाम को कैान नहीं जानता? शकुन्तला नाटक, उन्हीं कवि चूड़ामणि कालिदास का रचा हुआ है। इस नाटक पर यहीं वाले नहीं विदेशी विद्वान् भी लट्टू हैं। संस्कृत में जैसा बढ़िया यह नाटक हुआ है वैसा ही मनोहर यह हिन्दी में लिखा गया है। कारण यह कि इसे हिन्दी के सच्चे कालिदास राजा लक्ष्मणसिंह ने अनुवादित किया है। लीजिए, देखिए तो इसके पढ़ने में कैसा अनुपम आनन्द आता है। मूल्य १)

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालविष्णुपुराण ।

१७—विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णु-पुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। मूल्य ।=)

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

१८—यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रह कर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रति दिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य-मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

बालगीतावलि ।

१९—महाभारत में क्या नहीं है। उसमें सभी कुछ मौजूद है। महाभारत को रत्नों का सागर कहना चाहिए, शिक्षा का भण्डार कहना चाहिए। आप जानते हैं "बालगीतावलि" में क्या है? इसमें महाभारत में से ९ गीताओं का संग्रह किया गया है। इन गीताओं में ऐसी उत्तम उत्तम शिक्षायें हैं कि जिनके अनुसार बर्ताव करने से मनुष्य का परम कल्याण हो सकता है। हमें पूरी आशा है कि समस्त हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को पढ़ कर उत्तम शिक्षा का लाभ करेंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

बालपुराण ।

२०—पुराणों में बहुत सी ऐसी कथायें हैं जिनसे मनुष्यों को बहुत कुछ उपदेश मिल सकता है। पर पुराण इतने अधिक और बड़े हैं कि उन सबका पढ़ना प्रत्येक मनुष्य के लिए असम्भव नहीं तो महाकष्ट-साध्य अवश्य है। इसलिए सर्वसाधारण के सुभीते के लिए हमने अठारह महापुराणों का साररूप 'बाल-पुराण' तैयार करा कर प्रकाशित किया है। इसमें अठारहों पुराणों की संक्षिप्त कथासूची दी गई है और यह भी बतलाया गया है कि किस पुराण में कितने श्लोक और कितने अध्याय आदि हैं। पुस्तक बड़े काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य केवल ॥)

बालस्मृतिमाला ।

२१—मनुस्मृति के सिवा और भी अनेक स्मृतियाँ हैं जिनमें भिन्न भिन्न धर्माचार्यों ने मनुष्यों के कल्याण के लिए धर्मों और कर्तव्य-कर्मों की व्याख्या की है। धर्मशास्त्र की मर्यादा जानने के लिए स्मृतिशास्त्र का जानना परमावश्यक है। परन्तु ये स्मृतियाँ संस्कृत में होने के कारण सब लोग इनका आशय नहीं समझ सकते थे। हमने १८ स्मृतियों का सार-संग्रह करा कर यह "बालस्मृतिमाला" प्रकाशित की है। आशा है, सनातनधर्म के प्रेमी अपने अपने बालकों के हाथ में यह धर्मशास्त्र की पुस्तक देकर उनको धर्मिष्ठ बनाने का उद्योग करेंगे। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालभोजप्रबन्ध ।

२२—राजा भोज का विद्याप्रेम किसी से छिपा नहीं है। संस्कृत भाषा के "भोजप्रबन्ध" नामक ग्रन्थ में राजा भोज के संस्कृत-विद्याप्रेम-सम्बन्धी अनेक आख्यान लिखे हुए हैं। वे बड़े मनोरञ्जक और शिक्षादायक हैं। उसी भोजप्रबन्ध का साररूप यह "बाल-भोजप्रबन्ध" छपकर तैयार हो गया। सभी हिन्दी-प्रेमियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य बहुत ही कम केवल ॥) आठ आने।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालअरब्योपन्यास (सचित्र)।

चारों भाग

१०-१३—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य प्रत्येक भाग का ॥)

बालपंचतंत्र ।

१४—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१५—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१६—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

*** इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ***

बालभारत—पहला भाग।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य ।)

बालनीतिमाला।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

पुस्तक मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

हिंदीकोविदरत्नमाला ।

(बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित)

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र और महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकों और सहायकों के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढँग की अकेली ही है। स्कूलों में ऊँची कक्षाओं में पढ़नेवाले छात्रों को यह पुस्तक पारितोषिक में देने योग्य है। प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी को यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए। मूल्य ४० हाफ़टोन चित्रोंवाले पुस्तक का १॥) डेढ़ रुपया।

स्त्रीशिक्षा का एक सचित्र, नया और अनूठा ग्रन्थ

सीता-चरित ।

अभी तक ऐसी पुस्तक की बड़ी आवश्यकता थी जिसमें आरम्भ से अन्त तक मुख्यतया सती सीताजी की अनुकरणीय जीवन-घटनाओं का विस्तारपूर्वक वर्णन हो, जिसमें सीताजी के जीवन की प्रत्येक घटना पर स्त्रियों के लिए लाभदायक उपदेश दिया गया हो। इसी अभाव को दूर करने के लिए हमने "सीताचरित" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इसमें सीताजी की जीवनी तो विस्तारपूर्वक लिखी ही गई है, किन्तु साथ ही उनकी जीवनघटनाओं का महत्त्व भी विस्तार के साथ दिखाया गया है। यह पुस्तक अपने ढंग की निराली है। भारतवर्ष की प्रत्येक नारी को यह पुस्तक अवश्य मँगा कर पढ़नी चाहिए। इस पुस्तक से स्त्रियाँ ही नहीं पुरुष भी अनेक शिक्षायें ग्रहण कर सकते हैं। क्योंकि इसमें कोरा सीताचरित ही नहीं है, पूरा रामचरित भी है। आशा है, स्त्रीशिक्षा के प्रेमी महाशय इस पुस्तक का प्रचार करके स्त्रियों को पातिव्रत धर्म की शिक्षा से अलङ्कृत करने में पूरा प्रयत्न करेंगे। पृष्ठ २३५। कागज़ मोटा। सुनहली जिल्द। पर, तो भी सर्वसाधारण के सुभीते के लिए मूल्य बहुत ही कम। केवल १।) सवा रुपया।

चरित्रगठन ।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें, और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही, किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेष रूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक वार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें। २३२ पृष्ठ की ऐसी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ॥।) बारह आना है।

जापान-दर्पण ।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टोन चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्य्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगोल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना और इतिहास आदि बातों का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया गया है। भारत की अधोगति पर आँसू बहानेवाले देश-भक्तों को तो इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए। ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥।) बारह आने कर दिया।

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حُبِّ وطن کا ایک دلچسپ قصہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک اور بےمثل اور اچھوتا ناول ہے۔ آپ کی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوزِ وطن، کشنا، وغیرہ اس سے پیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ لہذا ضرورت نہیں کہ آپکی نسبت کچھ اور لکھا جائے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اسکا طرزِ بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے۔ خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے۔ اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی۔ ضرور منگایئے۔ حجم قریباً ۲۴۰ صفحات قیمت عہ

حُسنِ تخیل

منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حُسنِ تخیل آپکی اُن تمام مقبولِ عام نظموں کا مجموعہ ہے، جو ادبِ اُردو کے بہترین رسائل میں شایع ہو کر قبولیتِ عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے دیباچہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب کی تصویر بھی شروع کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نامِ نامی پر اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸ر)

سنہری کمخواب

ایک نادر اور پرنصیحت مشرقی قصہ جسکا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے اور جسکو زبان انگریزی سے مس لولو رقیہ بیگم بلگرامی (بنت شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس قصہ میں پیشہ کی خوبی و عظمت دکھائی گئی ہے۔ جا بجا تصویریں بھی لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۶ر

ہند میں مغربی تعلیم

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم اے نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بنام "ایجوکیشن ان برٹش انڈیا" نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اسکے مطالب سے اُردو خوان حضرات بھی مستفید ہو سکیں آپنے اُسکا خلاصہ اُردو میں بھی کر دیا ہے جو "ہند میں مغربی تعلیم" کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۶ر (یہی کتاب ہندی زبان میں بھی شایع ہوئی ہے اور اسکی قیمت بھی ۶ر ہے۔ انگریزی ایڈیشن کی قیمت عہ)

جامِ سُرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سُرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سُرور کی شاعری محتاجِ تعریف نہیں۔ جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مادرِ گیتی روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر اب تک آپنے "جامِ سرور" کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سُرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سُرور مرحوم کی وہ تمام مقبولِ عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شایع ہوتی رہیں اور جنکو خود مصنف نے نظرِ ثانی فرما کر انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمایئے ورنہ طبعِ ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہ۔

اقوال بدھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں۔ ابتداءً یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اب تک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس نادر کتاب میں مہاتما بدھ کے نصائح، بودھ مذہب کے اصول اور وہ تمام باتیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبان اُردو میں ترجمہ کر کے شایع کیا ہے۔ اس اُردو ترجمہ کا نام "اقوال بدھ" ہے۔ شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز قیمت ۱۲ر

المشتہر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو اُن کی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچائے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہم نے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بہتیار کار آمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۸۱ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۴۲ تصاویر پورے صفوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اُردو کا نیا قاعدہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹ پائی

۲۔ لوئر پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۶ آنہ

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ آنہ

۴۔ لوئر مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ آنہ

المشتہر۔ مینیجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے، ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شایع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشا پرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۴۸ صفحات ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے نمونہ مفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۸ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا نام او پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کرلیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالہ میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا ناتمام مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لئے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کیساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

الملتمس منیجر ادیب

مفت

رسالہ امرت جسکے اندر سچ مچ کی آب حیات [illegible]
نئی ایجاد تقریباً کل امراض کا ایک ہی علاج "امرت دھارا"
کا جو سرکار میں رجسٹری ہو چکی ہے مفصل بیان ہے اور
بیچے دیگر ادویات و شدہ حالہ کی بھی مختصر فہرست ہے

رسالہ امراض مخصوصہ مردان!

مردوں کے خاص امراض کے اسباب۔ علامات اور
علاج آجکل کی حالت کا مکمل فوٹو۔ ویریہ کی [illegible]
سادھن اور ہدایات درج ہیں بری عادات سے بچا پاتی
پڑھکر لوگ ہم کو لکھتے ہیں:- کاش کہ یہ پہلے ملتا

مفت
طبی اخبار دیش اپکارک!

اردو میں ہفتہ وار اور ہندی میں پندرہ روزہ ہے قیمت سالانہ
اردو کی ۳ر اور ہندی کی ۲ر ہے۔ جنکو ذرا بھی اپنی صحت کا
خیال ہے یا حکمت کے ضروری اصول جاننے کی خواہش ہے
وہ دیکھتے ہی اسکے خریدار بنتے ہیں نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے

(رجسٹرڈ) "امرت دھارا" (رجسٹرڈ)

نے جس قدر نام پایا ہے اسکی تعریف کیواسطے تو بڑے بھاری رسالے کی ضرورت ہے جب میں ان ہزاروں خطوط پر نگاہ مارتا ہوں جو اکثر اصحاب امرت دھارا کی کامیابیوں اور کرشموں کے متعلق لکھتے رہتے ہیں تو میں خوش ہوا کرتا ہوں کہ خدا نے ایسی نعمت مجھکو عطا کی ہے

امرت دھارا ان تمام امراض کا جو عام طور پر بوڑھوں۔ بچوں۔ جوانوں مردوں یا عورتوں کو ہوتے رہتے ہیں حکمی علاج ہے۔ سینکڑوں بوجہ دار بکس اس چھوٹی سی شیشی کے سامنے ہیچ ہیں وہ لوگ جو گھروں میں یا سفروں میں ادویات کے بکس اٹھا کرتے تھے۔ اب یہ چھوٹی سی شیشی جیب کے ایک کونے میں رکھتے ہیں وقت بے وقت جو کام یہ دیتی ہے۔ وہ وہی لوگ جانتے ہیں۔

امرت دھارا جس گھر میں موجود ہے ایک حکیم حاذق موجود ہے کوئی بھی بیماری ہو اسکو دیدو اور کرشمہ دیکھو۔ امرت دھارا جس جیب میں موجود ہے امراض کے خطرے سے محفوظ ہے۔

امرت دھارا کو جس نے یار بنایا امراض کو دور بھگایا۔ جو اسکو ہمیشہ پاس رکھتا ہے خود کو اور لواحقین کو اور پڑوسیوں کو دکھ سے بچاتا ہے۔

امرت دھارا ان تمام امراض کو جو اچانک آدمی کو آدباتے ہیں۔ اچانک ہی دور کرتی ہے۔ مثلاً ہر قسم کے سر سے لیکر پاؤں تک کے درد اندرونی و بیرونی ہیضہ۔ طاعون زکام سنپات۔ سانپ بچھو وغیرہ کا ڈنک کسی بھی تیزاب یا آگ یا زہر کا لگ جانا۔ زہر کھالے جانا۔ قے۔ چوٹ۔ زخم وغیرہ وغیرہ

امرت دھارا میں ہر مرض کو دور کرنے کی ایک خاص صفت ہے کوئی بھی سخت سے سخت بیماری ہو اسکو دیدو۔ اول تو بیماری دور ہوگی۔ ورنہ رک تو ضرور جاوے گی۔

امرت دھارا تقریباً کل امراض کو مفید ہے اور طرفہ یہ کہ فوراً اثر ظاہر ہوتا ہے مزا تو اسوقت آتا ہے۔ جبکہ متضاد امراض پر مثلاً قبض و دست یکساں فائدہ کرتی ہے۔

امرت دھارا بڑی بھاری ڈس انفکٹنٹ یعنی دافع ہر امراض ہے طاعون کے واسطے یہ از حد مفید ثابت ہوئی ہے اس کا ہم آیندہ علیحدہ بیان کریں گے۔

امرت دھارا سچ مچ آب حیات ہے دنیا میں ایسی دوائی آجتک ایجاد نہیں ہوئی ہے یہ خداداد نعمت ہے ویدک ادویات کا کرشمہ ہے سچا دست مددگار رفیق و غمگسار یہی ہے خوراک اسکی ۵ بوند ہے مگر طرفہ یہ ہے کہ اگر غلطی سے ۱۰۔۲۰ بوند بھی کھالی جاویں تو کوئی نقصان نہیں ہے کسی بھی بیماری میں کسی بھی وقت کسی بھی عمر میں دیا جاوے خدا کے فضل سے فائدہ کرے گی

امرت دھارا سیکڑوں ہزاروں کے خرچ کو بچاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو ایکبار منگاتا ہے ہمیشہ منگواتا ہے اکثر اصحاب سو پچاس شیشی سے کم آرڈر ہی نہیں بھیجتے۔ تیس سے شیشی سالانہ کی فروخت کیا کسی اور دوائی کی ہوگی قیمت سالم شیشی دو روپے آٹھ آنہ ۲۸؍ نصف شیشی عہ؍ نمونہ کی چھوٹی شیشی آٹھ آنہ (۸؍) ہے۔

طبی کتب

پنڈت ٹھاکر دت شرما وید موجد امرت دھارا
و ایڈیٹر دیش اپکارک کی قلم سے دو درجن سے
زیادہ طبی کتب نکل چکی ہیں۔ جو اپنی خوبی کی وجہ سے
کئی کئی بار چھپ چکی ہیں۔ فہرست منگواؤ اور خریدیے

احتیاط

امرت دھارا کا اسقدر نام دیکھ کر جھوٹے اشتہار باز
اپنی اوصاف کی ادویات مشتہر کر رہے ہیں اور
لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ امرت دھارا جیسی ہے۔ کئی تو
سمجھا کر امرت دھارا ہی نام رکھا کر بیچ دیتے ہیں۔ کئی اپنی کتب میں
کیواسطے ظاہر کرتے ہیں کہ امرت دھارا کا نسخہ یہی ہے۔ کئی
لوگوں سے کافور اجوائن وغیرہ کا نسخہ امرت دھارا کا بتلا کر روپیہ
بٹور رہے ہیں یہ سب باتیں امرت دھارا کی خوبی ظاہر کرتی ہیں اور انکی
ان سے بچنا چاہیے۔ کوئی شخص سوائے میرے امرت دھارا کا
سچا نسخہ نہیں جانتا ہے۔ جو دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔ مقابلہ
فرق دکھلانے کے واسطے نقل ہم بھی بنا کر رکھتے ہیں
جسکی قیمت ۱۲ر فی شیشی ہے اور امرت دھارا اصلی شیشی
کی قیمت دو روپے آٹھ آنہ ہے۔ (۲۸؍)

ایجنٹ

بننے میں بڑا فائدہ ہے۔ ہمارے لائق
ایجنٹ سینکڑوں روپیہ ماہوار کماتے
ہیں۔ کمیشن بہت ہے۔ قواعد آسان ہیں
درخواست کیجیے

خط و کتابت و تار کا پتہ صرف اتنا کافی ہے "امرت دھارا" (ا ب براہم) لاہور

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालनिबन्धमाला ।

२३—यह 'बालसखा-पुस्तकमाला' की अठारहवीं पुस्तक है । इसमें कोई ३५ शिक्षादायक विषयों पर, बड़ी सुन्दर भाषा में, निबन्ध लिखे गये हैं । बालकों के लिए तो यह पुस्तक उत्तम गुरु का काम देगी । ज़रूर मँगाइए । मूल्य ।=)

सीतावनवास ।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी और सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं ; जिनके पवित्र चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्रीवाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है ; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने वंगभाषा में "सीतारवनवास" नामक पुस्तक में लिख कर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है उसी शिक्षाप्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावनवास" छप कर तैयार है । इस पुस्तक में श्रीरामचन्द्रजी-कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणा-रस-भरी भाषा में लिखी गई है । इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है । मूल्य ॥)

प्रकृति ।

यह पुस्तक पण्डित रामेन्द्रसुन्दर त्रिवेदी, एम० ए० की बँगला 'प्रकृति' का हिन्दी-अनुवाद है । बँगला में इस पुस्तक की बहुत प्रतिष्ठा है । विषय वैज्ञानिक है । हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग की एकही है । इस पुस्तक को पढ़ कर हिन्दी जानने वालों को अनेक विज्ञान-सम्बन्धी बातों से परिचय हो जायगा । इसमें सौर जगत् की उत्पत्ति, आकाश-तरंग, पृथिवी की आयु, मृत्यु, आर्यजाति, परमाणु, प्रलय आदि १४ विषयों पर बड़ी उत्तमता से निबन्ध लिखे गये हैं । आशा है, हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को विशेष चाव के साथ मँगाकर पढ़ेंगे और अनेक लाभ उठावेंगे । मूल्य १)

गारफ़ील्ड ।

इस पुस्तक में अमरीका के एक प्रसिद्ध प्रेसीडेंट "जेम्स एबरम गारफ़ील्ड" का जीवनचरित लिखा गया है । गारफ़ील्ड ने एक साधारण किसान के घर जन्म लेकर, अपने उत्साह, साहस और संकल्प के कारण, अमरीका के प्रेसीडेंट का सर्वोच्च पद प्राप्त कर लिया था । भारतवर्ष के नव युवकों को इस पुस्तक से बहुत अच्छा उपदेश मिल सकता है । मूल्य ॥)

पुस्तक मिलने का पता—

मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग ।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालविष्णुपुराण ।

१७—विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णु-पुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। मूल्य ।)

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

१८—यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रह कर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रति दिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य-मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

बालगीतावलि ।

१९—महाभारत में क्या नहीं है। उसमें सभी कुछ मौजूद है। महाभारत को रत्नों का सागर कहना चाहिए, शिक्षा का भण्डार कहना चाहिए। आप जानते हैं "बालगीतावलि" में क्या है? इसमें महाभारत में से ९ गीताओं का संग्रह किया गया है। उन गीताओं में ऐसी उत्तम उत्तम शिक्षायें हैं कि जिनके अनुसार बर्ताव करने से मनुष्य का परम कल्याण हो सकता है। हमें पूरी आशा है कि समस्त हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को पढ़ कर उत्तम शिक्षा का लाभ करेंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

बालपुराण ।

२०—पुराणों में बहुत सी ऐसी कथायें हैं जिनसे मनुष्यों को बहुत कुछ उपदेश मिल सकता है। पर पुराण इतने अधिक और बड़े हैं कि उन सबका पढ़ना प्रत्येक मनुष्य के लिए असम्भव नहीं तो महाकष्ट-साध्य अवश्य है। इसलिए सर्वसाधारण के सुभीते के लिए हमने अठारह महापुराणों का साररूप 'बाल-पुराण' तैयार करा कर प्रकाशित किया है। इसमें अठारहों पुराणों की संक्षिप्त कथासूची दी गई है और यह भी बतलाया गया है कि किस पुराण में कितने श्लोक और कितने अध्याय आदि हैं। पुस्तक बड़े काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य केवल ॥)

बालस्मृतिमाला ।

२१—मनुस्मृति के सिवा और भी अनेक स्मृतियाँ हैं जिनमें भिन्न भिन्न धर्माचार्यों ने मनुष्यों के कल्याण के लिए धर्मों और कर्तव्य-कर्मों की व्याख्या की है। धर्मशास्त्र की मर्यादा जानने के लिए स्मृतिशास्त्र का जानना परमावश्यक है। परन्तु ये स्मृतियाँ संस्कृत में होने के कारण सब लोग इनका आशय नहीं समझ सकते थे। हमने १८ स्मृतियों का सार-संग्रह करा कर यह "बालस्मृतिमाला" प्रकाशित की है। आशा है, सनातनधर्म के प्रेमी अपने अपने बालकों के हाथ में यह धर्मशास्त्र की पुस्तक देकर उनको धर्मिष्ठ बनाने का उद्योग करेंगे। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालभोजप्रबन्ध ।

२२—राजा भोज का विद्याप्रेम किसी से छिपा नहीं है। संस्कृत भाषा के "भोजप्रबन्ध" नामक ग्रन्थ में राजा भोज के संस्कृत-विद्याप्रेम-सम्बन्धी अनेक आख्यान लिखे हुए हैं। वे बड़े मनोरञ्जक और शिक्षादायक हैं। उसी भोजप्रबन्ध का साररूप यह "बाल-भोजप्रबन्ध" छपकर तैयार हो गया। सभी हिन्दी-प्रेमियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य बहुत ही कम केवल ॥) आठ आने।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालआरब्योपन्यास (सचित्र)।

चारों भाग

१०-१३—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य प्रत्येक भाग का ॥)

बालपंचतंत्र ।

१४—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१५—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१६—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

✽ ✽ ✽ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✽ ✽ ✽

बालभारत—पहला भाग ।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग ।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड ।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति ।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य ।)

बालनीतिमाला ।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग ।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

[कविरत्न श्रीअखिलानन्द-प्रणीत]

दयानन्ददिग्विजय ।

महाकाव्य

हिन्दी-अनुवादसहित

जिसके देखने के लिए सहस्रों आर्य्य वर्षों से उत्कण्ठित हो रहे थे, जिसके रसास्वादन के लिए सैकड़ों संस्कृतज्ञ विद्वान् लालायित हो रहे थे, जिसकी सरल, मधुर और रसीली कविता के लिए सहस्रों आर्यों की घाणी चंचल हो रही थी वही महाकाव्य छप कर तैयार हो गया। यह ग्रन्थ आर्य-समाज के लिए बड़े गौरव की चीज़ है। इसे आर्यों का भूषण कहें तो अत्युक्ति न होगी। स्वामीजी कृत ग्रन्थों को छोड़ कर आज तक आर्य-समाज में जितने छोटे बड़े ग्रन्थ बने हैं उन सबमें इसका आसन ऊँचा है। प्रत्येक वैदिकधर्मानुरागी आर्य को यह ग्रन्थ लेकर अपने घर को अवश्य पवित्र करना चाहिए। यह महाकाव्य २१ सर्गों में सम्पूर्ण हुआ है। मूल ग्रन्थ के रायल आठ पेजी साँची के ६१५ पृष्ठ हैं। इसके अतिरिक्त ५७ पृष्ठों में भूमिका, ग्रन्थकार का परिचय, विषयानुक्रमणिका, आवश्यक विवरण, त्रुटिपूर्ति, यन्त्रालय-प्रशस्ति और सहायक-सूची आदि अनेक विषयों का समावेश किया गया है।

उत्तम सुनहरी जिल्द बँधी हुई इतनी भारी पोथी का मूल्य सर्वसाधारण के सुभीते के लिए केवल ४) चार रुपये ही रक्खा है। जल्द मँगाइए।

सम्पत्तिशास्त्र ।

आप जानते हैं जर्मन, अमरीका, इँगलैंड और जापान आदि देश दिन दिन क्यों समृद्धिशाली होते जाते हैं? क्या आपको मालूम है कि भारतवर्ष दिन पर दिन क्यों निर्धन होता जाता है? ऐसी कौनसी चीज़ है जिसके होने से दूसरे देश मालामाल होते चले जाते हैं और जिसके अभाव से यह भारत गारत हो रहा है? लीजिए हम बताते हैं, उस चीज़ का नाम है "सम्पत्तिशास्त्र"। इसी के न जानने से आज यह भारत भूखों मर रहा है, दिन दिन निधन होता चला जा रहा है। आज तक हमारे देश में, हिन्दी भाषा में, ऐसा उत्तम शास्त्र कहीं नहीं छपा था। लीजिए, इसे पढ़ कर देश की दशा सुधारिए। मूल्य सुवर्णवर्णाङ्कित जिल्द का २॥) ढाई रुपये।

कविता-कलाप।

इस पुस्तक में सरस्वती से आरम्भ करके ४६ प्रकार की सचित्र कविताओं का संग्रह किया गया है। हिन्दी के प्रसिद्ध कवि राय देवीप्रसाद बी० ए० बी० एल०, पण्डित नाथूराम शङ्कर शर्मा, पण्डित कामताप्रसाद गुरु, बाबू मैथिलीशरण गुप्त, और पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदीजी की ओजस्विनी लेखनी से लिखी गई कविताओं का यह अपूर्व संग्रह प्रत्येक हिन्दीभाषाभाषी को मँगा कर पढ़ना चाहिए। इसमें कई चित्र रंगीन भी हैं। ऐसी उत्तम सचित्र पुस्तक का मूल्य केवल २॥) ढाई रुपये।

शिक्षा ।

बाल-बच्चोंदार मनुष्य को चाहिए कि स्पेन्सर की शिक्षासम्बन्धिनी मीमांसा को पढ़ें और अपनी सन्तति की शिक्षा का सुप्रबन्ध करके अपने पितृत्त्व-धर्म्म से उद्धार हों। जो इस समय विद्यार्थि-दशा में हैं वे भी एक दिन पिता के पद पर अवश्य आरूढ़ होंगे। इससे उन्हें भी इस पुस्तक से लाभ उठाने का यत्न करना चाहिए। पुस्तक की भाषा क्लिष्ट नहीं है। पृष्ठ-संख्या ४०० से ऊपर है। काग़ज़ चिकना और मोटा है। छपाई साफ़-सुथरी है। सुवर्णाक्षरों से अलङ्कृत मनोहर जिल्द बँधी हुई है। आरम्भ में एक विस्तृत भूमिका है; हर्बर्ट स्पेंसर का जीवन-चरित है। पुस्तक का संक्षिप्त सारांश भी है। ऐसी अनमोल पुस्तक का मूल्य सिर्फ़ २॥) ढाई रुपया रक्खा गया है।

पुस्तक मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

रामचरितमानस ।

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

क्षेपकरहित असली रामायण

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छपकर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनी ही कविता लोगों ने पीछे से लिख कर मिला दी हैं। असली रामायण तो केवल इंडियन प्रेस की छपी 'रामचरितमानस' ही है। क्योंकि इसका पाठ गोसाईं जी के हाथ की लिखी पोथी से मिला कर शोधा गया है। और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला कर इनमें से कूड़ा-करकट अलग निकाल दिया गया है। यही विशुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है। इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७५ तसवीरें भी लगा दी हैं। मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब ४) ही कर दिया है। डाक-द्वारा मँगाने पर १=) ख़र्च लगेगा।

मानस—कोश ।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ ।

हमने काशी की नागरी-प्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दीप्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी। आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें तो यह कोश आपको तुरन्त बता देगा। इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है। इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है। मूल्य केवल १) रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है। जल्द मँगाइए।

सचित्र हिन्दी महाभारत

(मूल आख्यान)

५०० से अधिक पृष्ठ बड़ी साँची २२ चित्र

अनुवादक—हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित महावीरप्रसादजी द्विवेदी

संस्कृत-साहित्य में महाभारत ही एक ऐसा ग्रन्थ है जो सबसे बड़ा, सबसे उत्तम और सबसे अधिक उपयोगी है। महाभारतही आर्यों का प्रधान धर्म-ग्रन्थ है, यही आर्य्यों का सच्चा इतिहास है और यही सनातन धर्म का बीज है। इसी के अध्ययन से हिन्दुओं में धर्मभाव, सत्पुरुषार्थ और समयानुसार काम करने की शक्ति जाग्रत हो उठती है। यदि इस बूढ़े भारतवर्ष का ५ सहस्र वर्ष पहले का सच्चा इतिहास जानना हो, यदि भारतवर्ष में स्त्रियों को सुशिक्षित करके पातिव्रत धर्म का पुनरुद्धार करना अभीष्ट हो, यदि बालब्रह्मचारी भीष्म पितामह के पावन चरित्र को पढ़कर ब्रह्मचर्य-रक्षा का महत्त्व देखना हो, यदि भगवान कृष्णचन्द्र के उपदेशों से अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाना हो, तो इस "महाभारत" ग्रन्थ को मँगा कर अवश्य पढ़िए। इसकी भाषा बड़ी सरल, बड़ी ओजस्विनी और बड़ी मनोहारिणी है। प्रत्येक पढ़ी लिखी स्त्री अथवा कन्या को यह महाभारत मँगा कर अवश्य पढ़ना और उससे लाभ उठाना चाहिए।

सर्व साधारण के लिए मूल्य बहुत ही कम—कुल ३ रुपये।

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حُبِّ وطن کا ایک دلچسپ قصّہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک اور بے مثل اور اچھوتا ناول ہے۔ آپ کی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوزِ وطن، کشنا، وغیرہ اس سے پیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں، لہٰذا ضرورت نہیں کہ آپکی نسبت کچھ اور لکھا جائے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اسکا طرزِ بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے۔ خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے، اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنّف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی۔ ضرور منگائیے۔ حجم قریباً ۳۴۰ صفحات قیمت ۱۲؍

حُسنِ تخیل

منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حسنِ تخیل آپکی اُن تمام مقبول عام نظموں کا مجموعہ ہے، جو ادب اردو کے بہترین رسائل میں شایع ہو کر قبولیت عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے دیباچہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنّف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کی تصویر بھی شروع کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نام نامی پر اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸؍)

سنہری کمخواب

ایک نادر اور پر نصیحت مشرقی قصہ جسکا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے اور جسکو زبان انگریزی سے مس لولو [illegible] بلگرامی (بنت شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس قصہ میں پیشہ کی خوبی و عظمت دکھائی گئی ہے۔ جا بجا تصویریں لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۶؍

ہند میں مغربی تعلیم

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم اے نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بنام ”ایجوکیشن اِن برٹش انڈیا“ نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اسکے مطالب سے اردو خوان حضرات بھی مستفید ہو سکیں آپنے اسکا خلاصہ اُردو میں بھی کر دیا ہے جو ”ہند میں مغربی تعلیم“ کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۶؍ یہی کتاب ہندی زبان میں بھی شایع ہوئی ہے اور اسکی قیمت بھی ۶؍ ہے۔ انگریزی ایڈیشن کی قیمت ۱۲؍

جامِ سُرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سُرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سرور کی شاعری محتاج تعریف نہیں۔ جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مادرِ گیتی روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر اب تک آپنے ”جامِ سرور“ کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سرور مرحوم کی وہ تمام مقبول عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شایع ہوتی رہیں اور جنکو خود مصنّف نے نظر ثانی فرما کر انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمایئے ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت غیر مجلد ۱۲؍ مجلد ۱۴؍

اقوال بُدھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ ”دھم پد“ کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں۔ ابتداءً یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اب تک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس نادر کتاب میں مہاتما بدھ کے نصائح، بودھ مذہب کے اصول اور وہ تمام باتیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبان اُردو میں ترجمہ کر کے شایع کیا ہے اس اُردو ترجمہ کا نام ”اقوال بدھ“ ہے۔ شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز قیمت ۱۲؍

تھا

منیجر انڈین پریس الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سُنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو اُن کی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور اُنھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ اُمور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمار داری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی۔ شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۸۰ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۳۲ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اُردو کا نیا قاعدہ - - - - - - ۹ پائی

۲۔ لوئر پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۶ آنہ

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ آنہ

۴۔ لوئر مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ آنہ

المشتہر۔ مینیجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شایع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشا پرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۸۴ صفحات ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے نمونہ مُفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۶ ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا نام او پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کرلیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو مینیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا تاہم مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لئے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کیساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

الملتمس مینیجر ادیب

مفت

رسالہ امرت جسکے اندر سچ مچ کی آب حیات دنیا میں
نئی ایجاد تقریباً کل امراض کا ایک ہی علاج "امرت دھارا"
کا جو سرکار میں رجسٹری ہو چکی ہے مفصل بیان ہے اور
بیچھے دیگر ادویات اوشدھالہ کی بھی مختصر فہرست ہے

رسالہ امراض مخصوصہ مرداں

مردوں کے خاص امراض کے اسباب - علامات اور
علاج آجکل کی حالت کا مکمل فوٹو - ویریہ کی حفاظت کے
سادھن اور ہدایات درج ہیں بری عادات سے بچا یا ہے
پڑھکر لوگ ہم کو لکھتے ہیں :- کاش کہ یہ پہلے ملتا

مفت

طبی اخبار دیش اپکارک!
اردو میں ہفتہ وار اور ہندی میں پندرہ روزہ ہے قیمت سالانہ
اردو کی تے اور ہندی کی عہ ہے - جنکو ذرا بھی اپنی صحت کا
خیال ہے یا حکمت کے ضروری اصول جاننے کی خواہش ہے
وہ دیکھتے ہی اسکے خریدار بنتے ہیں نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے

"امرت دھارا" (رجسٹرڈ)

(رجسٹرڈ)

نے جس قدر نام پایا ہے اسکی تعریف کیواسطے تو بڑے بھاری رسالے کی ضرورت ہے جب میں ان ہزاروں خطوط پر نگاہ مارتا ہوں جو اکثر اصحاب امرت دھارا کی کامیابیوں اور کرشموں کے متعلق لکھتے رہتے ہیں تو میں خوش ہوا کرتا ہوں کہ خدا نے ایسی نعمت مجھکو عطا کی ہے

امرت دھارا اُن تمام امراض کا جو عام طور پر بوڑھوں - بچوں - جوانوں مردوں یا عورتوں کو ہوتے رہتے ہیں حکمی علاج ہے - سینکڑوں بوجھ دار بکس اس چھوٹی سی شیشی کے سامنے ہیچ ہیں وہ لوگ جو گھروں میں یا سفر میں ادویات کے کیس لئے پھرا کرتے تھے - اب یہ چھوٹی سی شیشی جیب کے ایک کونے میں رکھتے ہیں وقت بے وقت جو کام یہ دیتی ہے - وہ وہی لوگ جانتے ہیں -

امرت دھارا جس گھر میں موجود ہے ایک حکیم حاذق موجود ہے کوئی بھی بیماری ہو اسکو دیدو اور کرشمہ دیکھو - امرت دھارا جس جیب میں موجود ہے امراض کے خطرے سے محفوظ ہے -

امرت دھارا کو جس نے یار بنایا امراض کو دور بھگایا - جو اسکو ہمیشہ پاس رکھتا ہے خود کو اور لواحقین کو اور پڑوسیوں کو دکھ سے بچاتا ہے -

امرت دھارا ان تمام امراض کو جو اچانک آدمی کو آدباتے ہیں - اچانک ہی دور کرتی ہے - مثلاً ہر قسم کے سر سے لیکر پاؤں تک کے درد اندرونی و بیرونی ہیضہ طاعون زکام سنبات - سانپ بچھو وغیرہ کا ڈنک کسی بھی تیزاب یا آگ یا زہر کا لگ جانا - زہر کھا لے جانا - قے - چوٹ - زخم وغیرہ وغیرہ

امرت دھارا میں ہر مرض کو دور کرنے کی ایک خاص صفت ہے کوئی بھی سخت سے سخت بیماری ہو اسکو دیدو - اوّل تو بیماری دور ہوگی - ورنہ رک تو ضرور جاوے گی -

امرت دھارا تقریباً کل امراض کو مفید ہے اور طرفہ یہ کہ فوراً اثر ظاہر ہوتا ہے - مزا تو اُسوقت آتا ہے - جبکہ متضاد امراض پر مثلاً قبض و دست یکساں فائدہ کرتی ہے -

امرت دھارا بڑی بھاری ڈس انفکٹنٹ یعنی دافع ہوا امراض ہے طاعون کے واسطے یہ از حد مفید ثابت ہوئی ہے اس کا ہم آیندہ علیحدہ بیان کریں گے -

امرت دھارا سچ مچ آب حیات ہے دنیا میں ایسی دوائی آجتک ایجاد نہیں ہوئی ہے یہ خداداد نعمت ہے ویدک ادویات کا کرشمہ ہے سچا دست مددگار رفیق و غمگسار یہی ہے خوراک اسکی دو بوند ہے مگر طرفہ یہ ہے کہ اگر غلطی سے ۱۰۰ - ۲۰۰ بوند بھی کھا لی جاویں تو کوئی نقصان نہیں ہے کسی بھی بیماری میں کسی بھی وقت کسی بھی عمر میں دیجاوے خدا کے فضل سے فائدہ کرے گی

امرت دھارا سیکڑوں ہزاروں کے خرچ کو بچاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو ایکبار منگاتا ہے ہمیشہ منگواتا ہے اکثر اصحاب سو پچاس شیشی سے کم آرڈر ہی نہیں بھیجتے - تیس سے شیشی سالانہ کی فروخت کیا کسی اور دوائی کی ہوگی قیمت سالم شیشی دو روپے آٹھ آنہ ؏ - نصف شیشی ؏ - نمونہ کی چھوٹی شیشی آٹھ آنہ (۸/) ہے -

طبی کتب

پنڈت ٹھاکر دت شرما وید موجد امرت دھارا
و ایڈیٹر دیش اپکارک کی قلم سے دو درجن سے
زیادہ طبی کتب نکل چکی ہیں - جو اپنی خوبی کی وجہ
کئی کئی بار چھپتی ہیں - فہرست منگوا اور خرید و

احتیاط

امرت دھارا کا اسقدر نام دیکھکر جھوٹے اشتہار باز اپنی اوصاف کی ادویات مشتہر کر رہے ہیں اور لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ امرت دھارا جیسی ہیں - کئی تو جھوٹا کر امرت دھارا ہی نام رکھکر بیچ دیتے ہیں - کئی اپنی کتب کی بکری کیواسطے ظاہر کرتے ہیں کہ امرت دھارا کا نسخہ اس میں ہے - کئی لوگوں سے کافور اجوائن وغیرہ کا نسخہ امرت دھارا کا بتلا کر روپے بٹور رہے ہیں یہ سب باتیں امرت دھارا کی خوبی ظاہر کرتی ہیں اور انکو ان سے بچنا چاہیئے - کوئی شخص سوائے میرے امرت دھارا کا سچا نسخہ نہیں جانتا ہے - جو دعویٰ کرے جھوٹا ہے - نقال ہے فرق دکھلانے کے واسطے نقل ہم بھی بنا کر رکھتے ہیں جسکی قیمت ۱۲ / فی شیشی ہے اور امرت دھارا اصلی شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنہ ہے - (؏)

ایجنٹ

بننے میں بڑا فائدہ ہے - ہمارے لائق
ایجنٹ سینکڑوں روپیہ ماہوار کما سکتے
ہیں - کمیشن بہت ہے - قواعد آسان ہیں
درخواست کیجئے

خط و کتابت و تار کا پتہ صرف اتنا کافی ہے "امرت دھارا" (اب براہ ؏) . لاہور

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालनिबन्धमाला ।

२३—यह 'बालसखा-पुस्तकमाला' की अठारहवीं पुस्तक है। इसमें कोई ३५ शिक्षादायक विषयों पर, बड़ी सुन्दर भाषा में, निबन्ध लिखे गये हैं। बालकों के लिए तो यह पुस्तक उत्तम गुरु का काम देगी। ज़रूर मँगाइए। मूल्य ।=)

सीतावनवास ।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी श्रीर सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके पवित्र चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्रीवाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने बंगभाषा में "सीतारवनवास" नामक पुस्तक में लिख कर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है उसी शिक्षाप्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावनवास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीरामचन्द्रजी-कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणा-रस-भरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

प्रकृति ।

यह पुस्तक पण्डित रामेन्द्रसुन्दर त्रिवेदी, एम० ए० की बँगला 'प्रकृति' का हिन्दी-अनुवाद है। बँगला में इस पुस्तक की बहुत प्रतिष्ठा है। विषय वैज्ञानिक है। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग की एकही है। इस पुस्तक को पढ़ कर हिन्दी जानने वालों को अनेक विज्ञान-सम्बन्धी बातों से परिचय हो जायगा। इसमें सौर जगत् की उत्पत्ति, आकाश-तरंग, पृथिवी की आयु, मृत्यु, आर्यजाति, परमाणु, प्रलय आदि १४ विषयों पर बड़ी उत्तमता से निबन्ध लिखे गये हैं। आशा है, हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को विशेष चाव के साथ मँगाकर पढ़ेंगे और अनेक लाभ उठावेंगे। मूल्य १)

गारफ़ील्ड ।

इस पुस्तक में अमरीका के एक प्रसिद्ध प्रेसीडेंट "जेम्स एबरम गारफ़ील्ड" का जीवनचरित लिखा गया है। गारफ़ील्ड ने एक साधारण किसान के घर जन्म लेकर, अपने उत्साह, साहस और संकल्प के कारण, अमरीका के प्रेसीडेंट का सर्वोच्च पद प्राप्त कर लिया था। भारतवर्ष के नव युवकों को इस पुस्तक से बहुत अच्छा उपदेश मिल सकता है। मूल्य ॥)

पुस्तक मिलने का पता—

मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

ادیب جلد اول

(جنوري لغایت جون سنه ۱۹۱۰ع)

جسمیں پچاس نامور اهل قلم کے ۸۵ مضامین نظم و نثر ۳۰۴ صفحوں پر درج هیں - اور ۴۴ رنگین و ساده هاف ٹون تصویریں شامل هیں - بهت کم جلدیں باقي هیں - جلد طلب فرمائیے ورنه پهر یهه علمي ذخیره کسي قیمت پر نه مل سکیگا - قیمت صرف دو روپیه (علاوه محصول)

جلد دوم و سوم و چهارم و پنجم کي کوئي مکمل جلد دفتر میں موجود نهیں - مختلف پرچے موجود هیں جو ۴۸ و ۲۰ في پرچه کے حساب سے مل سکتے هیں - هر پرچه بجاے خود مکمل هے - مختلف پرچوں کي تعداد بهي بهت کم هے ✻

المشتهر

منیجر ادیب اِنڈین پریس - الهآباد

❋ ❋ ❋ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❋ ❋ ❋

बालविष्णुपुराण ।

१७—विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णु-पुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। मूल्य ।)

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

१८—यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रह कर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रति दिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य-मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

बालगीतावलि ।

१९—महाभारत में क्या नहीं है। उसमें सभी कुछ मौजूद है। महाभारत को रत्नों का सागर कहना चाहिए, शिक्षा का भण्डार कहना चाहिए। आप जानते हैं "बालगीतावलि" में क्या है? इसमें महाभारत में से ९ गीताओं का संग्रह किया गया है। उन गीताओं में ऐसी उत्तम उत्तम शिक्षायें हैं कि जिनके अनुसार बर्ताव करने से मनुष्य का परम कल्याण हो सकता है। हमें पूरी आशा है कि समस्त हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को पढ़ कर उत्तम शिक्षा का लाभ करेंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

बालपुराण ।

२०—पुराणों में बहुत सी ऐसी कथायें हैं जिनसे मनुष्यों को बहुत कुछ उपदेश मिल सकता है। पर पुराण इतने अधिक और बड़े हैं कि उन सबका पढ़ना प्रत्येक मनुष्य के लिए असम्भव नहीं तो महाकष्ट-साध्य अवश्य है। इसलिए सर्वसाधारण के सुभीते के लिए हमने अठारह महापुराणों का साररूप 'बाल-पुराण' तैयार करा कर प्रकाशित किया है। इसमें अठारहों पुराणों की संक्षिप्त कथासूची दी गई है और यह भी बतलाया गया है कि किस पुराण में कितने श्लोक और कितने अध्याय आदि हैं। पुस्तक बड़े काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य केवल ॥)

बालस्मृतिमाला ।

२१—मनुस्मृति के सिवा और भी अनेक स्मृतियाँ हैं जिनमें भिन्न भिन्न धर्माचार्यों ने मनुष्यों के कल्याण के लिए धर्मों और कर्तव्य-कर्मों की व्याख्या की है। धर्मशास्त्र की मर्यादा जानने के लिए स्मृतिशास्त्र का जानना परमावश्यक है। परन्तु ये स्मृतियाँ संस्कृत में होने के कारण सब लोग इनका आशय नहीं समझ सकते थे। हमने १८ स्मृतियों का सार-संग्रह करा कर यह "बालस्मृतिमाला" प्रकाशित की है। आशा है, सनातनधर्म के प्रेमी अपने अपने बालकों के हाथ में यह धर्मशास्त्र की पुस्तक देकर उनको धर्मिष्ठ बनाने का उद्योग करेंगे। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालभोजप्रबन्ध ।

२२—राजा भोज का विद्याप्रेम किसी से छिपा नहीं है। संस्कृत भाषा के "भोजप्रबन्ध" नामक ग्रन्थ में राजा भोज के संस्कृत-विद्याप्रेम-सम्बन्धी अनेक आख्यान लिखे हुए हैं। वे बड़े मनोरञ्जक और शिक्षादायक हैं। उसी भोजप्रबन्ध का साररूप यह "बाल-भोजप्रबन्ध" छपकर तैयार हो गया। सभी हिन्दी-प्रेमियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य बहुत ही कम केवल ॥) आठ आने।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालआरब्योपन्यास (सचित्र) ।

चारों भाग

१०-१३—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य प्रत्येक भाग का ॥)

बालपंचतंत्र ।

१४—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१५—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१६—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

हिंदीकोविदरत्नमाला।

(बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित)

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र और महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकों और सहायकों के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढँग की अकेली ही है। स्कूलों में ऊँची कक्षाओं में पढ़नेवाले छात्रों को यह पुस्तक पारितोषिक में देने योग्य है। प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी को यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए। मूल्य ४० हाफ़टोन चित्रोंवाले पुस्तक का १॥) डेढ़ रुपया।

स्त्रीशिक्षा का एक सचित्र, नया और अनूठा ग्रन्थ

सीता-चरित।

अभी तक ऐसी पुस्तक की बड़ी आवश्यकता थी जिसमें आरम्भ से अन्त तक मुख्यतया सती सीताजी की अनुकरणीय जीवन-घटनाओं का विस्तारपूर्वक वर्णन हो, जिसमें सीताजी के जीवन की प्रत्येक घटना पर स्त्रियों के लिए लाभदायक उपदेश दिया गया हो। इसी अभाव को दूर करने के लिए हमने "सीताचरित" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इसमें सीताजी की जीवनी तो विस्तारपूर्वक लिखी ही गई है, किन्तु साथ ही उनकी जीवनघटनाओं का महत्त्व भी विस्तार के साथ दिखाया गया है। यह पुस्तक अपने ढंग की निराली है। भारतवर्ष की प्रत्येक नारी को यह पुस्तक अवश्य मँगा कर पढ़नी चाहिए। इस पुस्तक से स्त्रियाँ ही नहीं पुरुष भी अनेक शिक्षायें ग्रहण कर सकते हैं। क्योंकि इसमें कोरा सीताचरित ही नहीं है, पूरा रामचरित भी है। आशा है, स्त्रीशिक्षा के प्रेमी महाशय इस पुस्तक का प्रचार करके स्त्रियों को पातिव्रत धर्म की शिक्षा से अलङ्कृत करने में पूरा प्रयत्न करेंगे। पृष्ठ २३५। कागज़ मोटा। सुनहली जिल्द। पर, तो भी सर्वसाधारण के सुभीते के लिए मूल्य बहुत ही कम। केवल १।) सवा रुपया।

चरित्रगठन।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें; और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही; किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेष रूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें। २३२ पृष्ठ की ऐसी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ॥।) बारह आना है।

जापान-दर्पण।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टोन चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्य्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगोल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना और इतिहास आदि बातों का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया गया है। भारत की अधोगति पर आँसू बहानेवाले देश-भक्तों को तो इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए। ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥।) बारह आने कर दिया।

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حُبِّ وطن کا ایک دلچسپ قصہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک اور دلچسپ اور اچھوتا ناول ہے۔ آپ کی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوزِ وطن، کشنا وغیرہ اس سے پیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں لہذا ضرورت نہیں کہ آپکی نسبت کچھ اور لکھا جائے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اسکا طرزِ بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے۔ خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی۔ ضرور منگایئے۔ حجم قریباً ۲۰۰ صفحات قیمت عہ

حُسنِ تخیل

منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حسنِ تخیل آپ کی اُن تمام مقبولِ عام نظموں کا مجموعہ ہے جو ادبِ اردو کے بہترین رسائل میں شایع ہو کر قبولیتِ عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے دیباچہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد خانصاحب کی تصویر بھی شروع کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نامِ نامی پر اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸)

سنہری کمخواب

ایک نادر اور پرنصیحت مشرقی قصہ جسکا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے اور جسکو زبان انگریزی سے مس لولو رقیہ بیگم بلگرامی (بنت شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس قصہ میں پیشہ کی خوبی و عظمت دکھائی گئی ہے۔ جابجا تصویریں بھی لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۶

ہند میں مغربی تعلیم

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم۔اے نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بنام "ایجوکیشن ان برٹش انڈیا" نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اسکے مطالب سے اردو خوان حضرات بھی مستفید ہو سکیں آپنے اسکا خلاصہ اردو میں بھی کر دیا ہے جو "ہند میں مغربی تعلیم" کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۸ (یہی کتاب ہندی زبان میں بھی شایع ہوئی ہے اور اسکی قیمت بھی ۸ ہے۔ انگریزی ایڈیشن کی قیمت عہ)

جامِ سُرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سرور کی شاعری محتاجِ تعریف نہیں۔ جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مادرِ گیتی روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر اب تک آپنے "جامِ سرور" کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سرور مرحوم کی وہ تمام مقبولِ عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شایع ہوتی رہیں اور جنکو خود مصنف نے نظرِ ثانی فرما کر انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمایئے ورنہ طبعِ ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہ

اقوالِ بدھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں ابتداءً یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ ابتک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس نادر کتاب میں مہاتما بدھ کے نصائح، بودھ مذہب کے اصول اور وہ تمام باتیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت مانک لال وتھیل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبانِ اردو میں ترجمہ کر کے شایع کیا ہے (اس اردو ترجمہ کا نام "اقوالِ بدھ" ہے۔ شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز قیمت ۱۲

المشتہر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو ان کی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہم نے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کار آمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی۔ شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلی درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۱۰ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۲۳ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اردو کا نیا قاعدہ - - - - - - - ۹ پائی

۲۔ لوور پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۲ آنہ

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ آنہ

۴۔ لوور مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۱۰ آنہ

المشتہر۔ مینیجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ، جو اردو علم ادب کی ترقی کا اعلی نمونہ ہے، ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شایع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشا پرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۴۰ صفحات ہے، اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلی نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے نمونہ مفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۲؍ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کر لیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو مینیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا نیز تمام مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لئے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کیساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

الملتمس مینیجر ادیب

مفت

رسالہ امرت جسکے اندر سچ مچ کی آب حیات دنیا میں
نئی ایجاد تقریباً کل امراض کا ایک ہی علاج "امرت دھارا"
کا جو سرکار میں رجسٹری ہو چکی ہے مفصل بیان ہے اور
پیچھے دیگر ادویات او شدہ حالہ کی بھی مختصر فہرست ہے

رسالہ امراض مخصوصہ دلن!

مردوں کے خاص امراض کے اسباب۔ علامات اور
علاج آجکل کی حالت کا مکمل فوٹو۔ ویریہ کی رکشا کے
سادھن اور ہدایات درج ہیں بُری عادات سے بچانیکے
پڑھکر لوگ ہم کو لکھتے ہیں:- کاش کہ یہ پہلے ملتا

مفت

طبی اخبار دیش اپکارک!

اردو میں ہفتہوار اور ہندی میں پندرہ روزہ ہے قیمت سالانہ
اردو کی تے اور ہندی کی عہ ہے۔ جنکو ذرا بھی اپنی صحت کا
خیال ہے یا حکمت کے ضروری اصول جاننے کی خواہش ہے
وہ دیکھتے ہی اسکے خریدار بنتے ہیں نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے

(رجسٹرڈ) "امرت دھارا" (رجسٹرڈ)

نے جس قدر نام پایا ہے اسکی تعریف کیواسطے تو بڑے بھاری رسالے کی ضرورت ہے جب میں ان ہزاروں خطوط پر نگاہ مارتا ہوں جو اکثر اصحاب امرت دھارا کی کامیابیوں اور کرشموں کے متعلق لکھتے رہتے ہیں تو میں خوش ہوا کرتا ہوں کہ خدا نے ایسی نعمت مجھکو عطا کی ہے

امرت دھارا اُن تمام امراض کا جو عام طور پر بوڑھوں۔ بچوں۔ جوانوں مردوں یا عورتوں کو ہوتے رہتے ہیں علاج ہے۔ سینکڑوں بوجھ دار بکس اس چھوٹی سی شیشی کے سامنے ہیچ ہیں وہ لوگ جو گھروں میں یا سفر میں ادویات کے کیس کھایا کرتے تھے۔ اب یہ چھوٹی سی شیشی جیبکے ایک کونے میں رکھتے ہیں وقت بے وقت جو کام یہ دیتی ہے۔ وہ وہی لوگ جانتے ہیں۔

امرت دھارا جس گھر میں موجود ہے ایک حکیم حاذق موجود ہے کوئی بھی بیماری ہو اسکو دیدو اور کرشمہ دیکھو۔ امرت دھارا جس جیب میں موجود ہے امراض کے خطرے سے محفوظ ہے۔

امرت دھارا کو جس نے یار بنایا امراض کو دور بھگایا۔ جو اسکو ہمیشہ پاس رکھتا ہے خود کو اور لواحقین کو اور پڑوسیوں کو دُکھ سے بچاتا ہے۔

امرت دھارا ان تمام امراض کو جو اچانک آدمی کو آدباتے ہیں۔ اچانک ہی دُور کرتی ہے۔ مثلاً ہر قسم کے سر سے لیکر پاؤں تک کے درد اندرونی و بیرونی ہیضہ طاعون زکام سنپات۔ سانپ بچھو وغیرہ کا ڈنک کسی بھی تیزاب یا آگ یا زہر کا لگ جانا۔ زہر کھالے جانا۔ تے۔ چوٹ۔ زخم وغیرہ وغیرہ

امرت دھارا میں ہر مرض کو دُور کرنے کی ایک خاص صفت ہے کوئی بھی سخت سے سخت بیماری ہو اسکو دیدو۔ اوّل تو بیماری دُور ہوگی۔ ورنہ رُک تو ضرور جاوے گی۔

امرت دھارا تقریباً کل امراض کو مفید ہے اور طرفہ یہ کہ فوراً اثر ظاہر ہوتا ہے۔ فوراً اسوقت آتا ہے۔ جبکہ متضاد امراض پر مثلاً قبض و دست یکساں فائدہ کرتی ہے۔

امرت دھارا بڑی بھاری ڈِس انفکٹنٹ یعنی دافع ہر امراض ہے طاعون کے واسطے یہ از حد مفید ثابت ہوئی ہے اس کا ہم آیندہ علیحدہ بیان کریں گے۔

امرت دھارا سچ مچ آب حیات ہے دنیا میں ایسی دوائی آجتک ایجاد نہیں ہوئی ہے یہ خداداد نعمت ہے ویدک ادویات کا کرشمہ ہے سچا دوست مددگار رفیق و غمگسار یہی ہے خوراک اسکی دو بوند ہے مگر طرفہ یہ ہے کہ اگر غلطی سے ۱۰۰-۲۰۰ بوند بھی کھالی جاویں تو کوئی نقصان نہیں ہے کسی بھی بیماری میں کسی بھی وقت کسی بھی عمر میں دیجاوے خدا کے فضل سے فائدہ کرے گی

امرت دھارا سیکڑوں ہزاروں کے خرچ کو بچاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو ایکبار منگاتا ہے ہمیشہ منگواتا ہے اکثر اصحاب سو پچاس شیشی سے کم آرڈر ہی نہیں بھیجتے۔ تیس سے شیشی سالانہ کی فروخت کیا کسی اور دوائی کی ہوگی قیمت سالم شیشی دو روپے آٹھ آنہ عہ۔ نصف شیشی عہ نمونہ کی چھوٹی شیشی آٹھ آنہ (۸ر) ہے۔

طبی کتب

پنڈت ٹھاکر دت شرما وید موجد امرت دھارا
و ایڈیٹر دیش اپکارک کی قلم سے دو درجن سے
زیادہ طبی کتب نکل چکی ہیں۔ جو اپنی خوبی کی وجہ سے
کئی کئی بار چھپتی ہیں۔ فہرست منگوا او خرید و

احتیاط!

امرت دھارا کا اسقدر نام دیکھکر جھوٹے اشتہارباز اپنی اوصاف کی ادویات مشتہر کر رہے ہیں اور لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ امرت دھارا جیسی ہے۔ کئی تو جھوٹ چھپا کر امرت دھارا ہی نام رکھکر بیچ دیتے ہیں۔ کئی اپنی کتب کی بابت کیسا غلط ظاہر کرتے ہیں کہ امرت دھارا کا نسخہ اس میں ہے۔ کئی لوگوں سے کافور اجوائن وغیرہ کا نسخہ امرت دھارا کا بتلا کر روپیہ بٹور رہے ہیں یہ سب باتیں امرت دھارا کی خوبی ظاہر کرتی ہیں اور ان کو ان سے بچنا چاہیئے۔ کوئی شخص سوائے میرے امرت دھارا کا سچا نسخہ نہیں جانتا ہے۔ جو دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔ نقال ہے فرق دکھلانے کے واسطے نقل ہم بھی بنا کر رکھتے ہیں جسکی قیمت ۱۲ ار فی شیشی ہے اور امرت دھارا اصلی شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنہ ہے۔ (عہ)

ایجنٹ

بننے میں بڑا فائدہ ہے۔ ہمارے لایق
ایجنٹ سینکڑوں روپیہ ماہوار کما سکتے
ہیں۔ کمیشن بہت ہے۔ قواعد آسان ہیں
درخواست کیجئے

خط و کتابت و تار کا پتہ صرف اتنا کافی ہے امرت دھارا (ڈاب برانچ) لاہور

مفت

رسالہ امرت جسکے اندر سچ مچ کی آب حیات دنیا میں نئی ایجاد تقریباً کل امراض کا ایک ہی علاج "امرت دھارا" کا جو سرکار میں رجسٹری ہو چکی ہے مفصل بیان ہے اور بھیجے دیگر ادویات و تشدہ رسالہ کی بھی مختصر فہرست بھیجے

رسالہ امراض مخصوصہ دملن

مردوں کے خاص امراض کے اسباب۔ علامات اور علاج آجکل کی حالت کا مکمل فوٹو۔ ویریہ کی محافظت کے سادھن اور ہدایات درج ہیں بری عادات سے بچایا کر پڑھکر لوگ ہم کو لکھتے ہیں۔ کاش کہ یہ پہلے ملتا

مفت

طبی اخبار دیش اپکارک!

اردو میں ہفتہ وار اور ہندی میں پندرہ روزہ ہے قیمت سالانہ اردو کی ۳ اور ہندی کی ۲ ہے جنکو ذرا بھی اپنی صحت کا خیال ہے یا حکمت کے ضروری اصول جاننے کی خواہش ہے وہ دیکھتے ہی اسکے خریدار بنتے ہیں نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے

"امرت دھارا" (رجسٹرڈ)

(رجسٹرڈ)

نے جس قدر نام پایا ہے اسکی تعریف کیواسطے تو بڑے بھاری رسالے کی ضرورت ہے جب میں ان ہزاروں خطوط پر نگاہ مارتا ہوں جو اکثر اصحاب امرت دھارا کی کامیابیوں اور کرشموں کے متعلق لکھتے رہتے ہیں تو میں خوش ہوا کرتا ہوں کہ خدا نے ایسی نعمت مجھکو عطا کی ہے

امرت دھارا اُن تمام امراض کا جو عام طور پر بوڑھوں۔ بچوں۔ جوانوں مردوں یا عورتوں کو ہو جاتے ہیں حکمی علاج ہے۔ سینکڑوں بوجھ دار بکس اس چھوٹی سی شیشی کے سامنے ہیچ ہیں وہ لوگ جو گھروں میں یا سفروں میں دوایات کے بکس اٹھائے پھرتے تھے۔ اب یہ چھوٹی سی شیشی جیب کے ایک کونے میں رکھتے ہیں تو بے وقت جو کام یہ دیتی ہے۔ وہ وہی لوگ جانتے ہیں۔

امرت دھارا جس گھر میں موجود ہے ایک حکیم حاذق موجود ہے کوئی بھی بیماری ہو اسکو دیدو اور کرشمہ دیکھو۔ امرت دھارا جس جیب میں موجود ہے وہ آدمی ہر خطرے سے محفوظ ہے۔

امرت دھارا کو جس نے یار بنایا امراض کو دور بھگایا۔ جو اسکو ہمیشہ پاس رکھتا ہے خود کو اور لواحقین کو اور پڑوسیوں کو دُکھ سے بچاتا ہے۔

امرت دھارا ان تمام امراض کو جو اچانک آدمی کو آ دباتے ہیں۔ اچانک ہی دُور کرتی ہے۔ مثلاً ہر قسم کے سر سے لیکر پاؤں تک کے درد اندرونی و بیرونی ہیضہ طاعون زکام سنپات۔ سانپ بچھو وغیرہ کا ڈنک کسی بھی تیزاب یا آگ یا زہر کا لگ جانا۔ زہر کھا لے جانا۔ قے۔ چوٹ۔ زخم وغیرہ وغیرہ

امرت دھارا میں ہر مرض کو دُور کرنے کی ایک خاص صفت ہے کوئی بھی سخت سے سخت بیماری ہو اسکو دیدو۔ اوّل تو بیماری دُور ہوگی۔ ورنہ رُک تو ضرور جاوے گی۔

امرت دھارا تقریباً کل امراض کو مفید ہے اور طرفہ یہ کہ فوراً اثر ظاہر ہوتا ہے۔ فوراً سونت آتا ہے۔ جبکہ متضاد امراض پر مثلاً قبض و دست یکساں فائدہ کرتی ہے۔

امرت دھارا بڑی بھاری ڈس انفکٹنٹ یعنی دافع امراض ہے طاعون کے واسطے یہ از حد مفید ثابت ہوئی ہے اس کا ہم آیندہ علیحدہ بیان کریں گے۔

امرت دھارا سچ مچ آبحیات ہے دنیا میں ایسی دوائی آجتک ایجاد نہیں ہوئی ہے یہ خداداد نعمت ہے ویدک ادویات کا کرشمہ ہے سچا دوست مددگار رفیق و غمگسار یہی ہے خوراک اسکی دہ بوند ہے مگر طرفہ یہ ہے کہ اگر غلطی سے ۱۰۰-۲۰۰ بوند بھی کھا لی جاویں تو کوئی نقصان نہیں ہے کسی بھی بیماری میں کسی بھی وقت کسی بھی عمر میں کھا دے خدا کے فضل سے فائدہ کرے گی

امرت دھارا سیکڑوں ہزاروں کے خرچ کو بچاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو ایکبار منگاتا ہے ہمیشہ منگواتا ہے اکثر اصحاب سو پچاس شیشی سے کم آرڈر ہی نہیں بھیجتے۔ تیس سے شیشی سالانہ کی فروخت کیا کسی اور دوائی کی ہوگی قیمت سالم شیشی دو روپے آٹھ آنہ ؏ٰ۔ نصف شیشی ؏۔ نمونہ کی چھوٹی شیشی آٹھ آنہ (۸ر) ہے۔

طبی کتب

پنڈت ٹھاکردت شرما وید موجد امرت دھارا و ایڈیٹر دیش اپکارک کی قلم سے دو درجن سے زیادہ طبی کتب نکل چکی ہیں۔ جو اپنی خوبی کی وجہ سے کئی کئی بار چھپتی ہیں۔ فہرست منگواؤ درخواست دو

احتیاط

امرت دھارا کا اسقدر نام دیکھکر جھوٹے اشتہار باز اپنی اوصاف کی ادویات مشتہر کر رہے ہیں اور لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ امرت دھارا جیسی ہیں۔ کئی تو جھپا کر امرت دھارا ہی نام رکھکر بیچ دیتے ہیں۔ کئی اپنی کتب کی کتب میں لکھواسکے ظاہر کرتے ہیں کہ امرت دھارا کا نسخہ اسمیں ہے۔ کئی لوگوں سے کافور اجوائن وغیرہ کا نسخہ امرت دھارا کا بتلا کر روپیہ بٹور رہے ہیں یہ سب باتیں امرت دھارا کی خوبی ظاہر کرتی ہیں اور انکو ان سب سے بچنا چاہیئے۔ کوئی شخص سوائے میرے امرت دھارا کا سچا نسخہ نہیں جانتا ہے۔ جو دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔ نقال ہی فرق دکھلانے کے واسطے نقل ہم بھی بنا کر رکھتے ہیں جسکی قیمت ۱۲ ارفی شیشی ہے اور امرت دھارا اصلی شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنہ ہے۔ (؏ٰ)

ایجنٹ

بننے میں بڑا فائدہ ہے۔ ہمارے لائق ایجنٹ سینکڑوں روپیہ ماہوار کما سکتے ہیں۔ کمیشن بہت ہے۔ قواعد آسان ہیں درخواست بھیجیے

خط و کتابت و تار کا پتہ صرف اتنا کافی ہے "امرت دھارا" (ڈاک برانچ) لاہور

قیمت ۲ گولیاں | ان گولیوں کو غیبی امداد سمجھئے | ایک روپیہ

ہماری آتنک نگرہ گولیاں اُن مریضوں کے حق میں جو کہ قوت جسمانی و دماغی واعصابی کو کھو کر مایوس ہو گئے ہوں غیبی امداد ہیں۔ ہر قسم کے ضعف کو دُور کرکے از سر نو نوجوان بنا دینا ان گولیوں کا ادنی کرشمہ ہے۔

قیمت فی ڈبیہ ۲۰ گولیاں ایک روپیہ (علاوہ محصول)

صفحات ۱۴۰ بالکل مفت | کتاب رازِ تندرستی | اسمیں عجیب وغریب معلومات ہیں

تندرستی کے مکمل رازوں سے واقف ہو کر عمر طبعی حاصل کرنے کا اگر خیال ہو تو ہماری کتاب رازِ تندرستی یعنی **کام شاستر** ہم سے مفت پیڈ منگوائیے جو قریب قریب ہندوستان کی ہر زبان میں ترجمہ شدہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی معلومات زیادہ ہوگی۔

ملنے کا پتہ۔ ویدشاستری منی شنکر گووند جی۔ جام نگر۔ کاٹھیاواڑ

چھوٹے بچوں کے واسطے

ڈونگرے کا بال امرت



یہ بچوں کے بدن کو مضبوط بنا کر انکی طاقت کو بڑھاتا ہے۔ کھانسی اور دُبلاپن وغیرہ امراض اس کے استعمال سے جلد جاتے رہتے ہیں۔ خوش ذائقہ بھی ہے کہ بچے اس سے بھاگتے نہیں۔

اپنی اِن خوبیوں کی وجہ سے ڈونگرے کا بال امرت بمبئی کے تمام علاقہ میں مشہور ہے۔ قیمت فی شیشی بارہ آنہ۔ محصول ڈاک چار آنہ۔

K. T. DONGRE & Co., Girgaon, Bombay.

کے، ٹی، ڈونگرے اینڈ کمپنی۔ گرگاؤں۔ بمبئی

ڈاکٹر باٹلی والا کی مشہور عالم ادویات

(۱) باٹلی والا کا اگیو مکسچر اور گولیاں۔ ہر قسم کے بخار اور لرزہ اور متعدی زکام کو دُور کرنے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتے ہیں قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔

(۲) باٹلی والا کی قوت باہ کی گولیاں۔ معدہ کی صفائی کیلئے نہایت مفید ہیں۔ جسمانی کمزوری کو دور کرکے طاقت و قوت پیدا کرتی ہیں۔ تپ دق کی ابتدائی حالت میں اگر انکا استعمال کیا جائے تو انسان اس موذی مرض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ قیمت ۱½ روپیہ۔

(۳) باٹلی والا کا دانت کا منجن۔ یہ منجن مایافل اور دیگر ایسی انگریزی ادویات سے بنایا جاتا ہے جو زہریلے مادہ کو دور کرنے والی ہیں۔ رطوبت کو دور کرنا اور دانتوں کو مضبوط بنانا اسکا کام ہے۔ قیمت چار آنہ۔

(۴) باٹلی والا کا داد کا مرہم۔ ہر قسم کے داد اور کھجلی کو خواہ وہ خشک ہو یا تر ایک روز میں دور کرتا ہے۔ قیمت چار آنہ۔

Dr. H. L. BATLIWALLA, J. P., Dadar, Bombay.

ڈاکٹر ایچ، ایل، باٹلی والا۔ جے، پی۔ دادر۔ بمبئی

اگر آپ کو

اعلیٰ درجہ کے ہاف ٹون

اور رنگین بلاک درکار ہوں

تو ہم سے خط وکتابت کیجئے

کام وعدہ پر دیا جاتا ہے، اور نرخ مقابلتاً کم ہے

درخواست آنے پر نمونہ مفت ارسال ہوگا

المشتہر

آئی۔ پی۔ ای۔ ورکس ۳۰ بہیر مرزاپور روڈ۔ کلکتہ

ndian Photo Engraving Works,

30, Babir Mirzapur Road, CALCUTTA.

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حبِّ وطن کا ایک دلچسپ قصہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک اور دلچسپ اور اچھوتا ناول ہے۔ آپ کی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوزِ وطن، کشنا وغیرہ اس سے پیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں لہٰذا ضرورت نہیں کہ آپکی نسبت کچھ اور لکھا جائے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اسکا طرزِ بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی۔ ضرور منگائیے۔ حجم قریباً ۳۰۰ صفحات قیمت عہ

حسنِ تخیل

منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حسنِ تخیل آپ کی اُن تمام مقبولِ عام نظموں کا مجموعہ ہے جو ادبِ اُردو کے بہترین رسائل میں شایع ہو کر قبولیتِ عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے دیباچہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب کی تصویر بھی شروع کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نامِ نامی پر اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸)

سنہری کمخواب

ایک نادر اور پُرنصیحت مشرقی قصہ جسکا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے اور جسکو زبان انگریزی سے مس لولو رقیہ بیگم بلگرامی (بنت شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) نے اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس قصہ میں پیشہ کی خوبی و عظمت دکھائی گئی ہے۔ جابجا تصویریں بھی لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۲ر

ہند میں مغربی تعلیم

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم۔اے نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بنام "ایجوکیشن اِن برٹش انڈیا" نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اسکے مطالب سے اُردو خوان حضرات بھی مستفید ہو سکیں آپنے اُسکا خلاصہ اُردو میں بھی کر دیا ہے جو "ہند میں مغربی تعلیم" کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۶ر یہی کتاب ہندی زبان میں بھی شایع ہوئی ہے اور اسکی قیمت بھی ۶ر ہے۔ انگریزی ایڈیشن کی قیمت عہ)

جامِ سُرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سُرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سُرور کی شاعری محتاجِ تعریف نہیں جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ دنیا روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر ابتک آپنے "جامِ سرور" کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سُرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سُرور مرحوم کی وہ تمام مقبولِ عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شایع ہوتی رہیں اور جنکو خود مصنف نے نظرِ ثانی فرما کر انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمایئے ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہ۔

اقوالِ بدھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں ابتداءً یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ ابتک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس نادر کتاب میں مہاتما بدھ کے نصائح، بودھ مذہب کے اُصول اور وہ تمام باتیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبان اُردو میں ترجمہ کر کے شایع کیا ہے۔ اس اُردو ترجمہ کا نام "اقوالِ بدھ" ہے۔ شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز قیمت ۱۲ر

المشتہر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو اُن کی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور اُنھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچائے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہم نے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ اُمور خانہ داری۔ بچّوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمار داری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی۔ شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچّوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۹۱ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۲۳ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اُردو کا نیا قاعدہ - - - - - - - - - - ۹ پائی

۲۔ لوئر پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۶ آنہ

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ آنہ

۴۔ لوئر مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ آنہ

المشتہر۔ مینیجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شایع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشا پرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے نمونہ مُفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۶ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کرلیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو مینیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس سالہ میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا۔ تاہم مضامین بھی نہیں لئے جائینگے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لئے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کیساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

الملتمس مینیجر ادیب

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حبِ وطن کا ایک دلچسپ قصہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک اوریجنل اور اچھوتا ناول ہے۔ آپ کی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوزِ وطن، کشنا، وغیرہ اس سے پیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں لہذا ضرورت نہیں کہ آپکی نسبت کچھ اور لکھا جائے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اسکا طرزِ بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی۔ ضرور منگائیے۔ حجم قریباً ... صفحے قیمت عہ

حسنِ تخیل

منشی ضیاء احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حسنِ تخیل آپ کی اُن تمام مقبول عام نظموں کا مجموعہ ہے جو ادب اردو کے بہترین رسائل میں شایع ہو کر قبولیت عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) [illegible] لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب کی تصویر بھی شروع کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نام [illegible] اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸ر)

سنہری کمخواب

ایک نادر اور پرنصیحت مشرقی قصہ جسکا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے اور جسکو [illegible] انگریزی سے مس لولو رقیہ بیگم بلگرامی (دختر شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) [illegible] اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس قصہ میں پیشہ کی خوبی و عظمت [illegible] جا بجا تصویریں بھی لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۶ر

ہند میں مغربی تعلیم

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم اے نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بنام "ایجوکیشن ان برٹش انڈیا" نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اسکے مطالب سے اُردو خواں حضرات بھی مستفید ہو سکیں آپنے اُسکا خلاصہ اُردو میں بھی کر دیا ہے جو "ہند میں مغربی تعلیم" کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۶ر۔ یہی کتاب ہندی زبان میں بھی شایع ہوئی ہے اور اسکی قیمت بھی ۶ر ہے۔ انگریزی ایڈیشن کی قیمت عہ)

جام سرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سرور کی شاعری محتاج تعریف نہیں جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مادرِ گیتی روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر اب تک آپنے "جام سرور" کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سرور مرحوم کی وہ تمام مقبول عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شایع ہوتی رہیں اور جنکو خود مصنف نے نظر ثانی فرما کر انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمائیے ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت غیر مجلد عہ ر مجلد عہر

اقوال بدھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں ابتداً یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اب تک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس نادر کتاب میں مہاتما بدھ کے نصایح، بودھ مذہب کے اصول اور وہ تمام باتیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبان اردو میں ترجمہ کرکے شایع کیا ہے۔ اس اردو ترجمہ کا نام "اقوال بدھ" ہے۔ شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز قیمت ۱۲ر

المشتہر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو اُنکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور اُنھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ اُمور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بہت سی کار آمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی۔ شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنیوالی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۱۸ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۳۲ تصاویر پورے صفحوں پر علیٰحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اُردو کا نیا قاعدہ .. .. ۹ پائی

۲۔ لور پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۶ آنہ

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ آنہ

۴۔ لور مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ آنہ

المشتہر۔ مینجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ، جو اُردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے، ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شایع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشا پرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۴۸ صفحات ہے، اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں، جنمیں اکثر فنِ مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہیں دیا جائیگا، بلکہ ۶ کے ٹکٹ وصول ہوتے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کر لیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو مینجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹیکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا۔ ناتمام مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو، اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔ جس مہینے کا پرچہ نہ پہنچے اُس کی اطلاع اُسی مہینے کی آخری تاریخ تک آجانا چاہیئے ورنہ بعد کو قیمت لیجائیگی۔

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालविष्णुपुराण ।

१७—विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णु-पुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। मूल्य ।)

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

१८—यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रह कर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रति दिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य-मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

बालगीतावलि ।

१९—महाभारत में क्या नहीं है। उसमें सभी कुछ मौजूद है। महाभारत को रत्नों का सागर कहना चाहिए, शिक्षा का भण्डार कहना चाहिए। आप जानते हैं "बालगीतावलि" में क्या है? इसमें महाभारत में से ९ गीताओं का संग्रह किया गया है। उन गीताओं में ऐसी उत्तम उत्तम शिक्षायें हैं कि जिनके अनुसार बर्ताव करने से मनुष्य का परम कल्याण हो सकता है। हमें पूरी आशा है कि समस्त हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को पढ़ कर उत्तम शिक्षा का लाभ करेंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

बालपुराण ।

२०—पुराणों में बहुत सी ऐसी कथायें हैं जिनसे मनुष्यों को बहुत कुछ उपदेश मिल सकता है। पर पुराण इतने अधिक और बड़े हैं कि उन सबका पढ़ना प्रत्येक मनुष्य के लिए असम्भव नहीं तो महाकष्ट-साध्य अवश्य है। इसलिए सर्वसाधारण के सुभीते के लिए हमने अठारह महापुराणों का साररूप 'बाल-पुराण' तैयार करा कर प्रकाशित किया है। इसमें अठारहों पुराणों की संक्षिप्त कथासूची दी गई है और यह भी बतलाया गया है कि किस पुराण में कितने श्लोक और कितने अध्याय आदि हैं। पुस्तक बड़े काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य केवल ॥)

बालस्मृतिमाला ।

२१—मनुस्मृति के सिवा और भी अनेक स्मृतियाँ हैं जिनमें भिन्न भिन्न धर्माचार्यों ने मनुष्यों के कल्याण के लिए धर्मों और कर्तव्य-कर्मों की व्याख्या की है। धर्मशास्त्र की मर्यादा जानने के लिए स्मृतिशास्त्र का जानना परमावश्यक है। परन्तु ये स्मृतियाँ संस्कृत में होने के कारण सब लोग इनका आशय नहीं समझ सकते थे। हमने १८ स्मृतियों का सार-संग्रह करा कर यह "बालस्मृतिमाला" प्रकाशित की है। आशा है, सनातनधर्म के प्रेमी अपने अपने बालकों के हाथ में यह धर्मशास्त्र की पुस्तक देकर उनको धर्मिष्ठ बनाने का उद्योग करेंगे। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालभोजप्रबन्ध ।

२२—राजा भोज का विद्याप्रेम किसी से छिपा नहीं है। संस्कृत भाषा के "भोजप्रबन्ध" नामक ग्रन्थ में राजा भोज के संस्कृत-विद्याप्रेम-सम्बन्धी अनेक आख्यान लिखे हुए हैं। वे बड़े मनोरञ्जक और शिक्षादायक हैं। उसी भोजप्रबन्ध का साररूप यह "बाल-भोजप्रबन्ध" छपकर तैयार हो गया। सभी हिन्दी-प्रेमियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य बहुत ही कम केवल ॥) आठ आने।

मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग ।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालआरब्योपन्यास (सचित्र)।

चारों भाग

१०-१३—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य प्रत्येक भाग का ॥)

बालपंचतंत्र ।

१४—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१५—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१६—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

❋ ❋ ❋ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❋ ❋ ❋

बालभारत—पहला भाग ।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग ।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड ।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति ।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य।)

बालनीतिमाला ।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग ।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग ।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला ।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

हिंदीकोविदरत्नमाला ।

(बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित)

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र और महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकों और सहायकों के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढँग की अकेली ही है। स्कूलों में ऊँची कक्षाओं में पढ़नेवाले छात्रों को यह पुस्तक पारितोषिक में देने योग्य है। प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी को यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए। मूल्य ४० हाफ़टोन चित्रोंवाले पुस्तक का १॥) डेढ़ रुपया।

स्त्रीशिक्षा का एक सचित्र, नया और अनूठा ग्रन्थ

सीता-चरित ।

अभी तक ऐसी पुस्तक की बड़ी आवश्यकता थी जिसमें आरम्भ से अन्त तक मुख्यतया सती सीताजी की अनुकरणीय जीवन-घटनाओं का विस्तारपूर्वक वर्णन हो, जिसमें सीताजी के जीवन की प्रत्येक घटना पर स्त्रियों के लिए लाभदायक उपदेश दिया गया हो। इसी अभाव को दूर करने के लिए हमने "सीताचरित" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इसमें सीताजी की जीवनी तो विस्तारपूर्वक लिखी ही गई है, किन्तु साथ ही उनकी जीवनघटनाओं का महत्त्व भी विस्तार के साथ दिखाया गया है। यह पुस्तक अपने ढंग की निराली है। भारतवर्ष की प्रत्येक नारी को यह पुस्तक अवश्य मँगा कर पढ़नी चाहिए। इस पुस्तक से स्त्रियाँ ही नहीं पुरुष भी अनेक शिक्षायें ग्रहण कर सकते हैं। क्योंकि इसमें कोरा सीताचरित ही नहीं है, पूरा रामचरित भी है। आशा है, स्त्रीशिक्षा के प्रेमी महाशय इस पुस्तक का प्रचार करके स्त्रियों को पातिव्रत धर्म की शिक्षा से अलङ्कृत करने में पूरा प्रयत्न करेंगे। पृष्ठ २३५। कागज़ मोटा। सुनहली जिल्द। पर, तो भी सर्वसाधारण के सुभीते के लिए मूल्य बहुत ही कम। केवल १।) सवा रुपया।

चरित्रगठन ।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें; और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेष रूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें। २३२ पृष्ठ की ऐसी उपयेगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ॥।) बारह आना है।

जापान-दर्पण ।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टोन चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगोल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना और इतिहास आदि बातों का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया गया है। भारत की अधोगति पर आँसू बहानेवाले देश-भक्तों को तो इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए। ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥।) बारह आने कर दिया।

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

[कविरत्न श्रीअखिलानन्द-प्रणीत]

दयानन्ददिग्विजय ।

महाकाव्य

हिन्दी-अनुवादसहित

जिसके देखने के लिए सहस्रों आर्य्य वर्षों से उत्कण्ठित हो रहे थे, जिसके रसास्वादन के लिए सैकड़ों संस्कृतज्ञ विद्वान् लालायित हो रहे थे, जिसकी सरल, मधुर और रसीली कविता के लिए सहस्रों आर्यों की वाणी चंचल हो रही थी वही महाकाव्य छप कर तैयार हो गया। यह ग्रन्थ आर्य-समाज के लिए बड़े गौरव की चीज़ है। इसे आर्यों का भूषण कहें तो अत्युक्ति न होगी। स्वामीजी कृत ग्रन्थों को छोड़ कर आज तक आर्य-समाज में जितने छोटे बड़े ग्रन्थ बने हैं उन सबमें इसका आसन ऊँचा है। प्रत्येक वैदिकधर्मानुरागी आर्य को यह ग्रन्थ लेकर अपने घर को अवश्य पवित्र करना चाहिए। यह महाकाव्य २१ सर्गों में सम्पूर्ण हुआ है। मूल ग्रन्थ के रायल आठ पेजी साँची के ६१५ पृष्ठ हैं। इसके अतिरिक्त ५७ पृष्ठों में भूमिका, ग्रन्थकार का परिचय, विषयानुक्रमणिका, आवश्यक विवरण, त्रुटिपूर्ति, यन्त्रालय-प्रशस्ति और सहायक-सूची आदि अनेक विषयों का समावेश किया गया है।

उत्तम सुनहरी जिल्द बँधी हुई इतनी भारी पोथी का मूल्य सर्वसाधारण के सुभीते के लिए केवल ४) चार रुपये ही रक्खा है। जल्द मँगाइए।

सम्पत्तिशास्त्र ।

आप जानते हैं जर्मन, अमरीका, इँगलैंड और जापान आदि देश दिन दिन क्यों समृद्धिशाली होते जाते हैं! क्या आपको मालूम है कि भारतवष दिन पर दिन क्यों निर्धन होता जाता है? ऐसी कौनसी चीज़ है जिसके होने से दूसरे देश मालामाल होते चले जाते हैं और जिसके अभाव से यह भारत गारत हो रहा है।? लीजिए हम बताते हैं, उस चीज़ का नाम है "सम्पत्तिशास्त्र"। इसी के न जानने से आज यह भारत भूखों मर रहा है, दिन दिन निर्धन होता चला जा रहा है। आज तक हमारे देश में, हिन्दी भाषा में, ऐसा उत्तम शास्त्र कहीं नहीं छपा था। लीजिए, इसे पढ़ कर देश की दशा सुधारिए। मूल्य सुवर्णवर्णाङ्कित जिल्द का २॥) ढाई रुपये।

कविता-कलाप।

इस पुस्तक में सरस्वती से आरम्भ करके ४६ प्रकार की सचित्र कविताओं का संग्रह किया गया है। हिन्दी के प्रसिद्ध कवि राय देवीप्रसाद बी० ए० बी० एल०, पण्डित नाथूराम शङ्कर शर्मा, पण्डित कामताप्रसाद गुरु, बाबू मैथिलीशरण गुप्त, और पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदीजी की ओजस्विनी लेखनी से लिखी गई कविताओं का यह अपूर्व संग्रह प्रत्येक हिन्दीभाषाभाषी को मँगा कर पढ़ना चाहिए। इसमें कई चित्र रंगीन भी हैं। ऐसी उत्तम सचित्र पुस्तक का मूल्य केवल २॥) ढाई रुपये।

शिक्षा ।

बाल-बच्चोंदार मनुष्य को चाहिए कि स्पेन्सर की शिक्षासम्बन्धिनी मीमांसा को पढ़ें और अपनी सन्तति की शिक्षा का सुप्रबन्ध करके अपने पितृत्त्व-धर्म्म से उद्धार हों। जो इस समय विद्यार्थि-दशा में हैं वे भी एक दिन पिता के पद पर अवश्य आरूढ़ होंगे। इससे उन्हें भी इस पुस्तक से लाभ उठाने का यत्न करना चाहिए। पुस्तक की भाषा क्लिष्ट नहीं है। पृष्ठ-संख्या ४०० से ऊपर है। काग़ज़ चिकना और मोटा है। छपाई साफ़-सुथरी है। सुवर्णाक्षरों से अलङ्कृत मनोहर जिल्द बँधी हुई है। आरम्भ में एक विस्तृत भूमिका है; हर्बर्ट स्पेंसर का जीवन-चरित है। पुस्तक का संक्षिप्त सारांश भी है। ऐसी अनमोल पुस्तक का मूल्य सिर्फ़ २॥) ढाई रुपया रक्खा गया है।

पुस्तक मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

*** इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ***

रामचरितमानस।

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

क्षेपकरहित असली रामायण

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छपकर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनी ही कविता लोगों ने पीछे से लिख कर मिला दी हैं। असली रामायण तो केवल इंडियन प्रेस की छपी 'रामचरितमानस' ही है। क्योंकि इसका पाठ गोसाईं जी के हाथ की लिखी पोथी से मिला कर शोधा गया है। और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला कर इनमें से कूड़ा-करकट अलग निकाल दिया गया है। यही विशुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है। इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७५ तसवीरें भी लगा दी हैं। मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब ४) ही कर दिया है। डाक-द्वारा मँगाने पर १=) ख़र्च लगेगा।

मानस–कोश।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ।

हमने काशी की नागरी-प्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दीप्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी। आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें तो यह कोश आपको तुरन्त बता देगा। इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है। इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है। मूल्य केवल १) रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है। जल्द मँगाइए।

सचित्र हिन्दी महाभारत

(मूल आख्यान)

५०० से अधिक पृष्ठ बड़ी साँची २२ चित्र

अनुवादक—हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित महावीरप्रसादजी द्विवेदी

संस्कृत-साहित्य में महाभारत ही एक ऐसा ग्रन्थ है जो सबसे बड़ा, सबसे उत्तम और सबसे अधिक उपयोगी है। महाभारतही आर्यों का प्रधान धर्म-ग्रन्थ है, यही आर्य्यों का सच्चा इतिहास है और यही सनातन धर्म का बीज है। इसी के अध्ययन से हिन्दुओं में धर्मभाव, सत्पुरुषार्थ और समयानुसार काम करने की शक्ति जाग्रत हो उठती है। यदि इस बूढ़े भारतवर्ष का ५ सहस्र वर्ष पहले का सच्चा इतिहास जानना हो, यदि भारतवर्ष में स्त्रियों को सुशिक्षित करके पातिव्रत धर्म का पुनरुद्धार करना अभीष्ट हो, यदि बालब्रह्मचारी भीष्म पितामह के पावन चरित्र को पढ़कर ब्रह्मचर्य-रक्षा का महत्त्व देखना हो, यदि भगवान कृष्णचन्द्र के उपदेशों से अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाना हो, तो इस "महाभारत" ग्रन्थ को मँगा कर अवश्य पढ़िए। इसकी भाषा बड़ी सरल, बड़ी ओजस्विनी और बड़ी मनोहारिणी है। प्रत्येक पढ़ी लिखी स्त्री अथवा कन्या को यह महाभारत मँगा कर अवश्य पढ़ना और उससे लाभ उठाना चाहिए।

सर्व साधारण के लिए मूल्य बहुत ही कम—कुल ३ रुपये। ✝

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालविष्णुपुराण ।

१७—विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णु-पुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। मूल्य ।)

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

१८—यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रह कर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रति दिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य-मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

बालगीतावलि ।

१९—महाभारत में क्या नहीं है। उसमें सभी कुछ मौजूद है। महाभारत को रत्नों का सागर कहना चाहिए, शिक्षा का भण्डार कहना चाहिए। आप जानते हैं "बालगीतावलि" में क्या है? इसमें महाभारत में से ९ गीताओं का संग्रह किया गया है। उन गीताओं में ऐसी उत्तम उत्तम शिक्षायें हैं कि जिनके अनुसार बर्ताव करने से मनुष्य का परम कल्याण हो सकता है। हमें पूरी आशा है कि समस्त हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को पढ़ कर उत्तम शिक्षा का लाभ करेंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

बालपुराण ।

२०—पुराणों में बहुत सी ऐसी कथायें हैं जिनसे मनुष्यों को बहुत कुछ उपदेश मिल सकता है। पर पुराण इतने अधिक और बड़े हैं कि उन सबका पढ़ना प्रत्येक मनुष्य के लिए असम्भव नहीं तो महाकष्ट-साध्य अवश्य है। इसलिए सर्वसाधारण के सुभीते के लिए हमने अठारह महापुराणों का साररूप 'बाल-पुराण' तैयार करा कर प्रकाशित किया है। इसमें अठारहों पुराणों की संक्षिप्त कथासूची दी गई है और यह भी बतलाया गया है कि किस पुराण में कितने श्लोक और कितने अध्याय आदि हैं। पुस्तक बड़े काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य केवल ॥)

बालस्मृतिमाला ।

२१—मनुस्मृति के सिवा और भी अनेक स्मृतियाँ हैं जिनमें भिन्न भिन्न धर्माचार्यों ने मनुष्यों के कल्याण के लिए धर्मों और कर्तव्य-कर्मों की व्याख्या की है। धर्मशास्त्र की मर्यादा जानने के लिए स्मृतिशास्त्र का जानना परमावश्यक है। परन्तु ये स्मृतियाँ संस्कृत में होने के कारण सब लोग इनका आशय नहीं समझ सकते थे। हमने १८ स्मृतियों का सार-संग्रह करा कर यह "बालस्मृतिमाला" प्रकाशित की है। आशा है, सनातनधर्म के प्रेमी अपने अपने बालकों के हाथ में यह धर्मशास्त्र की पुस्तक देकर उनको धर्मिष्ठ बनाने का उद्योग करेंगे। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालभोजप्रबन्ध ।

२२—राजा भोज का विद्याप्रेम किसी से छिपा नहीं है। संस्कृत भाषा के "भोजप्रबन्ध" नामक ग्रन्थ में राजा भोज के संस्कृत-विद्याप्रेम-सम्बन्धी अनेक आख्यान लिखे हुए हैं। वे बड़े मनोरञ्जक और शिक्षादायक हैं। उसी भोजप्रबन्ध का साररूप यह "बाल-भोजप्रबन्ध" छपकर तैयार हो गया। सभी हिन्दी-प्रेमियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य बहुत ही कम केवल ॥) आठ आने।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालआरब्योपन्यास (सचित्र)।

चारों भाग

१०-१३—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य प्रत्येक भाग का ॥)

बालपंचतंत्र ।

१४—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१५—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१६—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालभारत—पहला भाग।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य ।)

बालनीतिमाला।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

रामचरितमानस।

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

क्षेपकरहित असली रामायण

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छपकर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनी ही कविता लेागें ने पीछे से लिख कर मिला दी हैं। असली रामायण ते केवल इंडियन प्रेस की छपी 'रामचरितमानस' ही है। क्योंकि इसका पाठ गेासाईं जी के हाथ की लिखी पेाथी से मिला कर शेाधा गया है। और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला कर इनमें से कूड़ा-करकट अलग निकाल दिया गया है। यही विशुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है। इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७५ तसवीरें भी लगा दी हैं। मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब ४) ही कर दिया है। डाक-द्वारा मँगाने पर १=) ख़र्च लगेगा।

मानस—कोश।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ।

हमने काशी की नागरी-प्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दीप्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी। आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें ते यह कोश आपको तुरन्त बता देगा। इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है। इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है। मूल्य केवल १) रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है। जल्द मँगाइए।

सचित्र हिन्दी महाभारत

(मूल आख्यान)

५०० से अधिक पृष्ठ बड़ी साँची २२ चित्र

अनुवादक—हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित महावीरप्रसादजी द्विवेदी

संस्कृत-साहित्य में महाभारत ही एक ऐसा ग्रन्थ है जो सबसे बड़ा, सबसे उत्तम और सबसे अधिक उपयोगी है। महाभारतही आर्यों का प्रधान धर्म-ग्रन्थ है, यही आर्य्यों का सच्चा इतिहास है और यही सनातन धर्म का बीज है। इसी के अध्ययन से हिन्दुओं में धर्मभाव, सत्पुरुषार्थ और समयानुसार काम करने की शक्ति जाग्रत हो उठती है। यदि इस बूढ़े भारत-वर्ष का ५ सहस्र वर्ष पहले का सच्चा इतिहास जानना हो, यदि भारतवर्ष में स्त्रियों को सुशिक्षित करके पातिव्रत धर्म का पुनरुद्धार करना अभीष्ट हो, यदि बालब्रह्मचारी भीष्म पितामह के पावन चरित्र को पढ़कर ब्रह्मचर्य-रक्षा का महत्त्व देखना हो, यदि भगवान कृष्णचन्द्र के उपदेशों से अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाना हो, तो इस "महाभारत" ग्रन्थ को मँगा कर अवश्य पढ़िए। इसकी भाषा बड़ी सरल, बड़ी ओजस्विनी और बड़ी मनोहारिणी है। प्रत्येक पढ़ी लिखी स्त्री अथवा कन्या को यह महाभारत मँगा कर अवश्य पढ़ना और उससे लाभ उठाना चाहिए।

सर्व साधारण के लिए मूल्य बहुत ही कम—कुल ३ रुपये।

رنگین تختی و کاپی سلپ

مصنفۂ منشی روشن لعل نولکشور بھارگو

جسکو ٹکسٹ بک کمیٹی ممالک متحدہ و پنجاب نے براے طلباے مدارس قصباتی - دیہی و امدادی منظور فرمایا ھے

یہہ کاپیاں جدید طریقہ سے چھاپی گئی ھیں جسکا سلسلہ ابتدائی جماعت سے شروع ھوکر اپر پرائمری جماعت پر ختم کیا گیا ھے دیگر مصنفین کی کاپیوں میں تعلیم خوشخطی پرائمری درجہ سے رکھی گئی ھے جو طلباء کیلئے اس درجہ میں پہونچکر یکبارگی ایک نئی مصیبت کا سامنا ھوجاتا ھے جسسے وہ خوش اسلوبی سے انجام نہیں دیسکتے چونکہ ان کاپیوں کا سلسلہ ابتدائی جماعت سے رکھا گیا ھے اس لئے طالب علم ابتدا ھی سے بذریعہ تختی سلپ تختی پر مشق کرتے کرتے تبدیلی اشکال حروف اور طریقہ تعلیم خوشخطی سمجھتا جاویگا - کیونکہ ان کاپیوں میں زیادہ خوبی اور قابل تعریف بات یہہ ھے کہ سرخ اور سیاہ رنگ سے چھپی ھیں - جس سے ھر حرف کی شکل محض رنگ دیکھتے ھی طالبعلم سمجھہ جاویگا اُستاد کو بتلانیکی چنداں ضرورت نہیں جیسے ب آ با کو لکھنا ھے تو ب کا رنگ اور ھوگا اور آ کا اور - یہہ اوصاف دیگر مصنفین کی کاپیوں میں نہیں ھیں مدتوں تک اُنکو حرفوں کی شکل جو بدلتی رہتی ھیں معلوم نہیں ھوتی - اس لئے ٹکسٹ بک کمیٹی نے طلباء کی سہولت تعلیم کیواسطے یہہ جدید طریقہ تعلیم خوشخطی مقرر فرمایا ھے - جسقدر ضرورت ھو اندنت بھیجکر طلب فرمائیے کمیشن ۲۰٪ فی روپیہ دیا جاویگا -

المشتہر

روشن لعل بھارگو سرکاری کتب فروش
و منیجر روشن لعل پریس لکھنؤ

कविता-कुसुम-माला।

इस पुस्तक में विविध विषयों से सम्बन्ध रखने वाली भिन्न भिन्न कवियों की रची हुई अत्यन्त मनोहारिणी, रसवती और चमत्कारिणी ९१ कविताओं के संग्रह है। हिन्दी कविताओं का ऐसा उपादेय संग्रह आज तक कहीं नहीं छपा। मूल्य ॥=) दश आने।

नई पुस्तक! नई पुस्तक!

कर्त्तव्य-शिक्षा

अर्थात्

महात्मा चेस्टरफ़ील्ड का पुत्रोपदेश।

हिन्दी में ऐसी पुस्तकों की बड़ी कमी है जिनको पढ़ कर हिन्दी-भाषा-भाषी बालक शिष्टाचार के सिद्धान्तों को समझ कर नैतिक और सामाजिक विषयों का ज्ञान प्राप्त कर सकें। चाहे कोई कितना ही विद्वान् क्यों न हो, यदि उसको सांसारिक नियमों का ज्ञान नहीं, यदि उसको नैतिक और सामाजिक रीतियों का बोध नहीं तो तण्डुलरहित तुषों के समान उसकी विद्वत्ता निष्प्रयोजन है। हमारी हिन्दी का बालकोपयोगी साहित्य अभी ऐसी पुस्तकों से ख़ाली पड़ा है। इसी अभाव की पूर्ति के लिए हमने यह पुस्तक अँगरेज़ी से सरल हिन्दी में अनुवादित करा कर प्रकाशित की है।

जो लोग अपने बालकों को कर्तव्यशील बना कर नीति-निपुण और शिष्टाचारी बनाना चाहते हैं उनको "कर्तव्य-शिक्षा" की पुस्तक मँगा कर अपने बालकों के हाथ में ज़रूर देनी चाहिए। बालकों को ही नहीं, यह पुस्तक हिन्दी जानने वाले मनुष्यमात्र के काम की है। पौने तीन सौ पृष्ठ की भारी पोथी का मूल्य केवल १) एक रुपया।

मिलने का पता—

मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

❋ ❋ ❋ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❋ ❋ ❋

हिंदीकोविदरत्नमाला।

(बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित)

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र ग्रैार महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकेां ग्रैार सहायकेां के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढँग की अकेली ही है। स्कूलेां में ऊँची कक्षाग्रेां में पढ़नेवाले छात्रों का यह पुस्तक पारितेाषिक में देने येाग्य है। प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी केा यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए। मूल्य ४० हाफ़टेान चित्रोंवाले पुस्तक का १॥) डेढ़ रुपया।

स्त्रीशिक्षा का एक सचित्र, नया ग्रैार अनूठा ग्रन्थ

सीता-चरित।

अभी तक ऐसी पुस्तक की बड़ी आवश्यकता थी जिसमें आरम्भ से अन्त तक मुख्यतया सती सीताजी की अनुकरणीय जीवन-घटनाग्रेां का विस्तारपूर्वक वर्णन हेा, जिसमें सीताजी के जीवन की प्रत्येक घटना पर स्त्रियेां के लिए लाभदायक उपदेश दिया गया हेा। इसी अभाव केा दूर करने के लिए हमने "सीताचरित" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इसमें सीताजी की जीवनी तेा विस्तारपूर्वक लिखी ही गई है, किन्तु साथ ही उनकी जीवनघटनाग्रेां का महत्त्व भी विस्तार के साथ दिखाया गया है। यह पुस्तक अपने ढंग की निराली है। भारतवर्ष की प्रत्येक नारी को यह पुस्तक अवश्य मँगा कर पढ़नी चाहिए। इस पुस्तक से स्त्रियां ही नहीं पुरुष भी अनेक शिक्षायें ग्रहण कर सकते हैं। क्योंकि इसमें केारा सीताचरित ही नहीं है, पूरा रामचरित भी है। आशा है, स्त्रीशिक्षा के प्रेमी महाशय इस पुस्तक का प्रचार करके स्त्रियेां को पातिव्रत धर्म की शिक्षा से अलङ्कृत करने में पूरा प्रयत्न करेंगे। पृष्ठ २३५। कागज़ मेाटा। सुनहली जिल्द। पर, तेा भी सर्वसाधारण के सुभीते के लिए मूल्य बहुत ही कम। केवल १।) सवा रुपया।

चरित्रगठन।

जेा नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तेा इसे अवश्य ही पढ़ें; ग्रैार विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक केा पढ़ कर आप तेा लाभ उठावेंगे ही किन्तु अपने भावी सन्तानेां केा भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेष रूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियेागिता आदि अनेक विषयेां का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक केा एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें ग्रैार इससे पूर्ण लाभ उठावें। २३२ पृष्ठ की ऐसी उपयेागी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ॥।) बारह आना है।

जापान-दर्पण।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टेान चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्य्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगेाल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना ग्रैार इतिहास आदि बातेां का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया गया है। भारत की अधेागति पर आँसू बहानेवाले देश-भक्तों को तेा इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए। ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥।) बारह आने कर दिया।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

[कविरत्न श्रीअखिलानन्द-प्रणीत]

दयानन्ददिग्विजय ।

महाकाव्य

हिन्दी-अनुवादसहित

जिसके देखने के लिए सहस्रों आर्य्य वर्षों से उत्कण्ठित हो रहे थे, जिसके रसास्वादन के लिए सैकड़ों संस्कृतज्ञ विद्वान् लालायित हो रहे थे, जिसकी सरल, मधुर और रसीली कविता के लिए सहस्रों आर्यों की वाणी चंचल हो रही थी वही महाकाव्य छप कर तैयार हो गया। यह ग्रन्थ आर्य-समाज के लिए बड़े गैारव की चीज़ है। इसे आर्यों का भूषण कहें तो अत्युक्ति न होगी। स्वामीजी कृत ग्रन्थों को छोड़ कर आज तक आर्य-समाज में जितने छोटे बड़े ग्रन्थ बने हैं उन सबमें इसका आसन ऊँचा है। प्रत्येक वैदिकधर्मानुरागी आर्य को यह ग्रन्थ लेकर अपने घर को अवश्य पवित्र करना चाहिए। यह महाकाव्य २१ सर्गों में सम्पूर्ण हुआ है। मूल ग्रन्थ के रायल आठ पेजी साँची के ६१५ पृष्ठ हैं। इसके अतिरिक्त ५७ पृष्ठों में भूमिका, ग्रन्थकार का परिचय, विषयानुक्रमणिका, आवश्यक विवरण, त्रुटिपूर्ति, यन्त्रालय-प्रशस्ति और सहायक-सूची आदि अनेक विषयों का समावेश किया गया है।

उत्तम सुनहरी जिल्द बँधी हुई इतनी भारी पोथी का मूल्य सर्वसाधारण के सुभीते के लिए केवल ४) चार रुपये ही रक्खा है। जल्द मँगाइए।

सम्पत्तिशास्त्र ।

आप जानते हैं जर्मन, अमरीका, इँगलैंड और जापान आदि देश दिन दिन क्यों समृद्धिशाली होते जाते हैं? क्या आपको मालूम है कि भारतवर्ष दिन पर दिन क्यों निर्धन होता जाता है? ऐसी कौनसी चीज़ है जिसके होने से दूसरे देश मालामाल होते चले आते हैं और जिसके अभाव से यह भारत गारत हो रहा है।? लीजिए हम बताते हैं, उस चीज़ का नाम है "सम्पत्तिशास्त्र"। इसी के न जानने से आज यह भारत भूखों मर रहा है, दिन दिन निर्धन होता चला जा रहा है। आज तक हमारे देश में, हिन्दी भाषा में, ऐसा उत्तम शास्त्र कहीं नहीं छपा था। लीजिए, इसे पढ़ कर देश की दशा सुधारिए। मूल्य सुवर्णवर्णाङ्कित जिल्द का २॥) ढाई रुपये।

कविता-कलाप।

इस पुस्तक में सरस्वती से आरम्भ करके ४६ प्रकार की सचित्र कविताओं का संग्रह किया गया है। हिन्दी के प्रसिद्ध कवि राय देवीप्रसाद बी० ए० बी० एल०, पण्डित नाथूराम शङ्कर शर्मा, पण्डित कामताप्रसाद गुरु, बाबू मैथिलीशरण गुप्त, और पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदीजी की ओजस्विनी लेखनी से लिखी गई कविताओं का यह अपूर्व संग्रह प्रत्येक हिन्दीभाषाभाषी को मँगा कर पढ़ना चाहिए। इसमें कई चित्र रंगीन भी हैं। ऐसी उत्तम सचित्र पुस्तक का मूल्य केवल २॥) ढाई रुपये।

शिक्षा ।

बाल-बच्चोंदार मनुष्य को चाहिए कि स्पेन्सर की शिक्षासम्बन्धिनी मीमांसा को पढ़ें और अपनी सन्तति की शिक्षा का सुप्रबन्ध करके अपने पितृत्व-धर्म्म से उद्धार हों। जो इस समय विद्यार्थि-दशा में हैं वे भी एक दिन पिता के पद पर अवश्य आरूढ़ होंगे। इससे उन्हें भी इस पुस्तक से लाभ उठाने का यत्न करना चाहिए। पुस्तक की भाषा क्लिष्ट नहीं है। पृष्ठ-संख्या ४०० से ऊपर है। काग़ज़ चिकना और मोटा है। छपाई साफ़-सुथरी है। सुवर्णाक्षरों से अलङ्कृत मनोहर जिल्द बँधी हुई है। आरम्भ में एक विस्तृत भूमिका है; हर्बर्ट स्पेंसर का जीवन-चरित है। पुस्तक का संक्षिप्त सारांश भी है। ऐसी अनमोल पुस्तक का मूल्य सिर्फ़ २॥) ढाई रुपया रक्खा गया है।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

रामचरितमानस ।

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

क्षेपकरहित असली रामायण

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छपकर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनी ही कविता लेागों ने पीछे से लिख कर मिला दी हैं। असली रामायण ते केवल इंडियन प्रेस की छपी 'रामचरितमानस' ही है। क्योंकि इसका पाठ गेासाईं जी के हाथ की लिखी पेाथी से मिला कर शोधा गया है। और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला कर इनमें से कूड़ा-करकट अलग निकाल दिया गया है। यही विशुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है। इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७५ तसवीरें भी लगा दी हैं। मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब ४) ही कर दिया है। डाक-द्वारा मँगाने पर १।=) ख़र्च लगेगा।

मानस—कोश ।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ ।

हमने काशी की नागरी-प्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दीप्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी। आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें तो यह कोश आपको तुरन्त बता देगा। इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है। इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है। मूल्य केवल १) रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है। जल्द मँगाइए।

सचित्र हिन्दी महाभारत

(मूल आख्यान)

५०० से अधिक पृष्ठ बड़ी साँची २२ चित्र

अनुवादक—हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित महावीरप्रसादजी द्विवेदी

संस्कृत-साहित्य में महाभारत ही एक ऐसा ग्रन्थ है जो सबसे बड़ा, सबसे उत्तम और सबसे अधिक उपयोगी है। महाभारतही आर्यों का प्रधान धर्म-ग्रन्थ है, यही आर्य्यों का सच्चा इतिहास है और यही सनातन धर्म का बीज है। इसी के अध्ययन से हिन्दुओं में धर्मभाव, सत्पुरुषार्थ और समयानुसार काम करने की शक्ति जाग्रत हेा उठती है। यदि इस बूढ़े भारतवर्ष का ५ सहस्र वर्ष पहले का सच्चा इतिहास जानना हेा, यदि भारतवर्ष में स्त्रियेां को सुशिक्षित करके पातिव्रत धर्म का पुनरुद्धार करना अभीष्ट हेा, यदि बालब्रह्मचारी भीष्म पितामह के पावन चरित्र को पढ़कर ब्रह्मचर्य-रक्षा का महत्त्व देखना हो, यदि भगवान कृष्णचन्द्र के उपदेशों से अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाना हो, तो इस "महाभारत" ग्रन्थ को मँगा कर अवश्य पढ़िए। इसकी भाषा बड़ी सरल, बड़ी ओजस्विनी और बड़ी मनोहारिणी है। प्रत्येक पढ़ी लिखी स्त्री अथवा कन्या को यह महाभारत मँगा कर अवश्य पढ़ना और उससे लाभ उठाना चाहिए।

सर्व साधारण के लिए मूल्य बहुत ही कम—कुल ३ रुपये।

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

تصریح تصاویر

اس ماہ کی رنگین تصویر' جو انگریزی مصوری کا بہترین نمونہ ہے' مبارک جمعہ (Good Friday) کے واقعات کو ظاہر کرتی ہے - اس دن ہندوستان میں عام تعطیل ہوتی ہے - یہہ خداوند مسیح کی مبارک موت کی یادگاری کا دن ہے - مسیحی عقیدہ کے مطابق' آج کے دن' حضرت مسیح مصلوب ہوئے تھے - ان کی زندگی کی برکتوں کا زمانہ اگرچہ بہت قلیل تھا' مگر جس خدمت کے لئے وہ مبعوث ہوئے تھے' آج کے دن وہ انجام کو پہونچی یعنی "نجات کا کام" پورا ہوا -

تصویر میں حضرت مریم کی گود میں خداوند مسیح کی لاش دکھائی گئی ہے - اِدھر اُدھر دو فرشتے ہیں جو گویا لاش کی حفاظت کر رہے ہیں - یہہ تصویر اگرچہ خیالی ہے مگر اسپر غور کرنے سے دل پر عجیب تاثیر ہوتی ہے - چونکہ اس ماہ کی ۵ تاریخ کو گڈ فرائیڈے ہوچکا ہے لہذا اُمید ہے کہ یہہ تصویر دلچسپی کے ساتھہ دیکھی جائیگی -

---

بابو رابندر ناتھہ ٹیگور-آپ بنگالی زبان کے مشہور اہل قلم اور قومی شاعر ہیں - حال میں آپ کے اہل قوم نے' کلکتہ ٹاؤن ہال میں' مجتمع ہوکر آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور آپ کی علمی خدمات کا اعتراف کیا - ایک زمانہ تھا کہ نئے تعلیم یافتہ اپنی دیسی زبان سے وحشت کرتے تھے - اب وہ بات جاتی رہی ہے - اب وہ اسکی طرف محبت اور وقعت سے بڑھتے ہیں - رابندر بابو نے' بنگلہ زبان میں' قوم اور ملک میں اعتماد اور ترقی کے خیالات پیدا کئے ہیں - یہی وجہ ہے کہ قوم اُن کو ممدوح اور معظم تسلیم کرتی ہے -

آپ کی پیدایش سنہ ۱۸۶۰ع میں ہوئی تھی - آپ مہرشی دیوندرو ناتھہ ٹیگور کے خلف الرشید اور بابو دوارکا ناتھہ ٹیگور کے پوتے ہیں - آپکا خاندان علمی سرپرستی کے لئے ہمیشہ سے مشہور رہا ہے - مبارک ہے وہ ملک اور وہ قوم جو اپنے اہل قلم کی قدر و منزلت کرتی اور اسکا عملی ثبوت دیتی ہے -

---

میر بادشاہ علی صاحب بقا (خلف الرشید میر وزیر علی صبا لکھنوی) - آپ مرزا دبیر مرحوم کے داماد اور خاندانی شاعر تھے - ستر برس کی عمر میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا - فن سخن کا کافی شوق تھا مگر اپنے والد کے رتبہ کو نہ پہنچے - نمونۂ کلام یہہ ہے :—

خدا کو بھول جاتے ہیں بتوں کی آشنائی میں
بہت ایسے بھی ہیں اللہ کے بندے خدائی میں

* * *

بنتی ہے جب تو یہہ کہتے ہیں ہوا فضل خدا
جب بگڑتی ہے تو سب کہتے ہیں قسمت تیری

* * *

یہہ تھکے رنج کو دیتا ہوں اپنے دل میں جگہہ
پھر ٹھکانا کہیں جسکا میرے گھر میں رہے

جناب بقا کے پہلو میں آغا قاسم حسین قزلباش صاحب' اختر' کھڑے ہیں جو آغا سخاوت علی بیگ ضیا (خلف مرزا حاتم علی بیگ مہر) کے فرزند رشید اور مرادآباد کے پولیس ٹریننگ اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں -

---

رام چندر جی اور سورپ نکھا - یہہ تصویر انڈین پریس کے ایک مصور کی صناعی کا نمونہ ہے - اسمیں رامائن کا وہ سین دکھایا گیا ہے جبکہ راون کی بہن' سورپ نکھا' ایک حسین عورت کی شکل اختیار کرکے' رامچندر جی کی خدمت میں حاضر ہوکر' شادی کی خواستگار ہوتی ہے جس کے جواب میں رام چندر جی صاف انکار کرتے ہیں -

---

مہاراجہ دشرتھہ کا یگیہ - "جب مہاراجہ دشرتھہ ضعیف ہوگئے اور اُن کے کوئی اولاد نہوئی' تو وہ بہت متفکر ہوئے - اولاد نرینہ کی اُن کو بہت خواہش تھی - ایک روز بششٹ جی نے مہاراجہ سے کہا کہ آپ شرنگی رشی کو بلوا کر اولاد نرینہ کے لئے

یگیہ کریں - شرنگی رشی چونکہ عبادت میں مشغول تھے' اسلئے اُن کا آنا دشوار تھا - لہذا ایک اپسرا (پری) اُن کے پاس گئی اور رشی کو بلا لائی - رشی نے آکر یگیہ کیا - یہہ یگیہ مقبول ہوا' اور آسمان سے ایک پھل اُترا جسکو کھا کر تینوں رانیاں حاملہ ہوگئیں - اِن تین رانیوں سے چار لڑکے پیدا ہوئے یعنی رام چندر جی' لچھمن جی' بھرت جی' اور شترو'گھن" - اسی یگیہ کا منظر اس تصویر میں دکھایا گیا ہے - یہہ تصویر بھی انڈین پریس کے اُسی مصور کی صناعی کا نمونہ ہے -

---

لارڈ کارمائکل - لارڈ طامس گبسن کارمائکل بارٹ - جی' سی' آئی' او-کے' سی' یم' جی' صوبۂ بنگال کے اول گورنر مقرر ہوئے ہیں - اس سے پیشتر آپ صوبۂ مدراس کے گورنر تھے- آسٹریلیا میں آپ وکٹوریہ کے گورنر بھی رہ چکے ہیں-ولایت میں بہت سے اعلی عہدوں پر آپ سر افراز رہے - ہندوستان میں آئے اگرچہ آپ کو تھوڑاہی عرصہ ہوا ہے مگر اس قلیل مدت ہی میں آپ ہر دلعزیزی حاصل کرچکے ہیں - یکم اپریل کو بنگال کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں پبلک جلسے ہوئے ہیں جنمیں آپ کے خیر مقدم کے رزولیوشن پاس ہوئے - کالی گھاٹ مندر میں مہاراجہ دربھنگہ کے پنڈتوں نے خاص پوجا کرکے آپ کی درازئی عمر و اقبال کی دعائیں مانگیں' اور کلکتہ کے اخبارات نے یکزبان ہوکر آپ کو خوش آمدید کہا ہے - عام طور پر اُمید کیجاتی ہے کہ حضورلارڈ شپ کے عہد حکومت میں' بنگال میں حرفتی اور تجارتی ترقی رونما ہوگی اور یورپنیوں و ہندوستانیوں کے مابین بیگانگی دور ہوجائیگی -

---

سر آرچ ڈیل ارل - آسام پہلے ایک جدا صوبہ تھا' مگر لارڈ کرزن نے اُسے مشرقی بنگال کے ساتھہ ملحق کرکے آسام کی چیف کمشنری توڑ دی تھی - حضور ملک معظم نے تقسیم بنگالہ کو منسوخ فرماکر آسام کو پھر اُن سے الگ کردیا' اور عالیجناب سر آرچ ڈیل ارل کے' سی' آئی' ای' وہاں کے چیف کمشنر مقرر ہوئے ہیں - ہندوستان میں آئے ہوئے آپ کو تین برس ہوئے - کئی اعلی عہدوں پر آپ ممتاز رہ چکے ہیں - اس سے پیشتر آپ گورنمنٹ آف انڈیا کے ہوم سکریٹری تھے -

---

جارج میڈیکل کالج لکھنؤ - گذشتہ نمبر میں ہم اس کے متعلق ایک نوٹ لکھہ چکے ہیں - اس اشاعت میں عمارت کی تصویر بھی ہدیۂ ناظرین ہے -

---

توسیع اشاعت

ذیل کے علمدوست اصحاب کا دلی شکریہ ادا کیا جاتاہے جنھوں نے گذشتہ ماہ میں ادیب کی توسیع اشاعت میں دلچسپی لی اور اپنے احباب کو اسکی خریداری پر مائل کیا:—

(۱) منشی محمد محفوظالحق صاحب
(۲) منشی محمد عبدالخالق صاحب خلیق دهلوی
(۳) حکیم سید ولی الدین صاحب
(۴) مولوی عبدالغفار صاحب
(۵) پادری حمیدالدین صاحب سالک

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालअारब्योपन्यास (सचित्र)।

चारों भाग

१०-१३—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य प्रत्येक भाग का ॥)

बालपंचतंत्र ।

१४—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१५—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१६—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

रामचरितमानस।

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

क्षेपकरहित असली रामायण

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छपकर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनी ही कविता लोगों ने पीछे से लिख कर मिला दी हैं। असली रामायण तो केवल इंडियन प्रेस की छपी 'रामचरितमानस' ही है। क्योंकि इसका पाठ गोसाईं जी के हाथ की लिखी पोथी से मिला कर शोधा गया है। और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला कर इनमें से कूड़ा-करकट अलग निकाल दिया गया है। यही शुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है। इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७५ तसवीरें भी लगा दी हैं। मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब ४) ही कर दिया है। डाक-द्वारा मँगाने पर १=) ख़र्च लगेगा।

मानस—कोश।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ।

हमने काशी की नागरी-प्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दीप्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी। आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें तो यह कोश आपको तुरन्त बता देगा। इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है। इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है। मूल्य केवल १) रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है। जल्द मँगाइए।

सचित्र हिन्दी महाभारत

(मूल आख्यान)

५०० से अधिक पृष्ठ   बड़ी साँची   २२ चित्र

अनुवादक—हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित महावीरप्रसादजी द्विवेदी

संस्कृत-साहित्य में महाभारत ही एक ऐसा ग्रन्थ है जो सबसे बड़ा, सबसे उत्तम और सबसे अधिक उपयोगी है। महाभारत ही आर्यों का प्रधान धर्म-ग्रन्थ है, यही आर्य्यों का सच्चा इतिहास है और यही सनातन धर्म का बीज है। इसी के अध्ययन से हिन्दुओं में धर्मभाव, सत्पुरुषार्थ और समयानुसार काम करने की शक्ति जाग्रत हो उठती है। यदि इस बूढ़े भारतवर्ष का ५ सहस्र वर्ष पहले का सच्चा इतिहास जानना हो, यदि भारतवर्ष में स्त्रियों को सुशिक्षित करके पातिव्रत धर्म का पुनरुद्धार करना अभीष्ट हो, यदि बालब्रह्मचारी भीष्म पितामह के पावन चरित्र को पढ़कर ब्रह्मचर्य-रक्षा का महत्त्व देखना हो, यदि भगवान कृष्णचन्द्र के उपदेशों से अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाना हो, तो इस "महाभारत" ग्रन्थ को मँगा कर अवश्य पढ़िए। इसकी भाषा बड़ी सरल, बड़ी ओजस्विनी और बड़ी मनोहारिणी है। प्रत्येक पढ़ी लिखी स्त्री अथवा कन्या को यह महाभारत मँगा कर अवश्य पढ़ना और उससे लाभ उठाना चाहिए।

सर्व साधारण के लिए मूल्य बहुत ही कम—कुल ३ रुपये।

पुस्तक मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियनप्रेस, प्रयाग।**

हिंदी में दो नई उपयोगी पुस्तकें

चरित्रगठन ।

यह उपन्यास नहीं, न क़िस्से कहानी की किताब है। यह श्री बाबू ज्ञानेन्द्रमोहनदास के बँगला "चरित्रगठन" का हिन्दी अनुवाद है। सभी सभ्य समाज के प्रधान विद्वान् समालोचक मुक्तकण्ठ से इसकी प्रशंसा कर चुके हैं।

ग्रन्थकर्त्ता ने इस पुस्तक में चरित्रसुधार की जितनी बातें लिखी हैं, सभी मन्त्र के बराबर हैं। पढ़ने के साथ चित्त पर असर कर जाती हैं। कैसा ही कोई दुश्चरित्र क्यों न हो, जो इसे एक बार पढ़ेगा वह उसी घड़ी से अपने चरित्र-सुधार पर तत्पर होगा। इतना ही नहीं, बल्कि उसे दुश्चरित्रता की बातों पर इतनी घृणा उत्पन्न होगी कि वह भूल कर भी कभी उनका नाम न लेगा।

कितने ही लोग अपने सन्तान को शिक्षित और सच्चरित्र बनाने के लिए हज़ारों रुपये ख़र्च कर डालते हैं, पर तो भी सफलमनोरथ नहीं होते। ऐसे लोग एक बार अपने सन्तान को यह पुस्तक पढ़ने को दें, तब देखें, उनका मनोरथ कितना शीघ्र सफल होता है। जिसके घर में कम से कम एक प्रति भी चरित्रगठन रहेगा, उसके सन्तानों को दुश्चरित्र होने का भय कदापि न रहेगा।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें; और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही, किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेषरूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें।

२३२ पृष्ठ की ऐसी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ।॥) बारह आना है।

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

["बालसखा पुस्तकमाला" सीरीज़ की १५ वीं पुस्तक]

यदि मनुष्य के लिए सबसे बड़ी और सबसे पहले किसी बात की आवश्यकता है तो स्वास्थ्य-रक्षा की। यदि मनुष्य अपने कर्तव्य कर्म करना चाहता है तो उसे सबसे पहले स्वास्थ्य-सुधार का प्रयत्न करना चाहिए। जिनका स्वास्थ्य बिगड़ जाता है वे कुछ भी नहीं कर सकते। उनका जीवन भार-रूप हो जाता है। पर सरल हिन्दी में अभी तक कोई ऐसी पुस्तक नहीं थी कि जिससे लोग स्वास्थ्य-सुधार के उपाय समझ सकें। इसी अभाव को दूर करने के लिए हमने यह "बालस्वास्थ्यरक्षा" नामक पुस्तक छापकर तैयार की है। इसकी भाषा बड़ी सरल है। इसके पढ़ने से लोगों को मालूम हो जायगा कि स्वास्थ्य किस प्रकार सुधर सकता है।

यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रहकर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रतिदिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

❊ ❊ ❊ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❊ ❊ ❊

बालहिन्दीव्याकरण ।

यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी का शुद्धरूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगाकर पढ़िए और अपने बालबच्चों को पढ़ाइए। इस पुस्तक से बालक और स्त्रियाँ सब बड़ी आसानी से हिन्दीभाषा का शुद्धरूप से बोलना और लिखना सीख जायँगे। स्कूलों में लड़के लड़कियों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। १३६ पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य ।) चार आने।

बालविष्णुपुराण ।

विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी-वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत-भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णुपुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य भी चार ही आना है।)

सीतावनवास ।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी और सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके अनुपम, पवित्र और अनुकरणीय चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्रीवाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने बंगभाषा में "सीतारवन-वास" नामक पुस्तक में लिखकर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है और जिस करुणारसभरी पुस्तक के बँगला में पचासों संस्करण छपे हैं और लाखों कापियाँ बिक चुकी हैं, उसी शिक्षाप्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावन-वास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीराम-चन्द्रजी कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणारस-भरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

कर्मयोग ।

स्वामी विवेकानन्दजी के नाम से सभी शिक्षित मनुष्य परिचित होंगे। जिन्होंने उनके साथ वार्तालाप किया है, उनके व्याख्यान सुने हैं या उनके ग्रन्थों को पढ़ा सुना है वे अच्छी तरह जानते होंगे कि स्वामी विवेकानन्दजी अध्यात्म-विद्या के कैसे उद्भट विद्वान् थे। जिनके कर्मयोग-सम्बन्धी व्याख्यानों को सुनकर अमरीका आदि देशनिवासी पाश्चात्य विद्वान् भी वेदान्त की ओर झुक कर आध्यात्मिक ज्ञान के सम्पादन करने में दत्तचित्त हो रहे हैं उनके उन्हीं व्याख्यानों का हिन्दी-अनुवाद करा कर यह "कर्मयोग" नामक पुस्तक छापी है। इसमें सात अध्याय हैं। उनमें क्रमशः—१—कर्म का मनुष्य चरित्र पर प्रभाव, २—निष्काम कर्म का महत्त्व, ३—धर्म क्या है?, ४—परमार्थ में स्वार्थ ५—बेलाग रहना ही सच्चा त्याग है, ६—मुक्ति और ७—कर्मयोग का आदर्श—इन विषयों का वर्णन बहुत ही ओजस्विनी भाषा में किया गया है। अध्यात्मविद्या या कर्मयोग के जिज्ञासुओं को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य केवल ।≈)

पुस्तक मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

❊ ❊ ❊ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❊ ❊ ❊

बालोपदेश।

यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनानेवाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एकदम भरा पूरा राजपाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस "बालोपदेश" में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीति-शतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा गया है। भाषा बड़ी सरल रक्खी है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बाल-आरब्योपन्यास (सचित्र)

प्रथम भाग

दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, बंगला और अंगरेज़ी के प्रसिद्ध लेखक बाबू रामानन्द चट्टोपाध्याय, एम० ए०, ने इस किताब का बंगला में एक परिशोधित गार्हस्थ्य संस्करण निकाला था। "बाल-आरब्योपन्यास" उसी बंगला किताब का हिन्दी अनुवाद है। इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष, सभी के पढ़ने लायक़ है।

इसके पढ़ने से हिन्दी भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी बुद्धि और विचारशक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहां तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

बालपंचतंत्र।

संस्कृत में जितने नीतिग्रन्थ हैं उनमें से पंचतंत्र में कई प्रकार की विशेषता है। प्रसिद्ध नीतिवेत्ता पण्डित विष्णुशर्म्मा ने अपने रचित पंचतंत्र में ऐसी उत्तमता से नीति की शिक्षा दी है कि वैसी और किसी ग्रन्थ में नहीं पाई जाती। इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह बालपंच-तंत्र विष्णुशर्म्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिंदी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी-पाठक और विशेष कर बालकों, के पढ़ने योग्य है। २०५ पृष्ठ की इस पुस्तक का मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश।

बालकों के ही लिए नहीं यह पुस्तक बूढ़ों के लिए भी हित की बात बतानेवाली है। पशु-पक्षियों के बहाने से मनोरञ्जक और रोचक कहानियों के द्वारा इसमें मनुष्य के हितसाधन का ऐसा अच्छा उपदेश दिया गया है कि जिसके अनुसार चलने से मनुष्य कभी दुःखजाल में नहीं फँस सकता। इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्तव्यों का बोध हो जाता है। कहां तक कहें, इस पुस्तक से अनेक प्रकार की उपयोगी शिक्षायें मिलती हैं। यह पुस्तक पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। भाषा की सरलता का क्या कहना है? स्त्रियां भी आसानी से समझ सकती हैं। मूल्य ॥)

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

रामचरितमानस ।

[illegible] असली रामायण

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छप कर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनी ही दोहे-चौपाइयाँ लोगों ने पीछे से लिख कर मिला दिये हैं । असली रामायण तो केवल इंडियन प्रेस का छपा रामचरित-मानस ही है । क्योंकि इसका पाठ गुसाँईजी के हाथ की लिखी पोथी से मिला कर शोधा गया है । और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला मिला कर इसमें से कूड़ा करकट अलग निकाल दिया गया है । यही विशुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है । इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७८ तसवीरें भी लगा दी हैं । मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब सिर्फ़ ४) ही कर दिया है । डाक द्वारा मँगाने पर १) खर्च लगेगा ।

मानस-कोश ।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ ।

हमने काशी की नागरीप्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है । इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दी-प्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी । आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें तो यह कोश आपको तुरन्त बता देगा । इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है । किसी किसी शब्द के तो पन्द्रह पन्द्रह बीस बीस पर्याय-वाचक शब्द दे दिये गये हैं । इसी से पाठक अनुमान कर सकते हैं कि "मानसकोश" कितना उपयोगी है । इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है ।

आशा है, साधारणतया सभी हिन्दी-प्रेमी, और विशेषकर रामायण के कठिन शब्दों का अर्थ समझनेवाले महाशय, इस "मानसकोश" को मँगाकर बहुत लाभ उठावेंगे । मूल्य केवल १) एक रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है । जल्द मँगाइए ।

सम्पत्तिशास्त्र ।

[पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदी लिखित]

आप जानते हैं जर्मन, अमरीका, इँगलैंड और जापान आदि देश दिन पर दिन क्यों समृद्धिशाली होते जाते हैं ? क्या आपको मालूम है कि भारतवर्ष दिन पर दिन क्यों निर्धन होता जाता है ? ऐसी कौन सी चीज़ है जिसके होने से दूसरे देश मालामाल होते चले जाते हैं और जिसके अभाव से यह भारत ग़ारत हो रहा है ? लीजिए हम बताते हैं, उस चीज़ का नाम है "सम्पत्तिशास्त्र" । इसी के न जानने से आज यह भारत भूखों मर रहा है, दिन दिन निर्धन होता चला जा रहा है । आज तक हमारे देश में, हिन्दी भाषा में, ऐसा उत्तम शास्त्र कहीं नहीं छपा था । लीजिए, इसे पढ़कर देश की दशा सुधारिए । मूल्य सुवर्णाक्षराङ्कित जिल्द का २॥)

हिन्दी-व्याकरण ।

(बाबू माणिक्यचन्द्र जैनी बी० ए० कृत)

यह हिन्दी-व्याकरण अँगरेज़ी ढंग पर बनाया गया है । व्याकरण के प्रायः सब विषय ऐसी अच्छी रीति से समझाये गये हैं कि जो बड़ी आसानी से समझ में आ जाते हैं । हिन्दी-व्याकरण के जानने की इच्छा रखनेवालों को यह पुस्तक ज़रूर पढ़ना चाहिए । मूल्य =)॥

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग ।

عالم همه افسانهٔ ما دارد و ما هیچ



روزانہ پیسہ اخبار' لاہور

"**رسالۂ ادیب** الہ آباد یہہ دیکھنا مسرت انگیز ہے کہ رسالۂ ادیب الہ آباد نے اپنے نئے ایڈیٹر مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی کے زیر اہتمام نہ صرف اپنی پہلی قابل رشک پوزیشن کو قایم رکھا ہے بلکہ جولائی کے نمبر سے کئی پہلوؤں میں اور ترقی حاصل کی ہے - اور یہہ امر مسٹر شاکر کے ذاتی اثر پر دال ہے کہ منشی احمد علی صاحب شوق کاکوروی کی جس موثر نظم کے اول حصے پر ادیب کے ایک پچھلے پرچہ میں ایک معترضانہ ریویو نکل چکا ہے اُس کا چوتھا حصہ اب جولائی نمبر میں شائع کرنے کے لیئے اُن کو مل گیا ہے اور اس نے رسالہ کی دلچسپی میں بہت کچھہ اضافہ کردیا ہے - اِس کے علاوہ دوسرے مضامین بھی دلچسپ و مفید ہیں - اور رنگین و ہاف ٹون تصاویر کی خصوصیت بدستور برقرار رکھی گئی ہے' جس سے اُمید بندھتی ہے کہ ادیب مسٹر شاکر کی توجہ سے انشاءاللہ زبان اُردو کی اور زیادہ قیمتی خدمت انجام دیگا"-



رسالہ نظام المشائخ دہلی

"الہ آباد کا **رسالۂ ادیب** یوں تو ابتداے اشاعت سے ہی اچھی شان میں نکل رہا تھا' لیکن اس کا جون نمبر جو مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی کی زیر ایڈیٹری تیار ہوا ہے' خصوصیت کے ساتھہ قابل تعریف ہے- ادیب کے سابق ایڈیٹر' منشی نوبت رائے نظر بوجوہات چند اس سے الگ ہوگئے.........اب یہہ کام شاکر صاحب کے سپرد ہوا ہے' جو ایک کہنہ مشق انشا پرداز اور پختہ کار اخبار نویس ہیں - مختلف پرچوں میں کام کرتے انھوں نے رسوخ اور اثر بھی خوب حاصل کرلیا ہے - چنانچہ اس مرتبہ کے رسالہ میں محض ان ہی کی وجہ سے کئی ایسے حضرات کے مضامین شائع ہوئے ہیں' جو ہر جگہہ لکھنا اپنا شیوہ نہیں سمجھتے"-

مولوی محمدالواحدی صاحب' ایڈیٹر نظام المشائخ' اپنے ۳ اگست کے خط میں تحریر فرماتے ہیں:—

"**ادیب** کا جولائی نمبر پہنچا - کاش میں نے جون کے پرچے پر ریویو نہ کیا ہوتا' اور اسپر لکھتا - یہہ اُس سے بڑھکر ہے - سوامی شنکراچارج کی تصویر مجھے بہت پسند آئی- خصوصاً اُس کا یہہ فقرہ بڑے غضب کا ہے "معلوم ہوا' کہ کچھہ نہ معلوم ہوا" ... ... حضرت شوق کے چوتھے خیال کے اندراج کی مبارکباد دیتا ہوں- یہہ رخ انھوں نے خوب لکھے ہیں - اللهم زد فزد"-



اخبار نیر اعظم' مرادآباد

"**ادیب** الہ آباد کا جولائی کا نمبر ہمارے سامنے ہے- واقعی اسوقت ادیب جس آب و تاب سے نکل رہا ہے وہ ہمارے ہمعصر شاکر صاحب میرٹھی کے اُس شغف اور توجہہ کا نتیجہ ہے جو اُنھیں رسالہ ادیب سے ہے - اور جب تک وہ اس سے ایسی ہی دلچسپی لیتے رہنگے تو یہہ رسالہ ہندوستان کے اُردو رسالوں میں ایساہی سر برآوردہ رہیگا جیسا کہ اسوقت ہے- کیا باعتبار مضامین' اور کیا باعتبار لکھائی چھپائی' ایک امتیازی خصوصیت جو اسکو اور رسالوں کے مقابلے میں ہے وہ اس کا خاص طور سے تصویروں کا انتظام ہے - اس نمبر میں ۹ تصویریں ہیں جو مصوری کا اعلیٰ نمونہ کہی جاسکتی ہیں- ہماری دعا ہے کہ یہہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے" -



اخبار آریہ گزٹ' لاہور

"**ادیب** اردو زبان کا ایک نہایت اعلیٰ اوربیش بہا رسالہ انڈین پریس الہ آباد سے ہر ماہ شائع ہوتاہے- سچ تو یہ ہے' کہ اردو زبان میں اپنی قسم کا ایک ہی رسالہ ہے- اس کی تصاویر نہایت رنگین' مضامین ملک کے مشہور اہل قلم سے لکھے ہوئے اور لکھائی چھپائی بہت اعلیٰ ہے- جب سے مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لیاہے ' رسالہ میں ایک نئی روح پھونک دی ہے - قیمت سالانہ چار روپیہ ہے —"



فوجی اخبار' لاہور

"**ادیب** ادب اردو کا ایک با تصویر ماہوار رسالہ جو منشی پیارے لال صاحب میرٹھی کی اڈیٹری میں الہ آباد سے شائع ہوتا ہے - اس کا ایک نمبر بابت ماہ جون سنہ رواں بغرض ریویو ہمارے پاس پہنچا اور اُس کو شروع سے آخر تک ہم نے بغور مطالعہ کیا - مضامین نظم و نثر دونوں قسم کے عمدہ و دلچسپ ہیں - زبان کی سلاست و خوبی اور خیالات کی پاکیزگی کے بارہ میں صرف اتنا ہی بتلا دینا کافی ہوگا کہ اکثر مضامین اُن مشاہیر فضلا او اہل قلم حضرات کے

کلک گوہر فشاں کا نتیجہ ہیں جو فی زمانہ ادبی قابلیت اور سخن سنجی کے لحاظ سے تمام ملک میں معروف و محترم سمجھے جاتے ہیں' اور جن میں سے شمس العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی - خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر وزیر مال ریاست بہاولپور - شیخ محمد اقبال صاحب ایم - اے بیرسٹر ...... کے اسماے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں - گیارہ تصاویر میں سے جو اس نمبر میں چسپاں ہیں ' سب سے پہلی رنگین تصویر میں الف لیلہ کا ایک مشہور سین دکھلایا گیا ہے - باقی کی ۱۰ عکسی تصاویر میں سے ایک میں ملک معظم جارج پنجم اور ملکہ معظمہ میری کو تاج بر سر دکھایا ہے اور دوسری خاندان شاہی کا خاص گروپ ہے جس میں بادشاہ سلامت و ملکہ معظمہ کے ساتھہ شاہزادی میری اور پانچوں شاہزادوں کی شبیہیں بھی موجود ہیں- اور یہ فوٹو جو عین جشن تاجپوشی کے ایام میں شائع کئے گئے ہیں' واقعی نہایت نفیس و با موقعہ ہیں - قیمت صرف چار روپئے جو اتنی خوبیوں کے مقابلہ میں کچھہ زیادہ نہیں ہے" *



اخبار آرمی نیوز' لودیانہ

"رسالہ ادیب" جو الہ آباد انڈین پریس سے شائع ہوتا ہے ہر ایک اعتبار سے قابل قدر ہے - کاغذ ' لکھائی ' چھپائی' تصاویر اور مضامین نثر و نظم سب چیدہ ہوتے ہیں - جولائی نمبر میں ۹ تصویریں ہیں' جن میں ایک تصویر جہانگیر اور نور جہاں کی اس موقع کی ہے جبکہ شاہزادہ نے باغ کی روش پر کبوتر نورجہاں کو دئے تھے اور ایک کبوتر اڑگیا تھا - نور جہاں اور جہانگیر کا اصلی لباس معہ شاہی محل کے پارک کے اصلی حالت میں دکھلایا گیا ہے - ایک تصویر جشوداجی کی ہے جو کرشن مہاراج کو گودی میں لئے ہوئے ہیں - ایک سوامی شنکرآچاریہ کی ہے - مضامین میں ایک کہانی بھی کچھہ کم دلچسپ نہیں' جس کا ایک حصہ ناظرین ہمارے بہرہ انتخاب میں دیکھیں گے - غرضکہ ادیب اور زمانہ اردو میں صرف دو ہی رسالے آجکل قابل ذکر ہیں........"



اخبار راجپوت گزٹ' لاہور

"رسالہ ادیب" یہہ ماہوار رسالہ دو سال سے شہر الہ آباد سے نہایت آب و تاب کے ساتھہ شائع ہوتا ہے - اس میں خاص خاص علم دوست اور لائق اہل قلم اصحاب کے اعلی اعلی مضامین درج ہوتے ہیں- اور ہر ایک نمبر میں قابل دید متعدد تصاویر ہوتی ہیں - کاغذ چکنا اور نہایت قیمتی لگتا ہے - چھپائی بہت عمدہ - ہر نمبر تقریباً ۵۶ صفحوں کا ہوتا ہے - ان جملہ خوبیوں کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں' کہ یہہ رسالہ علم ادب کے اردو رسالوں میں واقعی ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اس نے دو سال کے ہی اندر پبلک کے دلوں میں ایک غیر معمولی عزت حاصل کرلی ہے - اس کا ہر ایک نمبر ایک سے ایک بڑھہ چڑھکر ہوتا ہے جس کے لحاظ سے اس کی سالانہ قیمت چار روپئے بالکل ہیچ ہے - امید ہے کہ پبلک اس کی عزت کرنے میں اپنی قدردانی کا پورے طور پر ثبوت دیگی" -



اخبار نور افشاں' لودیانہ (دوبارہ)

"ادیب" یہہ ایک علمی' ادبی' اخلاقی' ماہوار رسالہ الہ آباد سے شائع ہوتا ہے' جو قابل دید ہے - ایک وقت مخزن لاہور نے اچھا نام پیدا کیا تھا - مگر جب سے وہ صرف اسلامی پرچہ ہوگیا ہے' اسکی وہ وقعت نہیں رہی' اور نہ اسمیں وہ پہلے ایسے اعلی مضامین ہوتے ہیں - ادیب نے اس کمی کو خوب پورا کیا ہے - میرے اکثر مسیحی احباب مخزن کو خریدتے تھے' مگر اب انھوں نے اسکو چھوڑ دیا ہے - میں ادیب کے واسطے ان کی خدمت میں سفارش کرتا ہوں - کیا علمی اور اخلاقی مضامین کے لحاظ سے' کیا زباندانی اور فصاحت کے خیال سے یہہ مخزن سے بڑھکر ہے......

راقم :— واعظ"



اخبار مخبر عالم' مرادآباد

"ادیب" یہہ اردو کا ایک ہونہار رسالہ انڈین پریس الہ آباد سے پہلے نظر صاحب لکھنوی کی اڈیٹری میں شائع ہوا تھا جسنے چند عرصہ کی اشاعت میں اپنے تمام ہمعصر دیرینہ رسالوں میں ایک نمایاں شہرت پائی تھی - مگر نظر صاحب کی یکایک علحدگی سے یہہ خوف تھا کہ شاید اس رسالہ کا اب یہہ رنگ ڈھنگ قائم نہ رہ سکے - لیکن منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے اسکی اڈیٹری کا چارج لیتے ہی اسمیں اور چار چاند لگا دئے' جسکی شہادت کے لئے ماہ جون اور جولائی کے نمبر کافی ہیں کہ کس آب و تاب کے ساتھہ یہہ شائع ہوئے ہیں' جس سے لائق اڈیٹر کی نہ فقط کوشش و قابلیت ہی کا اظہار ہوتا ہے' بلکہ اسکی عام معلومات و تجربہ کا بھی پتہ چلتا ہے - اس رسالہ کے اس نئےدور زندگی

میں جسقدر مضامین لکھے گئے ہیں، عام مقبولیت کا سرٹیفکٹ لئے ہوئے ہیں - جون نمبر میں ۲۱ مضامین جسطرح کہ ہندوستان کے مشاہیر انشاء پرداز حضرات کے زور قلم کا نتیجہ ہیں، اُسی طرح جولائی کے ۲۱ مضامین اعلیٰ پایہ کے ادیب اور فاضل نامہ نگاروں کے سایس لکھے ہوئے ہیں - اور علاوہ ایڈیٹوریل نوٹس کے اسمیں ۹ تصاویر بھی ہیں، جو ہر آئینہ قابل تعریف ہیں........"



اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور

THE CIVIL AND MILITARY GAZETTE, LAHORE.

"A NEW URDU JOURNAL.—We have received a copy of the Adeeb, a new monthly published in Urdu at the Indian Press, Allahabad. Its contents are of a varied character and include articles from distinguished writers of the Urdu language in all parts of India."



اخبار ٹریبیون، لاہور

THE TRIBUNE, LAHORE.

"A HIGH CLASS URDU JOURNAL.—The Adeeb, a monthly illustrated Urdu Journal published at Allahabad, has come to occupy the foremost position among the Urdu Journals of the country. The general get-up of the Journal is excellent and printing and illustrations are fine. The June number contains 11 illustrations and 21 short articles. Several of them are contributed by well-known Urdu writers of the day. Among the half-tone pictures those of their Majesties King George V. and Queen Mary in Coronation Robes, the Royal Family, and Hindu maidens floating lamps in the Ganges are very attractive. Among other likenesses are those of a Helpless Queen, illustrating a story, the late Dr. Syed Ali Bilgrami, a scene of the Arabian Nights (coloured). Among the writers who have contributed articles to the current number are: Rev. Malcolm Jan, C.M.S., Shams-ul-Ulama Moulvi Mahomed Shibli Naumani, Shaikh Mahomed Iqbal, Rabia Sultana Begum of Hyderabad, Nawab Mahomed Omar Khan, Khan Bahadur Mirza Sultan Ahmed Khan, E.A.C., etc. The Editor, Mr. Piyare Lal Shaker, is to be congratulated for making the Journal so interesting and entertaining."

اخبار انڈین وٹنس، کلکتہ

THE INDIAN WITNESS, CALCUTTA

Adeeb.

"India cannot compare with either Japan or New Turkey in the matter of producing new magazines and papers, but the awakening here has been followed, as in those countries, by a very decided literary activity in the way of papers of various kinds. Among these modern efforts to supply an awakening people with literary food, and news of scientific progress, is the "Adeeb," a monthly illustrated Urdu Journal of Literature and Science. The magazine is decidedly modern in scope and style, and is evidently intended for those who have a spirit of progress, but have not had the advantages of an English education. The editor is Peare Lal Shaker, an Indian Christian, and the magazine is published by the Indian Press at Allahabad. [*Subscription price Rs. 4 annually*].

"The number under review—June, 1911—has twenty articles of various kinds, in addition to the "Editorial Notes." Among the number are three on moral and philosophical lines, one that is distinctly scientific, one historical, two biographical and two bearing on the Coronation. An interesting thing is that there are ten poems, which would indicate the demand there must be among Urdu reading people for poetic expression of thought. There are eleven illustrations, including one of the King and Queen in their Coronation Robes, and a very good one of the present Royal family. The death of the late Dr. Syed Ali Bilgrami calls forth two articles on the life of that distinguished Muhammadan scholar and philanthropist. It is interesting to find a lengthy description of the Planets, their orbits and their moons, together with a special study of Mars, with two illustrations. The most ambitious article, however, is one which is boldly and startlingly entitled "The Universe and what is Therein." Needless to say, this article is not exhaustive!

"The paper and printing of the magazine are good, but the binding could be much improved. Altogether, one cannot but wish success to the editor and publishers of such a magazine, and it must play its part in bringing its constituency up to a higher plane of intellectual and moral life. As the magazine is already half-way through its third volume, it would seem that it has found an appreciative public."

ادیب

کے قواعد

یہہ با تصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا نمونہ ہے ہر انگریزی مہینہ کی پندرھویں کو بقید تاریخ شائع ہوتا ہے - ملک کے نامور اہل قلم ' مسلم‌الثبوت اساتذہ اور بہترین انشا پرداز اسے وقیع' دلچسپ' اور مفید بنانے میں سر گرم ہیں - مضامیں کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کیلئے دلچسپ ہو - کوشش کی گئی ہے کہ اسکے مضامین (نثر ہوں خواہ نظم) تعلیم یافتہ مستورات کیلئے بھی اُسیقدر دلچسپ' مفید' اور خوشگوار ثابت ہوں جسقدر تعلیم یافتہ اصحاب اور بالغ نظر حضرات کے لئے -

اسکی ضخامت ۴۸ صفحات یا اِس سے زیادہ ہوتی ہے اور صفحہ میں دو کالم ہونیکی وجہ سے اسمیں معمولی تقطیع کے ایکسو صفحات کے قریب گنجایش رکھی گئی ہے - اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً کم از کم ایک رنگین اور آٹھہ عکسی تصاویر دیجاتی ہیں' جنمیں مشہور مصوروں کی صناعیوں کے نمونے' مشاہیر حضرات کے فوٹو' تاریخی عمارات کے نقشے اور دیگر دلچسپ واقعات کے مرقعے ہوتے ہیں - بعض تصاویر کے متعلق مشہور شاعروں کی نظمیں بھی حاصل کیجاتی ہیں جو تصویر کی دلکشی کو دو بالا کر دیتی ہیں - قدر دانوں کی ترقی کے ساتھہ ساتھہ اسکے حجم اور تصاویر کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہیگا -

تصاویر کے علاوہ اسکی لکھائی چھپائی میں بھی اعلی درجے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور قیمتی کاغذ پر نہایت صفائی کیساتھہ تصاویر چھاپکو اسمیں اضافہ کیجاتی ہیں جو اسکی مقررہ ضخامت سے علیحدہ ہوتی ہیں - بہر نوع قدردانان علم ادب کے لئے ایک ایسا پرچہ مہیا کیا گیا ہے جو کمی قیمت کے ساتھہ انگریزی میگزینوں سے مشابہ ہے -

اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے - اِس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھہ کوئی پرچہ نہیں ملسکتا' بلکہ اس ارزانی کے ساتھہ اسقدر تصاویر بھی (جنکی سالانہ تعداد کم از کم یک صد ہوتی ہے) کہیں دستیاب نہیں ہوسکتیں - نظر بریں معزز ناظرین رسالہ سے استدعا ہے کہ اگر یہہ خدمات قابل قبول ہوں تو علاوہ ذاتی قدردانی کے اسکی توسیع اشاعت میں بھی حتی‌الامکان امداد فرمائیں -

خریداری کے لئے پیشگی قیمت کا ضروری ہے - نمونہ مفت نہیں بھیجا جائیگا بلکہ چھہ آنہ وصول ہونے یا ویلوپے‌ایبل کی اجازت آنے پر ارسال ہوگا - نام اور پتہ صاف اور خوشخط لکھا جاے تاکہ پرچہ پہونچنے میں دقت نہ ہو - اگر ایک دو ماہ کیلئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے انتظام کرلینا چاہئے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصے کیلئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجاے -

اس رسالہ میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا - ناتمام مضامین بھی نہیں لئے جائینگے - جس مضمون کے ساتھہ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود بندوبست فرمائیں - اگر مضمون اور تصویر ساتھہ نہ آئیگی تو مضمون شائع نہوگا - خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جاے ورنہ تعمیل ارشاد نہوسکے گی - تمام خط و کتابت ذیل کے پتہ سے ہونا چاہئے -

منیجر "ادیب" انڈین پریس' الہ‌آباد

تصریح تصاویر

اِس ماہ کی رنگین تصویر ایک جاپانی مصور کے کمال کا نمونہ ہے - ہجراں نصیبی کا جو عالم اس تصویر میں دکھایا گیا ہے' وہ نہایت موثر ہے - ہمارے کرمفرما منشی کندن لال صاحب شرر (سہارنپوری) نے اپنی دلکش نظم میں اسی تصویر کا خاکہ کھینچا ہے - گذشتہ نمبر میں جو تصویر "یکسُو" کی شائع ہوئی ہے وہ ایک بنگالی مصور کی کھینچی ہوئی تھی' جسمیں ہندوستان کے قدیم فن تصویر اور جاپانی فن تصویر کا تتبع کیا گیا ہے *

" رادھا اور کرشن " کی جو تصویر اس نمبر میں شائع کی جاتی ہے' وہ ایک پرانی رنگین تصویر کے فوٹو سے تیار کیگئی ہے - ناتھ دواره راجستھان میں بھی اسی سے ملتی جلتی ایک تصویر درج ہے - اس تصویر کا طبعی منظر بہت دلکش ہے - اس میں کرشن کو گوپال کی صورت میں دکھایا ہے - رادھا کے عقب میں جو لڑکی کھڑی ہے' وہ اُن کی ہم جلیس ہے - اصل تصویر لفٹنٹ امر سنگھہ صاحب سکنہ مہو (Mhow) کے پاس موجود ہے *

" دولھن کی سہیلیاں " بمبئی کے مشہور و معروف مصور' مستر دھرندھر' کے زور قلم کا نتیجہ ہے - بمبئی میں بنیوں کی ایک قوم ہے جسکا نام " پربھو " ہے - سوداگری میں یہہ لوگ بہت بڑے ہوئے ہیں اور امارت کے لحاظ سے بھی یہہ قوم نہایت وقیع ہے - اِن کے یہاں قاعدہ ہے کہ لڑکی کی شادی ہوچکنے کے بعد دولھن کی سہیلیاں اُسکو مبارکباد دینے کے لئے جمع ہوتی ہیں - اس تصویر میں بھی منظر دکھایا گیا ہے - " پربھو " قوم میں تعلیم نسواں کی خوب ترقی ہے - ان کے یہاں کی عورتیں اچھی پڑھی لکھی اور دستکاری میں یکتا ہوتی ہیں' بلکہ ان باتوں کے لحاظ سے وہ اپنے صوبہ میں اول شمار ہوتی ہیں - اس تصویر کی دلکشی اور جامعیت کا بیان مشکل ہے - ناگپور کی نمایش میں یہہ تصویر بیحد داد حاصل کرچکی ہے *

" رقص " والی تصویر ہندوستان کے فن تصویر کا ایک بہترین نمونہ ہے - الٰہآباد کی نمایش میں یہہ تصویر بھی رکھی گئی تھی - مبصرین فن تصویر کے خیال میں یہہ تصویر لا جواب ہے *

اگرچہ جون نمبر میں ہم اعلیٰ حضرت شہنشاہ جارج پنجم دام ملکہ و علیا حضرت ملکہ معظمہ میری دام اقبالہا کی دلکش فوٹو شائع کرچکے ہیں' مگر اس دفعہ ایک اور تصویر شائع کی جاتی ہے - یہہ ایک تازہ تصویر کی نقل ہے' اور اُمید ہے کہ ناظرین اسے زیادہ دلچسپی کے ساتھہ ملاحظہ فرمائیں گے *

" سامان تاجپوشی " کی تصویر میں وہ سب چیزیں دکھائی گئی ہیں جو حضور ملک معظم و ملکہ معظمہ کی تاجپوشی کے وقعہ پر استعمال میں آئی تھیں - اسمیں زیادہ تر وہ چیزیں شامل ہیں جن کے لئے اردو زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے - لہذا مناسب سمجھا گیا کہ ان کی تصریح انگریزی زبان ہی میں کردی جائے - صفحہ آیندہ پر ان کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں *

اس نمبر میں دو قلمی قطعے بھی درج کئے جاتے ہیں - انمیں سے اول قطعہ تو اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ وہ آخری شاہ مغلیہ کا نمونۂ تحریر ہے' اور دوسرا اس لحاظ سے کہ وہ خواجہ میر علی تبریزی کا نمونۂ تحریر ہے جو خوشنویسی میں فرد سمجھے جاتے تھے - قریب چار سو برس گذرے کہ میر علی نے یہہ قطعہ لکھکر بابر شاہ کے حضور میں پیش کیا تھا *



توسیع اشاعت — ذیل کے علمدوست اصحاب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے اس ماہ میں ادیب کی توسیع اشاعت میں دلچسپی لی ہے اور اپنے احباب کو اسکی خریداری پر مائل کیا ہے :—

(۱) مولوی تدبیرالدین احمد صاحب
(۲) ڈاکٹر ٹی' ریمل صاحب ایل ایف
(۳) پادری حاکم جان صاحب
(۴) مولوی محمد قاسم صاحب
(۵) مولوی عبدالکبیر خاں صاحب' سب اِنسپکٹر
(۶) سید غلام مصطفی باوا میاں صاحب
(۷) منشی مغیث الدین صاحب ناظی
(۸) منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی
(۹) منشی کاظم حسین صاحب فارسٹ رینجر
(۱۰) حاجی عنایت اللہ صاحب

سامان تاجپوشي

THE ROYAL REGALIA

used at the Coronation Ceremony of KING GEORGE and QUEEN MARY.

1. The Imperial Crown. It contains 227 pearls, 2,785 diamonds, 5 rubies, 17 sapphires and 10 emeralds, besides the great South African diamond. Many of these priceless stones have a romantic history. The Black Prince's Ruby in the cross immediately above the Star of South Africa was presented by Don Pedro the Cruel to the Black Prince, and was worn by Henry Fifth at Agincourt in the helmet, which may still be seen over his tomb in Westminster Abbey. In the Cross at the top of the Crown is the miraculous sapphire from Edward the Confessor's ring.
2. The Orb, a masterpiece of the jeweller's art, dating from 1662, copied from the orb of the Saxon Kings, and is symbolic of World Sovereignty, over which rises the cross of Christ.
3. St. Edward's Crown, with which the actual Ceremony of Coronation is performed. Copied in 1662 from the ancient Crown destroyed by Cromwell. This Crown is only worn once during the life of each sovereign, then only for a few minutes.
4. The Ampulla, to contain the Anointing Oil, and
5. the Anointing Spoon are the only remains of ancient regalia which escaped destruction in 1649
6. The Sword of State, emblem of punishment to evil-doers.
7. The Curtana, or Sword of Mercy with blunt edges.
8. St. George's Spurs, emblem of the King as the fount of all Knightly virtues, and first Soldier in the land.
9. The Sword of Temporal Justice.
10. The Sword of Spiritual Justice.
11. The Royal Sceptre, containing the Larger Pear Shaped "Star of Africa," the largest diamond in the world.
12. The Queen's Sceptre with Cross.
13. The Dove Sceptre, emblem of the King at peace with his subjects.
14. The Ivory Sceptre.
15. The Sword of Offering.
16. St. Edward's Staff, an emblem to guide the King in the footsteps of his canonised predecessor, St. Edward the Confessor.

17-18. The Maces of the Serjeants-at Arms.

हिंदी में दो नई उपयोगी पुस्तकें

चरित्रगठन ।

यह उपन्यास नहीं, न क़िस्से कहानी की किताब है। यह श्री बाबू ज्ञानेन्द्रमोहनदास के बँगला "चरित्रगठन" का हिन्दी अनुवाद है। सभी सभ्य समाज के प्रधान विद्वान् समालोचक मुक्तकण्ठ से इसकी प्रशंसा कर चुके हैं।

ग्रन्थकर्ता ने इस पुस्तक में चरित्रसुधार की जितनी बातें लिखी हैं, सभी मन्त्र के बराबर हैं। पढ़ने के साथ चित्त पर असर कर जाती हैं। कैसा ही कोई दुश्चरित्र क्यों न हो, जो इसे एक बार पढ़ेगा वह उसी घड़ी से अपने चरित्र-सुधार पर तत्पर होगा। इतना ही नहीं, बल्कि उसे दुश्चरित्रता की बातों पर इतनी घृणा उत्पन्न होगी कि वह भूल कर भी कभी उनका नाम न लेगा।

कितने ही लेाग अपने सन्तान को शिक्षित और सच्चरित्र बनाने के लिए हज़ारों रुपये ख़र्च कर डालते हैं, पर तो भी सफलमनोरथ नहीं होते। ऐसे लेाग एक बार अपने सन्तान को यह पुस्तक पढ़ने को दें, तब देखें, उनका मनोरथ कितना शीघ्र सफल होता है। जिसके घर में कम से कम एक प्रति भी चरित्रगठन रहेगा, उसके सन्तानों को दुश्चरित्र होने का भय कदापि न रहेगा।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें; और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही, किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेषरूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें।

२३२ पृष्ठ की ऐसी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ।॥) बारह आना है।

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा।

["बालसखा पुस्तकमाला" सीरीज़ की १५ वीं पुस्तक]

यदि मनुष्य के लिए सबसे बड़ी और सबसे पहले किसी बात की आवश्यकता है तो स्वास्थ्य-रक्षा की। यदि मनुष्य अपने कर्तव्य कर्म करना चाहता है तो उसे सबसे पहले स्वास्थ्य-सुधार का प्रयत्न करना चाहिए। जिनका स्वास्थ्य बिगड़ जाता है वे कुछ भी नहीं कर सकते। उनका जीवन भार-रूप हो जाता है। पर सरल हिन्दी में अभी तक कोई ऐसी पुस्तक नहीं थी कि जिससे लेाग स्वास्थ्य-सुधार के उपाय समझ सकें। इसी अभाव के दूर करने के लिए हमने यह "बालस्वास्थ्यरक्षा" नामक पुस्तक छापकर तैयार की है। इसकी भाषा बड़ी सरल है। इसके पढ़ने से लेागों को मालूम हो जायगा कि स्वास्थ्य किस प्रकार सुधर सकता है।

यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रहकर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रतिदिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

✱ ✱ ✱ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✱ ✱ ✱

कविता-कलाप ।

[पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदी द्वारा सम्पादित]

इस पुस्तक में सरस्वती से आरम्भ करके ४६ प्रकार की सचित्र कविताओं का संग्रह किया गया है। हिन्दी में ऐसा अनुपम संग्रह आज तक कहीं नहीं छपा। हिन्दी के प्रसिद्ध कवि राय देवीप्रसाद बी० ए०, बी० एल०, पण्डित नाथूराम शङ्कर शर्म्मा, पण्डित कामताप्रसाद गुरु, बाबू मैथिलीशरण गुप्त, पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदीजी को ओजस्विनी लेखनी से लिखी गई कविताओं का यह अपूर्व संग्रह प्रत्येक हिन्दीभाषाभाषी को मँगा कर पढ़ना चाहिए। इसमें अधिकांश चित्र प्रसिद्ध चित्रकार राजा रवि-वर्म्मा-अङ्कित हैं। इसमें कई चित्र रंगीन भी हैं। ऐसी उत्तम सचित्र पुस्तक का मूल्य २॥)

शिक्षा ।

(पं० महावीरप्रसाद द्विवेदी द्वारा अनुवादित)

अपनी सन्तति का जीवन सार्थक करना, अथवा उसे महा दुर्दमनीय आपदाओं में फँसाना, सर्वथा माता-पिता के हाथ में है। अतएव बाल-बच्चोंदार मनुष्य को चाहिए कि स्पेन्सर की शिक्षा-सम्बन्धिनी मीमांसा को पढ़ें और प्राणों से भी प्यारी अपनी सन्तति की शिक्षा का सुप्रबन्ध करके अपने पितृत्व-धर्म्म से उद्धार हों। जो इस समय विद्यार्थि-दशा में हैं वे भी एक दिन पिता के पद पर अवश्य आरूढ़ होंगे। इससे उन्हें भी इस पुस्तक से लाभ उठाने का यत्न करना चाहिए। हमने अपना कर्तव्य कर दिया। ऐसी उपयोगी, ऐसी आवश्यक, ऐसी समयोचित पुस्तक प्रकाशित कर दी। आशा है, जिनके लिए हमने यह काम किया वे भी इसका आदर करके अपना कर्तव्य-पालन करने में त्रुटि न करेंगे।

पुस्तक की भाषा क्लिष्ट नहीं है। पृष्ठ-संख्या ४०० से ऊपर है। कागज़ चिकना और मोटा है। छपाई साफ़-सुथरी है। सुवर्णाक्षरों से अलङ्कृत मनोहर जिल्द बँधी हुई है। आरम्भ में एक विस्तृत भूमिका है; हर्बर्ट स्पेन्सर का जीवनचरित है; पुस्तक का संक्षिप्त सारांश भी है। ऐसी अनमोल पुस्तक का मूल्य सिर्फ़ २॥) रक्खा गया है।

हिंदीकोविदरत्नमाला ।

[बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित]

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र और महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकों और सहायकों के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग का अकेला ही है। स्कूलों में ऊँची कक्षाओं में पढ़नेवाले छात्रों को यह पुस्तक पारितोषिक में देने योग्य है। प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी को यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए। मूल्य ४० हाफ़टोन चित्रों वाले पुस्तक का १॥)

जापान-दर्पण ।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टोन चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्य्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगोल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना और इतिहास आदि बातों का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया है। भारत की अधोगति पर आँसू बहाने वाले देशभक्तों को तो इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए। ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥) कर दिया।

عالم همه افسانهٔ ما دارد و ما هیچ

رسالہ تمدن، دهلی

انڈین پریس الہ آباد کا رسالہ ادیب جس سر گرمی سے زبان اُردو کی خدمت کر رہا ہے، وہ قدر دانان اُردو سے پوشیدہ نہیں - منشی نوبت رائے صاحب نظر، سابق اڈیٹر کی علحدگی سے احتمال تھا کہ ادیب کو نقصان نہ پہنچ جائے، مگر منشی پیارے لال صاحب شاکر، میرٹھی کی اڈیٹری نے یہہ یقین دلا دیا کہ رسالہ روز افزوں ترقی کرے گا - جون، جولائی کے دونو نمبر ایک سے ایک بڑھہ چڑھہ کر نکلے ہیں - متعدد رنگین و سادہ تصاویر نے مضامین کی شان اور بھی بلند کر دی ہے - ہم اس کامیابی پر اپنے محترم دوست منشی پیارے لال شاکر، میرٹھی، کو دل سے مبارک باد دیتے ہیں -

☘

اخبار صحیفہ، بجنور

رسالہ ادیب یہہ علمی، ادبی، اخلاقی، ماہوار رسالہ خاص الہ آباد سے نہایت آب و تاب کے ساتھہ دو سال سے ۴۸ بڑے صفحات پر نکل رہا ہے - اگرچہ شروع ہی سے یہہ رسالہ بہت سی خوبیوں کا مجموعہ ہے، لیکن جب سے منشی پیارے لال صاحب شاکر، میرٹھی، نے اس کی ایڈیٹری کا چارج لیا ہے، یہہ پرچہ اور بھی نوراً علی نور ہوگیا ہے، جیسا کہ ماہ جون، جولائی، اور اگست کے پرچوں سے واضح ہے - اس رسالہ کی لکھائی، چھپائی، اور کاغذ نہایت نفیس ہوتا ہے - جملہ مضامین، نظم و نثر، بھی مشہور اہل قلم کے لکھے ہوتے ہیں، اور ہر پرچہ میں ایک رنگین اور (کم سے کم) آٹھہ عکسی قابل دید تصاویر بھی ہوتی ہیں - اور سب سے زیادہ خوبی یہہ ہے، کہ اس کے مضامین پڑھنے والوں کو اس کا ہندو، مسلمان، ہونا ثابت نہیں ہوتا - باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت سالانہ چار روپیہ فی پرچہ، ۶ آنہ -

☘

اخبار عام، لاہور

ادیب یہہ یک ماہواری رسالہ ہے جسکی خوبیوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً لکھنا پڑتا ہے - اس کی لکھائی، چھپائی، ہر طرح سے قابل تعریف ہے - تھوڑے عرصہ سے بابو پیارے لال صاحب، شاکر، اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے زمانہ میں اسکو خوب ترقی دی ہے -

رسالہ الصحاب، بھوپال

رسالہ ادیب الہ آباد اُردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ اس میں "ادیب" اور "زمانہ" جیسے آب و تاب کے رسائل شائع ہوتے ہیں - ادیب، الہ آباد، اُردو زبان کی جسقدر خدمت کر رہا ہے، وہ ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے - مضامین کے اعتبار سے رسالہ "ادیب" کی ادبی دلچسپیاں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں - ہندوستان کے قابل مضمون نگاروں کے مضمونوں سے اسکی آب و تاب زیادہ ترقی کر رہی ہے، اور بہ نسبت سال گذشتہ کے اس نے زیادہ ہر دلعزیزی اور فروغ حاصل کیا ہے - لکھائی، چھپائی، بہت لا جواب ہے - تصویریں بہت عمدہ اور قابل تعریف ہوتی ہیں - قیمت بھی کچھہ زیادہ نہیں، صرف چار روپئے میں سال بھر تک ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہاتھہ آتا ہے - اس کے موجودہ ایڈیٹر، شاکر صاحب، ایک قابل اور ہندوستان کے مشہور انشاء پرداز ہیں - خیال ہے، کہ ان کے زمانہ میں "ادیب" بہت کچھہ ترقیاں اور خوبیاں حاصل کرےگا... تمام صورتوں میں رسالہ "ادیب" اس قابل ہے کہ ہندوستان کا ہر فرد بشر اسکو سر آنکھوں پر رکھے -

☘

اخبار وقائع رنگون، رنگون

ادیب نامی اردو کا باتصویر ماہواری رسالہ زیر ایڈیٹری منشی پیارے لال صاحب شاکر، میرٹھی، الہ آباد سے شائع ہوتا ہے، جو ملک کے تمام اُردو ماہواری رسالوں میں معزز و ممتاز شمار کیا جاتا ہے - لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی قابل تعریف، تصویریں نہایت ہے دلکش و دلفریب ہیں... حصہ نظم و نثر ملک کے ان مشہور اہل قلم حضرات کے کلام و مضامین سے آراستہ ہے، جو آج تمام ہندوستان میں مستند مانے جاتے ہیں - اس میں شک نہیں کہ منشی پیارے لال صاحب، شاکر، اس کے دلچسپ بنانے میں نہایت سرگرمی سے کام لے رہے ہیں اور امید ہے کہ آپ کے حسن سعی سے یہہ رسالہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ صورت اختیار کریگا - قدر دانان سخن و شائقان اُردو لٹریچر کو اس کی قدر کرنا چاہئے - اور کوئی انجمن، کوئی کلب، و کتبخانہ اس رسالہ سے خالی نہ رہنا چاہئے، کیونکہ اردو دانوں کیلئے "ادیب" سے بڑھکر دوسرا ادب آموز نہیں ہے -

اخبار پرکاش' لاهور

رسالۂ ادیب
الہ آباد

یوں تو هندوستان میں بہت سے علمی وادبی رسالے تھے لیکن اُردو زبان مین ایک ایسے رسالہ کی ازحد ضرورت تھی جو ولایت کے انگریزی میگزینوں کی طرح لکھائی چھپائی کی خوبی وعمدگی کے علاوہ' دلکش' رنگین' اور با موقعہ تصویروں سے بھی مزین و آراستہ هو - چنانچہ هم خوش هیں کہ رسالہ "ادیب" نے ۱½ سال سے وجود میں آکر اِس ضرورت کو پورا کر دیا هے اس کا هرنمبر رنگا رنگ کی دلفریب تصاویر' اور سبق آموز تواریخی و علمی مضامین ' اور دل آویز نظموں سے آراستہ و پیراستہ هوتا هے - "ادیب" کے موجودہ ایڈیٹر' بابو پیارے لال صاحب شاکر' جس محنت و قابلیت سے اپنے فرض کو انجام دے رهے هیں' وہ هر طرح سے قابل تعریف هے - اگست کا نمبر همارے روبرو هے - اسمیں ۲۰ عمدہ عمدہ مضامین اور نظمیں هیں - علاوہ ازیں ۱۲ عدد دلکش تصویریں اسکی رونق بڑھا رهی هیں' جن میں سے "هجراں نصیب یکشن" "دولھن کی سہیلیاں" "رادھا و کرشن" اور "رقص" خصوصیت سے دیکھنے کے لایق هیں - غرض کہ لکھائی چھپائی' کاغذ' فصاحت و سلاست زبان' هر لحاظ سے" ادیب" قابل تعریف هے -

بعض خطوط کا اقتباس

۱ - خان بہادر مرزا سلطان احمد خاں صاحب

"یہہ خوشي کي بات هے' کہ آپکي انتظامي کوششیں' متعلق رسالۂ ادیب' بہ فضل ایزدي کامیاب هوتي هیں - پورے جوبن اور ترقي میں نکلتا هے' جس کے واسطے آپ مبارک کے مستحق هیں"-

۲ - خان بہادر میر ناصر علي خاں صاحب' ایڈیٹر صلائے عام" دهلي

"ادیب کا اهتمام آپ خوب کر رهے هیں - مجھہ سے اس قدر نہیں هوسکتا "-

۳ - مجدد اُردو مولانا احمد حسن صاحب' شوکت' مدظلہ

"اگست کا ادیب هر طرح لا جواب نکلا هے - مرحبا!"

۴ - مولانا مرزا محمد هادي صاحب' عزیز' لکھنوي

اگست کا ادیب پہنچا' جو صوري و معنوي حیثیت سے مرصع هے - یہہ نمبر گذشتہ نمبروں سے بہت زیادہ دلچسپ هے - مجھے یقین هے کہ ادیب آپ کي ایڈیٹري میں هندوستان کو یورپ کے علمي کارنامے دکھلادیگا' اور اُسي سلیقہ سے کام لیگا - "رقص" کي تصویر نے ایک دوسرے عالم میں پہنچا دیا - آپ کي نظم "گل نیلوفر" نیچرل خیالات کے ساتھہ فلسفیانہ رنگ میں ڈوبي هوئي هے - لطف زبان' چستي بندش' هر حیثیت سے قابل ستایش هے - غرض کہ ادیب پر هر طرح اهل نظر کو وجد هے' کوئي مخصوص نظر چاهے رشک کرے!"

۵ - منشي شرف الدین احمد صاحب' رام پور

"سچ تو یہہ هے کہ جب سے آپ نے ایڈیٹري کا چارج لیا هے' ادیب اپنے مضامین علمي کے اعتبار سے نہایت قابلیت سے شائع هوتا هے - هندوستان میں اب یہي ایک رسالہ قابل قدر هے-"

۶ - مولوي سید احمد صاحب' مولف "فرهنگ آصفیہ"

"ادیب کے مضامین' انتخاب' اور تصاویر سے روز افزوں ترقي معلوم هوتي هے - خدا مبارک کرے!"

۷ - مسٹر نواب راے صاحب

"آپ کو ادیب کے قلمي معاونین کا دائرہ وسیع کرنے میں جو حیرت انگیز کامیابي هوئي هے' اُس پر دل سے مبارک باد دیتا هوں - اگست نمبر قابل داد هے - اب کوئي اسکا رقیب نہیں رها-"

۸ - منشي نادر علي خاں صاحب' نادر' کاکوروي

"آپ کي رباعیات اور نظم دیکھکر لطف ملتا هے' اور مجھے نہایت مسرت هے کہ آپ کي ایڈیٹري میں ادیب نئي نئي دلکشي پیدا کرتا جاتا هے -"

۹ - مولوي شعیب احمد صاحب' ندرت' میرٹھي

"میرے خیال میں اگست نمبر ادیب کے تمام نمبروں سے بہتر نکلا هے - اللهم زد فزد -"

۱۰ - مسٹر قیصر' ایڈیٹر الصحاب' ریاست بھوپال

"ادیب اپني قسمت پر جس قدر ناز کرے' بجا هے کہ اُس نے ایسے قابل شخص کو اپني ایڈیٹري کے واسطے منتخب کیا' جو اخبار نویسي سے بہرۂ وافي رکھتا هے... خدا آپ کو زندہ و سلامت رکھے کہ آپ کے دم سے بہت سے تشنگان علم ادب کي پیاس بجھہ رهي هے..."

۱۱ - منشي محمد حسین صاحب' محوي' لکھنوي

"اگست سنہ ۱۹۱۱ع کا ادیب بے مثل نکلا هے - حسن ظاهري اور باطني دونو کے لحاظ سے کمال پر پہنچا هوا هے - اثر' لکھنوي اور آپ کي نظم لاجواب تھي - حضرت شفق کا "نغمۂ روح" بھي لائق تعریف هے... سب مضامین اپنے اپنے طرزمیں بیحد قابل داد هیں - آپ کی کامیابي پر مبارک باد دیتا هوں -"

۱۲ - خواجہ غلام غوث صاحب' سعید' مانٹھبجی

" انصاف تو یہہ ہے کہ ادیب نے آپ کے قابل ہاتھوں میں نہ صرف اپنے رنگ ہی کو قائم رکھا' بلکہ کئی باتوں کا اضافہ بھی ہوا' جس سے مجھے امید ہے کہ ادیب کی دلچسپی آپ کی ایڈیٹری میں ضرور بڑھتی رہیگی - "

۱۳ - سید ناصر علی شاہ صاحب' مختار' لاہور

" میں صدق دل سے آپ کی کوششوں کا اعتراف کرتا ہوں' اور ادیب کو حیرت انگیز ترقی دینے میں جوکامیابی آپ نے حاصل کی ہے' اس کے لئے آپکو مبارکباد دیتاہوں - بمقابلہ سابق اب ادیب میں ہرقسم کی ترقی نظر آتی ہے - میں آپ کے لئے ہمیشہ دعا کرتا ہوں' کیونکہ میں آپ کو زبان اُردو کا محسن سمجھتا ہوں"

۱۴ - منشی رشید احمد صاحب' ارشد' تھانوی

" اگست کے ادیب میں آپ کی نظم " گل نیلوفر" بہت ہی دلچسپ ہے آج میں نے اُسے کئی مرتبہ پڑھکر لطف اُٹھایا' اور بےساختہ آپ کو داد دینے کو جی چاہا...ہر نمبر پہلے سے بڑھا چڑھا ہوتا ہے - سچ تو یہہ ہے کہ آپ کی نسبت ملک کو اس وقت تک غلط فہمی رہی - اب کوئی وجہ نہین کہ ملک آپ کی قدردانی نہ کرے - ستمبر کے ادیب کا شدید انتظار ہے - "

۱۵ - سکرٹری صاحب آریہ سماج' کرنال

" آپ کے رسالے دیکھکر بہت آنند ہوا - سب پرچے درحقیقت قابل تعریف ہیں - آجکل ایسےہی علمی اور مفید عام مضامین و رسالوں کی بہت ضرورت ہے - آپ نے اس کام میں جسقدر محنت و جانفشانی سے اعلی درجہ کے مضامین حاصل کرکے کامیابی حاصل کی ہے' میں اسپر آپ کو دھنیباد دیتا ہوں - "

ادیب کی گذشتہ جلدیں

جلد اول (جنوری لغایت جون سنہ ۱۹۱۰ع) جسمیں پچاس نامور اہل قلم کے ۸۵ مضامین نظم و نثر ۳۰۴ صفحوں پر درج ہیں - اور ۴۳ رنگین و سادہ ہاف ٹون تصویریں شامل ہیں - بہت کم جلدیں باقی ہیں - جلد طلب فرمائیے - قیمت صرف دو روپئے (علاوہ محصول) -

جلد سوم (جنوری لغایت جون ۱۹۱۱ع) جسمیں ۵۰ نامور اہل قلم کے ایکسو مضامین ۳۰۴ صفحوں پر درج ہیں' اور ۶۷ رنگین و سادہ ہاف ٹون تصویریں شامل ہیں - صرف آٹھہ مکمل جلدیں باقی ہیں - جلد طلب فرمائیے' ورنہ پھر یہہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکیگا - قیمت صرف دو روپئے (علاوہ محصول) -

جلد دوم کی کوئی مکمل جلد دفتر میں موجود نہیں - صرف چار پرچے یعنی جولائی' ستمبر' اکتوبر اور نومبر (سنہ ۱۹۱۰ع) موجود ہیں - ہر پرچہ بجائے خود مکمل ہے - جو صاحبان چاہیں' ان کو منگا سکتے ہیں - یہہ چار پرچوں کا سٹ صرف ڈیڑھہ روپیہ میں مل سکتا ہے - ان پرچوں کی بھی بہت کم تعداد موجود ہے -

منیجر ادیب' انڈین پریس' الہ آباد

ایک نئی کتاب

بودھ مذھب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ھے، وہ کسی اور کتاب کا نہیں - ابتداً یہہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی - ابتک بہت سی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ھوچکے ھیں - اس نادر کتاب میں مہاتما بدھ کے نصائح، بودھ مذھب کے اصول، اور وہ تمام باتیں جو اُنھوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں، درج ھیں جن کے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ھوتا ھے-

خوشی کی بات ھے کہ پنڈت مانک راؤ ویٹھیل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبان اُردو میں ترجمہ کرکے شائع کیا ھے- اس اُردو ترجمہ کا نام "اقوال بدھ" ھے - شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ھے - لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز - قیمت ۱۲ آنہ -



جام سرور

کا اول ایڈیشن قریب الاختتام ھے- اگر آپ نے ابتک اسکو نہیں دیکھا، تو جلد منگائیے، ورنہ افسوس کیجئے گا - اس مجموعہ میں سرور مرحوم کی وہ تمام مقبول عام نظمیں درج ھیں، جو ھندوستان کے مختلف پرچوں میں شائع ھوتی رھیں، اور جن کو خود مصنف نے نظر ثانی فرماکر انڈین پریس کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا -

قیمت صرف دو روپیہ (بلا جلد) -

منیجر انڈین پریس، الہ آباد

دربار دھلی کی شرکت کے متعلق نہایت آرام دہ خبر

تمام ھائینس - راجگان - مہاراجگان - نواب - روساء - تعلقداران و انگریزی افسران کی خدمت میں التماس ھے کہ جو صاحب دربار دھلی میں شریک ھونگے - ظاھر ھے کہ اُنکو مفصلہ ذیل اشیاء کی واسطے فوج - ملازمان و خاص نبج کے لئے سخت ضرورت ھوگی - اور یہہ اشیاء ھر حالت میں بوجھہ سخت زیرباری کرایہ وغیرہ کے وہ اپنے ساتھہ نہ لا سکینگے اور اُنکو دھلی ھی میں اُنکا بندوبست کرنا ھوگا لہذا چونکہ روز بروز ھر چیز کا نرخ گراں ھوتا جاتا ھے - اسلئے اُنکو مناسب ھے کہ وہ فوراً سے پیشتر ان اشیاء کا بندوبست کارخانہ ھذا سے بذریعہ خط و کتابت کے بہت کفایت کے ساتھہ کرلیں ورنہ زیادہ دیر کرنے سے عین وقت پر چوگنی قیمت دینے پر بھی دستیاب ھونی نا ممکن ھیں - نرخ وغیرہ دریافت کرنے اور تعداد ضرورت تحریر کرنے پر معلوم ھونگے - دریافت طلب حال کے لئے دو پیسے کا ٹکٹ ضرور آنا لازمی ھے- فہرست اشیاء:— بجری واسطے سڑک - کھونٹے واسطے ڈیرہ خیمہ - گملے خالی و معہ پھلواری - چار پائی - بانس - بلی - بان - بورے وغیرہ - مٹکے - گھاس - وغیرہ وغیرہ - بہت زیادہ تعداد کے فوجی آرڈرز و دیگر بھاری آرڈرز کو زیادہ ترجیح دیجاوےگی - نوٹ- ھر طرح کے بنگلہ - کوٹھی - وغیرہ کا انتظام بھی با کفایت ھوسکتا ھے -

مطلب سنگھرہ - یہہ ایک کتاب ھے جو اپنے طرز کی نرالی ھے - اگر آپ خود یا اپنے بچوں کو انگریزی ناگری یا بنگلہ سیکھنی یا سکھلانی چاھتے ھوں یا انمیں سے ایک سے واقف ھوں اور دوسری کے حاصل کرنے کے خواستگار ھوں تو یہہ کتاب بلا مدد کسی اُستاد کے بہت کم محنت کے ساتھہ تھوڑے ھی عرصہ میں بخوبی کام سکھلا دیتی ھے - اور زیادہ واقفیت پیدا کرنے کے واسطے اسمیں ناگری سے انگریزی و انگریزی سے ناگری کی ڈکشنری بھی نہایت سلیس معنونمیں دی ھے - دیگر اس کتاب میں تمام جواھرات کے شناخت و وزن کرنے کے طریقے و دیگر روزمرہ کے حساب کتاب - بل ھندی چٹھی وغیرہ لکھنے کے طرز بہت سے طریقوں سے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھہ دکھلائے ھیں - کاغذ نہایت قیمتی اور چکنا - چھپائی نہایت صاف اور چمکدار ۳۰۰ صفحات کا حجم قیمت معہ جلد دو روپیہ - بلا جلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ - ڈاک محصول وغیرہ علاوہ -

اعلی قسم کی مہندی- اس مہندی کی یہہ تعریف ھے کہ نازنین بدن پر لگاتے لگاتے اپنا رنگ ھاتھوں میں جما لیتی ھے - جس نازنین نے ایک مرتبہ بھی استعمال کی عمر بھر کے لئے اس پر عاشق ھوگئی - قیمت فی پونڈ ۴- آنہ -

ایم-ایل-ویلوشر اینڈ کو- ھولسیل مرچنٹ، دھلی

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشي کا مقام ھے کہ ھندوستان میں لڑکیوں کي تعلیم ترقي کر رھي ھے اور ھر شہر ھر قصبہ اور ھر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاري ھو رھے ھیں * اس ترقي تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ھوا ھے وہ محتاج تصریح نہیں * تاھم عام طور پر یہ شکایت بھي سني جاتي تھي کہ لڑکیوں کي تعلیم کے لئے ابھي تک کوئي ایسا نصاب نہیں تیار ھوا ھے جو اُنکي دماغي اور اخلاقي حالت کے مناسب حال ھو اور اُنھیں خاطر خواہ فائدہ پھونچاسکے * اسي شکایت کي بنا پر ھم نے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ھے جو ھر طرح اور ھر حیثیت سے مکمل ھے اور جسے صوبۂ ھذا کي تعلیمي کمیٹي نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاري کردیا ھے *

ان ریڈروں کي زبان کي نسبت اتنا ھي کہنا کافي ھے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کي اصلاح و نظر ثاني سے مزین ھیں * انمیں اخلاقي اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیزداري - معاشرت - امور خانہداري - بچوں کي پرورش - مریضوں کي تیمارداري - خاوند کي اطاعت - شرم و حیا - عفت و عصمت اور بیشمار کار آمد باتیں لکھي گئي ھیں * علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتا جي - دمینتي - سکنتلا - ساوتري - لیلاوتي - اھلیا بائي وغیرہ کي سوانح عمریاں اور چین و جاپان کي لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کي سمجھ میں آنیوالي زبان میں درج ھیں * کاغذ - لکھائي - چھپائي وغیرہ سب اعلی درجے کي ھیں جو انڈین پریس کا حصہ ھے * ان ریڈروں میں ۱۱۸ تصاویر بھي ھیں جنمیں ۳۲ تصاویر پورے صفحوں پر علحدہ چھاپکر شامل کیگئي ھیں * پورا نصاب حسب ذیل ھے —

اُردو کا نیا قاعدہ ... —۹ پائی | اپرپرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کانصاب)—۷ آنہ

اور پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب)—۶ آنہ | لورمڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کانصاب)—۸ آنہ

کل کتابیں منیجر انڈین پریس الہ آباد سے ملسکتي ھیں

ادیب کي سالانہ جلد

بہت مشکل سے ادیب کی سالانہ جلد کی چند کاپیاں مرتب کی گئی ھیں جنمیں بعض پرچے دو بارہ چھاپکر شائع کئے گئے ھیں - یہہ سالگذشتہ کی مکمل جلد ھے جسمیں ۹۳ رنگین و سادہ عکسی تصاویر اور ۱۹۷ مضامین ۶۰۰ صفحات پر درج ھیں - شایقین علم ادب کے لئے ایسا علمی خزانہ صرف چار روپیہ میں حاضر ھوسکتا ھے جو بالکل مفت ھے -

المشــــــــــــــــــــتھر

منیجر ادیب انڈین پریس الہ آباد

❋ ❋ ❋ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❋ ❋ ❋

बालहिन्दीव्याकरण ।

यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी का शुद्धरूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगाकर पढ़िए और अपने बालबच्चों को पढ़ाइए। इस पुस्तक से बालक और स्त्रियाँ सब बड़ी आसानी से हिन्दीभाषा का शुद्धरूप से बोलना और लिखना सीख जायँगे। स्कूलों में लड़के लड़कियों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। १३६ पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य ।) चार आने।

बालविष्णुपुराण ।

विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी-वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत-भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णुपुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य भी चार ही आना है।)

सीतावनवास ।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी और सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके अनुपम, पावन और अनुकरणीय चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्रीवाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने बंगभाषा में "सीतारवन-वास" नामक पुस्तक में लिखकर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है और जिस करुणारसभरी पुस्तक के बँगला में पचासों संस्करण छपे हैं और लाखों कापियाँ बिक चुकी हैं, उसी शिक्षाप्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावन-वास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीराम-चन्द्रजी-कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणारस-भरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

कर्मयोग ।

स्वामी विवेकानन्दजी के नाम से सभी शिक्षित मनुष्य परिचित होंगे। जिन्होंने उनके साथ वार्ता-लाप किया है, उनके व्याख्यान सुने हैं या उनके ग्रन्थों को पढ़ा सुना है वे अच्छी तरह जानते होंगे कि स्वामी विवेकानन्दजी अध्यात्म-विद्या के कैसे उद्भट विद्वान् थे। जिनके कर्मयोग-सम्बन्धी व्याख्यानों को सुनकर अमरीका आदि देशनिवासी पाश्चात्य विद्वान् भी वेदान्त की ओर झुक कर आध्यात्मिक ज्ञान के सम्पादन करने में दत्तचित्त हो रहे हैं उनके उन्हीं व्याख्यानों का हिन्दी-अनुवाद करा कर यह "कर्मयोग" नामक पुस्तक छापी है। इसमें सात अध्याय हैं। उनमें क्रमशः—१—कर्म का मनुष्य चरित्र पर प्रभाव, २—निष्काम कर्म का महत्त्व, ३—धर्म क्या है?, ४—परमार्थ में स्वार्थ ५—बेलाग रहना ही सच्चा त्याग है, ६—मुक्ति और ७—कर्मयोग का आदर्श—इन विषयों का वर्णन बहुत ही ओज-स्विनी भाषा में किया गया है। अध्यात्मविद्या या कर्मयोग के जिज्ञासुओं को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य केवल ।≈)

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

कविता-कलाप ।

[पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदी द्वारा सम्पादित]

इस पुस्तक में सरस्वती से आरम्भ करके ४६ प्रकार की सचित्र कविताओं का संग्रह किया गया है । हिन्दी में ऐसा अनुपम संग्रह आज तक कहीं नहीं छपा । हिन्दी के प्रसिद्ध कवि राय देवीप्रसाद बी० ए०, बी० एल०, पण्डित नाथूराम शङ्कर शर्म्मा, पण्डित कामताप्रसाद गुरु, बाबू मैथिलीशरण गुप्त, पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदीजी की ओजस्विनी लेखनी से लिखी गई कविताओं का यह अपूर्व संग्रह प्रत्येक हिन्दीभाषाभाषी को मँगा कर पढ़ना चाहिए । इसमें अधिकांश चित्र प्रसिद्ध चित्रकार राजा रवि-वर्म्मा-अङ्कित हैं । इसमें कई चित्र रंगीन भी हैं । ऐसी उत्तम सचित्र पुस्तक का मूल्य २॥)

शिक्षा ।

(पं० महावीरप्रसाद द्विवेदी द्वारा अनुवादित)

अपनी सन्तति का जीवन सार्थक करना, अथवा उसे महा दुर्दमनीय आपदाओं में फँसाना, सर्वथा माता-पिता के हाथ में है । अतएव बाल-बच्चोंदार मनुष्य को चाहिए कि स्पेन्सर की शिक्षा-सम्बन्धिनी मीमांसा को पढ़ें और प्राणों से भी प्यारी अपनी सन्तति की शिक्षा का सुप्रबन्ध करके अपने पितृत्व-धर्म्म से उद्धार हों । जो इस समय विद्यार्थि-दशा में हैं वे भी एक दिन पिता के पद पर अवश्य आरूढ़ होंगे । इससे उन्हें भी इस पुस्तक से लाभ उठाने का यत्न करना चाहिए । हमने अपना कर्तव्य कर दिया । ऐसी उपयोगी, ऐसी आवश्यक, ऐसी समयोचित पुस्तक प्रकाशित कर दी । आशा है, जिनके लिए हमने यह काम किया वे भी इसका आदर करके अपना कर्तव्य-पालन करने में त्रुटि न करेंगे ।

पुस्तक की भाषा क्लिष्ट नहीं है । पृष्ठ-संख्या ४०० से ऊपर है । काग़ज़ चिकना और मोटा है । छपाई साफ़-सुथरी है । सुवर्णाक्षरों से अलङ्कृत मनोहर जिल्द बँधी हुई है । आरम्भ में एक विस्तृत भूमिका है; हर्बर्ट स्पेन्सर का जीवनचरित है; पुस्तक का संक्षिप्त सारांश भी है । ऐसी अनमोल पुस्तक का मूल्य सिर्फ़ २॥) रक्खा गया है ।

हिंदीकोविदरत्नमाला ।

[बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित]

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र और महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकों और सहायकों के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं । हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग का अकेला ही है । स्कूलों में ऊँची कक्षाओं में पढ़नेवाले छात्रों को यह पुस्तक पारितोषिक में देने योग्य है । प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी को यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए । मूल्य ४० हाफ़टोन चित्रों वाले पुस्तक का १॥)

जापान-दर्पण ।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टोन चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्य्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगोल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना और इतिहास आदि बातों का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया है । भारत की अधोगति पर आँसू बहाने वाले देशभक्तों को तो इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए । ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥) कर दिया ।

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग ।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

रामचरितमानस ।

क्षेपकरहित असली रामायण

(इस पर कमीशन नहीं दिया जाता)

आज तक भारतवर्ष में जितनी रामायण छपीं और आजकल छप कर बिक रही हैं वे सब नक़ली हैं क्योंकि उनमें कितनेही दोहे—चौपाइयाँ लोगों ने पीछे से लिख कर मिला दिये हैं। असली रामायण तो केवल इंडियन प्रेस की छपी रामचरित-मानस ही है। क्योंकि इसका पाठ गुसाँईजी के हाथ की लिखी पोथी से मिला कर शोधा गया है। और भी कितनी ही पुरानी लिखित पुस्तकों से पाठ मिला मिला कर इसमें से कूड़ा करकट अलग निकाल दिया गया है। यही विशुद्ध रामायण हमने बड़े सुन्दर और मोटे अक्षरों में, बढ़िया काग़ज़ पर, छापी है। इसमें बड़ी उत्तम उत्तम ७८ तसवीरें भी लगा दी हैं। मूल्य आठ रुपये से घटा कर अब सिर्फ़ ४) ही कर दिया है। डाक द्वारा मँगाने पर १) ख़र्च लगेगा।

मानस-कोश ।

अर्थात्

"रामचरितमानस" के कठिन कठिन शब्दों का सरल अर्थ।

हमने काशी की नागरीप्रचारिणी सभा के द्वारा सम्पादित करा कर यह "मानसकोश" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इस "मानसकोश" को सामने रखकर रामायण के अर्थ समझने में हिन्दी-प्रेमियों को अब बड़ी सुगमता होगी। आप रामायण के कठिन से कठिन शब्द का अर्थ देखना चाहें तो यह कोश आपको तुरन्त बता देगा। इसमें उत्तमता यह है कि एक एक शब्द के एक एक दो दो नहीं, कई कई पर्यायवाचक शब्द देकर उनका अर्थ समझाया गया है। किसी किसी शब्द के तो पन्द्रह पन्द्रह बीस बीस पर्याय-वाचक शब्द दे दिये गये हैं। इसी से पाठक अनुमान कर सकते हैं कि "मानसकोश" कितना उपयोगी है। इसमें अकारादि क्रम से ६०४५ शब्द हैं और इसका आकार-प्रकार रामचरितमानस के समान ही सुन्दर है।

आशा है, साधारणतया सभी हिन्दी-प्रेमी, और विशेषकर रामायण के कठिन शब्दों का अर्थ समझनेवाले महाशय, इस "मानसकोश" को मँगाकर बहुत लाभ उठावेंगे। मूल्य केवल १) एक रुपया रक्खा गया है, जो पुस्तक की लागत और उपयोगिता के सामने कुछ भी नहीं है। जल्द मँगाइए।

सम्पत्तिशास्त्र ।

[पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदी लिखित]

आप जानते हैं जर्मन, अमरीका, इँगलैंड और जापान आदि देश दिन पर दिन क्यों समृद्धिशाली होते जाते हैं? क्या आपको मालूम है कि भारतवर्ष दिन पर दिन क्यों निर्धन होता जाता है? ऐसी कौन सी चीज़ है जिसके होने से दूसरे देश मालामाल होते चले जाते हैं और जिसके अभाव से यह भारत ग़ारत हो रहा है? लीजिए हम बताते हैं, उस चीज़ का नाम है "सम्पत्तिशास्त्र"। इसी के न जानने से आज यह भारत भूखों मर रहा है, दिन दिन निर्धन होता चला जा रहा है। आज तक हमारे देश में, हिन्दी भाषा में, ऐसा उत्तम शास्त्र कहीं नहीं छपा था। लीजिए, इसे पढ़कर देश की दशा सुधारिए। मूल्य सुवर्णवर्णाङ्कित जिल्द का २।।)

हिन्दी-व्याकरण ।

(बाबू माणिक्यचन्द्र जैनी बी० ए० कृत)

यह हिन्दी-व्याकरण अँगरेज़ी ढँग पर बनाया गया है। व्याकरण के प्रायः सब विषय ऐसी अच्छी रीति से समझाये गये हैं कि जो बड़ी आसानी से समझ में आ जाते हैं। हिन्दी-व्याकरण के जानने की इच्छा रखनेवालों को यह पुस्तक ज़रूर पढ़ना चाहिए। मूल्य ≈)॥

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

انڈین پریس، الہ آباد کی اردو کتابیں

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے۔ اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہم نے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ انمیں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمار داری خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بے شمار کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتا جی۔ دمینتی۔ شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنیوالی زبان میں درج ہیں کاغذ لکھائی چھپائی وغیرہ اعلیٰ درجہ کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۱۸ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۳۲ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کی گئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے۔

اردو کا نیا قاعدہ ---- ۲ پائی۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۵ر
لوئر پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۶ آنہ۔ سلور مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ر آنہ

جام سرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سرور کی شاعری محتاج تعریف نہیں جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مادر گیتی روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر ابتک آپنے "جام سرور" کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سرور مرحوم کی وہ تمام مقبول عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شائع ہوتی رہیں۔ اور جن کو خود مصنف نے نظر ثانی فرما کر انڈین پریس کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمایئے ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت غیر مجلد عہ دو روپیہ۔ قیمت مجلد عہ۸ دو روپیہ آٹھ آنہ

اقوال بودھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں ابتداءً یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ ابتک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں اس نادر کتاب میں مہاتما بودھ کے نصائح، بودھ مذہب کے اصول اور وہ تمام باتیں جو انہوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت مانک راؤ وٹھل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبان اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔ اس اردو ترجمہ کا نام "اقوال بودھ" ہے شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگا دی گئی ہے لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز۔ قیمت ۱۲ر آنہ۔

الف بے کا کھلونا

بچوں کو تعلیم دینے کے لئے اس کتاب سے بہتر کوئی اور کتاب نہیں ہو سکتی۔ اس کا نام تو کھلونا ہے مگر یہ کھلونا "تعلیمی کھلونا" ہے۔ کھیل ہی کھیل میں بچے حروف تہجی کو یاد کر لیتے ہیں۔ کاغذ عمدہ حروف موٹے۔ چھپائی اعلیٰ اور تصویریں رنگین ہیں قیمت بھی کچھ نہیں صرف دو آنہ۔ منگائیے اور اپنے بچوں کا دل بہلائیے۔

المشتہر: منیجر انڈین پریس، الہ آباد

اعلان عام

نہ صرف معمولی شعراء اردو فارسی بلکہ مشہور کاملانِ فن واقعی کامل شاعر بننا چاہیں تو مجدد کی جانب رجوع لائیں۔ اور اپنا کلام فارسی عربی اردو بھاشا بغرض اصلاح بھیجیں۔ پست مضامین بلند کردئے جائینگے۔ اور بلند، بلند تر۔ اور وہ اسکالر یا پروفیسر جو کورس کے بعض مقامات یا بعض اشعار نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارے پاس بھیجیں فیس کٹے ہو جانے پر انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔ کیونکہ اکثر اسکالر شاکی ہیں کہ ہم روپیہ بھی خرچ کرتے ہیں محنت بھی کرتے ہیں۔ مگر کچھ نتیجہ نہیں، اگر پروفیسروں پر سمجھنے کے لئے زور ڈالتے ہیں، تو جھڑکیاں کھاتے اور دھمکیاں سہتے ہیں کہ تم گستاخ ہو کالج سے خارج کردئے جاؤ گے، یا کلاس سے خارج کردئے جاؤ گے۔

المشتہر

مجدد السنہ مشرقیہ، احمد حسن شوکت مطبع شحنۂ ہند میرٹھ

برقی خضاب

طلسمی برقی خضاب میں اجزاء برقی شامل ہیں جلدی بالوں کی جڑ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ یہ عرق برش سے بالوں میں لگایا جاتا ہے اسمیں ذیل کی خوبیاں ہیں۔

(۱) سال میں تین مرتبہ یعنی ہر چار ماہ کے بعد لگایا جاتا ہے نئی جڑیں ایک ماہ تک سیاہ نکلتی ہیں۔ (۲) بال پائیدار سیاہ رنگ کے فوراً ہوتے ہیں کچھ زمانہ تک روز بروز سیاہی غالب ہوتی رہتی ہے۔ (۳) بال نرم رہتے ہیں جلد پر دھبہ نہیں پڑتا حسب ترکیب استعمال سے بال بھورے یا ہلکی سرخی و سیاہی مائل بھی ہو سکتے ہیں۔ (۴) قبل خشک ہونے کے جسمیں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں کاروبار چلنے پھرنے میں ہرج نہیں ہوتا۔ یہ امتیاز ہوتا ہے (۵) اجزاء خضاب کسی قسم کے خلاف نہیں نہ مضر صحت قابل قدر ملکی صنعت زیادہ تعداد کے خریداروں سے خاص معاملت ترکیب استعمال ہمراہ بکس علاوہ محصولڈاک بکس بلا خوشبو ایک روپیہ چار آنہ بکس خوشبودار دو روپیہ

پتہ: منیجر کارخانہ برقی خضاب کوٹھی نمبر ۲۲ قیصر باغ یا پارک ایڈ کو ہائی لکھنؤ

سوتی مشروع کے تھان

(ساختہ ملیح آباد ضلع لکھنؤ)

نہایت خوش وضع۔ پختہ رنگ۔ ریشمی سے زیادہ پائدار روزمرہ استعمال کے لائق کم خرچ بالانشین عمدہ لباس ہے مستورات اور بچوں کو بہت آرام دینیوالا کپڑا ہے اودا۔ کاسنی۔ گلابی۔ زوجی۔ بچرنگہ۔ بوٹی دار۔ یکرنگہ۔ سادہ۔ زرد۔ سرخ۔ سبز جس قسم کا مطلوب ہو منگا کر اصلی ریشمی سے مقابلہ کیجئے یقیناً ایک مرتبہ کے منگانے میں آپ ہمیشہ کے گاہک ہو جائیں گے۔ ایک تھان میں دو پاجامہ تیار رہتے ہیں عرض گیارہ گرہ طول ۸ گز قیمت عہ علاوہ محصول۔ اس قیمت پر پاجاموں کو بازار کی معمولی چھینٹ بھی نہیں ملتی ہے۔ ہم بالکل ارزاں فروخت کر رہے ہیں کہ ملک میں ہر طرف سے اس کپڑے کی مانگ ہو۔ اسوقت ہر قسم کا مال تیار ہے اپنی فرمائش بھیجکر آپ ضرور ہماری حوصلہ افزائی کریں۔ بیوپاریوں کو کفایت سے مال ملے گا۔ ۲ تھان سے کم روانہ نہ ہوگا

المشتہر

منیجر سوتی مشروع کنول ہار ملیح آباد ضلع لکھنؤ۔

جوہر خضاب ہمارا جوہر قدرتی بالوں کے موافق رنگ پیدا کرتا ہے بالکل بے عیب ہے استعمال میں بھی کم صرف ہوتا ہے تھوڑا سا پانی میں ملا کر بالوں پر لگانے ہی آناً فاناً بال سیاہ چمکدار ہو جاتے ہیں۔ بال ملایم رہتے ہیں۔ رنگ پختہ ہوتا ہے ملازمان گورنمنٹ اور علمداران سیاست کے لئے عمدہ چیز ہے پاؤ بھر کا ڈبہ قیمت ۸ محصول ہر صرف ۱۲ کا منگا کر امتحان کریں۔ نذیر احمد خان منیجر منگلو باتش ایجنسی ملیح آباد ضلع لکھنؤ۔

ادیب جلد اوّل

(جنوری تا نہایت جون ۱۹۱۱ء)

جسمیں پچاس نامور اہل قلم کے ۸۰ مضامین نظم و نثر ۴۸۰ صفحوں پر درج ہیں۔ اور ۴۴ رنگین و سادہ ہاف ٹون تصویریں شامل ہیں۔ بہت کم جلدیں باقی ہیں۔ جلد طلب فرمائے۔ ورنہ پھر یہ علمی ذخیرہ کسی قیمت پر نہ مل سکے گا۔ قیمت صرف دو روپیہ (علاوہ محصول)

جلد دوم و سوم کی کوئی مکمل جلد دفتر میں موجود نہیں مختلف پرچے موجود ہیں جو ۲ فی پرچہ کے حساب سے مل سکتے ہیں۔ ہر پرچہ بجائے خود مکمل ہے۔ مختلف پرچوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔

المشتہر

منیجر ادیب، انڈین پریس الہ آباد

FOR SALE.

INTERESTING AND INSTRUCTIVE PROFUSELY ILLUSTRATED BOOKS.

Rs. a. p.

1. **Allahabad in Pictures,** containing an account of the Past History, the antiquities and principal sights of Allahabad with information about Allahabad as it is and the U. P. Exhibition, by Satya Chandra Mukerji, M.A., B.L. Price 2 8 0

2. **Agra in Pictures,** containing an account of the Past History of Agra and an exhaustive description of the principal sights and buildings of Agra and its neighbourhood. By Satya Chandra Mukerji, M.A., B.L. A splendid Drawing Room Book. An excellent guide to Agra. Price 5 0 0

3. **Kashi,** the City illustrious, or **Benares** illustrated. By Rev. Edwin Greaves. Fully treats of matters—Ethnographical, Architectural, Historical, Educational and what not, about the world-famous City of Benares, from a very sympathetic and scholarly point of view. Best Guide Book to pilgrims. Price 2 8 0

4. **Life of Ravi Varma,** the greatest Indian Artist, with illustrations from his paintings with explanatory notes of each of them. The following paintings have been included in the book—those marked with an asterik are not available elsewhere :—

* RAVI VARMA.	* DRAUPADI AND SINHIKA.
SHAKUNTALA.	RADHA.
* RAJ VARMA.	VANITY.
TADGATACHITTA (on tiptoe of expectation).	BASHFULNESS.
	MALATI.
SITA AND THE GOLDEN DEER.	ARJUN AND SUBHADRA.
* SITA AT THE ASHOKA BAN.	AHALYA.
* RUKMANGAD AND MOHINI.	DESCENT OF GANGA.
* RADHA AND KRISHNA.	A MALABAR LADY.
* SITA DISAPPEARING IN THE GROUND.	JOGI GOPICHAND.
	MOHINI.
* DRAUPADI AND KICHAK (at the State Chamber of KING BIRAT).	DAMAYANTI.

Printed on highly-finished Art paper and bound in gilt cover. Postage extra. Price 3 0 0

Rs. a. p.

Lawyer's Vade Mecum for Civil and Criminal Courts.

For the whole series (payable by instalments of Rs. 4 per month on the publication of of each Vol.) 28 0 0

For the whole series 5 Civil Law Vols. to be realised by instalments of Rs. 4-8 on the publication of each Vol. 22 8 0

For each of the 5 Vols. separately ... 6 0 0

For the 2 Criminal Law Vols. to be realised by instalments of Rs. 5 each 10 0 0

For each of the 2 Vols. separately ... 6 0 0

PRICE LIST FREE ON APPLICATION.

For copies of these fine books and for other interesting and instructive books in English, Hindi, Urdu and Bengali,

Apply to—**THE MANAGER, INDIAN PRESS,**

3, Pioneer Road, ALLAHABAD.

हिन्दी-मेघदूत

कविकुल-कुमुद-कलाधर कालिदास कृत मेघदूत का समवृत्त और समश्लोकी हिन्दी-अनुवाद मूल श्लोक सहित—मूल्य नाम मात्र के लिए ।=)

हिन्दी-साहित्य में यह ग्रन्थ अपने ढंग का अकेला है। कविता-प्रेमियों—विशेष करके खड़ी बोली की हिन्दी-कविता के रसिकों—को यह हिन्दी-मेघदूत अवश्य देखना चाहिए। बड़ी मनोहारिणी कविता है। पुस्तक के आरम्भ में अनुवादक पण्डित लक्ष्मीधर वाजपेयी का हाफ़टोन चित्र दिया गया है। इसके अतिरिक्त विरही यक्ष और विरहिणी यक्षपत्नी के दो सुन्दर रंगीन चित्र भी यथास्थान दिये गये हैं। पुस्तक की शोभा देखते ही बनती है। "अवसि देखिए देखन योगू"

प्रकृति

यह पुस्तक पण्डित रामेन्द्रसुन्दर त्रिवेदी, एम० ए० की बँगला 'प्रकृति' का हिन्दी-अनुवाद है। बँगला में इस पुस्तक की बहुत प्रतिष्ठा है। विषय वैज्ञानिक है। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग की एकही है। इस पुस्तक को पढ़ कर हिन्दी जानने वालों को अनेक विज्ञान-सम्बन्धी बातों से परिचय हो जायगा। इसमें सौर जगत् की उत्पत्ति, आकाश-तरंग, पृथिवी की आयु, मृत्यु, आर्यजाति, परमाणु, प्रलय आदि १४ विषयों पर बड़ी उत्तमता से निबन्ध लिखे गये हैं। आशा है, हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को विशेष चाव के साथ मँगाकर पढ़ेंगे और अनेक लाभ उठावेंगे। मूल्य १)

पार्वती और यशोदा

इस उपन्यास में स्त्रियों के लिए अनेक शिक्षायें दी गई हैं। इसमें दो प्रकार के स्त्री-स्वभावों का ऐसा अच्छा फ़ोटो खींचा गया है कि समझते ही बनता है। स्त्रियों के लिए ऐसे ऐसे उपन्यासों की अत्यन्त आवश्यकता है। 'सरस्वती' के प्रसिद्ध कवि पण्डित कामताप्रसाद गुरु ने ऐसा शिक्षादायक उपन्यास लिखकर हिन्दी पढ़ी लिखी स्त्रियों का बहुत उपकार किया है। हर एक स्त्री को यह उपन्यास अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य ।=)

बालनिबन्धमाला

यह 'बालसखा-पुस्तकमाला' की अठारहवीं पुस्तक है। इसमें कोई ३५ शिक्षादायक विषयों पर, बड़ी सुन्दर भाषा में, निबन्ध लिखे गये हैं। बालकों के लिए तो यह पुस्तक उत्तम गुरु का काम देगी। ज़रूर मँगाइए। मूल्य ।=)

मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

बालविष्णुपुराण।

१४—विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णु-पुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। मूल्य ।)

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा।

१५—यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रह कर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रति दिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य-मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

बालगीतावलि।

१६—महाभारत में क्या नहीं है। उसमें सभी कुछ मौजूद है। महाभारत को रत्नों का सागर कहना चाहिए, शिक्षा का भण्डार कहना चाहिए। आप जानते हैं "बालगीतावलि" में क्या है? इसमें महाभारत में से ९ गीताओं का संग्रह किया गया है। इन गीताओं में ऐसी उत्तम उत्तम शिक्षायें हैं कि जिनके अनुसार बर्ताव करने से मनुष्य का परम कल्याण हो सकता है। हमें पूरी आशा है कि समस्त हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को पढ़ कर उत्तम शिक्षा का लाभ करेंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

सीतावनवास।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी और सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके पवित्र चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्रीवाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने वंगभाषा में "सीतारवनवास" नामक पुस्तक में लिख कर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है उसी शिक्षा-प्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावनवास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीरामचन्द्रजी-कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणा-रस-भरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

हिन्दीभाषा की उत्पत्ति।

यह पुस्तक हर एक हिन्दी जाननेवाले को पढ़ना चाहिए। इसके पढ़ने से मालूम होगा कि हिन्दी भाषा की उत्पत्ति कहाँ से है। पुस्तक बड़ी खोज के साथ लिखी गई है। हिन्दी में ऐसी पुस्तक, हमारी राय में, अभी तक कहीं नहीं छपी। एक हिन्दी ही नहीं इसमें और भी कितनी हीं हिन्दुस्तानी भाषाओं का विचार किया गया है। मूल्य ।)

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालगीता।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालआख्योपन्यास (सचित्र)।

प्रथम भाग

१०—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य ॥)

बालपंचतंत्र।

११—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश।

१२—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण।

१३—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

बालभारत—पहला भाग।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य ।)

बालनीतिमाला।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

❋ ❋ ❋ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❋ ❋ ❋

ऋद्धि।

कोई मनुष्य ऐसा न मिलेगा जिसे ऋद्धि की चाह न हो। किन्तु इच्छा रखते हुए भी ऋद्धि-साधन का उपाय न जानने के कारण कितने ही लोग सफलमनोरथ न होकर भाग्य को दोष देते हैं और श्रीवृद्धि के प्रयत्न से विमुख होकर कष्ट पाते हैं। जो लोग भाग्य के भरोसे रह कर दरिद्रता का दुःख झेलते हुए भी ऋद्धि-प्राप्ति के लिए कुछ उद्योग नहीं करते उनके लिए यह पुस्तक बड़े काम की है। इस पुस्तक में उदाहरण के लिए उन अनेक उद्योगशील, निष्ठावान् कर्मवीरों की संक्षिप्त जीवनी दी गई है जो लोग स्वावलम्बन-पूर्वक व्यवसाय करके अपनी दरिद्रता दूर कर करोड़पति हो गये हैं। इतनी बढ़िया पुस्तक का मूल्य सजिल्द होने पर भी केवल १।) सवा रुपया रक्खा गया है।

कविता-कुसुम-माला।

इस पुस्तक में विविध विषयों से सम्बन्ध रखने वाली भिन्न भिन्न कवियों की रची हुई अत्यन्त मनोहारिणी, रसवती और चमत्कारिणी ९१ कविताओं का संग्रह है। हिन्दी कविताओं का ऐसा उपादेय संग्रह आज तक कहीं नहीं छपा। मूल्य ॥=) दश आने।

भारतवर्ष में पश्चिमीय शिक्षा।

श्रीमान् पण्डित मनोहरलाल ज़ुतशी, एम० ए० के नाम को कौन नहीं जानता। आप उर्दू और अँगरेज़ी के प्रसिद्ध लेखक हैं। आपने "एज्युकेशन इन ब्रिटिश इंडिया" नामक एक पुस्तक अँगरेज़ी में लिखी है और उसे इंडियन प्रेस, प्रयाग ने छापकर प्रकाशित किया है। पुस्तक बड़ी खोज के साथ लिखी गई है। उक्त पुस्तक का सारांश हिन्दी और उर्दू में भी छप गया है। आशा है हिन्दी और उर्दू के पाठक इस उपयोगी पुस्तक को मँगाकर अवश्य लाभ उठावेंगे। मूल्य इस प्रकार है :—

एज्युकेशन इन ब्रिटिश इंडिया (अँगरेज़ी में)	२॥)
भारतवर्ष में पश्चिमीय शिक्षा (हिन्दी में)	।=)
हिन्द में मग़रबी तालीम (उर्दू में)	।=)

संक्षिप्त इतिहासमाला।

लीजिए, हिन्दी में जिस चीज़ की कमी थी उसकी पूर्ति का भी प्रबन्ध हो गया। हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित श्यामविहारी मिश्र, एम० ए० और पण्डित शुकदेवविहारी मिश्र, बी० ए० के सम्पादकत्व में पृथ्वी के सभी प्रसिद्ध प्रसिद्ध देशों के हिन्दी में संक्षिप्त इतिहास तैयार होने का प्रबन्ध किया गया है। यह समस्त इतिहासमाला कोई २०, २२ संख्याओं में पूर्ण होगी। इसकी क्रमशः एक एक पुस्तक इंडियन प्रेस, प्रयाग, से प्रकाशित होती रहेगी। अब तक ये ४ पुस्तकें छप चुकी हैं :—

१—जर्मनी का इतिहास	...	।=)
२—फ़्रांस का इतिहास	...	।≡)
३—रूस का इतिहास	...	।=)
४—इँगलेंड का इतिहास	...	॥=)

बालसखा-पुस्तकमाला।

इंडियन प्रेस, प्रयाग से "बालसखा पुस्तकमाला" नामक सीरीज़ में जितनी किताबें आज तक निकली हैं वे सब हिन्दी-पाठकों के लिए, विशेष कर बालक-बालिकाओं और स्त्रियों के लिए, परमोपयोगी प्रमाणित हो चुकी हैं। इस 'माला' की सब किताबों की भाषा ऐसी सरल—सबके समझने योग्य—रक्खी है कि जिसे थोड़े पढ़े लिखे बालक भी बड़ी आसानी से पढ़ कर समझ लेते हैं। हिन्दी-समाचारपत्रों के सम्पादकों ने उक्त 'माला' के पुस्तकों की बड़ी प्रशंसा-पूर्ण आलोचना की है। यही नहीं बल्कि इस 'माला' की कई किताबें सरकारी स्कूलों में भी जारी हो गई हैं। इस 'माला' में अब तक जितनी पुस्तकें निकल चुकी हैं उनका संक्षिप्त विवरण यहां दिया जाता है :—

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

[कविरत्न श्रीअखिलानन्द-प्रणीत]

दयानन्ददिग्विजय ।

महाकाव्य

हिन्दी-अनुवादसहित

जिसके देखने के लिए सहस्रों आर्य्य वर्षों से उत्कण्ठित हो रहे थे, जिसके रसास्वादन के लिए सैकड़ों संस्कृतज्ञ विद्वान् लालायित हो रहे थे, जिसकी सरल, मधुर और रसीली कविता के लिए सहस्रों आर्यों की वाणी चंचल हो रही थी वही महाकाव्य छप कर तैयार हो गया। यह ग्रन्थ आर्य-समाज के लिए बड़े गौरव की चीज़ है। इसे आर्यों का भूषण कहें तो अत्युक्ति न होगी। स्वामीजी कृत ग्रन्थों को छोड़ कर आज तक आर्य-समाज में जितने छोटे बड़े ग्रन्थ बने हैं उन सबमें इसका आसन ऊँचा है। प्रत्येक वैदिकधर्मानुरागी आर्य को यह ग्रन्थ लेकर अपने घर को अवश्य पवित्र करना चाहिए। यह महाकाव्य २१ सर्गों में सम्पूर्ण हुआ है। मूल ग्रन्थ के रायल आठ पेजी साँची के ६१५ पृष्ठ हैं। इसके अतिरिक्त ५७ पृष्ठों में भूमिका, ग्रन्थकार का परिचय, विषयानुक्रमणिका, आवश्यक विवरण, त्रुटिपूर्ति, यन्त्रालय-प्रशस्ति और सहायक-सूची आदि अनेक विषयों का समावेश किया गया है।

उत्तम सुनहरी जिल्द बँधी हुई इतनी भारी पोथी का मूल्य सर्वसाधारण के सुभीते के लिए केवल ४) चार रुपये ही रक्खा है। जल्द मँगाइए।

सम्पत्तिशास्त्र ।

आप जानते हैं जर्मन, अमरीका, इँगलैंड और जापान आदि देश दिन दिन क्यों समृद्धिशाली होते जाते हैं! क्या आपको मालूम है कि भारतवर्ष दिन पर दिन क्यों निर्धन होता जाता है? ऐसी कौनसी चीज़ है जिसके होने से दूसरे देश मालामाल होते चले जाते हैं और जिसके अभाव से यह भारत ग़ारत हो रहा है। ? लीजिए हम बताते हैं, उस चीज़ का नाम है "सम्पत्तिशास्त्र"। इसी के न जानने से आज यह भारत भूखों मर रहा है, दिन दिन निर्धन होता चला आ रहा है। आज तक हमारे देश में, हिन्दी भाषा में, ऐसा उत्तम शास्त्र कहीं नहीं छपा था। लीजिए, इसे पढ़ कर देश की दशा सुधारिए। मूल्य सुवर्णवर्णाङ्कित जिल्द का २॥) ढाई रुपये।

कविता-कलाप।

इस पुस्तक में सरस्वती से आरम्भ करके ४६ प्रकार की सचित्र कविताओं का संग्रह किया गया है। हिन्दी के प्रसिद्ध कवि राय देवीप्रसाद बी० ए० बी० एल०, पण्डित नाथूराम शङ्कर शर्मा, पण्डित कामताप्रसाद गुरु, बाबू मैथिलीशरण गुप्त, और पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदीजी की ओजस्विनी लेखनी से लिखी गई कविताओं का यह अपूर्व संग्रह प्रत्येक हिन्दीभाषाभाषी को मँगा कर पढ़ना चाहिए। इसमें कई चित्र रंगीन भी हैं। ऐसी उत्तम सचित्र पुस्तक का मूल्य केवल २॥) ढाई रुपये।

शिक्षा ।

बाल-बच्चोंदार मनुष्य को चाहिए कि स्पेन्सर की शिक्षासम्बन्धिनी मीमांसा को पढ़ें और अपनी सन्तति की शिक्षा का सुप्रबन्ध करके अपने पितृत्व-धर्म्म से उद्धार हों। जो इस समय विद्यार्थि-दशा में हैं वे भी एक दिन पिता के पद पर अवश्य आरूढ़ होंगे। इससे उन्हें भी इस पुस्तक से लाभ उठाने का यत्न करना चाहिए। पुस्तक की भाषा क्लिष्ट नहीं है। पृष्ठ-संख्या ४०० से ऊपर है। काग़ज़ चिकना और मोटा है। छपाई साफ़-सुथरी है। सुवर्णाक्षरों से अलङ्कृत मनोहर जिल्द बँधी हुई है। आरम्भ में एक विस्तृत भूमिका है; हर्बर्ट स्पेंसर का जीवन-चरित है। पुस्तक का संक्षिप्त सारांश भी है। ऐसी अनमोल पुस्तक का मूल्य सिर्फ़ २॥) ढाई रुपया रक्खा गया है।

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

हिन्दी-मेघदूत

कविकुल-कुमुद-कलाधर कालिदास कृत मेघदूत का समवृत्त और समश्लोकी हिन्दी-अनुवाद मूल श्लोक सहित—मूल्य नाम मात्र के लिए ।=)

हिन्दी-साहित्य में यह ग्रन्थ अपने ढंग का अकेला है। कविता-प्रेमियों—विशेष करके खड़ी बोली की हिन्दी-कविता के रसिकों—को यह हिन्दी-मेघदूत अवश्य देखना चाहिए। बड़ी मनोहारिणी कविता है। पुस्तक के आरम्भ में अनुवादक पण्डित लक्ष्मीधर वाजपेयी का हाफ़टोन चित्र दिया गया है। इसके अतिरिक्त विरही यक्ष और विरहिणी यक्षपत्नी के दो सुन्दर रंगीन चित्र भी यथास्थान दिये गये हैं। पुस्तक की शोभा देखते ही बनती है। "अवसि देखिए देखन योगू"

प्रकृति

यह पुस्तक पण्डित रामेन्द्रसुन्दर त्रिवेदी, एम० ए० की बँगला 'प्रकृति' का हिन्दी-अनुवाद है। बँगला में इस पुस्तक की बहुत प्रतिष्ठा है। विषय वैज्ञानिक है। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग की एकही है। इस पुस्तक को पढ़ कर हिन्दी जानने वालों को अनेक विज्ञान-सम्बन्धी बातों से परिचय हो जायगा। इसमें सौर जगत् की उत्पत्ति, आकाश-तरंग, पृथिवी की आयु, मृत्यु, आर्यजाति, परमाणु, प्रलय आदि १४ विषयों पर बड़ी उत्तमता से निबन्ध लिखे गये हैं। आशा है, हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को विशेष चाव के साथ मँगाकर पढ़ेंगे और अनेक लाभ उठावेंगे। मूल्य १)

पार्वती और यशोदा

इस उपन्यास में स्त्रियों के लिए अनेक शिक्षायें दी गई हैं। इसमें दो प्रकार के स्त्री-स्वभावों का ऐसा अच्छा फ़ोटो खींचा गया है कि समझते ही बनता है। स्त्रियों के लिए ऐसे ऐसे उपन्यासों की अत्यन्त आवश्यकता है। 'सरस्वती' के प्रसिद्ध कवि पण्डित कामताप्रसाद गुरु ने ऐसा शिक्षादायक उपन्यास लिखकर हिन्दी पढ़ी लिखी स्त्रियों का बहुत उपकार किया है। हर एक स्त्री को यह उपन्यास अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य ।=)

बालनिबन्धमाला

यह 'बालसखा-पुस्तकमाला' की अठारहवीं पुस्तक है। इसमें कोई ३५ शिक्षादायक विषयों पर, बड़ी सुन्दर भाषा में, निबन्ध लिखे गये हैं। बालकों के लिए तो यह पुस्तक उत्तम गुरु का काम देगी। ज़रूर मँगाइए। मूल्य ।=)

मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

✲ ✲ ✲ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✲ ✲ ✲

बालगीता ।

८—गीता की एक एक शिक्षा, एक एक बात मनुष्यों को भुक्ति और मुक्ति की देनेवाली है। ऐहिक और पारमार्थिक सुख चाहने वालों को गीता के उपदेशों से ज़रूर शिक्षा लेनी चाहिए। गीता में जगह जगह ऐसा अमृतमय उपदेश भरा हुआ है कि जिसके पान से मनुष्य अमर-पदवी तक पा सकता है। श्रीकृष्णचन्द्र महाराज के मुखारविन्द से निकले हुए सदुपदेश को कौन हिन्दू न पढ़ना चाहेगा? अपने आत्मा को पवित्र और बलिष्ठ बनाने के लिए यह "बालगीता" ज़रूर पढ़नी चाहिए। इसमें पूरी गीता का सार बड़ी सरल भाषा में लिखा गया है। मूल्य ॥)

बालोपदेश ।

९—यह पुस्तक बालकों को ही नहीं युवा, वृद्ध, वनिता सभी को उपयोगी तथा चतुर, धर्मात्मा और शीलसम्पन्न बनाने वाली है। राजा भर्तृहरि के विमल अन्तःकरण में जब संसार से वैराग्य उत्पन्न हुआ था तब उन्होंने एक दम भरा पूरा राज-पाट छोड़ कर संन्यास ले लिया था। उस परमानन्दमयी अवस्था में उन्होंने वैराग्य और नीति-सम्बन्धी दो शतक बनाये थे। इस 'बालोपदेश' में उन्हीं भर्तृहरि-कृत नीतिशतक का पूरा और वैराग्यशतक का संक्षिप्त हिन्दी अनुवाद छापा गया है। यह पुस्तक स्कूलों में बालकों के पढ़ने के लिए बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।)

बालआख्योपन्यास (सचित्र)।

प्रथम भाग

१०—दिलचस्प क़िस्से कहानियों के लिए दुनिया भर के उपन्यासों में अरबियन नाइट्स का नम्बर सबसे पहला है। इसमें से कुछ अयोग्य कहानियों को निकाल कर, यह विशुद्ध संस्करण निकाला गया है, इसलिए, अब, यह किताब क्या स्त्री, क्या पुरुष सभी के पढ़ने लायक़ है। इसके पढ़ने से हिन्दी-भाषा का प्रचार होगा, मनोरञ्जन होगा, घर बैठे दुनिया की सैर होगी, बुद्धि और विचार-शक्ति बढ़ेगी, चतुराई सीखने में आवेगी, साहस और हिम्मत बढ़ेगी। कहाँ तक कहें, इसके पढ़ने से अनेक लाभ होंगे। मूल्य ॥)

बालपंचतंत्र ।

११—इसके पाँचों तंत्रों में बड़ी मनोरंजक कहानियों के द्वारा सरल रीति पर नीति की शिक्षा दी गई है। बालक-बालिकायें इसकी मनोरंजक कहानियों को बड़े चाव से पढ़ कर नीति की शिक्षा ग्रहण कर सकती हैं। यह "बालपंचतंत्र" विष्णुशर्मा कृत असली पंचतंत्र का सरल हिन्दी में सार है। यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दीपाठक और विशेष कर बालकों के पढ़ने के योग्य है। मूल्य केवल ॥) आठ आने।

बालहितोपदेश ।

१२—इस पुस्तक के पढ़ने से बालकों की बुद्धि बढ़ती है, नीति की शिक्षा मिलती है, मित्रता के लाभों का ज्ञान होता है और शत्रुओं के पंजे में न फँसने और फँस जाने पर उससे निकलने के उपायों और कर्त्तव्यों का बोध हो जाता है। यह पुस्तक, पुरुष हो या स्त्री, बालक हो या बूढ़ा, सभी के काम की है। इसे अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य आठ आने।

बालहिन्दीव्याकरण ।

१३—यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी शुद्ध रूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगा कर पढ़िए और अपने बाल-बच्चों को पढ़ाइए। स्कूलों में लड़कों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। मूल्य ।) चार आने।

✻ ✻ ✻ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✻ ✻ ✻

बालभारत—पहला भाग ।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग ।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड ।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति ।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य ।)

बालनीतिमाला ।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग ।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग ।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला ।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

ऋद्धि।

कोई मनुष्य ऐसा न मिलेगा जिसे ऋद्धि की चाह न हो। किन्तु इच्छा रखते हुए भी ऋद्धि-साधन का उपाय न जानने के कारण कितने ही लोग सफलमनोरथ न होकर भाग्य को दोष देते हैं और श्रीवृद्धि के प्रयत्न से विमुख होकर कष्ट पाते हैं। जो लोग भाग्य के भरोसे रह कर दरिद्रता का दुःख झेलते हुए भी ऋद्धि-प्राप्ति के लिए कुछ उद्योग नहीं करते उनके लिए यह पुस्तक बड़े काम की है। इस पुस्तक में उदाहरण के लिए उन अनेक उद्योगशील, निष्ठावान् कर्मवीरों की संक्षिप्त जीवनी दी गई है जो लोग स्वावलम्बन-पूर्वक व्यवसाय करके अपनी दरिद्रता दूर कर करोड़पति हो गये हैं। इतनी बढ़िया पुस्तक का मूल्य सजिल्द होने पर भी केवल १।) सवा रुपया रक्खा गया है।

कविता-कुसुम-माला।

इस पुस्तक में विविध विषयों से सम्बन्ध रखने वाली भिन्न भिन्न कवियों की रची हुई अत्यन्त मनोहारिणी, रसवती और चमत्कारिणी ९१ कविताओं का संग्रह है। हिन्दी कविताओं का ऐसा उपादेय संग्रह आज तक कहीं नहीं छपा। मूल्य ॥=) दश आने।

भारतवर्ष में पश्चिमीय शिक्षा।

श्रीमान् पण्डित मनोहरलाल ज़ुतशी, एम० ए० के नाम को कौन नहीं जानता। आप उर्दू और अँगरेज़ी के प्रसिद्ध लेखक हैं। आपने "एज्युकेशन इन ब्रिटिश इंडिया" नामक एक पुस्तक अँगरेज़ी में लिखी है और उसे इंडियन प्रेस, प्रयाग ने छापकर प्रकाशित किया है। पुस्तक बड़ी खोज के साथ लिखी गई है। उक्त पुस्तक का सारांश हिन्दी और उर्दू में भी छप गया है। आशा है हिन्दी और उर्दू के पाठक इस उपयोगी पुस्तक को मँगाकर अवश्य लाभ उठावेंगे। मूल्य इस प्रकार है:—

एज्युकेशन इन ब्रिटिश इंडिया (अँगरेज़ी में) २॥)
भारतवर्ष में पश्चिमीय शिक्षा (हिन्दी में) ।=)
हिन्द में मग़रबी तालीम (उर्दू में) ।=)

संक्षिप्त इतिहासमाला।

लीजिए, हिन्दी में जिस चीज़ की कमी थी उसकी पूर्ति का भी प्रबन्ध हो गया। हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित श्यामविहारी मिश्र, एम० ए० और पण्डित शुकदेवविहारी मिश्र, बी० ए० के सम्पादकत्व में पृथ्वी के सभी प्रसिद्ध प्रसिद्ध देशों के हिन्दी में संक्षिप्त इतिहास तैयार होने का प्रबन्ध किया गया है। यह समस्त इतिहासमाला कोई २०, २२ संख्याओं में पूर्ण होगी। इसकी क्रमशः एक एक पुस्तक इंडियन प्रेस, प्रयाग, से प्रकाशित होती रहेगी। अब तक ये ४ पुस्तकें छप चुकी हैं:—

१—जर्मनी का इतिहास ... ।=)
२—फ़्रांस का इतिहास ... ।≡)
३—रूस का इतिहास ... ।=)
४—इँगलेंड का इतिहास ... ॥=)

बालसखा-पुस्तकमाला।

इंडियन प्रेस, प्रयाग से "बालसखा-पुस्तकमाला" नामक सीरीज़ में जितनी किताबें आज तक निकली हैं वे सब हिन्दी-पाठकों के लिए, विशेष कर बालक-बालिकाओं और स्त्रियों के लिए, परमोपयोगी प्रमाणित हो चुकी हैं। इस 'माला' की सब किताबों की भाषा ऐसी सरल—सबके समझने योग्य—रक्खी है कि जिसे थोड़े पढ़े लिखे बालक भी बड़ी आसानी से पढ़ कर समझ लेते हैं। हिन्दी-समाचारपत्रों के सम्पादकों ने उक्त 'माला' के पुस्तकों की बड़ी प्रशंसा-पूर्ण आलोचना की है। यही नहीं बल्कि इस 'माला' की कई किताबें सरकारी स्कूलों में भी जारी हो गई हैं। इस 'माला' में अब तक जितनी पुस्तकें निकल चुकी हैं उनका संक्षिप्त विवरण यहाँ दिया जाता है:—

FOR SALE.

INTERESTING, INSTRUCTIVE AND PROFUSELY ILLUSTRATED BOOKS.

	Rs. a. p.
1. **Allahabad in Pictures,** containing an account of the Past History, the antiquities and principal sights of Allahabad with information about Allahabad as it is and the U. P. Exhibition, by Satya Chandra Mukerji, M.A., B.L. Price	2 8 0
2. **Agra in Pictures,** containing an account of the Past History of Agra and an exhaustive description of the principal sights and buildings of Agra and its neighbourhood. By Satya Chandra Mukerji, M.A., B.L. A splendid Drawing Room Book. An excellent guide to Agra. Price	5 0 0
3. **Kashi,** the City illustrious, or **Benares** illustrated. By Rev. Edwin Greaves. Fully treats of matters—Ethnographical, Architectural, Historical, Educational and what not, about the world-famous City of Benares, from a very sympathetic and scholarly point of view. Best Guide Book to pilgrims. Price	2 8 0

4. **Life of Ravi Varma,** the greatest Indian Artist, with illustrations from his paintings with explanatory notes of each of them. The following paintings have been included in the book—those marked with an asterik are not available elsewhere :—

* RAVI VARMA.
SHAKUNTALA.
* RAJ VARMA.
TADGATACHITTA (on tiptoe of expectation).
SITA AND THE GOLDEN DEER.
* SITA AT THE ASHOKA BAN.
* PUKMANGAD AND MOHINI.
* RADHA AND KRISHNA.
* SITA DISAPPEARING IN THE GROUND.
* DRAUPADI AND KICHAK (at the State Chamber of KING BIRAT).
* DRAUPADI AND SINHIKA.
RADHA.
VANITY.
BASHFULNESS.
MALATI.
ARJUN AND SUBHADRA.
AHALYA.
DESCENT OF GANGA.
A MALABAR LADY.
JOGI GOPICHAND.
MOHINI.
DAMAYANTI.

Printed on highly-finished Art paper and bound in gilt cover. Postage extra. Price 3 0 0

	Rs. a. p.
Lawyer's Vade Mecum for Civil and Criminal Courts.	
For the whole series (payable by instalments of Rs. 4 per month on the publication of of each Vol.)	28 0 0
For the whole series 5 Civil Law Vols. to be realised by instalments of Rs. 4-8 on the publication of each Vol.	22 8 0
For each of the 5 Vols. separately ...	6 0 0
For the 2 Criminal Law Vols. to be realised by instalments of Rs. 5 each	10 0 0
For each of the 2 Vols. separately ...	6 0 0

PRICE LIST FREE ON APPLICATION.

For copies of these fine books and for other interesting and instructive books in English, Hindi, Urdu and Bengali,

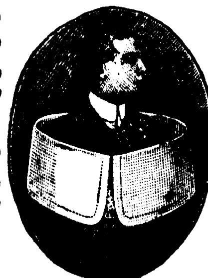
Apply to—**THE MANAGER, INDIAN PRESS,**
3, Pioneer Road, ALLAHABAD.

SOMETHING NEW IN COLLARS

For Ladies—Gentlemen—Boys.

LATEST INVENTION.

The Everclean "LINON" Collar



Is the Ideal Collar—always smart, always white, cannot be distinguished from linen. Others limp and fray, others need to be washed. Everclean 'Linon,' when soiled, can be wiped white as new with a damp cloth. No Rubber. Cannot be distinguished from ordinary Linen Collars. Others wear out, but four Everclean Collars will last a year.

Great Saving in Laundry Bills. Great Comfort in Wear.

SPECIAL TRIAL OFFER—

2 Sample Everclean "Linon" Collars ...	Sh. 3
6 Everclean "Linon" Collars	„ 7
Sample Set of Collar, Front, & Pair of Cuffs with Gold Cased Links	„ 6/6

ORDER AT ONCE.

All shapes and sizes can be had,

The Bell Patent Supply, Co., Limited.
147, HOLBORN BARS, LONDON, E. C.

हिन्दी-मेघदूत

कविकुल-कुमुद-कलाधर कालिदास कृत मेघदूत का समवृत्त और समश्लोकी हिन्दी-अनुवाद मूल श्लोक सहित—मूल्य नाम मात्र के लिए ।=)

हिन्दी-साहित्य में यह ग्रन्थ अपने ढंग का अकेला है। कविता-प्रेमियों—विशेष करके खड़ी बोली की हिन्दी-कविता के रसिकों—को यह हिन्दी-मेघदूत अवश्य देखना चाहिए। बड़ी मनोहारिणी कविता है। पुस्तक के आरम्भ में अनुवादक पण्डित लक्ष्मीधर वाजपेयी का हाफ़टोन चित्र दिया गया है। इसके अतिरिक्त विरही यक्ष और विरहिणी यक्षपत्नी के दो सुन्दर रंगीन चित्र भी यथास्थान दिये गये हैं। पुस्तक की शोभा देखते ही बनती है। "अवसि देखिए देखन योगू"

प्रकृति

यह पुस्तक पण्डित रामेन्द्रसुन्दर त्रिवेदी, एम० ए० की बँगला 'प्रकृति' का हिन्दी-अनुवाद है। बँगला में इस पुस्तक की बहुत प्रतिष्ठा है। विषय वैज्ञानिक है। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढंग की एकही है। इस पुस्तक को पढ़ कर हिन्दी जानने वालों को अनेक विज्ञान-सम्बन्धी बातों से परिचय हो जायगा। इसमें सौर जगत् की उत्पत्ति, आकाश-तरंग, पृथिवी की आयु, मृत्यु, आर्यजाति, परमाणु, प्रलय आदि १४ विषयों पर बड़ी उत्तमता से निबन्ध लिखे गये हैं। आशा है, हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को विशेष चाव के साथ मँगाकर पढ़ेंगे और अनेक लाभ उठावेंगे। मूल्य १)

पार्वती और यशोदा

इस उपन्यास में स्त्रियों के लिए अनेक शिक्षायें दी गई हैं। इसमें दो प्रकार के स्त्री-स्वभावों का ऐसा अच्छा फ़ोटो खींचा गया है कि समझते ही बनता है। स्त्रियों के लिए ऐसे ऐसे उपन्यासों की अत्यन्त आवश्यकता है। 'सरस्वती' के प्रसिद्ध कवि पण्डित कामताप्रसाद गुरु ने ऐसा शिक्षादायक उपन्यास लिखकर हिन्दी पढ़ी लिखी स्त्रियों का बहुत उपकार किया है। हर एक स्त्री को यह उपन्यास अवश्य पढ़ना चाहिए। मूल्य ।=)

बालनिबन्धमाला

यह 'बालसखा-पुस्तकमाला' की अठारहवीं पुस्तक है। इसमें कोई ३५ शिक्षादायक विषयों पर, बड़ी सुन्दर भाषा में, निबन्ध लिखे गये हैं। बालकों के लिए तो यह पुस्तक उत्तम गुरु का काम देगी। ज़रूर मँगाइए। मूल्य ।=)

मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

बालविष्णुपुराण ।

१४—विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णु-पुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। मूल्य ।)

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

१५—यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रह कर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रति दिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य-मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

बालगीतावलि ।

१६—महाभारत में क्या नहीं है। उसमें सभी कुछ मौजूद है। महाभारत को रत्नों का सागर कहना चाहिए, शिक्षा का भण्डार कहना चाहिए। आप जानते हैं "बालगीतावलि" में क्या है? इसमें महाभारत में से ९ गीताओं का संग्रह किया गया है। इन गीताओं में ऐसी उत्तम उत्तम शिक्षायें हैं कि जिनके अनुसार बर्ताव करने से मनुष्य का परम कल्याण हो सकता है। हमें पूरी आशा है कि समस्त हिन्दी-प्रेमी इस पुस्तक को पढ़ कर उत्तम शिक्षा का लाभ करेंगे। मूल्य ॥) आठ आने।

सीतावनवास ।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी और सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके पवित्र चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्री-वाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने वंगभाषा में "सीतारवनवास" नामक पुस्तक में लिख कर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है उसी शिक्षा-प्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावनवास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीरामचन्द्रजी-कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणा-रस-भरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

हिन्दीभाषा की उत्पत्ति ।

यह पुस्तक हर एक हिन्दी जाननेवाले को पढ़ना चाहिए। इसके पढ़ने से मालूम होगा कि हिन्दी भाषा की उत्पत्ति कहाँ से है। पुस्तक बड़ी खोज के साथ लिखी गई है। हिन्दी में ऐसी पुस्तक, हमारी राय में, अभी तक कहीं नहीं छपी। एक हिन्दी ही नहीं इसमें और भी कितनी हीं हिन्दुस्तानी भाषाओं का विचार किया गया है। मूल्य ।)

❋ ❋ ❋ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ❋ ❋ ❋

** * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * ***

बालभारत—पहला भाग।

१—इसमें महाभारत की संक्षेप से कुल कथा ऐसी सरल हिन्दी भाषा में लिखी गई है कि बालक और स्त्रियाँ तक पढ़कर समझ सकती हैं। यह पाण्डवों का चरित बालकों को अवश्य पढ़ाना चाहिए। मूल्य ॥) मूल्य आठ आने।

बालभारत—दूसरा भाग।

२—इसमें महाभारत से छाँट कर बीसियों ऐसी कथायें लिखी गई हैं कि जिनको पढ़कर बालक अच्छी शिक्षा ग्रहण कर सकते हैं। हर कथा के अन्त में कथानुरूप शिक्षा भी दी गई है। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य वही ॥)

बालरामायण—सातों काण्ड।

३—इसमें रामायण की कुल कथा बड़ी सीधी भाषा में लिखी गई है। इसकी भाषा की सरलता में इससे अधिक और क्या प्रमाण दें कि गवर्नमेंट ने इस पुस्तक को सिविलियन लोगों के पढ़ने के लिए नियत कर दिया है। भारतवासियों को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य ॥)

बालमनुस्मृति।

४—आज कल आर्य-सन्तान अपनी प्राचीन धार्मिक, सामाजिक और राजनैतिक रीति-रस्मों को न जान कर कैसे घोर अन्धकार में धँसती चली जा रही है सो किसी भी विचारशील से छिपा नहीं है। इसी दोष के दूर करने के लिए 'मनुस्मृति' में से उत्तम उत्तम श्लोकों को छाँट छाँट कर उनका सरल हिन्दी में अनुवाद लिखा गया है। आशा है, आर्य्य-सन्तान इसे पढ़ कर धार्मिक और दृढ़ आस्तिक बनेगी। मूल्य ।)

बालनीतिमाला।

५—नीतिविद्या बड़े काम की विद्या है। हमारे यहाँ चार नीतिज्ञ बड़े प्रसिद्ध हो गये हैं। शुक्र, विदुर, चाणक्य और कणिक। इन्हीं के नाम से चार पुस्तकें विख्यात हैं। शुक्रनीति, विदुरनीति, चाणक्यनीति और कणिकनीति। ये सब पुस्तक संस्कृत में हैं। हिन्दी जाननेवालों के उपकार के लिए हमने इन चारों पुस्तकों का संक्षिप्त हिन्दी-अनुवाद छापा है। इसकी भाषा बालकों और स्त्रियों तक के समझने लायक़ है। यह पुस्तक हर एक हिन्दी-भाषी को ज़रूर लेनी चाहिए। मूल्य ॥)

बालभागवत—पहला भाग।

६—लीजिए, 'श्रीमद्भागवत' की कथा भी अब सरल हिन्दी-भाषा में बन गई। जो लोग संस्कृत नहीं जानते, केवल हिन्दी-भाषा ही जानते हैं, वे भी अब श्रीमद्भागवत की भक्ति-रस-भरी कथाओं का स्वाद चख सकते हैं। इस 'बालभागवत' में 'श्रीमद्भागवत' की कथाओं का सार लिखा गया है। इसकी कथायें बड़ी रोचक, बड़ी शिक्षादायक और भक्ति रस से भरी हुई हैं। हर एक हिन्दी-प्रेमी हिन्दू को इस पुस्तक की एक एक कापी ज़रूर ख़रीदनी चाहिए। मूल्य ॥) आने

बालभागवत—दूसरा भाग।

अर्थात्

श्रीकृष्णलीला।

७—श्रीकृष्ण के प्रेमियों को यह बालभागवत का दूसरा भाग ज़रूर पढ़ना चाहिए। इसमें, श्रीमद्भागवत में वर्णित श्रीकृष्ण भगवान् की अनेक लीलाओं की कथायें लिखी गई हैं। मूल्य केवल ॥)

※ ※ ※ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ※ ※ ※

ऋद्धि ।

कोई मनुष्य ऐसा न मिलेगा जिसे ऋद्धि की चाह न हो। किन्तु इच्छा रखते हुए भी ऋद्धि-साधन का उपाय न जानने के कारण कितने ही लोग सफलमनोरथ न होकर भाग्य को दोष देते हैं और श्रीवृद्धि के प्रयत्न से विमुख होकर कष्ट पाते हैं। जो लोग भाग्य के भरोसे रह कर दरिद्रता का दुःख झेलते हुए भी ऋद्धि-प्राप्ति के लिए कुछ उद्योग नहीं करते उनके लिए यह पुस्तक बड़े काम की है। इस पुस्तक में उदाहरण के लिए उन अनेक उद्योगशील, निष्ठावान् कर्मवीरों की संक्षिप्त जीवनी दी गई है जो लोग स्वावलम्बन-पूर्वक व्यवसाय करके अपनी दरिद्रता दूर कर करोड़पति हो गये हैं। इतनी बढ़िया पुस्तक का मूल्य सजिल्द होने पर भी केवल १।) सवा रुपया रक्खा गया है।

कविता-कुसुम-माला ।

इस पुस्तक में विविध विषयों से सम्बन्ध रखने वाली भिन्न भिन्न कवियों की रची हुई अत्यन्त मनोहारिणी, रसवती और चमत्कारिणी ९१ कविताओं के संग्रह है। हिन्दी कविताओं का ऐसा उपादेय संग्रह आज तक कहीं नहीं छपा। मूल्य ॥=) दश आने।

भारतवर्ष में पश्चिमीय शिक्षा ।

श्रीमान् पण्डित मनोहरलाल ज़ुतशी, एम० ए० के नाम को कौन नहीं जानता। आप उर्दू और अँगरेज़ी के प्रसिद्ध लेखक हैं। आपने "एज्युकेशन इन ब्रिटिश इंडिया" नामक एक पुस्तक अँगरेज़ी में लिखी है और उसे इंडियन प्रेस, प्रयाग ने छापकर प्रकाशित किया है। पुस्तक बड़ी खोज के साथ लिखी गई है। उक्त पुस्तक का सारांश हिन्दी और उर्दू में भी छप गया है। आशा है हिन्दी और उर्दू के पाठक इस उपयोगी पुस्तक को मँगाकर अवश्य लाभ उठावेंगे। मूल्य इस प्रकार है :—

एज्युकेशन इन ब्रिटिश इंडिया (अँगरेज़ी में)	२॥)
भारतवर्ष में पश्चिमीय शिक्षा (हिन्दी में)	।=)
हिन्द में मग़रबी तालीम (उर्दू में)	।=)

संक्षिप्त इतिहासमाला ।

लीजिए, हिन्दी में जिस चीज़ की कमी थी उसकी पूर्ति का भी प्रबन्ध हो गया। हिन्दी के प्रसिद्ध लेखक पण्डित श्यामविहारी मिश्र, एम० ए० और पण्डित शुकदेवविहारी मिश्र, बी० ए० के सम्पादकत्व में पृथ्वी के सभी प्रसिद्ध प्रसिद्ध देशों के हिन्दी में संक्षिप्त इतिहास तैयार होने का प्रबन्ध किया गया है। यह समस्त इतिहासमाला कोई २०, २२ संख्याओं में पूर्ण होगी। इसकी क्रमशः एक एक पुस्तक इंडियन प्रेस, प्रयाग, से प्रकाशित होती रहेगी। अब तक ये ४ पुस्तकें छप चुकी हैं :—

१—जर्मनी का इतिहास	...	।=)
२—फ़्रांस का इतिहास	...	।≡)
३—रूस का इतिहास	...	।=)
४—इँगलेंड का इतिहास	...	॥=)

बालसखा-पुस्तकमाला ।

इंडियन प्रेस, प्रयाग से "बालसखा-पुस्तकमाला" नामक सीरीज़ में जितनी किताबें आज तक निकली हैं वे सब हिन्दी-पाठकों के लिए, विशेष कर बालक-बालिकाओं और स्त्रियों के लिए, परमोपयोगी प्रमाणित हो चुकी हैं। इस 'माला' की सब किताबों की भाषा ऐसी सरल—सबके समझने योग्य—रक्खी है कि जिसे थोड़े पढ़े लिखे बालक भी बड़ी आसानी से पढ़ कर समझ लेते हैं। हिन्दी-समाचारपत्रों के सम्पादकों ने उक्त 'माला' के पुस्तकों की बड़ी प्रशंसा-पूर्ण आलोचना की है। यही नहीं बल्कि इस 'माला' की कई किताबें सरकारी स्कूलों में भी जारी हो गई हैं। इस 'माला' में अब तक जितनी पुस्तकें निकल चुकी हैं उनका संक्षिप्त विवरण यहाँ दिया जाता है :—

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

हिंदीकोविदरत्नमाला।

(बाबू श्यामसुन्दरदास बी० ए० द्वारा सम्पादित)

इस पुस्तक में भारतेन्दु बाबू हरिश्चन्द्र और महर्षि दयानन्द सरस्वती से लेकर वर्तमान काल तक के हिन्दी के नामी नामी चालीस लेखकों और सहायकों के सचित्र संक्षिप्त जीवन-चरित दिये गये हैं। हिन्दी में यह पुस्तक अपने ढँग की अकेली ही है। स्कूलों में ऊँची कक्षाओं में पढ़नेवाले छात्रों को यह पुस्तक पारितोषिक में देने योग्य है। प्रत्येक हिन्दी-भाषा-भाषी को यह 'रत्नमाला' मँगा कर अपना कण्ठ अवश्य सुभूषित करना चाहिए। मूल्य ४० हाफ़टोन चित्रोंवाले पुस्तक का १॥) डेढ़ रुपया।

स्त्रीशिक्षा का एक सचित्र, नया और अनूठा ग्रन्थ

सीता-चरित।

अभी तक ऐसी पुस्तक की बड़ी आवश्यकता थी जिसमें आरम्भ से अन्त तक मुख्यतया सती सीताजी की अनुकरणीय जीवन-घटनाओं का विस्तारपूर्वक वर्णन हो, जिसमें सीताजी के जीवन की प्रत्येक घटना पर स्त्रियों के लिए लाभदायक उपदेश दिया गया हो। इसी अभाव को दूर करने के लिए हमने "सीताचरित" नामक पुस्तक प्रकाशित की है। इसमें सीताजी की जीवनी तो विस्तारपूर्वक लिखी ही गई है, किन्तु साथ ही उनकी जीवनघटनाओं का महत्त्व भी विस्तार के साथ दिखाया गया है। यह पुस्तक अपने ढंग की निराली है। भारतवर्ष की प्रत्येक नारी को यह पुस्तक अवश्य मँगा कर पढ़नी चाहिए। इस पुस्तक से स्त्रियाँ ही नहीं पुरुष भी अनेक शिक्षायें ग्रहण कर सकते हैं। क्योंकि इसमें कोरा सीताचरित ही नहीं है, पूरा रामचरित भी है। आशा है, स्त्रीशिक्षा के प्रेमी महाशय इस पुस्तक का प्रचार करके स्त्रियों को पातिव्रत धर्म की शिक्षा से अलङ्कृत करने में पूरा प्रयत्न करेंगे।

पृष्ठ २३५। कागज़ मोटा। सुनहली जिल्द। पर, तो भी सर्वसाधारण के सुभीते के लिए मूल्य बहुत ही कम। केवल १।) सवा रुपया।

चरित्रगठन।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें; और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही, किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है उसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेष रूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें। २३२ पृष्ठ की ऐसी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ॥।) बारह आना है।

जापान-दर्पण।

(ग्रन्थकर्त्ता के हाफ़टोन चित्र सहित)

जिस हिन्दुधर्मावलम्बी वीर जापान ने महाबली रूस को पछाड़ कर सारे संसार में आर्य्यजाति मात्र का मुख उज्ज्वल किया है, उसी वीरशिरोमणि जापान के भूगोल, आचरण, शिक्षा, उत्सव, धर्म, व्यापार, राजा, प्रजा, सेना और इतिहास आदि बातों का, इस पुस्तक में, पूरा पूरा वर्णन किया गया है। भारत की अधोगति पर आँसू बहानेवाले देश-भक्तों को तो इस पुस्तक से अवश्य कुछ शिक्षा लेनी चाहिए। ३५० पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य १) से घटा कर ॥।) बारह आने कर दिया।

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

* * * इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें * * *

[कविरत्न श्रीअखिलानन्द-प्रणीत]

दयानन्ददिग्विजय ।

महाकाव्य

हिन्दी-अनुवादसहित

जिसके देखने के लिए सहस्रों आर्य्य वर्षों से उत्कण्ठित हो रहे थे, जिसके रसास्वादन के लिए सैकड़ों संस्कृतज्ञ विद्वान् लालायित हो रहे थे, जिसकी सरल, मधुर और रसीली कविता के लिए सहस्रों आर्यों की वाणी चंचल हो रही थी वही महाकाव्य छप कर तैयार हो गया। यह ग्रन्थ आर्य-समाज के लिए बड़े गौरव की चीज़ है। इसे आर्यों का भूषण कहें तो अत्युक्ति न होगी। स्वामीजी कृत ग्रन्थों को छोड़ कर आज तक आर्य-समाज में जितने छोटे बड़े ग्रन्थ बने हैं उन सबमें इसका आसन ऊँचा है। प्रत्येक वैदिकधर्मानुरागी आर्य को यह ग्रन्थ लेकर अपने घर को अवश्य पवित्र करना चाहिए। यह महाकाव्य २१ सर्गों में सम्पूर्ण हुआ है। मूल ग्रन्थ के रायल आठ पेजी साँची के ६१५ पृष्ठ हैं। इसके अतिरिक्त ५७ पृष्ठों में भूमिका, ग्रन्थकार का परिचय, विषयानुक्रमणिका, आवश्यक विवरण, त्रुटिपूर्ति, यन्त्रालय-प्रशस्ति और सहायक-सूची आदि अनेक विषयों का समावेश किया गया है।

उत्तम सुनहरी जिल्द बँधी हुई इतनी भारी पोथी का मूल्य सर्वसाधारण के सुभीते के लिए केवल ४) चार रुपये ही रक्खा है। जल्द मँगाइए।

सम्पत्तिशास्त्र ।

आप जानते हैं जर्मन, अमरीका, इँगलैंड और जापान आदि देश दिन दिन क्यों समृद्धिशाली होते जाते हैं? क्या आपको मालूम है कि भारतवर्ष दिन पर दिन क्यों निर्धन होता जाता है? ऐसी कौनसी चीज़ है जिसके होने से दूसरे देश मालामाल होते चले आते हैं और जिसके अभाव से यह भारत गारत हो रहा है। ? लीजिए हम बताते हैं, उस चीज़ का नाम है "सम्पत्तिशास्त्र"। इसी के न जानने से आज यह भारत भूखों मर रहा है, दिन दिन निर्धन होता चला जा रहा है। आज तक हमारे देश में, हिन्दी भाषा में, ऐसा उत्तम शास्त्र कहीं नहीं छपा था। लीजिए, इसे पढ़ कर देश की दशा सुधारिए। मूल्य सुवर्णवर्णाङ्कित जिल्द का २॥) ढाई रुपये।

कविता-कलाप।

इस पुस्तक में सरस्वती से आरम्भ करके ४६ प्रकार की सचित्र कविताओं का संग्रह किया गया है। हिन्दी के प्रसिद्ध कवि राय देवीप्रसाद बी० ए० बी० एल०, पण्डित नाथूराम शङ्कर शर्मा, पण्डित कामताप्रसाद गुरु, बाबू मैथिलीशरण गुप्त, और पण्डित महावीरप्रसाद द्विवेदीजी की ओजस्विनी लेखनी से लिखी गई कविताओं का यह अपूर्व संग्रह प्रत्येक हिन्दीभाषाभाषी को मँगा कर पढ़ना चाहिए। इसमें कई चित्र रंगीन भी हैं। ऐसी उत्तम सचित्र पुस्तक का मूल्य केवल २॥) ढाई रुपये।

शिक्षा ।

बाल-बच्चोंदार मनुष्य को चाहिए कि स्पेन्सर की शिक्षासम्बन्धिनी मीमांसा को पढ़ें और अपनी सन्तति की शिक्षा का सुप्रबन्ध करके अपने पितृत्व-धर्म्म से उद्धार हों। जो इस समय विद्यार्थि-दशा में हैं वे भी एक दिन पिता के पद पर अवश्य आरूढ़ होंगे। इससे उन्हें भी इस पुस्तक से लाभ उठाने का यत्न करना चाहिए। पुस्तक की भाषा क्लिष्ट नहीं है। पृष्ठ-संख्या ४०० से ऊपर है। कागज़ चिकना और मोटा है। छपाई साफ़-सुथरी है। सुवर्णाक्षरों से अलङ्कृत मनोहर जिल्द बँधी हुई है। आरम्भ में एक विस्तृत भूमिका है; हर्बर्ट स्पेंसर का जीवन-चरित है। पुस्तक का संक्षिप्त सारांश भी है। ऐसी अनमोल पुस्तक का मूल्य सिर्फ़ २॥) ढाई रुपया रक्खा गया है।

पुस्तक मिलने का पता—मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।

✽ ✽ ✽ इंडियन प्रेस, प्रयाग की सर्वोत्तम पुस्तकें ✽ ✽ ✽

बालहिन्दीव्याकरण ।

यदि आप हिन्दी-व्याकरण के गूढ़ विषयों को सरल और सुगम रीति से जानना चाहते हैं, यदि आप हिन्दी का शुद्धरूप से लिखना और बोलना जानना चाहते हैं, तो "बालहिन्दीव्याकरण" पुस्तक मँगाकर पढ़िए और अपने बालबच्चों को पढ़ाइए। इस पुस्तक से बालक और स्त्रियाँ सब बड़ी आसानी से हिन्दीभाषा का शुद्धरूप से बोलना और लिखना सीख जायँगे। स्कूलों में लड़के लड़कियों के पढ़ाने के लिए यह पुस्तक बड़ी उपयोगी है। १३६ पृष्ठ की पुस्तक का मूल्य ।) चार आने ।

बालविष्णुपुराण ।

विष्णुपुराण में कितनी ही ऐसी विचित्र और शिक्षाप्रद कथायें हैं कि जिनके जानने की हिन्दी-वालों को बड़ी ज़रूरत है। इस पुराण में कलियुगी भविष्य राजाओं की वंशावली का बड़े विस्तार से वर्णन किया गया है। जो लोग संस्कृत-भाषा में विष्णुपुराण की कथाओं का आनन्द नहीं लूट सकते, उन्हें 'बालविष्णुपुराण' पढ़ना चाहिए। इस पुस्तक को विष्णुपुराण का सार समझिए। भाषा बड़ी सरल है। मूल्य भी चार ही आना है।)

सीतावनवास ।

जिन मर्यादा-पुरुषोत्तम श्रीरामचन्द्रजी और सती सीताजी का नाम भारतवासी हिन्दू ही नहीं विदेशी विद्वान् भी आदर के साथ लेते हैं; जिनके अनुपम, पवित्र और अनुकरणीय चरित को वर्णन करके संस्कृत के आदिकवि श्रीवाल्मीकि, हिन्दी के प्रसिद्ध कवि श्रीतुलसीदास आदि ने अपनी वाणी को पवित्र और सफल किया है; और जिस पावन-चरित और अपूर्व त्याग की कारुणिक कथा सुप्रसिद्ध पण्डित ईश्वरचन्द्र विद्यासागर ने बंगभाषा में "सीतारवनवास" नामक पुस्तक में लिखकर अपनी लेखनी को कृतार्थ किया है और जिस करुणारसभरी पुस्तक के बँगला में पचासों संस्करण छपे हैं और लाखों कापियाँ बिक चुकी हैं, उसी शिक्षाप्रद और मनोरञ्जक पुस्तक का यह हिन्दी-अनुवाद "सीतावनवास" छप कर तैयार है। इस पुस्तक में श्रीरामचन्द्रजी कृत गर्भवती सीताजी के परित्याग की विस्तारपूर्वक कथा बड़ी ही रोचक और करुणारसभरी भाषा में लिखी गई है। इसे पढ़ सुन कर आँखों से आँसुओं की धारा बहने लगती है और पाषाण-हृदय भी मोम की तरह द्रवीभूत हो जाता है। मूल्य ॥)

कर्मयोग ।

स्वामी विवेकानन्दजी के नाम से सभी शिक्षित मनुष्य परिचित होंगे। जिन्होंने उनके साथ वार्तालाप किया है, उनके व्याख्यान सुने हैं या उनके ग्रन्थों को पढ़ा सुना है वे अच्छी तरह जानते होंगे कि स्वामी विवेकानन्दजी अध्यात्म-विद्या के कैसे उद्भट विद्वान् थे। जिनके कर्मयोग-सम्बन्धी व्याख्यानों को सुनकर अमरीका आदि देशनिवासी पाश्चात्य विद्वान् भी वेदान्त की ओर झुक कर आध्यात्मिक ज्ञान के सम्पादन करने में दत्तचित्त हो रहे हैं उनके उन्हीं व्याख्यानों का हिन्दी-अनुवाद करा कर यह "कर्मयोग" नामक पुस्तक छापी है। इसमें सात अध्याय हैं। उनमें क्रमशः—१—कर्म का मनुष्य चरित्र पर प्रभाव, २—निष्काम कर्म का महत्त्व, ३—धर्म क्या है ?, ४—परमार्थ में स्वार्थ ५—बेलाग रहना ही सच्चा त्याग है, ६—मुक्ति और ७—कर्मयोग का आदर्श—इन विषयों का वर्णन बहुत ही ओजस्विनी भाषा में किया गया है। अध्यात्मविद्या या कर्मयोग के जिज्ञासुओं को यह पुस्तक अवश्य पढ़नी चाहिए। मूल्य केवल ।=)

हिंदी में दो नई उपयोगी पुस्तकें

चरित्रगठन ।

यह उपन्यास नहीं, न क़िस्से कहानी की किताब है। यह श्री बाबू ज्ञानेन्द्रमोहनदास के बँगला "चरित्रगठन" का हिन्दी अनुवाद है। सभी सभ्य समाज के प्रधान विद्वान् समालोचक मुक्तकण्ठ से इसकी प्रशंसा कर चुके हैं।

ग्रन्थकर्ता ने इस पुस्तक में चरित्रसुधार की जितनी बातें लिखी हैं, सभी मन्त्र के बराबर हैं। पढ़ने के साथ चित्त पर असर कर जाती हैं। कैसा ही कोई दुश्चरित्र क्यों न हो, जो इसे एक बार पढ़ेगा वह उसी घड़ी से अपने चरित्र-सुधार पर तत्पर होगा। इतना ही नहीं, बल्कि उसे दुश्चरित्रता की बातों पर इतनी घृणा उत्पन्न होगी कि वह भूल कर भी कभी उनका नाम न लेगा।

कितने ही लोग अपने सन्तान को शिक्षित और सच्चरित्र बनाने के लिए हज़ारों रुपये ख़र्च कर डालते हैं, पर तो भी सफलमनोरथ नहीं होते। ऐसे लोग एक बार अपने सन्तान को यह पुस्तक पढ़ने को दें, तब देखें, उनका मनोरथ कितना शीघ्र सफल होता है। जिसके घर में कम से कम एक प्रति भी चरित्रगठन रहेगा, उसके सन्तानों को दुश्चरित्र होने का भय कदापि न रहेगा।

जो नवयुवक विद्यार्थी चरित्रगठन के अभिलाषी हैं वे तो इसे अवश्य ही पढ़ें; और विशेष कर उन्हीं के लिए यह पुस्तक बनाई गई है। वे इस पुस्तक को पढ़ कर आप तो लाभ उठावेंगे ही, किन्तु अपने भावी सन्तानों को भी विशेष लाभ पहुँचा सकेंगे। इस पुस्तक के सभी विषय सुपाठ्य हैं। जिस कर्तव्य से मनुष्य अपने समाज में आदर्श बन सकता है इसका उल्लेख इस पुस्तक में विशेषरूप से किया गया है। उन्नति, उदारता, सुशीलता, दया, क्षमा, प्रेम, प्रतियोगिता आदि अनेक विषयों का वर्णन उदाहरण के साथ किया गया है। अतएव क्या बालक, क्या वृद्ध, क्या युवा, क्या स्त्री सभी इस पुस्तक को एक बार अवश्य एकाग्र मन से पढ़ें और इससे पूर्ण लाभ उठावें।

२३२ पृष्ठ की ऐसी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए केवल ।॥) बारह आना है।

बाल-स्वास्थ्य-रक्षा ।

["बालसखा पुस्तकमाला" सीरीज़ की १५ वीं पुस्तक]

यदि मनुष्य के लिए सबसे बड़ी और सबसे पहले किसी बात की आवश्यकता है तो स्वास्थ्य-रक्षा की। यदि मनुष्य अपने कर्तव्य कर्म करना चाहता है तो उसे सबसे पहले स्वास्थ्य-सुधार का प्रयत्न करना चाहिए। जिनका स्वास्थ्य बिगड़ जाता है वे कुछ भी नहीं कर सकते। उनका जीवन भार-रूप हो जाता है। पर सरल हिन्दी में अभी तक कोई ऐसी पुस्तक नहीं थी कि जिससे लोग स्वास्थ्य-सुधार के उपाय समझ सकें। इसी अभाव के दूर करने के लिए हमने यह "बालस्वास्थ्यरक्षा" नामक पुस्तक छापकर तैयार की है। इसकी भाषा बड़ी सरल है। इसके पढ़ने से लोगों को मालूम हो जायगा कि स्वास्थ्य किस प्रकार सुधर सकता है।

यह पुस्तक प्रत्येक हिन्दी जाननेवाले को पढ़नी चाहिए। प्रत्येक गृहस्थ को इसकी एक कापी अपने घर में रखनी चाहिए। बालकों को तो आरम्भ से ही इस पुस्तक को पढ़कर स्वास्थ्य-सुधार के उपायों का ज्ञान प्राप्त कर लेना चाहिए। इसमें बतलाया गया है कि मनुष्य किस प्रकार रहकर, किस प्रकार का भोजन करके, नीरोग रह सकता है। इसमें प्रतिदिन के बर्ताव में आनेवाली खाने की चीज़ों के गुण-दोष भी अच्छी तरह बताये गये हैं। कहाँ तक कहें, पुस्तक मनुष्य मात्र के काम की है। इतनी उपयोगी पुस्तक का मूल्य नाममात्र के लिए ॥) आठ आना रक्खा है।

मिलने का पता—**मैनेजर, इंडियन प्रेस, प्रयाग।**

قومی ترقی ننھی مخلوق پر منحصر ہے

یہ بات مانی ہوئی ہے کہ قومی ترقی زیادہ تر اسکے نئی پود کی عمدہ حالت پر مبنی ہوا کرتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام
مہذب ممالک و شایستہ اقوام مین سب سے زیادہ ضروری تعلیم و تربیت اولاد کا مسئلہ ہوا کرتا ہے۔ اور ہر مہذب
شخص اپنی اولاد کو اعلی تعلیم دلواتے ہین عمدہ اخلاق مذہبی خیالات قوم و ملک کی محبت۔ شاہ وقت کی الفت۔ قانون
مروجہ کی اطاعت غرض ایسی ہی سیکڑون نیک و عمدہ صفات پیدا کرنیکا آرزومند رہتا ہے۔ ان ہی اغراض کو مدنظر رکھکر
یورپ و امریکہ مین سیکڑون اخبار و رسالے بچّون کے پڑھنے کے قابل جاری کئے گئے جو پبلک کی قدردانی کیوجہ سے
اپنے مشن کو کامیابی سے انجام دے رہے ہین۔ لیکن افسوس کہ جہان ہندوستان مین سب قسم کی ابتریان ہین
وہان تعلیم و تربیت اولاد پر بھی توجہ نہین دیجاتی۔ اور ایسی قیمتی جواہر کی جو والدین کے لئے راحت قلبی اور ملک و قوم کیلئے
باعث فخر و ناز ہوسکتے ہین کچھ پرداخت نہین کی جاتی۔ گو آجکل ہر طبقہ قریباً بیدار ہوچکا ہے تاہم ہمین ابھی بہت کچھ
کرنا ہے۔ ہمین سب سے پہلے تعلیم و تربیت اولاد پر متوجہ ہونا چاہئے۔ جسپر بہت کچھ آیندہ ترقیان منحصر ہین مذکورہ امور کو
مدنظر رکھکر ہمنے ارادہ کیا ہے کہ ایک ماہوار رسالہ ننھی مخلوق (بچون) کے لئے جاری کرین۔ گو ہمسے پیشتر "بچون کا اخبار"
و "پھول" اسی میدان مین کام کر رہے ہین لیکن ابھی ایسے بیسیون "پھول" و "بچون کے اخبار" کی ضرورت ہے۔ بچّون مین
ملکی و قومی درد پیدا کرنا۔ علم کا شوق مطالعے و مضمون نگاری کا ذوق دلانا۔ مذہبی خیالات کا پختہ کرنا اطاعت
قانون مروجہ کی ترغیب الفت شاہ وقت کی رغبت دلانا ہمارے خاص فرائض ہونگے۔ اگر برادران اسلام و ہنود چاہتے ہین کہ
انکی اولاد مین نامعلوم طور پر علم کا شوق ہو اور مزید تادیب کی حاجت نرہے تو انکا خیال صرف بچون کو مطالعہ رسائل کا شوق
دلانے سے پورا ہوسکتا ہے۔ ہمارا رسالہ انشا اللہ برادران اسلام و ہنود دونون کے لئے یکسان مفید ثابت ہوگا۔ فی الحال
مالی حالت پر نظر کرتے اسکا حجم ایک جز ہوگا لیکن لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہوگا۔ مضامین کافی اور مفید۔ اسکی قیمت بھی
کوئی ایسی گران نہین رکھی گئی صرف ایک روپیہ چودہ آنے ہوگی۔ اگر ۲۵ اپریل ۱۹۱۱ء تک چار سو درخواستین وصول ہوئین تو ہم
اس نیک مگر مشکل کام پر کمربستہ ہونگے۔ درخواستون کا پتہ۔

عقب آ ع ہ اسکول دارالشفا حیدرآباد دکن مرزا احمد اللہ بیگ مشتہر ادیب الاطفال

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حُبّ وطن کا ایک دلچسپ قصّہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک اور بےمثل اور اچھوتا ناول ہے۔ آپ کی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوز وطن، کشنا، وغیرہ اس سے پیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں لہذا ضرورت نہیں کہ آپکی نسبت کچھ اور لکھا جائے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اسکا طرز بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے۔ خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے، اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنّف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی۔ ضرور منگائیے۔ حجم قریباً ۲۰۰ صفحات قیمت عہ

حسن تخیل

منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حسن تخیل آپکی اُن تمام مقبول عام نظموں کا مجموعہ ہے، جو ادب اُردو کے بہترین رسائل میں شایع ہو کر قبولیت عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے دیباچہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنّف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد خانصاحب کی تصویر بھی شروع کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نام نامی پر اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸؍)

سنہری کمخواب

ایک نادر اور پرنصیحت مشرقی قصّہ جسکا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے اور جسکو زبان انگریزی سے مس لولو رقیہ بیگم بلگرامی (بنت شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) نے اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس قصہ میں پیشہ کی خوبی و عظمت دکھائی گئی ہے۔ جابجا تصویریں بھی لگائی گئی ہیں۔ قیمت ۶؍

ہند میں مغربی تعلیم

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم اے نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بنام "ایجوکیشن ان برٹس انڈیا" نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اسکے مطالب سے اُردو خوان حضرات بھی مستفید ہو سکیں آپنے اُسکا خلاصہ اُردو میں بھی کر دیا ہے جو "ہند میں مغربی تعلیم" کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۶؍ (یہی کتاب ہندی زبان میں بھی شایع ہوئی ہے اور اسکی قیمت بھی ۶؍ ہے۔ انگریزی ایڈیشن کی قیمت عہ)

جام سرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سرور کی شاعری محتاج تعریف نہیں جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مادر گیتی روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر اب تک آپنے "جام سرور" کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سرور مرحوم کی وہ تمام مقبول عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شایع ہوتی رہیں اور جنکو خود مصنّف نے نظر ثانی فرما کر انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمایئے ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت غیر مجلد عاؔ مجلد عہ۔

اقوال بدھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں ابتداءً یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اب تک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں مہاتما بدھ کے نصائح، بودھ مذہب کے اُصول اور وہ تمام باتیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کو تعلیم کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت سماتک رام وشنو پرا صاحب نے اس کتاب کو زبان اُردو میں ترجمہ کر کے شایع کیا ہے۔ اس اُردو ترجمہ کا نام "اقوال بدھ" ہے۔ شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز قیمت ۱۲؍

المشتہر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو ان کی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی۔ شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۰۰ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۴۲ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اردو کا نیا قاعدہ - - - - - - ۹ پائی

۲۔ لوئر پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۶ آنہ

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ آنہ

۴۔ لوئر مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ آنہ

المشتہر۔ مینیجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ جو اردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شایع ہوتا ہے ملک کے نامور انشا پرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے نمونہ مفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۶ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کرلیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو مینیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا ناتمام مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لئے اسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کیساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

الملتمس مینیجر ادیب


TRADE MARK

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سُنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو اُن کی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور اُنھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہم نے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرفِ کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

اِن ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظرِ ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ اُمورِ خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ اِن ریڈروں میں ۱۸ [illegible] تصاویر بھی ہیں جنہیں ۳۲ تصاویر پورے صفحوں پر علٰحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اُردو کا نیا قاعدہ - - - - - - - - ۹ پائی

۲۔ لوئر پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۲ آنہ

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۳ آنہ

۴۔ لوئر مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ آنہ

المشتہر۔ مینجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شایع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشاپرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۴۸ صفحات ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں اِن خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مِل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے نمونہ مُفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۶ر کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کر لیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو مینجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا تاہم مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لئے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کیساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

الملتمس مینجر ادیب

ضرورت ہے

دو تجربہ کار پروف ریڈروں کی جو اردو فارسی میں دستگاہ رکھتے ہوں اور ہر قسم کے خطوط روانی کے ساتھ بآسانی پڑھ لیتے ہوں تنخواہ حسب استعداد دیجائیگی۔ صرف ہندوستانی امیدواران بنام منیجر رسالہ ادیب جلد تر درخواست کریں۔

ضرورت ہے

ایک پختہ کار کاتب کی جو اعلیٰ درجہ کا خوشنویس ہو۔ ہر قسم کے نفیس خط نسخ کا ماہر ہو۔ درخواست کے ساتھ نمونہ خوشخطی علیحدہ کاغذ پر ہو۔ تنخواہ باعتبار کمال دیجائیگی۔ درخواستیں بنام منیجر رسالہ ادیب جلد تر آنی چاہئیں۔

ضرورت ہے

ایک کارداں کاتب کی جو ہر قسم کے نستعلیق و نسخ خطوط بہ نفاست اور تیز لکھتا ہو۔ کسی چھاپہ خانہ میں کام کرچکا ہو۔ درخواست کے ساتھ نستعلیق و نسخ خطوط کے نمونے الگ کاغذ پر ہوں۔ جیسی دانست ہوگی ویسی تنخواہ دیجائیگی۔ درخواستیں بنام منیجر رسالہ ادیب بہت جلد آئیں۔

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حُبِّ وطن کا ایک دلچسپ قصّہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک اور دلچسپ اور اچھوتا ناول ہے۔ آپ کی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوزِ وطن، کشنا، وغیرہ اس سے پیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں لہٰذا ضرورت نہیں کہ آپکی نسبت کچھ اور لکھا جائے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اسکا طرزِ بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے۔ خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے، اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی۔ ضرور منگائیے۔ حجم قریباً ۲۰۰ صفحات قیمت ۱۲ر

حُسنِ تخیل

منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حُسنِ تخیل آپکی اُن تمام مقبولِ عام نظموں کا مجموعہ ہے، جو ادبِ اُردو کے بہترین رسائل میں شایع ہو کر قبولیتِ عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) نے دیباچہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد خانصاحب کی تصویر بھی شروعِ کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نامِ نامی پر اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸ر)

سنہری کمخواب

ایک نادر اور پرنصیحت مغربی قصّہ جسکا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور جسکو زبان انگریزی سے مس لولو رقیہ بیگم بلگرامی (بنت شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) نے اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس قصّہ میں پیشہ کی خوبی و عظمت دکھائی گئی ہے۔ جا بجا تصویریں بھی لگائی گئی ہیں۔ قیمت ٦ر

ہند میں مغربی تعلیم

پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم اے نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بنام "ایجوکیشن ان برٹش انڈیا" نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اسکے مطالب سے اُردو خوان حضرات بھی مستفید ہو سکیں آپنے اُسکا خلاصہ اُردو میں بھی کر دیا ہے جو "ہند میں مغربی تعلیم" کے نام سے شایع ہوا ہے قیمت ۶ر (یہی کتاب ہندی زبان میں بھی شایع ہوئی ہے اور اسکی قیمت بھی ۶ر ہے۔ انگریزی ایڈیشن کی قیمت عہ؍)

جامِ سُرور

یہ منشی درگا سہائے صاحب سُرور جہان آبادی مرحوم کا کلیات ہے۔ سُرور کی شاعری محتاجِ تعریف نہیں۔ جن لوگوں نے انکا کلام دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مادرِ گیتی روز روز ایسے شاعر پیدا نہیں کرتی۔ اگر ابتک آپنے "جامِ سرور" کو نہیں دیکھا تو کچھ نہیں دیکھا۔ سرور کے کلام کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سُرور مرحوم کی وہ تمام مقبولِ عام نظمیں درج ہیں جو ہندوستان کے مختلف پرچوں میں شایع ہوتی رہیں اور جنکو خود مصنف نے نظرِ ثانی فرما کر انڈین پریس الہ آباد کو اشاعت کی غرض سے دیا تھا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمایئے ورنہ طبعِ ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت غیر مجلد عہ؍ مجلد عہ؍

اقوالِ بدھ

بودھ مذہب کی کتابوں میں جو درجہ "دھم پد" کا ہے وہ کسی اور کتاب کا نہیں ابتدا یہ کتاب پالی زبان میں لکھی گئی تھی۔ ابتک بہت سی مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس نادر کتاب میں مہاتما بدھ کے نصائح، بودھ مذہب کے اصول اور وہ تمام باتیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کو تلقین کی تھیں درج ہیں جنکے مطالعہ سے دل پر بہت عمدہ اثر ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ پنڈت مانک راؤ دیمل راؤ صاحب نے اس کتاب کو زبان اُردو میں ترجمہ کرکے شایع کیا ہے اس اُردو ترجمہ کا نام "اقوالِ بدھ" ہے۔ شروع کتاب میں مہاتما بدھ کی تصویر بھی لگائی گئی ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ دبیز قیمت ۱۲ر

المشتہر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو ان کی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھیں خاطر خواہ فائدہ پہنچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔

ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ ان میں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تمیز داری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمار داری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں سیتاجی۔ دمینتی شکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۰۸ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۳۲ تصاویر پورے صفحوں پر علحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱- اردو کا نیا قاعدہ - - - - - - - - ۹ پائی

۲- لوئر پرائمری ریڈر (پہلی و دوسری جماعت کا نصاب) ۶ آنہ

۳- اپر پرائمری ریڈر (تیسری و چوتھی جماعت کا نصاب) ۸ آنہ

۴- لوئر مڈل ریڈر (پانچویں و چھٹی جماعت کا نصاب) ۱۰ آنہ

المشتہر۔ مینیجر انڈین پریس الہ آباد

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ جو اردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشا پردازاسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۸۴ صفحات ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے۔ نمونہ مفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۶ ر کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاک خانہ سے بندوبست کر لیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو مینیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا نا تمام مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لیئے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لیجائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کیساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

الملتمس مینیجر ادیب

دلچسپ کارآمد اور مفید کتابیں ارزاں قیمت پر

روح لیلیٰ :- مس میری کوریلی کے معرکہ آرا ناول "سول آف للتھ" کا اُردو ترجمہ - ایک شخص ایک مردہ لڑکی کی روح کو اسکی وفات کے وقت ایسا محبوس کرتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت سے کام نکالتا ہے قیمت رعایتی عہ/ -

انتقام :- اسی مصنفہ کے ناول "وندیٹہ" کا اُردو ترجمہ دو حصوں میں - ایک مردہ شخص قبر سے نکلکر اپنی بیوفا بیوی سے ایک عجیب طریقہ پر انتقام لیتا ہے - عبرتناک قصہ ہے قیمت رعایتی ۱۲/ -

دو جہان کی سیر :- اس ناولسٹ کے ناول "رومنس آف ٹو ورلڈس" کا اُردو ترجمہ جس میں دنیا - مذہب اور فلسفہ کی حقیقت کو ایک نئے اصول پر کھولنے کی کوشش کی گئی ہے قیمت ۸/ -

تھلما :- میری کوریلی کے اس نام کے ناول کا ترجمہ جس میں پاک محبت کا نقشہ نہایت پرلطف پیرایہ میں دکھلایا گیا ہے قیمت عہ/ -

نالۂ شبگیر :- میری کوریلی کے سب سے اعلیٰ ناول "ساروز آف سیٹن" کا خلاصہ ہندوستانی قالب میں قیمت ۱۲/ -

نیرنگ زمانہ :- آمور گولڈاسمتھ کے مشہور و معروف فسانہ "وکر آف ویکفیلڈ" کا مستند اُردو ترجمہ جس پر مترجم کو سرکار کی طرف سے سند خوشنودی حاصل ہوئی قیمت ۱/ -

تحریک :- سیموئل اسمائلز کی مشہور کتاب "سلف ہلپ" کا اُردو ترجمہ جس کا ایک حصہ پنجاب کے تعلیمی کورس میں داخل ہے قیمت ۱۰/

کفایت شعاری :- اسی مصنف کی دوسری کتاب "تھرفٹ" کا مکمل اُردو ترجمہ جس میں کفایت شعاری کے فضائل پر بحث کی گئی ہے قیمت عہ/ -

ثمرۂ عصمت :- دیوان بشن داس صاحب نے ایک انگریزی ناول کو نہایت دلچسپ اُردو کی صورت میں لکھا ہے قیمت ۶/

مشرق اور مغرب کی بارہ زبانیں :- جس میں ترکی - عربی - فارسی - اُردو - ارمنی - یونانی - عبرانی - روسی - فرانسیسی - اطالی - جرمنی اور انگریزی زبانوں کے صدہا الفاظ اور فقرات بالمقابل درج ہیں جس سے ان زبانوں کے سیکھنے میں بہت مدد ملتی ہے قیمت ۶/

زینوبی :- بلورلٹن کے ایک مشہور قصہ کا اُردو ترجمہ قابل دید قیمت عہ/ -

ترجمۃ القرآن :- قرآن شریف کا نہایت عمدہ بامحاورہ ترجمہ بغیر متن - حاشیہ پر نمبر آیات وغیرہ چکنا کاغذ - صاف اور خوشخط - مجلد قیمت رعایتی عہ/ -

پیغمبر عالم :- جس میں حضرت رسول اکرم کی حیات مقدسہ کے حالات بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد تلاش کر کے شائع کئے گئے ہیں قیمت ۱۲/ -

عروج روحانی :- سوامی رام تیرتھ - ویدانت کے رام بادشاہ کے سات لکچروں کا ترجمہ جو انہوں نے جاپان اور امریکہ میں دیئے تھے قابل دید قیمت ۸/

ادیب کے قواعد

یہ ماہوار رسالہ جو اردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے، ہر انگریزی مہینے کے آخر میں شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشا پرداز اسے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اس کے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کے لئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں۔ ضخامت ۸۰ صفحات ہے، اور ہر صفحے میں دو کالم ہونے کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیجاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جن میں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے نمونہ مفت نہیں دیا جائے گا بلکہ ۲ر کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہنچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے بندوبست کر لیا جائے اور اگر ہمیشہ یا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائے گا۔ ناتمام مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُس کا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں۔

اطلاع

اکثر حضرات کئی کئی ماہ بعد پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے پرچے کے لئے اُسی ماہ کی آخری تاریخ تک اطلاع دیجائے ورنہ بعد کو قیمت لی جائے گی۔ اس اطلاع پر خصوصیت کے ساتھ عمل کرنا چاہئے۔

المشتہر

منیجر ادیب

اردو ترجمہ

قرآن مجید

(بغیر متن)

چھپ کر تیار ہے۔

مزید احتیاط کے لئے یہ کتاب وی پی سے نہیں بھیجی جا سکتی مگر چار روپے آٹھ آنے بذریعہ منی آرڈر آنے پر رجسٹری کر کے بھیجی جائے گی۔

مہتمم صیغہ اشاعت القرآن انڈین پریس الہ آباد

توسیع اشاعت

ذیل کے علم دوست اصحاب کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے گزشتہ دو ماہ میں ادیب کی توسیع اشاعت میں دلچسپی لی اور اپنے احباب کو اسکی خریداری پر مائل کیا :-

(۱) مولانا احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی (۲) صاحب مہتمم نظام کلب (۳) بابو کاکا سنگھ صاحب (۴) مولوی سید حبیب الحسن صاحب وکیل (۵) بابو نانہو لال صاحب شرما (۶) مولوی شیخ رکن الدین صاحب (۷) مولانا سید حسن مرتضیٰ صاحب شفق عماد پوری (۸) رائے بالاجی سہائے صاحب انسپکٹر پولیس (۹) مولانا احمد علی صاحب شوق لکھنوی (۱۰) بابو رام سرن صاحب جیلر (۱۱) رائے چمن لال صاحب رئیس اٹاوہ (۱۲) مولوی باسط علی صاحب باسط (۱۳) مولوی محمد شبیر صاحب (۱۴) رائے گڑ راؤ صاحب وکیل (۱۵) منشی برکت علی صاحب شروانی (۱۶) رائے زادہ بابو بے نرائن صاحب (۱۷) مولوی احمد علی محمد علی صاحب (۱۸) مولانا مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی (۱۹) مولوی علی محمد صاحب (۲۰) مولوی سید عالم صاحب (۲۱) مولوی عزیز الدین صاحب ای - اے - سی (۲۲) منشی عبد الخالق صاحب خلیق دہلوی (۲۳) منشی جگل کشور صاحب ضبط (۲۴) جناب صفدر صاحب مرزا پوری (۲۵) مولوی فخر الدین صاحب (۲۶) منشی تلوک چند محروم

انڈین پریس الہ آباد کے جدید مطبوعات

جلوۂ ایثار

(حب وطن کا ایک عجیب قصہ)

یہ منشی نواب رائے صاحب کا ایک دلچسپ اور اچھوتا ناول ہے۔ آپکی تصنیفات ہم خرما و ہم ثواب، سوز وطن، کشنا، وغیرہ اس سے بیشتر ملک میں شہرت حاصل کر چکی ہیں، لہذا ضرورت نہیں کہ آپ کی نسبت کچھ اور لکھا جاے۔ جلوۂ ایثار کی بابت ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اس کا طرز بیان نہایت لطیف اور دلکش ہے۔ خود منشی صاحب کو بھی اپنی اس کتاب پر ناز ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ جس کتاب پر خود مصنف کو ناز ہو وہ کس درجہ کی ہوگی ضرور منگائیے۔ حجم قریباً ۱۰۰ صفحے قیمت عہ

المشتہر

حسن تخیل

منشی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی کا نام لٹریری دنیا میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ حسن تخیل آپکی اُن تمام مقبول عام نظموں کا مجموعہ ہے، جو ادب اردو کے بہترین رسائل میں شائع ہو کر قبولیت عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے دیباچہ لکھا ہے جو بجائے خود دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف کی تصویر کے علاوہ خان بہادر مرزا سلطان احمد خانصاحب کی تصویر بھی شروع کتاب میں لگائی گئی ہے جنکے نام نامی پر اسکو معنون کیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی قابل تعریف قیمت فی جلد آٹھ آنہ (۸ر)

مینجر انڈین پریس الہ آباد

غالب میموریل فنڈ کے سلسلہ میں جو اور رقم اب تک وصول ہوئی ہے اسکی رسید آئندہ پرچہ میں دی جائے گی۔